اسماء النبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارمغانِ تہنیتِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ ۱۴۳۰ ھجری

....

عبید المصطفیٰ ....

ہدیہ

از

محترم حاجی پیر صاحب مدظلہ العالی

آستانہ عالیہ سلطانیہ

کالادیو جہلم

۱۳-۵-۱۴۳۰ھ - ۹-۵-۲۰۰۹م

منزل مظہر علم شاہدرہ لاہور

سبل الهدیٰ والرشاد
فی سیرۃ خیر العباد

کے باب ششم کا

اردو ترجمہ

مصنف

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفٰی ۹۴۲ھ

مترجم

حضرت علامہ مفتی محمد علیم الدین نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

باب
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ہائے مبارکہ اور اسمائے شریفہ

اس موضوع پر بہت سے علماء نے مستقل تصانیف کی ہیں، کچھ لوگوں نے انہیں نظم بھی کیا ہے، شیخ امام ابوعبداللہ قرطبی صاحب تفسیر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زَینی عبدالباسط بن امام علامہ بدرالدین بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ ان میں شامل ہیں، جو جمالیہ کے علاقہ میں عادل اور صاحبِ سیادت افراد میں سے ایک ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مشہور قصیدہ میمیہ میں ان کو نظم فرمایا اس جیسا شاندار قصیدہ کسی اور نے نہیں کہا پھر اس کی عدیم المثال اور کثیر الفوائد شرح کی جو اپنے باب میں یکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے، انہوں نے قصیدہ کا نام "اَلِاصْطِفَاء" رکھا اور شرح کو "اَلْوَفَا فِیْ شَرْحِ الِاصْطَفَاء" کے نام سے موسوم فرمایا۔

جب میں کہوں گا کہ شرح میں یوں ہے یا نظم میں یوں بیان کیا یا شَرْحُ النَّظْم میں اس طرح لکھا ہے تو اس سے مراد یہی دو کتابیں ہوں گی۔

ہاں انہوں نے اسمائے مبارک کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب نہیں فرمایا بلکہ جس طرح اتفاق ہوا لکھ دیا لہٰذا اس سے معلومات حاصل کرنا مشکل ہے، اس باب میں بہترین کتاب "اَلرِّیَاضُ الْاَنِیْقَة فِیْ شَرْحِ اَسْمَاءِ خَیْرِ الْخَلِیْقَةِ" ہے جو حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

میں ان دونوں کتابوں کا خلاصہ یہاں لکھوں گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہت سے فوائد کا اضافہ کروں گا جو علامہ ابن قیم کی دو کتابوں "جَلاءُ الْاَفْهَام" "زَادُ الْمَعَاد" حافظ ابوالخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی "اَلْقَوْلُ الْبَدِیْع" ہمارے شیخ حضرت علامہ ابوالفضل احمد بن خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "اَلْمَوَاهِبُ اللَّدُنِیَّة" وغیرہ کتب سے ماخوذ ہوں گے۔ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی اور کنیت ہائے مبارکہ پر ہماری گفتگو چار وصلوں میں ہوگی۔

وصلِ اوّل

آئندہ وصلوں کے مقدمہ کے طور پر چند فوائد کا بیان

علمائے کرام رحمہم اللہ اجمعین نے فرمایا اسماء کی کثرت مُسَمّٰی کی عظمتوں اور رفعتوں پر دلالت کرتی ہے۔ کیوں کہ اس سے مُسَمّٰی کی ذات اور اس کے حالات کی جانب توجہ کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام عرب میں آپ کو مسمیات کے متعلق زیادہ گفتگو اور توجہ نظر آئے گی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر اسمائے مبارکہ صفات ہیں مثلاً عاقب اور حاشر، ان پر لفظ اسم کا اطلاق مجازی طور پر ہے۔

اِصْطِفَاء میں فرمایا: اگر کوئی اعتراض کرے کہ ان اسماء میں سے اکثر صفات ہیں جیسا کہ ماحی، مختار وغیرہ۔ تو میں جواب میں کہوں گا کہ صفات پر اسماء کا لفظ کثرت سے بولا جاتا ہے۔ کیوں یہ دونوں ہی شخصیت کی پہچان اور غیروں سے اس کی تمیز کے لئے بولے جاتے ہیں۔ یہ بابِ تغلیب سے ہے۔ (تغلیب کا معنی ہے کہ دو یا دو سے زائد مختلف اشیاء میں کسی ایک کو غالب قرار دے کر سب کے لئے غالب کا لفظ استعمال کرنا۔ جیسا کہ قمرین کا لفظ: سورج اور چاند، والدین کا لفظ، ماں اور باپ اور عمرین: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اسمائے مبارکہ آپ کی صفات سے مشتق کئے جائیں تو بہت بڑھ جاتے ہیں۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی آپ کے مدحیہ اوصاف ہیں تو ہر وصف کی وجہ سے آپ کا ایک اسم ہے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ وہ اوصاف جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں یا ان کا اکثر و غالب اطلاق آپ پر ہوتا ہے ان کے اور ان اوصاف کے درمیان جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خاص نہیں، فرق مدنظر رکھا جائے۔ دوسری قسم کے اوصاف سے مشتق اسم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان اسماء میں اکثر اسم کے صیغہ سے وارد نہیں ہیں بلکہ مصدر اور فعل کے صیغہ سے آئے ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے ان کا اعتبار کیا ہے۔ جمہور علماء بالخصوص محدثین کرام نے اسمائے باری تعالیٰ میں ان کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چوں کہ اسماء، معانی کے لئے اجسام کے قائم مقام اور ان پر دلالت کرنے والے ہوتے ہیں تو حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان رابطہ اور مناسبت ہو۔ یہ اسماء ان کے لئے محض اجنبی کی مانند نہ ہوں کہ اپنے معانی سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ کیوں کہ حکیم کی حکمت اس سے انکار کرتی ہے۔ جب کہ امر واقع اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ بلکہ اسماء، مسمیات میں اور مسمیات، اسماء میں، اچھائی، برائی، ثقل، لطافت اور کثافت کے اعتبار سے اثر کرتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَقَلَّ اَنْ اَبْصَرَتْ عَیْنَاکَ ذَا لَقَبٍ اِلَّا وَ مَعْنَاهُ اِنْ فَکَّرْتَ فِیْ لَقَبِہٖ

ترجمہ: بہت کم ایسے ہوا ہوگا کہ تمہاری آنکھوں نے کسی لقب والی چیز کو دیکھا ہو اور جب تم نے غور کیا ہو تو اس چیز کی حقیقت اس کے لقب میں موجود نہ ہو۔

جب تم نے یہ جان لیا تو غور کرو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے کیسے کیسے اسماء مشتق کئے گئے ہیں جو اپنے معنوں کے مطابق ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی کے ضمن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا ودیعت فرمائی اور آپ کے ذکر کے دوران آپ کے عظیم شکر کو ساتھ ہی بیان فرمادیا۔

کسی اور نے کہا اسماء اسم کی جمع ہے۔ اور یہ ایسا کلمہ ہوتا ہے جسے اہل عرب نے کسی شخصیت کے مقابل وضع کیا ہوتا ہے، جب اس کا اطلاق کیا جاتا ہے تو مُسَمّٰی اس سے سمجھ آجاتا ہے۔ اس بنا پر چار چیزوں کی رعایت ضروری ہے:۔

﴿۱﴾ اسم ﴿۲﴾ مُسَمّٰی دوسری میم کی زبر کے ساتھ (یعنی وہ چیز جس کا نام رکھا گیا ہو) ﴿۳﴾ مُسَمِّی دوسرے میم کی زیر کے ساتھ (یعنی نام رکھنے والا) ﴿۴﴾ تَسمِیَہ نام رکھنا۔

اسم...... وہ وضع کردہ لفظ ہوتا ہے جو کسی ذات کی پہچان کرائے یا دوسروں سے اس کی تخصیص کا فائدہ دے اس کی مثال لفظ ''زید'' ہے۔

مُسَمّٰی...... وہ ذات ہوتی ہے کہ اسم کے ذریعہ سے جس کی تمیز مقصود ہوتی ہے۔ جیسے زید کی شخصیت۔

مُسَمِّی...... اس لفظ کو ذاتِ زید کے لئے وضع کرنے والا ہے۔

تسمیہ...... اس لفظ کو اس ذات کے لئے خاص کر دینے کا نام ہے۔

اور وضع کا معنی یہ ہے کہ کسی لفظ کو کسی معنی کے ساتھ اس طرح خاص کر دینا کہ جب یہ لفظ بولا جائے یا محسوس کیا جائے تو اس سے وہ معنی سمجھا جائے۔

تنبیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر پر علمائے کرام کا اتفاق نقل فرمایا اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کو برقرار رکھا کہ ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے نام سے موسوم کریں جو آپ کی والدہ ماجدہ اور دادا جان نے نہ رکھا ہو۔ اور نہ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود رکھا ہو۔ **وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔**

وصل دوم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک

لِیْ خَمْسَةُ اَسْمَاء

(میرے پانچ نام ہیں) اور اس کی سندیں

اس بارے میں حضرت جُبَیْر بِنْ مُطْعَم رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایات پائی جاتی ہیں۔

حضرت جُبَیْر بِنْ مُطْعَم رضی اللہ عنہ کی حدیث ان سے ان کے صاحبزادے حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی حضرت محمد رحمۃ اللہ علیہ سے امام زُھری رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی جن میں حضرت سُفیان بِنْ عُیَیْنَه رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مَعْمَر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن مُیَسّرہ رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی روایت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع اور شمائل میں روایت کی:۔

اِنَّ لِیْ خَمْسَةَ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ۔ [1]

[1] (۱) الصحیح البخاری ۲۴/۵ کتاب المناقب (۳۵۳۲)
(۲) الصحیح مسلم ۱۸۲۸/۴ (۱۲۴-۲۳۵۴) (۳) الطبقات ابن سعد ۱/۱/۶۵
(۴) التمہید ابن عبدالبر ۱۵۱/۹، ۱۵۲ (۵) الدلائل البیہقی ۱/۱۵۴

ترجمہ: میرے پانچ نام ہیں۔ ﴿۱﴾ میں مُحَمَّد ہوں ﴿۲﴾ میں اَحْمَد ہوں ﴿۳﴾ میں مَاحِی (مٹادینے والا) ہوں جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹادے گا۔ ﴿۴﴾ میں حَاشِر (جمع کرنے والا) ہوں جس کے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ ﴿۵﴾ میں عَاقِب (آخر میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نیا نبی نہ ہوگا۔

حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی مانند ہیں۔ حضرت مَعْمَر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ کی مانند ہیں۔ لیکن ان راویوں نے لفظ "خَمْسَة" (پانچ) اپنی روایت میں ذکر نہیں کیا۔ یہ لفظ صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت، جسے آپ سے حضرت یحییٰ بن بُکَیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور انہوں نے حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت محمد بن جُبَیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا، کے الفاظ یوں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

اِنَّ لِیْ خَمْسَةَ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی عَقِبِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ ۔

ترجمہ: میرے پانچ نام ہیں۔ میں مُحَمَّد ہوں، میں اَحْمَد ہوں، میں مَاحِی (مٹانے والا) ہوں جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کفر کو محو کر ڈالے گا، میں حَاشِر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگوں کو میرے پیچھے جمع کیا جائے گا۔ اور میں عَاقِب (آخر آنے والا) ہوں۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ حضرت یحییٰ (بن بُکَیر) رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت مرسل ہے۔ ان سے حضرت معن بن عیسیٰ اور دیگر راویوں نے متصل طور پر روایت کیا ہے۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اوہام میں درج کیا ہے۔ حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کی سند سے متصل طور پر روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت مَعْن بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت میں یہ حدیث موصول مذکور ہے۔ اکثر راویوں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے امام زُھری رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں حضورت محمد بن جُبَیْر رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلا روایت کی ہے۔ اس حدیث کی موصول روایت سے معنی کے اعتبار سے موافق روایت، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت جُوَیْریہ بن اسماء رحمۃ اللہ علیہ نے کی جو امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی۔ نیز اسے امام محمد بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے جس کی تخریج امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الغرائب" میں اور راویوں سے کی ہے اور انہوں نے فرمایا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر شاگردوں نے اسے مرسل انداز میں روایت کیا ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی راویوں سے اس حدیث کا متصل ہونا معروف ہے۔ حضرت یونس بن زید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عقیل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مَعْمَر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متصلا روایت کیا ان کی روایت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے۔ نیز امام شُعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے متصل طور پر روایت کیا ان کی روایت خود مصنف یعنی امام بخاری کے ہاں کتاب التفسیر میں ہے۔ امام ابن عُیَیْنَہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اتصال سے روایت کیا اور ان کی روایت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے ان تمام راویوں نے اس حدیث کو امام زُھری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت محمد بن مُیَسّرہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں:۔

اِنَّ لِیْ خَمْسَةَ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِی الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ ۔یَعْنِی الْخَاتَم، رَوَاهُ الْبَیْهَقِیّ [1]

ترجمہ: میرے پانچ نام ہیں، میں مُحَمَّد ہوں، میں اَحْمَد ہوں، میں مَاحِیْ (مٹانے والا) ہوں جس سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹادے گا، میں حَاشِر (جمع کرنے والا) ہوں لوگوں کو میرے قدموں پر اکٹھا کیا جائے گا، میں عَاقِبُ (بعد میں آنے والا) یعنی خاتم الانبیاء ہوں۔ اسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

---

[1] تخریج کے حوالہ جات کے لئے سابقہ تخریج کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

حضرت نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اورانہوں نے اپنے باپ سے جو روایت کی وہ یوں مذکور ہے:۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَالْحَاشِرُ وَالْمَاحِیُ وَالْخَاتَمُ وَالْعَاقِبُ.

ترجمہ: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں، میں مٹانے والا ہوں، میں خاتم الانبیاء ہوں اور میں آخر میں آنے والا ہوں۔

اس حدیث پاک کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو نُعَیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے.

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انہوں نے یہ نام اسی طرح شمار کیئے اور تعداد میں یہ چھ ہیں، اس کی یہ دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ کا لفظ صادر نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اتنا فرمایا:۔

لِیْ اَسْمَاءٌ.

ترجمہ: میرے کچھ نام ہیں۔

توحضرت جُبَیْر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ ذکر فرمائے۔ یا آپ رضی اللہ عنہ نے تو وہ سب کے سب ذکر فرمائے لیکن بعد کے راویوں سے کچھ محفوظ رہ سکے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ گن سکتے ہو جن کو حضرت جُبَیْر بن مُطْعِم رضی اللہ عنہ گنا کرتے تھے؟۔ تو انہوں نے جواب دیا ہاں یہ اسمائے مبارکہ چھ ہیں: (۱) مُحَمَّد (۲) اَحْمَد (۳) خَاتِم (۴) حَاشِر (۵) عَاقِب (۶) مَاحِیُ .

حَاشِر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان معنوں میں ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے قریب اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب سے ڈرانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔

اور عَاقِب ان معنوں میں ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیگر تمام انبیائے کرام کے بعد ہیں۔

اور مَاحِیُ ان معنوں میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے والوں کے گناہ محو فرما دیئے ہیں۔

اس حدیث کو حضرت یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ، نیز امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو نُعَیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث مرسل اور حسن الاسناد ہے۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بلکہ یہ حدیث متصل ہے کیوں حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد سے روایت کیا انہوں نے والد کا نام اس لئے نہیں لیا کہ اس سے پہلے عبدالملک بن مروان کا یہ قول موجود تھا: کہ جن کو حضرت جبیر رضی اللہ عنہ گنا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَنَـا اَحْـمَـدُ وَاَنَـا مُـحَـمَّـدٌ وَّاَنَـا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَـمْـحُو اللّٰہُ بِی الْکُفْرَ. وَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ کَانَ لِوَاءُ الْحَمْدِ بِیَدِیْ وَکُنْتُ اِمَامَ الْمُرْسَلِیْنَ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِہِمْ۔

ترجمہ: میں اَحْمَد ہوں، میں مُحَمَّد ہوں، میں حَاشِر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر اکٹھا کیا جائے گا، میں مَاحِی (مٹانے والا) ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بدولت کفر کو محو فرمادے گا، جب قیامت کا دن ہوگا تو حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، میں رسولوں کا امام اور ان کی شفاعت فرمانے والا ہوں۔

اسے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں اور امام ابو نَعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی انداز کے ساتھ روایت فرمایا۔

دوسرا انداز اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت اَنس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں۔

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ لِیْ عِـنْدَ رَبِّیْ عَشْرَةَ اَسْمَاءٍ، اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِی الْکُفْرَ

وَاَنَـا الْـعَـاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ وَّاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ الْخَلَائِقُ مَعِیْ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ الرَّحْمَةِ وَرَسُوْلُ التَّوْبَةِ وَرَسُوْلُ الْمَلَاحِمِ وَاَنَا الْمُقَفِّیْ قَفَّیْتُ النَّبِیِّیْنَ وَاَنَا قُثَمٌ قَالَ: وَالْقُثَمُ الْکَامِلُ.

ترجمہ: میرے اپنے پروردگار کے ہاں دس نام ہیں:۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی (مٹانے والا) ہوں اللہ تعالیٰ میرے بدولت کفر کو محو فرمادے گا، میں بعد میں آنے والا ہوں جس کے بعد کوئی نیا نبی نہ ہوگا۔ میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں مخلوق کو میرے ساتھ میرے قدموں پر اکٹھا کیا جائے گا، میں رحمت کا رسول ہوں، میں توبہ کا رسول ہوں، میں سخت جنگ کرنے والا رسول ہوں، میں مقفّی (بعد میں آنے والا) ہوں لہٰذا میں تمام نبیوں کے بعد آیا ہوں۔ میں قُثَم ہوں۔ فرمایا: قُثَم کا معنی ہے کامل۔ [1]

اس حدیث کی سند میں ابو البَخْتَری وَھب بن وھب ہے جس پر اِتّہام ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک روز نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چلے میں بھی آپ کے ہمراہ تھا، یہاں تک ہم یہودیوں کی عید کے دن ان کے عبادت خانہ میں داخل ہوگئے، انہوں نے ہمارا آنا پسند نہ کیا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

یَامَعْشَرَ الْیَھُوْدِ ! وَاللّٰہِ لَاَنَا الْحَاشِرُ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَاَنَا الْمُقَفِّیْ آمَنْتُمْ اَوْکَذَّبْتُمْ۔

ترجمہ: اے یہودیوں کی جماعت! خدا کی قسم میں حاشر ہوں، میں عاقب ہوں میں مُقَفِّیْ ہوں، تم ایمان لاؤ یا جھٹلاؤ۔

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ [2]

اس حدیث کو امام ابو نُعَیم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

---

[1] (۱)الکامل ابن عدی ۷/ ۶۴ (۲) الدلائل ابونعیم ۱/ ۱۲

[2] (۱)المسند احمد ۶/ ۲۵.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (اپنے) کچھ اسمائے مبارکہ ہمارے سامنے بیان فرمائے ان میں چند ایک ہمیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَالْمُقَفِّیْ وَالْحَاشِرُ، وَنَبِیُّ التَّوْبَةِ وَنَبِیُّ الرَّحْمَةِ ۔

ترجمہ: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں میں مُقَفِّی (بعد میں آنے والا) ہوں، میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں، میں توبہ کی تلقین کرنے والا نبی ہوں، میں سراپا رحمت نبی ہوں۔

امام ابو نُعَیم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محاملی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے اس کی روایت کی:

''ان میں کچھ اسماء ہمیں یاد رہے اور کچھ ہم یاد نہ رکھ سکے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْحَاشِرُ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْمُقَفِّیْ وَنَبِیُّ الرَّحْمَةِ وَالتَّوْبَةِ وَالْمُلْحَمَةِ۔[1]

اور مسلم شریف میں یوں الفاظ ہیں:۔ وَنَبِیُّ الْمُلْحَمَةِ.

ترجمہ: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں جمع کرنے والا ہوں، میں پیچھے آنے والا ہوں، میں بعد میں آنے والا ہوں، میں رحمت، توبہ اور گھمسان کی جنگ کا نبی ہوں۔

---

[1] سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۰۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ جب کہ اس کتاب کے ج ۱ ص ۴۹۸ مطبوعہ قاہرہ (۱۴۱۸/۱۹۹۷ء) کے الفاظ یوں ہیں۔ '' انا محمد وانا احمد والمقفی والحاشر ونبی التوبة والملحمة ''یعنی نسخہ مطبوعہ قاہرہ میں چھ اسماء مبارکہ میں اور مطبوعہ بیروت کے نسخہ میں آٹھ اسماء مبارکہ مذکور ہیں۔ فقیر مترجم عفی عنہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مدینہ طیبہ کے کسی راستہ پر میری ملاقات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی تو آپ نے فرمایا:۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا نَبِیُّ الرَّحْمَةِ وَنَبِیُّ التَّوْبَةِ وَاَنَا الْمُقَفِّیْ وَاَنَا الْحَاشِرُ وَنَبِیُّ الْمَلَاحِمِ [1]

ترجمہ: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں رحمت اور توبہ کا نبی ہوں، میں بعد میں آنے والا ہوں، میں جمع کرنے والا ہوں، میں گھمسان کی جنگیں لڑنے والا نبی ہوں۔

اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ کے راستوں میں سے ایک راستہ پر یہ کہتے ہوئے سنا:۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَالْحَاشِرُ وَالْمُقَفِّیْ وَنَبِیُّ الرَّحْمَةِ۔

ترجمہ: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، جمع کرنے والا ہوں، بعد میں آنے والا ہوں اور سراپا رحمت نبی ہوں۔

اسے امام ابن حبّان رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

---

[1] (۱) المسند احمد ۵/۴۰۵۔ (۲) شرح الشمائل ۲/۲۲۸

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث

****

آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا اَحْمَدُ وَمُحَمَّدٌ وَّالْحَاشِرُ وَالْمُقَفِّیْ وَالْخَاتَمُ.

ترجمہ: میں احمد، محمد، جمع کرنے والا، بعد میں آنے والا اور خاتم النبیین ہوں۔

اسے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا لیکن ان کی ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہ ہوئی۔[1]

حضرت اَبُو الطُّفَيْل رضی اللہ عنہ کی حدیث

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِیْ عَشْرَةُ اَسْمَاءٍ.

میرے دس نام ہیں۔

حضرت اَبُو الطُّفَيْل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے آٹھ یاد ہیں اور دو بھول چکے ہیں:۔

اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَحْمَدُ وَّالْفَاتِحُ وَالْخَاتَمُ وَاَبُو الْقَاسِمِ وَالْحَاشِرُ وَالْعَاقِبُ وَالْمَاحِی الَّذِیْ يَمْحُو اللّٰهُ بِی الْكُفْرَ۔

ترجمہ: میں محمد، احمد، فاتح، خاتم، ابوالقاسم، حاشر، عاقب اور ماحی (مٹانے والا) ہوں اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹا دے گا۔

---

[1] (۱) المسند احمد ۸۱/۴ . (۲) الصحیح ابن حِبّان ۲۰۹۵ .
(۳) الکبیر الطبرانی ۱۳۸/۲ . (۴) الطبقات ابن سعد ۶۵/۱/۱ .
(۵) دلائل النبوۃ البیہقی ۱۲۵/۱ .

حضرت سیف بن وھب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے یہ حدیث حضرت ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: اے سیف! کیا میں تمہیں دو نام نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں فرمایا طٰہٰ اور یٰس۔[1]

اسے امام ابن مَرْدَوَیْہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو نُعَیم رحمۃ اللہ علیہ اور امام دَیْلَمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سند کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ وضع کنندہ اور ضعیف پر گردش کرتی ہے۔ واضع ابو یحییٰ ہے اور ضعیف سیف ہے۔ حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تبصرہ کو برقرار رکھا ہے۔ حالاں کہ حقیقت میں معاملہ ایسا نہیں ہے۔ کیوں ابو یحییٰ تمیمی [2] دو شخصیتوں کے نام ہیں۔

﴿۱﴾ اسماعیل بن یحییٰ بن عبید اللہ بن طلحہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن حضرت ابو بکر صدیق یہ شخص احادیث گھڑنے والا تھا۔ اس کو ترک کر دینے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ سند میں موجود یہ شخصیت نہیں ہے۔

﴿۲﴾ ابو یحییٰ اسماعیل بن ابراہیم تیمی [2]۔ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اسی طرح ان کا اور ان کے والد کا نام بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ شخص جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں فرمایا ضعیف ہے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

---

[1] الشفا القاضی عیاض ۱/ ۴۴۸ .

[2] متن میں اسی طرح ہے۔ مطبوعہ قاہرہ کے نسخہ میں دوسرے مقام پر "تیمی" ہے۔

فصل

امام ابوعبداللہ احمد بن محمد عَزَفِیّ رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوالعباس قرطبی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

لِیْ خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ.

ترجمہ: میرے پانچ نام ہیں۔

یہ اس وقت کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو باقی اسماء پر کو اطلاع نہ بخشی تھی۔

وضاحت: عَزَفِیّ عین کی زبر، زاء اور یائے نسبت سے پہلے فاء کے ساتھ ہے۔

حضرت امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس ارشادِ نبوی میں دو احتمال ہیں:۔

﴿۱﴾...... یہ عدد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ مبارکہ میں التباس کے باعث ہے۔ لیکن اس میں تامل ہے جیسا کہ علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علہ نے فرمایا اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اضافہ فرمایا کیوں کہ حدیث میں اس امر کی تصریح وارد ہے۔ جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ لِیْ خَمْسَةَ اَسْمَاءٍ.

ترجمہ: بلاشبہ میرے پانچ نام ہیں۔

﴿۲﴾...... یہ عدد نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ مبارکہ سے ہو۔ لیکن اس کا تقاضا حصر کا نہیں ہے۔ ان پانچ اسماء کو مخصوص طور پر یا تو اس لئے ذکر فرمایا کہ سامع کو باقی اسمائے مبارکہ کا علم ہے گویا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پانچ اسماء بڑی فضیلت اور عظمت والے ہیں۔یا پانچ کو اس لئے مخصوص طور پر بیان کیا کہ یہ اسمائے مبارکہ مشہور تھے۔گویا کہ فرمایا میرے پانچ نام مشہور ہیں۔یا اس کے علاوہ اور معانی ہیں جن کا احتمال یہ الفاظ رکھتے ہیں۔علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس احتمال کی تائید کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اور انہوں نے یہ اضافہ فرمایا کہ معنی یوں ہے کہ ''میرے پانچ نام ہیں ان کو مجھ سے خاص کیا گیا ہے میرے بغیر مجھ سے پہلے کسی کو ان ناموں سے موسوم نہیں کیا گیا۔''

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان اسماء کو بیان کے لئے اس لئے مخصوص کیا گیا ہے کہ یہ پہلی کتابوں میں موجود ہیں نیز پہلی امتوں کے اصحابِ علم ان سے واقف ہیں۔

لیکن اس کا تعاقب یوں کیا گیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلی کتابوں میں موجود اسماء اس سے زیادہ ہیں۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کہ ''میرے پانچ نام ہیں'' سے پانچ سے زائد ناموں کی نفی نہیں ہوتی، کیوں کہ علمِ اصول کا قاعدہ ہے کہ عدد حصر اور خصوص کا فائدہ نہیں دیتا، احادیث مبارکہ میں کتنے ہی عدد وارد ہیں لیکن ان سے حصر مراد نہیں ہے، اس کی مثال یہ حدیث پاک ہے:۔

سَبۡعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيۡ ظِلِّ عَرۡشِهٖ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سات افراد کو قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں سایہ عطا فرمائے گا۔

احادیث میں ان سے زائد افراد کی تعداد بھی وارد ہے۔ان میں سے مجھے اس وقت ستر یاد ہیں، اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں جو کہ مشہور ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا بیان اضافوں کے ساتھ خصائص نبویہ میں آئے گا، اِنۡ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

وصل سوم

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی جو مجھے یاد ہیں نیز ان کی وضاحت اوران سے متعلقہ فوائد

قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بعض صوفیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ایک ہزار نام ہیں۔

میں کہتا ہوں مجھے ان میں سے پانچ سو اسمائے گرامی کا علم ہوسکا ہے، اگرچہ ان میں سے بہت سے اسماء میں تامل ہے۔اب میں ان کا ذکر کروں گا، اور جو اسماء قرآن اور سنت میں وارد نہیں انہیں بیان کرنے والوں کی طرف منسوب کرکے ذکر کروں گا۔اس سلسلہ میں:۔

"ی" قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ.

"ع" علامه عَزَفی رحمۃ اللہ علیہ .

"د" علامه ابن دِحُیه رحمۃ اللہ علیہ۔

"ح" علامه ابو الفتح ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ۔

"ط" ہمارے استاذ محترم شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔

"خ" علامه سَخَاوِی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور "عا" شیخ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ۔

کے اسماء کی طرف اشارہ ہوگا۔

ان کے علاوہ باقی علمائے کرام کے اسماء کی صراحت کروں گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ. [1] (آلِ عمران، آیت/۱۴۴).

ترجمہ: (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہی ہیں۔

علامہ ابنِ قیّم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ اسم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علم مبارک بھی اور صفت بھی ہے۔اس میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دو امر جمع ہوگئے ہیں۔اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ جو لوگ اس نام سے موسوم ہیں ان میں سے اکثر کے حق میں یہ صرف علم ہے۔اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی کا یہی حال ہے کہ یہ اسماء اعلام ہونے کے ساتھ ایسے معانی پر دلالت کرتے ہیں جو اوصافِ مدح بھی ہیں، لہٰذا ان کی علمیت اور وصفیت میں تضاد نہیں ہے، مخلوقات کے اسماء کا حال اس کے برخلاف ہے، اللہ تعالیٰ خالق، باری، مصور اور قہار ہے، اس پاک ذات کے یہ نام اپنے معانی پر دلالت کرتے ہیں جو اس کی صفات ہیں یہی حال حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کا ہے، اور اگر یہ اسمائے باری تعالیٰ اور اسمائے نبویہ صرف اَعلام ہوتے تو وہ مدح پر دلالت نہ کرتے۔

لفظ محمد اصل میں اسم مفعول کا صیغہ ہے جو صفت حمد سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے محمود یعنی تعریف کیا گیا۔یہ محمود کی ذات کی ثناء، اس کی محبت، اکرام اور تعظیم کو متضمن ہے۔کیوں کہ حمد کی حقیقت یہی ہوتی ہے۔مُفَعَّل عین کی تشدید

---

[1] قاہرہ کے مطبوعہ نسخہ میں "محمد رسول اللہ" سورۃ الفتح آیت ۲۹ ہے۔ملاحظہ ہو صفحہ/۵۰۰۔

کے ساتھ یہ صیغہ بنایا گیا ہے جس طرح کہ ''مُعَظَّم'' اور ''مُبَحبَّل'' صیغے ہیں۔ کیوں کہ یہ بنا کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اگر اس سے اسم فاعل مشتق کیا جائے تو وہ ایسی ذات پر دلالت کرے گا جس سے مصدری معنی یکے بعد دیگرے کثرت سے صادر ہو۔ مثلاً: مُعَلِّم، یکے بعد دیگرے بار بار علم عطا کرنے والا، مُفَهِّم، بار بار سمجھانے والا مفرح ۔ بار بار فرحت بخشنے والا۔ اور اگر اس سے اسم مفعول مشتق کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا وہ ذات جس پر یکے بعد دیگرے تکرار کے ساتھ مصدری معنی واقع ہو۔ تو محمد ممدوح کی مانند وہ ذات ہے جس کے لئے حمد کرنے والوں کی حمد کثیر ہو یا وہ ذات جس کے لئے یکے بعد دیگرے حمد لائق ہو یا تو استحقاق کے لحاظ سے یا وقوع کے اعتبار سے۔

جیسا کہ اَعْشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اِلَیْکَ اَبَیْتَ اللَّعْنَ کَانَ وَجِیْفُهَا　　　اِلَی الْمَاجِدِ الْقرم الْجَوَّادِ الْمُحَمَّدِ

ترجمہ: ہٹ جائیے۔ اے بادشاہ سلامت ایسے فعل سے باز رہیے جو مستحق لعنت ہو۔ اس کی تیز دوڑ بزرگ، عظیم سردار، سخی اور قابل تعریف شخص کی طرف ہے۔

یعنی محمد وہ ذات ہے جس کی بار بار تعریف کی گئی ہو، یا جس میں قابلِ تعریف عادات کامل انداز میں موجود ہوں۔

یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے مشہور اور باعظمت نام ہے، اس لئے اس کے ساتھ چند معاملات مختص ہیں جو یہ ہیں:۔

﴿۱﴾ کافر کا اسلام اس وقت تک درست نہیں جب تک زبان سے یہ نہ کہے محمد رسول اللہ، اس معاملہ میں احمد نام کفایت نہیں کرتا۔ ہاں امام حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

اسمِ مبارک احمد بھی کافی ہے لیکن اس صورت میں جب کہ اس کے ساتھ ابوالقاسم کو ملا لیا جائے۔

﴿۲﴾ تَشَہُّد میں اس کا ذکر متعین ہے، اس کے علاوہ کوئی اور نام کافی نہیں لفظ احمد بھی اس سلسلہ میں ناکافی ہے، ''شَرحُ الْمَهَذَّب'' اور ''اَلتَّحقِیق'' میں ایسا ہی درج ہے۔ خطبہ کا بھی یہی حال ہے۔

﴿۳﴾ یہ اسمِ جلالت ''اللہ'' کے موافق چار حروف پر مشتمل ہے اسم جلالت ''اللہ'' کے چار حروف ہیں۔

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ (عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام کے

ساتھ) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی تحریر شدہ ہے، اس بحث کا تَتِمَّہ بعد میں آئے گا۔

﴿۵﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ نام اپنے اسم مبارک ''محمود'' سے مشتق فرمایا ہے جیسا کہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

وَضَمَّ الْاِلٰـہُ اسْـمَ الـنَّبِیِّ اِلَی اسْمِہٖ   اِذَا قَالَ فِی الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْھَدُ

وَشَـقَّ لَـہٗ مِـنَ اسْـمِـہٖ لِیُـجِلَّـہٗ   فَـذُوالْـعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمِ مبارک کے ساتھ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو ملا دیا ہے، اس کے لئے غور کرو جب موذن پانچ وقتوں میں ''اَشْھَـدُ'' کہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز کی خاطر اپنے نام سے اسے مشتق فرمایا لہٰذا عرش کا مالک ''مَحْمُوْد'' ہے اور یہ ''مُحَمَّد'' ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''تاریخ صغیر'' میں حضرت علی بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ابوطالب کا شعر یوں ہے:۔

فَشَـقَّ لَـہٗ مِـنَ اسْـمِـہٖ لِیُـجِلَّـہٗ   فَـذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّھٰذَا مُحَمَّدٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے اپنے نام سے نام مشتق فرمایا تو صاحب عرش مَحْمُوْد ہیں اور یہ مُحَمَّد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

﴿۶﴾ اس نام سے کَسْر اور بَسْط کو ضرب دینے سے رسولوں کی تعداد مستخرج ہوتی ہے۔ رسولوں کی کل تعداد تین سو تیرہ ہے۔ اور یہ اس طرح کہ:

ایک مِیم اول میں ہے اور درمیان میں مِیم مشدد دو مِیمیں ہیں۔ اور ''م'' کی تَکْسِیْر ''م+ی+م'' ہے ہر مِیم کے تَکْسِیْر کے اعتبار سے نوے عدد بنتے ہیں۔ کیوں کہ مِیم کے اعداد چالیس ہیں اور یا کے اعداد دس ہیں۔

اس طرح تین میموں کے اعداد (270=3×90) دو سو ستر بنتے ہیں۔

'' د '' کی تَکْسِیْر سے اس کے اعداد پینتیس ہیں کیوں کہ ''دَالْ'' میں دَالْ کے چار الف کا ایک اور لام کے تیس عدد ہیں۔

''حاء'' کے اعداد آٹھ ہیں اس میں تکسیر نہیں اس طرح کل اعداد 313=8+35+270 بنتے ہیں۔

﴿۷﴾ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں باقی اولاد کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے اپنی کنیت اختیار کریں گے، جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

﴿۸﴾ **حضرت ابنِ عِمَاد** رحمۃ اللہ علیہ نے ''کَشْفُ الْاَسْرَار'' میں فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے شیطانوں کی تسخیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے باعث ہوئی۔

﴿۹﴾ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے روانہ ہوئی۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ میم کا معنی ہے:۔

مُحِقُّ الْکُفْرِ بِالْاِسْلَامِ .

(اسلام کے ذریعہ سے کفر کو مٹا دینا)۔

یا اس کا معنی ہے:۔

مُحْیِی سَیِّئَاتِ مَنِ اتَّبَعَهٗ.

(جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی اس کے گناہوں کا مٹ جانا)

بعض نے فرمایا کہ میم کا معنی ہے:۔

مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ بِمُحَمَّدٍ ۔

(اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ایمان والوں پر احسان فرمایا)۔

ارشاد باری تعالیٰ بھی اس پر دلالت کرتا ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ. (آل عمران، آیت/۱۶۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ مِیم کا معنی ہے:۔

مُلْکُ اُمَّتِهٖ بِهٖ .

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی بادشاہت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہے)

اور بعض نے فرمایا: اس سے مرادِ مقامِ محمود ہے۔
"حاء" کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے:۔
حُکْمُهٗ بَیْنَ الْخَلْقِ بِحُکْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی.
(مخلوق میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے باعث ہے۔)
اور دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد ہے:۔
اَحْیَاءُ اللّٰهُ تَعَالٰی اُمَّتَهٗ بِهٖ۔
(اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کی امت کو زندگی بخش دی)۔
دوسری "مِیم" سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔
اور "دَال" سے مراد ہے:۔
اَلدَّاعِیْ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی.
(اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا)
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔
وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ. (الاحزاب آیت ۴۶)
ترجمہ: اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اذن سے بلانے والے ہیں۔
اس خاص شکل میں حروف کے واقع ہونے میں بھی حکمتِ الٰہیہ کارفرما ہے، بعض علما نے اس سلسلہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی شکل پر پیدا فرمایا۔
"مِیم" انسان کے سر کی شکل پر ہے۔
"حَاء" دو ہاتھوں کے قائم مقام ہیں۔ حاء کا اندرونی حصہ پیٹ کی مانند اور بیرونی حصہ پیٹھ کی مانند ہے۔
دوسرینوں کے ملنے کی جگہ اور مخرج میم کی مانند ہیں۔
اور "دال" کا کنارہ دو پاؤں کی مانند ہے۔ لوگوں نے اس سلسلہ میں اشعار بھی کہے ہیں کسی نے یوں فرمایا:۔

لَهٗ اسْمٌ صَوَّرَ الرَّحْمٰنُ رَبِّیْ ... خَلَائِقَهٗ عَلَیْهِ کَمَا تَرَاهُ

ترجمہ: حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی شکل پر اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا جیسا کہ تم دیکھ سکتے ہو۔

لَـهُ رِجْـلٌ وَفَـوْقَ الـرِّجْـلِ ظَهْـرٌ وَتَـحْـتَ الـرَّاسِ قَـدْ خُـلِقَتْ يَدَاهُ

ترجمہ: اس کا پاؤں ہے پاؤں کے اوپر پیٹھ اور سر کے نیچے اس کے ہاتھ پیدا کئے گئے ہیں۔

لیکن اس میں تکلف ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مُحَمَّد نام رکھے جانے میں عجیب نشانات اور بے مثل خصوصیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس سے پہلے کسی اور کو مُحَمَّد یا اَحْمَد نام سے موسوم ہونے سے بچائے رکھا۔

اَحْمَد نام پہلی کتابوں میں موجود ہے انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کی خوش خبریاں بھی دیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ مجدہ نے اپنی حکمت کی بنا پر کسی اور کو اس نام سے موسوم ہونے سے روک دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قبل کسی نے اس نام کا دعویٰ تک نہ کیا، تاکہ کمزور دلوں میں التباس یا شک پیدا نہ ہونے پائے۔

اور یہی حال مُحَمَّد نام کا ہے اس نام سے نہ کوئی عرب موسوم ہوا نہ ہی کوئی عجمی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارک سے پہلے مشہور ہو گیا کہ ایک نبی کی بعثت قریب ہے جس کا نام مُحَمَّد ہوگا۔ جیسا کہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عدی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

انہوں نے اپنے والد سے پوچھا کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام مُحَمَّد کیوں رکھا؟۔ تو انہوں نے جواب دیا میں بنو تمیم کی ایک جماعت کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا ہم نے پانی کے ایک حوض پر پڑاؤ ڈالا، ایک راہب نے ہم پر جھانک کر کہا: عنقریب تمہارے درمیان ایک نبی مبعوث ہوگا تو اس کی اطاعت کی طرف جلدی کرنا۔ ہم نے پوچھا اس کا نام کیا ہوگا تو اس نے کہا ان کا نام مُحَمَّد ہوگا۔ جب ہم واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اس بنا پر اس نے آپ کا نام مُحَمَّد رکھا تھا۔

دور جاہلیت میں جن افراد کا یہ نام رکھا گیا ان کی تعداد بیس سے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طور سے نگہبانی

فرمائی کہ ان میں سے کسی نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کسی دوسرے نے ان کے حق میں یہ دعویٰ کیا اور نہ ہی نبوت کی علامات یعنی معجزات وخوارق عادات ان سے ظاہر ہوئیں۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ تمام معاملات ثابت ہو گئے۔ (دورِ جاہلیت میں جو افراد مُحَمَّد نام سے موسوم ہوئے ان کی فہرست درج ذیل ہے)

﴿۱﴾ مُحَمَّدُ بْنُ اُحَيْحَةَ بْنِ جُلَاحِ ابْنِ الْحَرِيْشِ بْنِ جَحْجَبَى بْنِ كلفة بْنِ عَوْفِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ الْكِنَانِيَ ثُمَّ اللَّيْثِيَ۔

وضاحت: (۱) اُحَيْحَة: ہمزہ پر پیش، دونوں حاء پر زبر اور ان کے درمیان یاء ساکن ہے۔ اُ+ حَ+ يْ+ حَ+ة= اُحَيْحَة.

(۲) جُلَاح: جیم پر پیش، لام پر تخفیف کے ساتھ اور آخر میں حاء ہے۔

(۳) حَرِيْش: حاء پر زبر، راء کے نیچے زیر پھر یاء اور آخر میں شین ہے۔

امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس اسم کے آخر میں سین ہے۔

امام دار قُطْنِیْ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بُكَيْر بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا انصار میں اس نام کے ہر فرد کے اسم کا تلفُّظ حَرِيْس یعنی سین کے ساتھ ہے لیکن یہ شخص اس عمومی قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اس کا نام شین کے ساتھ ہے۔

(۴) جَحْجَبٰی: پہلے جیم پر زبر، پھر حاء ساکن، پھر ایک اور جیم اور اس پر زبر پھر باء اور آخر میں الف مقصورہ ہے۔

علامہ ابن درید عفا اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جَحْجَبَة کا معنی ہے آنا، جانا، چلنے میں تردُّد۔

(۵) ابن كلفة: العيون کے نسخہ میں ابن كلدة ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اور امام امیر ابن ماکولا رحمۃ اللہ علیہ نے فاء کے ساتھ یعنی "كلفه" ذکر کیا ہے۔

حافظ عبدان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ سب سے پہلا شخص ہے جو اس نام سے موسوم ہوا۔

﴿۲﴾ مُحَمَّدُ بْنُ اُسَامَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ حبيبِ بْنِ عَنْبَر ۔

﴿۳﴾ مُحَمَّدُ بْنُ بَرِّبْنِ طَرِيْفِ بْنِ عُتْوَارَةَ بْنِ عَامِرِ بْنِ لَيْثِ بْنِ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ مَنَاةِ بْنِ كِنَانَةَ الْبَكْرِیْ

الْعُتْوَارِیْ۔

وضاحت: ﴿۱﴾ بَرّ: را کی تشدید کے ساتھ ہے اس کے بعد الف نہیں ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ بَلاذُرِیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے ضبط سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

(۲) عُتْـوَارَہ: عین پر پیش اور زیر دونوں طرح سے وارد ہے۔ اس کے بعد تاء ساکن پھر واو پر زبر اس کے بعد الف، الف کے بعد راء اور آخر میں ہا ہے۔

﴿۴﴾ مُحَمَّدُ بْنُ حَارِثِ بْنِ حُدَیْجِ بْنِ حُوَیْصٍ.

وضاحت: حُدَیْج : حا اور دال پھر یاء اور آخر میں جیم ہے۔ یہ اسم تصغیر کے صیغہ کے ساتھ ہے۔

﴿۵﴾ مُحَمَّدُ بْنُ جِرْمَازِ بْنِ مَالِکِ بْنِ عَمْرِو بْنِ تَمِیْمٍ۔

وضاحت: جِرْماز: حاء کی زیر، راء کے سکون اور آخر میں زاء کے ساتھ ہے۔ جِرْماز کا نام حارث تھا۔

﴿۶﴾ مُحَمَّدُ بْنُ حمران بن اَبِیْ حَمْرَان بن مالک جعفِیّ المعروف به الشُوَیْعر.

وضاحت: ابو حمران کا نام ربیعہ بن مالک جَعْفِیْ تھا۔

﴿۷﴾ مُحَمَّدُ بْنُ خُزَاعِیْ بْنِ عَلْقَمَةَ بْنِ خَزَایَةَ سُلَمِیْ .

وضاحت:(۱) خُزَاعِیّ : خاء پر پیش، زاء پر زبر اس کے بعد الف پھر عین اور آخر میں یائے نسبت کے ساتھ ہے۔

(۲) یہ شخص بنی ذکوان سے تھا۔

﴿۸﴾ مُحَمَّدُ بْنُ خَوْلِیّ الْهَمْدَانِیْ ۔

وضاحت: خَوْلِی: ۔خاء کے بعد واوٴ کے سکون کے ساتھ ہے۔

﴿۹﴾ مُحَمَّدُ بْنُ سُفْیَانَ بْنِ مُجَاشِع .

یہ شخص مشہور شاعر فَرَزْدَق کے دادا کا دادا تھا۔ اَلْعُیُوْن کے ایک نسخہ میں ہے: ۔ یہ فَرَزْدَق کا دادا تھا۔ اس میں

دادا کا دادا نہیں ہے۔ صحیح بات وہ ہے جو اس نسخہ کے علاوہ کتابوں میں ہے۔ اَلرَّوْض کے نسخہ میں ہے کہ یہ دادا کا دادا تھا۔

﴿۱۰﴾ مُحَمَّدُ بْنُ عَدِيِّ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ سَوَادِ بْنِ جُشَمِ بْنِ سَعْدِ بْنِ زَيْدِ مَنَاةَ بْنِ تَمِيْمِ سَعْدِیْ۔

﴿۱۱﴾ مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ بْنِ اُحَيْحَةَ جُلَاحِ اوسی۔

اس کا ذکر امام بَلَاذُرِیّ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے علم نہیں کہ نمبر (۱) والا شخص ہے کہ وہاں اسے دادا کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا گیا اور دوسری بار یہاں باپ کی طرف اس کی نسبت مذکور ہے، یا یہ دو علیحدہ علیحدہ شخص ہیں۔

﴿۱۲﴾ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُغْفِل.

وضاحت: مُغْفِل: میم پر پیش پھر غین پر سکون اس کے بعد فاء کے نیچے زیر اور آخر میں لام کے ساتھ ہے۔
یہ شخص تصغیر کے صیغہ کے ساتھ هُبَيْب کا والد تھا۔

﴿۱۳﴾ مُحَمَّدُ بْنُ يُحْمَدَ اَزْدِی

وضاحت: يُحْمَد: یا پر پیش، حاء پر سکون، میم کے نیچے زیر کے ساتھ، میم پر زبر بھی درست ہے۔ قاموس میں فرمایا:
یہ يُمْنَع اور يُعْلِمُ کے وزن پر ہے۔ يُعْلِم، اَعْلَمَ سے مضارع کا صیغہ ہے۔
یمن کے ماہرین نسب کا گمان ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس کا نام محمد رکھا گیا۔

﴿۱۴﴾ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ رَبِيْعِه۔

﴿۱۵﴾ مُحَمَّد اُسَدِیّ ۔**وضاحت:** اُسَدی ہمزہ پر پیش، سین پر زبر اور آخر میں یاء پر تشدید ہے۔

﴿۱۶﴾ مُحَمَّد فُقَيْمِیّ: **وضاحت:** فُقَيْمِیّ: فاء پر پیش، قاف پر زبر، یا ساکن کے ساتھ ہے۔

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں شخصوں کا ذکر کیا ہے، لیکن اس سے زیادہ ان کا نسب بیان نہیں کیا۔
امام سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں تین پر اور حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے سات پر

اقتصار کیا ہے۔اوران میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔**وضاحت:** **مَسْلِمه:** میم کی زبر اور سین کے سکون کے ساتھ ہے۔لیکن آپ اس فہرست میں شامل نہیں ہیں جیسا کہ آئندہ ملاحظہ ہوگا۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مُحَمّد بِنْ عُتْوَارَہ کو الگ شمار کیا ہے لیکن یہ محمد بن بَرّ ہی ہے اس کی نسبت اس کے جدِّ اعلیٰ کی طرف کردی گئی ہے۔

ان افراد میں سے جس نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول کیا وہ حضرت محمد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کا ذکر امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ، امام بَغَوی رحمۃ اللہ علیہ، امام بَلاذُرِیّ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن سکن رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین اور علمائے رجال نے صحابہ میں کیا ہے۔

امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے بارے میں توقف کی کوئی وجہ نہیں بنتی جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

مُحَمَّد بن مَسْلِمه یہ محمد بن حارث ہی ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر اَلِاصَابَه میں اَلْقِسْمُ الثَّالِث میں کیا ہے۔

علامه شیخ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر اپنے منظوم قصیدہ الاصطفاء کی شرح الوفاء فی شرح الاصطفاء میں کیا ہے انہوں نے یوں لکھا:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سُمُّوْا بِاسْمِ مُحَمَّدٍ   مِنْ قَبْلِ خَیْرِ الْخَلْقِ ضِعْفُ ثَمَانٍ

ترجمہ: حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے قبل جن اشخاص کا نام محمد رکھا گیا ان کی تعداد سولہ ہے۔

اِبْنُ لِبَرٍّ مُجَاشَعِ بْنِ رَبِیْعَةٍ   ثُمَّ ابْنُ مَسْلِمِ مَحْمَدِیُ حَزْمَانِ

ترجمہ: ۱:مُحَمَّدُ بْنِ بَرّ. ۲: مُحَمَّدُ بْنُ سُفْیَانِ بْنِ مُجَاشَعِ. ۳:مُحَمَّدُ بْنُ یَزِیْدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ رَبِیْعَه.
۴:مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلِمَة. ۵:مُحَمَّدُ مَحْمَدِیْ. ۶:مُحَمَّدُ بْنُ حَزْمَان (حزمار)

لَیْثِیّ هُوَالسُّلَمِیُّ وَابْنُ اُسَامَةَ   سَعْدِیُّ وَابْنُ سَوَادَةِ هَمْدَانَ

ترجمہ: ۷:مُحَمَّدُ بْنُ کلفه یا کلده بن عَوْفِ بْنِ عُمَرَ کَنَانِی لَیْثِیّ. ۸:مُحَمَّدُ بْنُ خُزَاعِیْ لَیْثِیّ.
۹:مُحَمَّدُ بْنُ یَزِیْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ رَبِیْعَه. ۱۰: مُحَمَّدُ بْنُ عدی سَعْدِیّ. ۱۱: مُحَمَّدُ بْنُ سَوَادَه.

۱۲ : مُحَمَّدُ بْنُ خَوْلِی هَمْدَانِی.

وَابْنُ الْجُلَاحِ مَعَ الْاُسَیْدِیْ یَافتی　　ثُمَّ الْفُقَیْمِیُّ هٰکَذَا الْحُمْرَانُ

ترجمہ: ۱۳ : مُحَمَّدُ بْنُ اُحَیْحَة بن جُلَاج. ۱۴ :مُحَمَّد اُسَیْدِیّ. ۱۵ :مُحَمَّد فُقَیْمِی اور اسی طرح:۔

۱۶ .مُحَمَّدُ بْنُ حَمْرَانَ ابْنِ اَبِیْ حَمْرَان.

امام بُلْقِیْنِیْ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پھر اِبْنِ مَسْلم: یہ لفظ میم کی زبر کے ساتھ ہے۔دراصل مَسْلَمة تھا شعر کی ضرورت کی بنا پر اس کے آخر سے ہا کو ختم کر دیا گیا ہے۔امام بُلْقِیْنِیْ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ذکر میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کی ہے۔

''فَتْحُ الْبَارِیْ'' اور ''اَلزَّهْر''میں اس کا تعاقب کیا گیا ہے کہ ان کی ولادت ولادتِ نبوی کے پندرہ برس بعد ہوئی تھی۔

بعض علماء نے اس تعاقب کا یوں جواب دیا ہے کہ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود ان لوگوں کا ذکر کرنا ہے جو دورِ جاہلیت میں پیدا ہوئے اور ان کا نام محمد رکھا گیا، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان میں سے تھے۔

نیز علامہ بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن حارث بن خُدَیج کا ذکر نہیں کیا۔

علامہ بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظم میں فرمایا:''حَزْمَان '' اسے زاء کے ساتھ لکھا، اس سے ان کی مراد مُحَمّد بن حَزْمَان ہے جیسا کہ خود انہوں نے شرح میں لکھا ہے۔شاید یہ نام انہوں نے علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ کے شفاء کے حاشیہ کے سقیم نسخے کی پیروی میں درج کتاب کر دیا ہے۔اور انہوں نے اسے حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اَلاِشَارہ'' سے نقل کیا ہے لیکن میں نے الاشارہ کے متعدد نسخوں میں محمد بن حِرْمَاز دیکھا ہے۔یعنی پہلے حاء پھر راء اور آخر میں زاء، میں نے اسی طرح ''اَلزَّهْر'' کے مصنف حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ نسخہ نیز علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ہر دو کی بخاری کی شرحوں میں دیکھا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محمد نام رکھے جانے کی وجہ جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آپ نے اس نومولود کا نام محمد کیوں رکھا اس سلسلہ میں آپ نے اپنے آباءواجداد کے ناموں سے اعراض کیوں کیا؟۔

تو انہوں نے جواب میں فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اس بچے کی تعریف اللہ تعالیٰ آسمانوں میں کرے اور زمین میں لوگ کرتے رہیں۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد کے خوش ہونے کے باب میں ان کا خواب گزر چکا ہے، جو انہوں نے دیکھا تھا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کی برکت کا ایک اظہار اس روایت سے ہوتا ہے جسے امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا اس نے ایک سو سال تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور پھر مر گیا، لوگوں نے اسے پکڑا اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ جا کر اس کی نماز جنازہ ادا کیجئے۔ آپ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! بنی اسرائیل کے لوگ گواہی دیتے ہیں کہ اس نے سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ وہ ایسا ہی تھا لیکن ایک روز اس نے تورات کو کھولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو دیکھا اسے بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھا، میں نے اس کے اس فعل کی قدر کی اسے معاف کر دیا اور ستر حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں اس بابرکت نام سے کنیت اختیار فرمائی۔ چناں چہ حضرت امام ابن عَدِیّ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے، نیز امام ابن عَدِیّ رحمۃ اللہ علیہ، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً، علاوہ بریں امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے، امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بکر بن عبداللہ مُزَنی سے، امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غالب بن عبداللہ عقیلی سے روایت کی کہ جنت میں ہر کوئی اس کے اپنے نام سے پکارا جائے گا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کو ابو محمد کے نام سے پکارا جائے گا۔ یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور توقیر کی خاطر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بزرگی اور فضل میں اضافہ فرمائے اور مسلمانوں کی طرف سے آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے۔

اسم مبارک حضرت سید الانبیاء علیہ السلام کا ازل سے انبیائے کرام علیہم السلام کی انگشتریوں، پتھروں نباتات اور حیوانات پر نقش ہونا

امام ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام بزار رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا عُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ مَامَرَرْتُ بِسَمَاءٍ اِلَّاوَجَدْتُ اسْمِیْ فِیْهَا مَکْتُوْبًا "لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ [1]

ترجمہ: جب مجھے آسمان کی معراج عطا کی گئی تو جس آسمان پر سے میرا گذر ہوا وہاں میں نے اپنے نام کو یوں لکھا ہوا پایا:۔"لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں لیکن ان کی سندیں کمزور ہیں۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کثرتِ طُرُق کے باعث یہ حدیث حسن ہے، اس میں موجود ضعف وغیرہ امور کو میں نے "اِتَّحَافُ اللَّبِیْبِ بِبَیَانِ مَاوضع فِیْ مِعْرَاجِ الْحَبِیْبِ" میں بیان کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَکْتُوْبٌ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ "لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ [2]

ترجمہ: جنت کے دروازے پر "لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا ہے۔

---

[1] (۱) اَلتَّارِیْخ اَلْخَطِیْب ۵/۴۴۴۔ (۲) اَلدُّرُّالْمَنْثُوْر اَلیسوطی ۴/۱۵۲۔

[2] (۱) اَلْعِلَل ابن جوزی ۱/۲۳۵ (۲) الضعفاء العقیلی ۱/۳۳۔
(۳) مجمع الزوائد الھیثمی ۹/۱۱۴

حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً نقل کیا یوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری کا نگینہ آسمانی تھا اللہ تعالیٰ نے اسے آپ علیہ السلام پر اتارا تھا اور آپ نے اپنی انگلی میں پہن رکھا تھا اس کا نقش یہ تھا

اَنَااللّٰہُ لَااِلٰہَ اِلَّااَنَا، مُحَمَّدٌ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ.

ترجمہ: میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔

حضرت ابوالزبیر رحمۃ اللہ علیہ اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جیسا کہ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے کندھوں کے درمیان یوں لکھا ہوا تھا:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ .

امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذرّ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، امام خرائطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "قَمْعُ الْحِرْصِ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ خزانہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ٹھوس سونے کی ایک تختی ہے جس پر یہ لکھا ہوا ہے:۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر وہ دشمنی رکھتا ہے، مجھے تعجب ہے اس شخص پر جسے دوزخ یاد ہے پھر ہنستا ہے، مجھے تعجب ہے اس پر جسے موت یاد ہے پھر غافل ہے، "لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔

ان احادیث کی سندیں کمزور ہیں۔

حضرت ابن ظَفَر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو عبرانی رسم الخط میں ایک پتھر پر تحریر یوں ملی:۔

(ترجمہ) اے اللہ! تیرے نام سے آغاز ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے واضح عربی زبان میں حق آ گیا "لَااِلٰـہَ

اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اسے موسیٰ بن عمران نے تحریر کیا۔

حضرت ابن طغربل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اَلنُّطْقُ الْمَفْهُوْمُ" میں بعض سے نقل کیا کہ اس نے ایک جزیرہ میں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پتے بڑے بڑے تھے ان کی خوشبو بہت اچھی تھی اس میں سرخی اور سفیدی سے سبزی میں واضح کتابت میں لکھا ہوا تھا یہ تحریر پیدائشی طور پر تھی، اللہ تعالیٰ نے تین سطروں میں اپنی قدرت سے اسے تین سطروں میں اختراع فرما رکھا تھا:۔

پہلی سطر میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" تھا۔

دوسری سطر میں: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا تھا۔

اور تیسری سطر میں: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامِ تحریر تھا۔

علامہ ابن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بُردہ کی شرح میں حضرت عبداللہ بن مرجان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ ہمیں تیز آندھی نے آلیا جب کہ ہم بحرِ ہند کی موجوں کے تھپیڑوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ہم ایک جزیرہ میں لنگر انداز ہوئے۔ وہاں ہم نے خوشبودار سرخ رنگ کا ایک پھول دیکھا جس میں سفید رنگت سے یہ لکھا ہوا تھا: "لَا اِلٰـــهَ اِلَّا الـلّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" ایک سفید رنگ کا پھول تھا جس میں زرد رنگ سے یوں تحریر تھا:۔ بڑی مہربانی اور نہایت رحم فرمانے والی ذات کی طرف سے نعمتوں والی جنت کی طرف آزادی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔

بعض لوگوں سے مروی ہے کہ ایک مچھلی اس کے پاس لائی گئی تو اس نے اس کے کان کے گوشت کے ایک ٹکڑے پر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسرے پر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا دیکھا۔

ایک جماعت سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک زرد رنگ کا تربوز پایا جس پر قدرتی طور پر مختلف سفید لکیریں تھیں ان خطوط سے عربی رسم الخط میں ایک طرف لفظ "اَللّٰه" لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف "عَزَّ اَحْمَدُ". (حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عزت والے ہیں) واضح انداز میں لکھا ہوا تھا، اس طرح کہ تحریر سے واقفیت رکھنے والا اس میں شک نہ کر سکتا تھا۔

۸۰۷ھ یا ۸۰۹ھ میں انگور کا ایک دانہ پایا گیا اس میں نہایت حسین انداز سے سیاہ رنگت کے ساتھ

"مُحَمَّد" لکھا ہوا تھا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے عرش اور باقی آسمانی مخلوق پر تحریر ہونے کی وصل میں کافی بیان گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شاعر پر جس نے یوں کہا ہے:۔

بَدَا مَجْدُهٗ مِنْ قَبْلِ نَشْاَ ةِ آدَمَ وَاَسْمَاءُ هٗ فِي الْعَرْشِ مِنْ قَبْلِ تُكْتَبُ

ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت واضح ہو چکی تھی اور ان سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی عرشِ باری تعالیٰ پر لکھے ہوئے تھے۔

تنبیہات

﴿تنبیہ اول﴾

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی پر بچوں کے نام رکھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے، بلکہ حافظ ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ حرّانی نے کہا اس بارے میں جس قدر احادیث وارد ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔ اس بارے میں علامہ ابن بُکَیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جزو ہے لیکن اس کی تمام احادیث موضوع ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علامہ ابن بُکَیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایات میں سب سے صحیح وہ حدیث ہے جو حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے جو کہ یہ ہے:۔

مَنْ وُّلِدَ لَهٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا حُبًّا لِّيْ وَتَبَرُّكًا بِاسْمِيْ كَانَ هُوَ وَ مَوْلُوْدٌ فِي الْجَنَّةِ. [1]

---

[1] (۱) کشف الخفاء العجلونی ۲/ ۳۹۳ (۲) الموضوعات ابن جوزی ۱/ ۱۵۷.
(۳) الالی المصنوعه الیسوطی ۱/ ۵۵ (۴) تذکرہ الموضوعات الفتنی ۸۹.

ترجمہ: جس کے ہاں بچہ پیدا ہو میری محبت اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے اس کا نام محمد رکھے تو وہ اور بچہ جنت میں ہوں گے۔

فرمایا اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں اور دوسرے مقام پر اس حدیث شریف کو انہوں نے حسن قرار دیا ہے۔
لیکن میں کہتا ہوں یہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ اس کی سند میں ابوالحسن حامد بن حماد بن مبارک بن عبداللہ عسکری ہے جو علامہ ابن بُکَیر کا استاذ ہے۔ علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے "مِیزَان" میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "اَللِّسَان" میں فرمایا ان کی یہ حدیث موضوع ہے، اور یہ اس کی آفت ہے اس کے شیخ اسحاق بن یسار مجہول ہیں۔

اس جز میں وارد ایک حدیث حضرت عبداللہ بن ابی رافع سے ہے جسے انہوں نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا

اِذَا سَمَّیْتُمُوْهُ مُحَمَّدًا فَلَا تَضْرِبُوْهُ وَلَا تَحْرِمُوْهُ ۔[1]

ترجمہ: جب تم اس کا نام محمد رکھو تو نہ اسے مارو اور نہ ہی اسے محروم رکھو۔

اسے امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ابوغسان بن عبداللہ کی سند سے روایت کیا اس میں ضعف ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ نیز اس جزء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث بھی ہے:۔

تُسَمُّوْنَهُمْ مُحَمَّدًا ثُمَّ تَسُبُّوْنَهُمْ. [2]

ترجمہ: تم اس کا نام محمد رکھتے ہو پھر اسے گالیاں دیتے ہو۔

اسے امام ابو داؤد طَیَالِسِی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکم بن عطیہ کی سند سے روایت کیا۔ امام بزّار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس راوی میں کوئی حرج نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "اَلتَّقْرِیْب" میں فرمایا یہ راوی سچا ہے اس کو کچھ وہم تھے۔

نیز اس میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی یہ مرفوع حدیث بھی ہے:۔

---

[1] (ا) کشف الخفاء العجلونی ۱/۹۴.

[2] المجمع الزوائد الهیثمی ۸/۵۱

مَا اُطْعِمُ الطَّعَامُ عَلٰى مَائِدَةٍ وَّلَاجُلِسَ عَلَيْهَا وَفِيْهَا اسْمِيْ اِلَّا قُدِ سُوْا كُلَّ يَوْمٍ مَّرَّتَيْنِ۔

ترجمہ: جس دستر خوان پر کھانا کھلایا گیا اور اس پر لوگوں کو بٹھایا گیا اور اس میں میرا اہم نام بھی ہوتو ان کو ہر روز دو بار برکت عطاء کی جاتی ہے۔

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن کنانہ شامی کی سند سے روایت کیا اور فرمایا یہ شخص مُنْكَرُ الْحَدِيْث ہے۔ امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مِيْزَان'' میں فرمایا: اس کو جھوٹا کہا گیا ہے۔ ''اَلْلِّسَان'' میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تبصرہ کو برقرار رکھا ہے۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے اس حدیث کی ایک اور سند ملی ہے جس میں احمد بن کنانہ موجود نہیں وہ سند یوں ہے: حضرت ابوسعید نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اساتذہ کی ''معجم'' میں فرمایا: ہم سے حضرت ابوبکر محمد بن عبدالخالق بَنْدَنِيْجِي رحمۃ اللہ علیہ نے انہوں نے حضرت ابو صالح شعیب بن خَصِيْب رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت عباس بن زید بحرانی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں حضرت محمد بن مُنْكَدِر رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی، حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

ان میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث بھی ہے:۔

مَنْ وُّلِدَ لَهٗ ثَلَاثَةُ اَوْلَادٍ فَلَمْ يُسَمِّ اَحَدَهُمْ مُحَمَّدًا فَقَدْ جَهِلَ.

ترجمہ: جس کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے اور ان میں کسی کا نام اس نے محمد نہیں رکھا وہ شخص جاہل ہے۔

اسے امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لیث بن سعید کی سند سے یوں روایت کیا، ہم سے حضرت موسیٰ بن اَعْيَن رحمۃ اللہ علیہ نے انہوں نے حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ مُصْعَب ضعیف راوی ہے اسی طرح لیث بھی ضعیف ہے۔ درج بالا حدیث کو حضرت حارث بن ابی اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماعیل بن ابی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص ضعیف ہے اسے بطور دلیل ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

یہ دوحدیثیں اس باب میں سب سے بہتر ہیں لیکن ان کی سندیں کمزور ہیں۔

''اَلْاِصَابَہ'' میں جُشَیْب کے حالات میں ہے:۔ جُشَیْب: جیم کے بعد شین پھر یا اور آخر میں باء کے ساتھ ہے، حضرت ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن ابی فُدَیک رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت جَهْم بن عثمان بن جُشَيْب رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا:۔

مَنْ تَسَمّٰی بِاسْمِیْ یَرْجُوْ بَرَکَتِیْ غَدَتْ عَلَیْهِ بَرَکَتِیْ وَرَاحَتْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

ترجمہ: جس نے میرے نام پر نام رکھا اس امید پر کہ اسے برکت حاصل ہو اس پر میری برکت نازل ہوگی اور قیامت تک وہ باقی رہے گی۔

امام ابن مَنْدَہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر یہ جُشَیْب رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جو حضرت سعید بن سُوَیْد سے روایت کرتے ہیں، تو یہ تابعی ہیں اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے قدیم شاگرد ہیں۔

تنبیہ دوم

حافظ ابوالخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کوئی مرفوع حدیث اس طرح سے مروی نہیں ہے کہ:۔

''جو چاہے کہ اس کی زوجہ کا حمل لڑکا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنا ہاتھ اس کے پیٹ پر رکھے اور کہے اگر یہ حمل لڑکا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھ دیا حمل کا وہ بچہ لڑکا ہوگا۔''

صرف حضرت ابو شعیب عبداللہ بن حسن حرّانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو جزؤں میں حضرت عطاء سے یہ روایت نقل کی:۔

''جس پیٹ میں موجود ہونے والے بچہ کا نام محمد رکھا گیا وہ ضرور لڑکا ہوگا''۔

میں کہتا ہوں بعض علماء نے اسے مرفوع بھی کہا ہے جیسا کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''موضوعات'' میں حضرت عائشہ بنت سعد اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی اس کی سند میں عثمان بن عبدالرحمٰن ہے۔ امام ابن مَعِین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کاذب کہا لیکن امام ابن حِبّان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ شخص ثقہ راویوں سے روایت

نقل کرتا ہے۔

حضرت ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ بغداد میں حضرت محمد بن سلام بن مسکین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا ہم سے وھب بن وھب، انہوں نے حضرت جعفر بن محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت امام حسین بن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جس عورت کو حمل ہو وہ نیت کرے کہ اس کا نام محمد رکھے گی اللہ تعالیٰ اسے لڑکا بنادے گا اگرچہ وہ لڑکی ہو۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وَھب بن وھب وہ ہے جس کی کنیت اَبُو الْبَخْتَرِی ہے اس پر کذب وضع کی تہمت ہے۔ حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ روایت ''الموضوعات'' میں درج کی ہے اور حضرت عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وھب احادیث گھڑنے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا ہے۔

(تنبیہ سوم)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح اور تاریخ میں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلَا تَعْجَبُوْنَ.

ترجمہ: ''کیا تم تعجب نہیں کرتے''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں ان الفاظ سے روایت کی:

يَاعِبَادَ اللّٰهِ اُنْظُرُوْا.

ترجمہ: اے اللہ کے بندو! دیکھو تو سہی۔

اور اسی کی ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح سے ہیں:۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّىْ شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ .يَشْتُمُوْنَ مُذَمَّمًا وَّيَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَّاَنَامُحَمَّدٌ

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش کے سب وشتم اور ان کی لعنت کو مجھ سے دور فرما دیا ہے وہ لوگ

مُذَمّم کوگالی گلوچ کرتے ہیں مُذَمِّم پرلعنت کرتے ہیں میں تومُحَمَّد ہوں۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "اَمَالِیْ" میں فرمایا: سرکاردوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کس طرح درست ہوسکتا ہے کیوں کہ وہ لوگ نام کوگالی نہ دیتے تھے بلکہ ذات اقدس ان کا نشانہ تھا، اور ذات مبارک تو ایک ہی ہے (اسے مُحَمَّدْ کہا جائے یامُذَمِّمْ کہا جائے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نام یعنی مُحَمَّد کو کافی بنادیا ہے کہ وہ ان کی سب وشتم کا مذاق اڑا رہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کفارِ قریش نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شدت سے ناپسند کیا کرتے تھے اس حد تک کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وہ نام جو آپ کی مدح پر دلالت کرتا نہ لیتے بلکہ اسے چھوڑ کر اس کی ضد پر دلالت کرنے والا نام آپ کے لئے ذکر کرتے تھے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مذمم کہا کرتے تھے اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا برائی سے ذکر کرتے تو کہا کرتے اللہ تعالیٰ مُـذَمِّـمْ کو ایسا ویسا کرے، جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام مُـذَمِّـمْ نہ تھا، اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس نام سے معروف تھے، تو گویا جو الفاظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ان سے صادر ہوتے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے رخ موڑ کر کسی اور کے لئے ہو جاتے تھے۔

حرف ☆☆☆ الف

۲

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَمُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (الصّف، آیت/۶).

ترجمہ: اور میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد ہوگا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

علمائے کرام نے فرمایا جب سے دنیا اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی اس وقت سے لے کر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تک کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا، اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں کسی کا نام احمد ہوا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جس کا نام احمد ہوا درست روایت کی رو سے وہ امام خلیل بن احمد کا والد تھا، یہ امام خلیل، امام سیبویہ کا استاذ تھا۔ امام مُبرَّ د رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محققین نے جستجو کی تو انہیں حضرت خلیل بن احمد کے باپ سے پہلے کسی شخص کا نام احمد نہیں ملا۔ حافظ ابوالفضل عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابوالنصر سعید بن احمد کے نام سے اس دعویٰ پر اعتراض کیا گیا ہے کیوں کہ یہ شخص خلیل کے والد احمد سے پہلے کا ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اکثر علماء نے اس کا نام سعید بن یحمد یعنی یا کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور امام ابن مَعِیْن رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کا نام احمد بتایا ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ ایسا عَلَم ہے جو صفت سے نقل کیا گیا ہے۔ اور وہ صفت اَفْعَل کا صیغہ ہے جس سے تفضیل مراد ہوتی ہے۔

علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دونوں کتابوں "جَلَاءُ الْاَفْھَام" اور "زَادُ الْمَعَاد" میں فرمایا لیکن یہ "زَادُ الْمَعَاد" کے الفاظ (کا ترجمہ) ہیں:۔

علماء کا اختلاف ہے کہ یہ لفظ آیا اسم فاعل کے معنوں میں ہے یا اسم مفعول کے معنوں میں؟۔

علماء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے یہ لفظ اسم فاعل کے معنوں میں ہے، اس کا معنی ہے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے سوا اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والوں سے زیادہ حمد فرمانے والے ہیں۔

علماء کے دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ یہ لفظ اسم مفعول کے معنوں میں ہے اس کا معنی ہے کہ "لوگوں میں سب سے زیادہ اس امر کا مستحق اور حق دار اس بات کا کہ اس کی تعریف کی جائے" تو اس صورت میں یہ لفظ معنے کے اعتبار سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مانند ہوگا، اور دونوں میں فرق یہ ہوگا کہ محمد کا معنی ایسا محمود جس کی یکے بعد دیگرے حمد کی جائے یہ لفظ آپ کے لئے حمد کرنے والوں کی حمد کی کثرت پر دلالت کرتا ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی عادات مبارکہ کثیر ہوں جن پر آپ کی حمد کی جائے۔ اور احمد وہ ذات ہے جس کی سب سے افضل وہ تعریف کی جائے جو اوروں کی کی جاتی ہے، تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محمد کا لفظ کثرت اور مقدار کے اعتبار سے، جب کہ احمد کا لفظ حالت اور کیفیت کے لحاظ سے، حمد و تعریف کی مستحق ذات پر دلالت کرتا ہے جس میں یہ استحقاق اوروں سے زیادہ پایا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حمد ہر اس حمد سے افضل ہے اور اکثر بھی جس سے کسی انسان کی تعریف کی گئی ہو۔ یہ دونوں اسماء اسم مفعول کے معنوں میں واقع ہوئے ہیں اور یہ انداز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں اَبْلَغ ہے اور معنوی اعتبار سے اَکْمَل بھی۔ اور پھر فرمایا یہی مختار اور راجح ہے، اگر اس لفظ یعنی احمد سے اسم فاعل کا معنی مراد ہوتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو احمد کی بجائے حماد کے نام سے موسوم کیا جاتا جس کا معنی ہے کثرت سے حمد و ثنا بیان کرنے والا اور چوں کہ آپ اور لوگوں کی نسبت سے اپنے پروردگار کی زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی احمد آپ کی اپنے پروردگار کی تعریف کے اعتبار سے ہوتا تو اس سے زیادہ مناسب لفظ حماد تھا جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، علاوہ بریں حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دونوں اسماء آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ان اخلاق اور

خصائل مبارکہ کی بدولت مشتق کئے گئے ہیں جن کے باعث وہ اس امر کے مستحق ٹھہرے کہ انہیں محمد اور احمد کے نام سے موسوم کیا جائے۔

علامہ ابن قیم نے اس پر مبسوط کلام کیا ہے اس مقام کی تحقیق سے کلام طویل ہوجائے گا آپ اسے علم نحو کی مُطوّل کتابوں میں تلاش کرلیں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد اور احمد اس لئے رکھا گیا کہ ان دونوں لفظوں کا معنی یعنی ''حمد'' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو احاطہ کئے ہوئے ہے، نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں اور فرشتوں کے نزدیک بھی محمود اور انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاں بھی محمود ہیں، روئے زمین کے تمام باشندوں کے ہاں بھی محمود ہیں اگرچہ ان میں سے بعض آپ کا انکار کرتے ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں جو صفات موجود ہیں وہ ہر عقل مند کے نزدیک تعریف کے قابل ہیں اگرچہ اس کا انکار اور عداوت کے باعث یا آپ کے ان صفات سے متصف ہونے سے لاعلم ہونے کی بدولت سرکشی سے کرے لیکن جب بھی اسے یقین حاصل ہوجائے گا کہ آپ ان صفات سے موصوف ہیں وہ آپ کی حمد کرنے لگے گا۔ کیوں کہ جو شخص صفاتِ کمال سے متصف شخص کی تعریف کرتا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان صفات کے حامل ہیں تو ایسا شخص حقیقت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کررہا ہوتا ہے۔

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن قَیّم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حمد سے موسوم ہونے کی نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر خصوصیت حاصل ہے جو کسی اور ذات میں جمع نہیں۔ دیکھئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی احمد بھی ہے اور محمد بھی۔ آپ کی امت کا نام حمادون ہے جو تکلیف اور راحت میں اس کی تعریف کرتے رہتے ہیں، آپ اور آپ کی امت کی نماز کا آغاز سورۂ الحمد سے ہوتا ہے۔ آپ کے خطبہ کی ابتداء حمد سے ہوتی تھی، آپ کا مکتوب بھی حمد سے شروع ہوتا تھا، کھانے اور پینے کے بعد حمد آپ کے لئے مشروع ہے، اسی طرح دعا کے بعد اور سفر سے واپسی پر بھی حمد بجالانے کا حکم ہے، قیامت کے روز لِوَاءُ الْحَمْد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہوگا، مخلوق کی شفاعت کے لئے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ فرمائیں گے اور آپ کو اذنِ شفاعت عطا ہو جائے گا تو آپ اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد بیان کریں گے جو اس وقت آپ کا پروردگار آپ کو القاء فرمائے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صاحبِ مقامِ محمود ہیں جس کی بدولت اولین وآخرین آپ پر رشک کریں گے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مقام پر تشریف فرما ہوں گے تو سارے محشر والے خواہ وہ کافر ہوں گے یا ایمان والے، خواہ وہ پہلے ہوں گے یا بعد میں آنے والے غرضیکہ سارے کے سارے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کریں گے۔

﴿تنبیہ﴾ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احمد یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے پہلے تھے اور محمد یعنی بار بار تعریف کئے گئے بعد میں قرار پائے، خارج میں ایسا ہی تھا، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا احمد نام کتبِ سابقہ میں واقع تھا، اور محمد نام قرآن مجید میں وارد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کی اور لوگوں سے پہلے حمد وثنا بیان کی امام سُہَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ احمد ہونے سے پہلے محمد نہیں تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کی حمد کی تو اس نے آپ کی نبوت کا اعلان فرمایا اور بزرگی میں اضافہ فرمایا لہٰذا آپ کے لئے احمد نام محمد نام سے پہلے کا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا تو فرمایا:

اِسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ

ترجمہ: آپ کا نام احمد ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جب کہ پروردگار نے فرمایا: یہ احمد (پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی امت ہے، تو آپ نے عرض کی اے اللہ! مجھے حضرت احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے بنادے۔

اس سے پتہ چلا کہ محمد کے نام سے پہلے آپ کو احمد نام سے ذکر کیا گیا، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت اور بعثت مبارکہ ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بالفعل محمد تھے اسی طرح شفاعتِ عظمیٰ کے موقع پر آپ اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف بیان فرمائیں گے جو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو القاء فرمائے گا، اس طرح

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام حمد بیان کرنے والوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کہیں گے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کریں گے اور شفاعت کے باعث مخلوق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرے گی۔ ذرا غور کرو کہ کس طرح اس اسم (محمد) سے پہلے اس اسم (احمد) کو ذکر اور وجود میں دنیا اور آخرت میں ترتیب سے رکھا گیا، اس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان دو اسماء سے مخصوص کرنے کی حکمتِ الٰہیہ تم پر واضح ہو جائے گی۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور امام سُہَیْلی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ احمد نام محمد نام سے پہلے ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علمائے کرام نے اس کو برقرار رکھا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''جَلاءُ الْاَفْهَام'' اور ''زَادُالْمَعَاد'' دونوں کتابوں میں اس کی تردید کی ہے اور اس کے قائل کو غلطی کی طرف منسوب کیا ہے، پھر انہوں نے تورات کی عبارت نقل کی ہے جسے اہلِ کتاب میں سے ایمان دار لوگ پڑھا کرتے تھے اس میں ماذ ماذ کے قریب حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے اس کے بعد یوں ذکر فرمایا کہ ان کی اولاد سے بارہ عظیم انسان پیدا ہوں گے ان میں سے ایک عظیم ہستی کا نام ماذ ماذ ہوگا۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ الفاظ اہل کتاب کے اہل ایمان علماء کے نزدیک نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی صراحت ہے، پھر انہوں نے فرمایا میں نے تورات کی بعض شرحوں میں دیکھا جیسا کہ ہم نے اس کو اس متن کے بعد نقل کر دیا ہے، کہ یہ دو حرف دو مقامات پر ہیں یہ دونوں حضور اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی کو متضمن ہیں، شارح نے اس پر مبسوط کلام کیا ہے اور بھرپور دلیل دی ہے۔

علامہ ابن قیم نے ایک اور شارح سے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی تورات میں اس سے ظاہر تر انداز میں موجود ہے جس کا ذکر پہلے شارح نے کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے اس کے کلام کو نقل بھی کیا ہے۔ جو اسے معلوم کرنا چاہے اسے ''جَلَاءُ الْاَفْهَام'' کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

بہت سے ایسے آثار بھی وارد ہیں جو علامہ ابن قیم کے قول کے حق میں شہادت دیتے ہیں۔

اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمد ذکر فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ کیوں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی احمد تورات میں محمد نام

سے بعد میں مندرج ہے۔ اور قرآن مجید میں احمد نام آپ کے محمد نام سے پہلے درج ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ دونوں ناموں کے درمیان گھری ہوئی پائی جاتی ہے۔

پہلے ذکر ہو چکا کہ یہ دو اسمائے مبارکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں دو صفتیں ہیں۔ اور ان دونوں اسما کا وصف ہونا ان کی علمیت کے منافی نہیں ہے، اور ان دونوں کا لفظی معنی مقصود ہے، اس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر امت میں اپنی ان دو صفات سے معروف تھے جو اس امت میں معروف ترین تھیں۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خصوصیت کے ساتھ اس نام کو ذکر کیا اس کے علاوہ آپ کی باقی صفات ذکر نہ کیں اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام لوگوں کو تنبیہ کرنا چاہتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ سے اور آپ سے قبل تمام مخلوق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنے والے ہیں۔ کیوں کہ یہ اسم مبارک ان عادات مبارکہ اور اخلاق حسنہ پر مشتمل ہے جو آپ کے علاوہ کسی اور کو اس کمال کے ساتھ حاصل نہیں ہوئے۔

﴿تنبیہ﴾ اس نام سے موسوم کرنے کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع حدیث باطل ہے کہ ''قیامت کے دن دو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا کیا جائے گا ان دونوں کو جنت میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا، وہ دونوں عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہم کس سبب سے جنت کے حقدار بنے حالاں کہ ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کے بدلے میں ہمیں جنت عطا کی جاتی اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے دونوں بندو! جنت میں داخل ہو جاؤ کیوں کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جس کا نام احمد اور محمد ہوگا اسے دوزخ میں داخل نہ کروں گا۔'' یہ حدیث باطل ہے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایسا ہی کہا ہے۔ اسے حضرت ابن بُکَیر رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن عبداللہ دارع کے حوالہ سے روایت کیا ہے اور یہ شخص کذاب تھا۔ اس کا شیخ صدقہ بن موسیٰ۔ اور اس کا باپ غیر معروف آدمی ہیں۔

﴿فائدہ﴾ عربی زبان میں ''اَحْمَد'' غیر منصرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس پر نہ کسرہ آتا ہے اور نہ ہی تنوین،

اس میں علمیت اور وزنِ فعل غیر منصرف ہونے کے دو اسباب پائے جاتے ہیں، کسی شخص نے اس اسم کے بارے میں یہ پہیلی نظم کی ہے:۔

وَرَاكِعَةٌ فِيْ ظِلِّ غُصْنٍ مَنُوْطَةٍ　　　بِلُؤْلُؤَةٍ نِيْطَتْ بِمِنْقَارِ طَائِرِ

ترجمہ: ایک ٹہنی کے سایہ میں ایک حرف بحالت رکوع ہے جو ایک موتی سے جڑا ہوا ہے اور وہ موتی پرندے کی ایک چونچ کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔

(اس پہیلی کا حل یہ ہے کہ) حرف بحالت رکوع سے مراد دال ہے اور ٹہنی جس کے سایہ میں وہ ہے اس سے مراد الف ہے۔ موتی سے مراد میم اور پرندے کی چونچ سے مراد حاء ہے۔

اَبَرّ اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، اس کا فعل ماضی بَـرَرۡتُ فلانا (میں نے فلاں سے نیکی کی) فعلِ مضارع اَبَرُّہ مصدر بِرًّا صفتِ مشبہ بَرٌّ اسم فاعل بارٌّ ہے، بَرّ اور بَارٌّ کا معنی ہے مُحۡسِن یعنی نیکی کرنے والا۔ بِرٌّ ایسا اسم ہے جو تمام بھلائیوں کو جامع ہے اس لفظ کا اطلاق صدق پر بھی ہوتا ہے حدیث پاک میں ہے:۔

لَایَزَالُ الرَّجُلُ یَصۡدُقُ حَتّٰی یُکۡتَبَ عِنۡدَ اللّٰہِ بَارًّا وَّلَایَزَالُ یَکۡذِبُ حَتّٰی یُکۡتَبَ عِنۡدَ اللّٰہِ کَاذِبًا۔

ترجمہ: آدمی لگاتار سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں راست گفتار لکھ دیا جاتا ہے، اور وہ لگاتار جھوٹ بکتا رہتا ہے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹ بولنے والا لکھ دیا جاتا ہے۔

عربی محاورہ ہے: صَدَقَ وَبَرَّ اس نے سچ کہا درست کہا، اور اس کا الٹ ہے کَذَبَ وَفَجَرَ اس نے جھوٹ بولا اور نافرمانی کی۔ صفتِ مشبہ بَرّ کی جمع "اَبۡرَار" ہے اور اسمِ فاعل بارّ کی جمع "بَرَرَۃ" ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں "اَبَـرُّ الـنَّـاسِ" کہا جائے یعنی ''تمام لوگوں سے زیادہ احسان اور نیکی کرنے والے'' کیوں کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات میں اچھے عادات، احسان اور صدق اس قدر جمع کر دیئے گئے ہیں کہ مخلوق میں کسی کے اندر اس قدر جمع نہیں ہیں۔

حضرت ابو علی حاتمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ سب سے سچا شعر جو عربوں نے کہا وہ اَبُوۡاِیَاس دُؤلیّ کا یہ شعر ہے:۔

وَمَا حَـمَـلَتۡ مِنۡ نَّاقَۃٍ فَوۡقَ رَحۡلِھَا ‏ ‏ ‏ ‏ اَبَـرَّ وَ اَوۡفٰـی ذِمَّۃً مِّـنۡ مُّـحَـمَّـدٖ

ترجمہ: کسی اونٹنی نے اپنے کجاوہ پر حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ سچا اور وعدہ کو پورا کرنے

والانہیں اٹھایا۔

یہ اسم مبارک اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوموسوم فرمایا ہے۔

بَرّ جب اسمائے الٰہیہ سے ہوگا تو اس کے معنی میں یہ مختلف اقوال ہیں:

احسان کرنے والا۔

سچا وعدہ کرنے والا۔

نیکی کا خالق۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہلے دو معنوں میں بَرّ ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفاتِ معنویہ میں آرہا ہے۔

یہ اسم مبارک اَبْطَح کی جانب نسبت سے بنایا گیا ہے۔اور اَبْطَح کا معنی پانی کی وہ گزرگاہ ہے جس میں چھوٹے چھوٹے پتھر ہوں۔ یہاں پر اَبْطَح سے مراد مکہ معظمہ کا مقام اَبْطَح ہے جو اس کے وادی کے پانی بہنے کی جگہ ہے، یہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے، اس کا آغاز مُحَصَّب کے مقام سے ہوتا ہے۔

لغت میں اس کا اصل معنی وہ مقام ہے جو پہاڑوں سے ڈھلوان میں لیکن پانی کی گزرگاہ سے اونچا ہو۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں فرمایا:۔

وَاَکْرَمَ صِیْتًا فِی الْبُیُوْتِ اِذَا انْتَمٰی وَاَکْرَمُ جَدًّا اَبْطَحِیًّا یُسَوَّدُ

ترجمہ: جب آپ اپنا نسب بیان فرماتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاندانوں میں سے سب سے معزز شہر شہرت والے تھے اور ابطح کے باشندوں میں سب سے زیادہ معزز دادا والے اور سردار تھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کیوں کہ آپ نشیبی علاقوں میں مقیم قریش سے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت قُصَیّ رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ خامس تھے جب وہ خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور مکہ مکرمہ کے امیر ٹھہرے تو انہوں نے اس کی زمین کو اپنے خاندان میں چار حصوں میں تقسیم کردیا، جب بَنُوْ کَعْب بن لُؤَیّ، بَنُوْ عَامِر بن لُؤَی کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے بَنُوْ مُحَارِب اور بَنُو حَارِث بن فِہْر کو نشیبی علاقوں سے بالائی علاقوں کی طرف اور بَنُوْ خَارِجَہ کو مکہ معظمہ کے اردگرد حرم کی زمین کی طرف نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نشیبی علاقوں میں رہنے والے قریش بَنُوْ کَعْب بن لُؤَیّ، بَنُوْ عَبْد مَنَاف، بَنُوْعَبْدُالدَّار، بَنُوْمُرَّة بن کِلَاب، بَنُومَخْزُوْم بن یَقْظَه، بَنُوْتَمِیْم بن مُرَّة، بَنُوْجُمَح، سَهْم بن عمرو بن هُصَیْص بن کَعْب، بَنُوْعَدِیّ بن مَالِک اوربَنُوْعَامِر بن لُؤَیّ تھے۔

اور بالائی علاقوں میں رہائش پذیر قریش: بَنُوْ مُحَارب، بَنُوْحَارِث بن فِهْر، بَنُوْ اَدْرَم بن غَالِب اور بَنُوْعَامِر بن لُؤَیّ کے عام افراد تھے، حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو سَیِّدُ الْاَبْطَح اور سَیِّدُ الْاَبَاطِح کہا جاتا تھا۔

یہ لفظ باء اور جیم کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے: ''خندہ رو'' اور تابناک رخ والا۔

یا اس کا معنی ہے: کرم، سخاوت اور نیکی کرنے والا۔

یا اس کا معنی ہے: ''وہ شخص جس کا معاملہ واضح ہو۔

اور اسی سے ہے: صَبَاحٌ اَبْلَجُ ''روشن صبح۔

اِنْبَلَجَتِ الشَّمْسُ اِنْبِلَاجًا'' ''سورج خوب چمک اٹھا''۔

اِنْبَلَجَ الْفَجْرُ ''صبح روشن ہوگئی''۔

تَبَلَّجَ الْفَجْرُ ''صبح روشن اور واضح ہوگئی''۔

یہ لفظ بِیَاض (سفیدی) سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، جو کہ سَوَاد (سیاہی) کی ضد ہے۔ اس کا معنی ہے ''سخاوت کرنے والا، جود وعطا کرنے والا'' اور ذی الرمۃ کا شعر اسی معنوں میں ہے:۔

وَاَبۡیَضَ مُرۡتَاحِ النَّحِیۡزَۃِ لِلنَّدٰی لَہٗ نَائِلٌ بِالۡمَکۡرُمَاتِ یَفِیۡضُ

ترجمہ: وہ جود وسخا کرنے والا ہے، سخاوت کے لئے اس کی طبیعت بہت چست ہے، اس کی سخاوت سے کریمانہ افعال ٹپکتے ہیں۔

اس لفظ کا معنی ''بابرکت اور بایُمن'' بھی ہے، جَعۡدِی کے اس شعر میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

کَمۡ بِتُّ اَرۡقَبُ مِنۡکَ یَوۡمًا اَبۡیَضًا فِیۡ شِبۡہِ وَجۡھِکَ بِالنَّدٰی مُتَھَلِّلُ

ترجمہ: تیرے چہرے، جس سے سخاوت جھلملا رہی تھی، کے مشابہ چہروں میں میں نے کتنا تیری خاطر بابرکت دن کا انتظار کیا۔

یا اس کا معنی ہے ''سفیدی سے متصف''، جس سے مراد ہے صاف ستھری عزت والا۔

محاورہ ہے: رَجُلٌ اَبۡیَضُ اِمۡرَاۃٌ بَیۡضَاءُ.

اس کا معنی ہے برے خلاق واطوار سے پاک عزت والا مرد یا عورت۔

اس کا فعل یوں مستعمل ہوتا ہے:۔ اِبۡیَضَّ اِبۡیِیۡضَاضًا وَّبِیَاضًا۔ اسم فاعل ''مُبۡیَضٌ'' ہے۔

حضرت ابوطالب نے ایک شعر میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یوں صفت وثنا بیان کی ہے:۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بے عیب عزت والے ہیں، بادل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے سیرابی حاصل کرتے ہیں، یتیموں کی فریادرسی کرنے والے ہیں اور بیواؤں کو کما کر کھلانے والے ہیں۔

اس کی پوری بحث ثِمَال کے تحت آئے گی۔

۷

یہ اسم تَقٰی یَتْقِیْ بروزن قَضٰی یَقْضِیْ سے اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، یہ اِتَّقٰی یَتَّقِیْ سے مشتق نہیں جو کہ اس کا اصل ہے، پھر اس کی تخفیف کردی گئی ہو، کیوں کہ اَفْعَلُ تَفْضِیْل غیر ثلاثی سے تین حروفِ اصلیہ پر مشتمل نہیں ہوتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَتْقَاکُمْ وَاَبَرُّکُمْ وَاَصْدَقُکُمْ حَدِیْثًا۔

ترجمہ: تم جانتے ہو کہ میں تم میں سے اَتْقٰی (زیادہ پرہیزگار) اَبَرُّ (زیادہ نیک) اور بات کہنے میں تم سے زیادہ سچا ہوں۔

امام جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلتَّقِیُّ اور اَلْمُتَّقِیْ ہم معنی ہیں اسی طرح اَلتُّقٰی اور تَقْوٰی بھی ہم معنی ہیں۔ اَلتَّقْوٰی میں واؤ یا سے بدل شدہ ہے کیوں کہ اس کا فعل اِتَّقَیْتُ ہے (اگر یا سے بدل شدہ نہ ہوتی تو فعل اِتَّقَوْتُ ہوتا) اور ان تمام الفاظ میں تاء واؤ سے تبدیل ہو کر آئی ہے کیوں کہ یہ صیغہ وَقَیْتُ سے مزید فیہ ہو کر بنا ہے۔

تَقْوٰی کا اصلی لغوی معنی "کلام کا کم ہونا ہے" یہ معنی علامہ ابن فارس نے نقل کیا ہے۔

باقی علماء نے فرمایا کہ اس کا اصل معنی "ڈر اور بچاؤ" ہے اس کی اصل سب سے پہلے شرک سے پھر گناہوں سے پھر شبہات سے، پھر فضول کاموں سے بچنا ہے، اور تقویٰ کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے اس کی مخالفت سے بچنا ہے۔

ایک شخص نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تقوی کیا ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم کبھی کانٹوں والے رستہ سے گزرے ہو اس نے جواب دیا ہاں۔ تو آپ نے پوچھا تم نے اس وقت کیا کیا۔ تو اس نے کہا مجھے کوئی کانٹا نظر آتا میں اس سے ایک طرف ہو جاتا یا اس کو پھلانگ جاتا یا اس سے پیچھے ہٹ جاتا۔ تو فرمایا یہی تقویٰ ہے۔

اس حدیث کو امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے "کِتَابُ التَّقْوٰی" میں روایت کیا ہے۔

علامہ ابن معتنر رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِیْرَ هَا وَکَبِیْرَهَا ذَاکَ التُّقٰی

ترجمہ: چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑ دے یہی تقویٰ ہے۔

وَاصْنَعْ کَمَاشٍ فَوْقَ اَرْ ضِ الشَّوْکِ یَحْذَرُ مَایَرٰی

ترجمہ: اور کانٹے دار زمین پر چلنے والے کی مانند عمل کر کہ جو کانٹا اسے نظر آتا ہے اس سے بچتا ہے۔

لَاتَحْقِرَنَّ صَغِیْرَۃً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصَا

ترجمہ: کسی صغیرہ گناہ کو حقیر نہ جان کیوں کہ پہاڑ کنکریوں سے مل کر بنتے ہیں۔

اور تقویٰ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جس طرح قرآن مجید میں ہے:۔

هُوَاَهْلُ التَّقْوٰی.

تو اس کا معنی ہے کہ وہ ذات اس امر کی اہل ہے کہ اس کے عذاب سے بچا جائے اور اس کی سزا سے خوف کیا جائے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

تقویٰ جلیل رب سے خوف کھانا، قرآن مجید پر عمل کرنا، تھوڑے پر قناعت کرنا اور کوچ کے دن کی تیاری کرنا ہے۔

نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

لَایَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی یَدَعَ مَالَابَاْسَ بِهٖ حَذْرًا مِمَّابِهٖ بَاْسٌ۔ [1]

ترجمہ: بندہ متقین کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ایسے امور سے جن پر عذاب ہوتا ہے کے خوف سے ان امور کو نہ چھوڑ دے جن میں گناہ نہیں ہوتا۔

اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن قرار دیا۔

---

[1] (۱) السنن الترمذی ۲۴۵۱ (۲) السنن ابن ماجه ۴۲۱۵
(۳) الکبیر الطبرانی ۱۶۹/۱۷ (۴) السنن البیهقی ۲۳۵/۲

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ.

ترجمہ: اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہو۔

اس آیت میں تقویٰ پر ثبات کے دوام کا حکم ہے جس طرح اس آیۃ مبارکہ میں ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ . الحدید آیت ۲۸۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔

اس کا معنی ہے آپ پر دوامی ایمان قبول کرو۔

۸

ماقبل اسم مبارک کی بحث میں اس کا معنی گزر چکا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ لفظ جُوْد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے ''کرم وبخشش''۔

ماضی ''جَادَ'' مضارع ''یَجُوْدُ'' مصدر ''جُوْدًا'' صفتِ مشبہ جَوَاد واؤ پر تشدید کے بغیر، اور جَوَاد کی جمع جُوْد، اَجْوَاد، اَجَاوِدُ اور جُوَّاد ہے۔ علامہ اَلنَّحَاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ جَوَاد وہ شخص ہوتا ہے جو اس کو بھی عطاء کرتا ہے جو استحقاق نہیں رکھتا، بن مانگے دیتا ہے، کثرت سے عطاء کرتا ہے اور محتاجی کا خوف نہیں رکھتا۔

کثیر بارش کو عرب لوگ ''مَطَرٌ جَوَادٌ'' کہتے ہیں۔

اور ''فَرَسٌ جَوَادٌ'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو بن مطالبہ کے کثرت سے دوڑے۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ لفظ ''جُوْد'' اور لفظ ''سَخَا'' مترادف اور ہم معنی ہیں، لیکن صحیح تر یہ ہے کہ ''اَلسَّخَاء'' کا مقام ''جُوْد'' سے کم تر ہے، اَلسَّخَاء کا معنی ہے ''ضروریات کے وقت نرم ہو جانا'' اسی سے ایک عربی محاورہ ہے:

''اَرْضٌ سَخَاوِیَۃٌ'' ''ایسی زمین جس کی مٹی نرم ہو''۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''رسالہ'' میں لکھا ہے کہ کچھ علماء نے فرمایا جو مال کا ایک حصہ دے وہ ''سخی'' ہوتا ہے، جو مال کا اکثر حصہ دے دے اور کچھ اپنے لئے بھی باقی رکھے وہ ''جَوَاد'' ہوتا ہے اور جو خود تکلیف برداشت کرے اور ''گزراوقات'' میں بھی دوسروں کو ترجیح دے وہ ''مُؤْثِر'' یعنی ''ایثار پیشہ'' ہوتا ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اَلسَّخَاء آسانی کے ساتھ خرچ کرنے کا نام ہے اور اس کو جُوْد بھی کہتے ہیں۔ اس کی نقیض تقْتِیر (خرچ کرنے میں تنگی کا مظاہرہ کرنا) ہے۔ سَمَاحَۃ کا معنی ہے ''فراخ دلی کے ساتھ دوسروں کے ذمہ اپنے حق سے دستبردار ہو جانا'' اس کی ضد ''شَکَاسَہ'' (بخیل ہونا) ہے۔ اور کرم کا معنی ہے خوش دلی سے ایسے معاملہ میں

خرچ کرنا جس کا کھٹکا زیادہ ہو۔ اسے "حُرِّیة" بھی کہتے ہیں اس کی ضد "نذالة" (خسیس اور حقیر ہونا) ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ:

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے بڑھ کر جود وسخا فرمانے والے تھے۔ اور رمضان المبارک میں آپ نہایت ہی جود وسخا فرمایا کرتے تھے۔

امام ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلَا اُخْبِرُ کُمْ عَنِ الْاَجْوَدِ؟ اَللّٰهُ الْاَجْوَدُ وَاَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ آدَمَ [1]۔

ترجمہ: کیا میں تمہیں سب سے بڑھ کر جُود وسخا کرنے والی ذات کی خبر نہ دوں، اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر جُود فرمانے والا ہے اور میں اولادِ آدم میں سب سے زیادہ جُود کرنے والا ہوں۔

اس کا مزید بیان سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جود وکرم کے باب میں آئے گا۔

---

[1] (۱) مَجْمَعُ الزَّوَائِد، هیثمی ۱٦/۹ (۲) کَنْزُالْعُمَّال اَلْمُتَّقِیْ ۲۸۷۷۱.

۱۰

اس کی وضاحت اس سے ماقبل اسم مبارک کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۱۱

یہ اسم مبارک جیم اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔

جلیل کا معنی ہوتا ہے عظیم۔

تو اس کا معنی ہوا اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ہاں سب سے بڑھ کر عظمت اور بزرگی والا۔
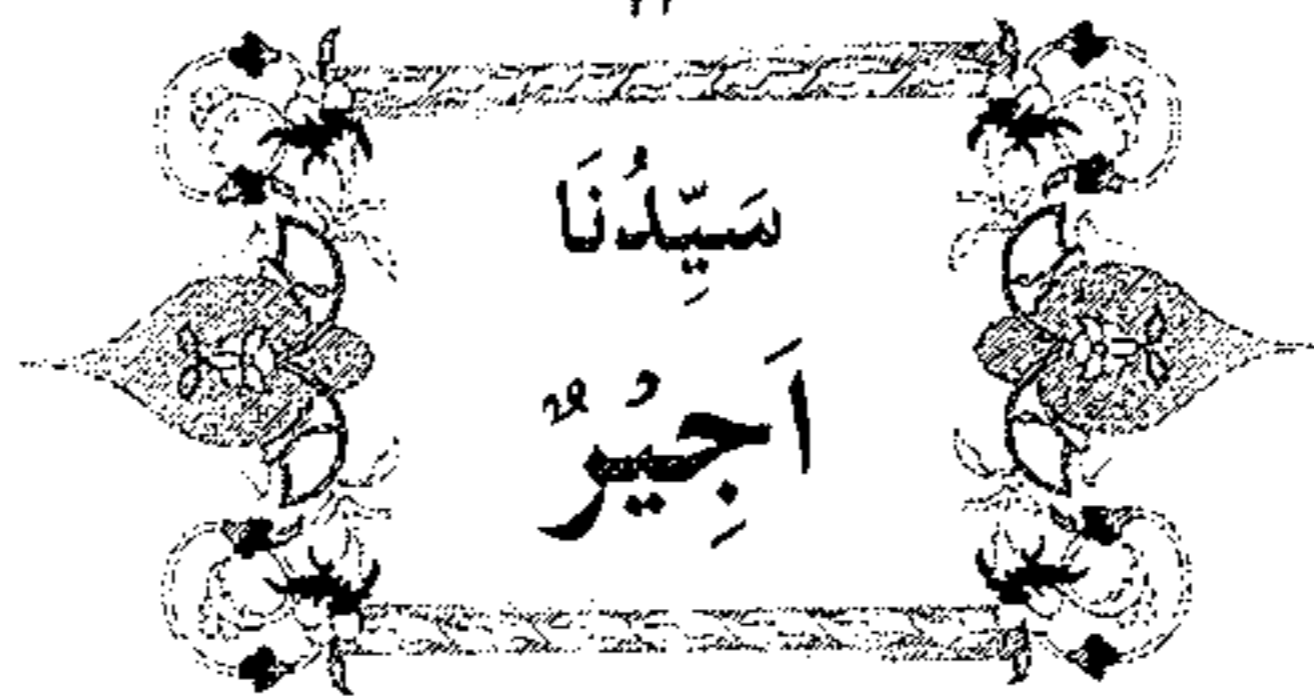
یہ اسم مبارک جیم کے ساتھ ہے۔ اس کو علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض آسمان سے نازل شدہ صحیفوں سے نقل فرمایا ہے، اس نام کی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے بچائیں گے۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور نے اس کو ذکر نہیں کیا مجھے خدشہ ہے کہ یہ اسم کہیں "اَحْیَدُ" سے بگڑی ہوئی شکل سے نہ بن گیا ہو۔ "اَحْیَدُ" کا ذکر آ رہا ہے۔

تورات کے مجموعہ کی پانچویں کتاب میں اسی طرح وارد ہے۔
حاء اور دال کے درمیان الف نہیں ہے۔ان کے حاء کو تفخیم کے ساتھ پڑھنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔
اس کا معنیٰ ان کے نزدیک ''واحد'' ہے۔
سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس کا معنیٰ صحیح ہونے کی کئی توجیہات ہوسکتی ہیں:۔
﴿۱﴾ آپ ان معنوں میں واحد ہیں کہ آپ انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے آخر میں ہیں۔اور ان کے اختتام پر ہیں۔
﴿۲﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ماسوا مخلوقات پر سیادت کے اعتبار سے واحد ہیں۔
﴿۳﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی شریعت میں یکتا ہیں کہ آپ نے شریعتوں کی تکمیل فرمائی۔
﴿۴﴾ آپ اپنے خصائص میں یکتا ہیں دینی احکام کے اعتبار سے بھی اور دینی احکام کے علاوہ دوسرے عظیم امور کے اعتبار سے بھی مثلاً شفاعتِ عامہ، حوض جہاں لوگ آئیں گے اور مقامِ محمود۔
امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اُحاد عربی زبان میں الف کی پیش کے ساتھ ہے۔یہ اسم عدد ہے جو واحد واحد (بتکرار) سے معدول ہے۔کوئی بعید نہیں کہ تورات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معدول عربی نام ہو۔اور تکرار کے ساتھ واحد، واحد سے عدل[1] کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم متعدد امور میں واحد و یکتا ہیں تو اس سے معدول کرکے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام گرامی احاد پایا تاکہ اختصار کے ساتھ اس معنیٰ پر دلالت کرے۔عدل کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لفظ کو تکرار سے لانا نہیں پڑتا۔تو اس صورت میں یہ اسم مبارک اللہ تعالیٰ کے ان اسماء حسنٰی سے ہوگا جس کے ساتھ اس نے اپنے محبوب کو موسوم فرمایا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں واحد کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں اور نہ ہی صفات میں۔

[1] عدل کا معنیٰ ہے بغیر کسی صرفی قاعدہ کے کسی اسم کا دوسرے اسم سے نکلا ہوا ہونا۔

اس اسم مبارک کا معنی ہے وہ ذات قدسی صفات جو اپنی صفات کمال میں مخلوق سے یا حق کے قرب کے اعتبار سے واحد وتنہا ہو۔

یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اس کا اصل ''وحد'' حاء کی زبر اور زیر کے ساتھ تھا۔ زبر والی واو کو شاذ طور پر ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے۔ قانون یہ ہے کہ زبر والی واؤ ابتدائے کلمہ میں اپنے حال پر باقی رہتی ہے۔

یہ اسم: اسمائے باری تعالیٰ سے بھی ہے۔

اس کا معنی ہے ''صفات کمال میں منفرد ہستی''

وَاحِد اور اَحَد میں فرق عنقریب مذکور ہوگا:

کہ ''واحد'' ذات کے اعتبار سے اطلاق پاتا ہے اور ''احد'' صفات کے اعتبار سے۔

ایک قول کے مطابق فرق یہ ہے کہ واحد وصل کے لئے اور احد فصل کے لئے ہے:۔

تو اس ذات نے ''واحد'' ہونے کے اعتبار سے بندوں تک اپنی نعمتیں پہنچائیں۔

اور ''احد'' ہونے کے لحاظ سے اس کے عذاب ان سے جدا ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو حفص نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس اسم گرامی کا ذکر فرمایا ہے۔

یہ **افعل تفضیل** کا صیغہ ہے، اس کا مصدر حُسْنٌ ہے، جس کا معنی ہے: ''اعضاء کا کما حقہ متناسب ہونا'' اور اس سے مراد ہے ''صفاتِ کمال کی جامع ذاتِ مبارکہ''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ.

ترجمہ: اور اس سے زیادہ اچھے قول والا کون ہوسکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے اور نیکی کرنے والا ہو۔

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ انہوں نے یہ آیت مبارکہ پڑھ کر فرمایا'' یہ اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی انتخاب فرمودہ ذات ہیں۔ یہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی سب سے ''محبوب'' ہستی مبارکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو قبول فرمایا۔ اور آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے مقبول رستہ کی طرف دعوت دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جسے امام **عبد بن حُمَیْد** رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسین، زیادہ جود و کرم فرمانے والے اور سب سے بڑھ کر شجاعت والے تھے۔

اس پر مزید گفتگو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسن مبارک کے باب میں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ پر رحم نازل فرمائے کہ آپ نے فرمایا:۔

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهُ ۞ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اپنی حقیقت اور صورت کے اعتبار سے مکمل ہے پھر ارواح کے خالق نے انہیں اپنا محبوب منتخب فرمالیا۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ ۞ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

ترجمہ: آپ اپنے محاسن میں کسی بھی شریک سے پاک ہیں، حسن کا جوہر آپ کی ذات میں غیر منقسم ہے۔

حضرت امام شرف بن فارض پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں انہوں نے ارشاد فرمایا:۔

وَعَلٰی تَفَنُّنِ وَاصِفِیْهِ بِحُسْنِهٖ ۞ یَفْنَی الزَّمَانُ وَفِیْهِ مَالَمْ یُوْصَفِ

ترجمہ: اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کی تعریف وتوصیف کرنے والوں کے انداز مختلف ہیں لیکن زمانہ ختم ہو جائے گا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کی بہت سی جہتیں باقی رہ جائیں گی جن کا وصف نہ ہو سکے گا۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ اسم مبارک اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ سے ہے جس کے ساتھ اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَبَارَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ. (المؤمنون، آیت ۱۴)

ترجمہ: برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر پیدا فرمانے والا ہے۔

یہ اسم مبارک حاء اور شین کے ساتھ ہے۔

حِشْمَت سے اسم تفضیل ہے جس کا معنی ہے وقار اور اطمینان۔

آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے بڑھ کر وقار اور اطمینان والے ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس نام کو تورات کی طرف منسوب کیا ہے۔اس نام کی وجہ یوں بیان کی ہے:۔

لِاَنَّہٗ یُحِیْدُ اُمَّتَہٗ عَنِ النَّارِ۔

کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو دوزخ سے بچاتے اور ہٹاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اِسْمِیْ فِی الْقُرْآنِ مُحَمَّدٌ وَفِی الْاِنْجِیْلِ اَحْمَدُ وَفِی التَّوْرَاۃِ اَحِیْدُ لِاَنِّیْ اُحِیْدُ اُمَّتِیْ عَنِ النَّارِ۔

ترجمہ: قرآن عزیز میں میرا نام مُحَمَّد، انجیل میں اَحْمَد اور تورات میں اَحِیْد ہے کیوں کہ میں اپنی امت کو دوزخ میں گرنے سے الگ کرتا ہوں۔

اس کو امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے کمزور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ تقی الدین شُمُنِّی نے اس اسم مبارک کا تلفُّظ الف کے پیش کے ساتھ بیان کیا ہے۔

امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے الف کی زبر، حاء کے سکون، یاء کی زیر اور زبر ہر دو کے ساتھ اور آخر میں دال کے ساتھ بیان کیا ہے، جب کہ امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے الف کی مد، حا کی زیر کے ساتھ لکھا ہے۔

''اَلْوَفَا'' کی شرح ''اَلْاِصْطِفَاء'' میں ہے ممکن ہے کہ یہ:۔

حَادَ عَنِ الشَّیْئِ بمعنی وہ اس شے سے الگ ہو گیا اس سے بھاگ گیا' سے اَفْعَلُ کے وزن پر اسم تفضیل ہو۔

کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باطل کی راہ سے الگ رہتے اور اپنی امت سمیت حق کی راہ کی طرف آ گئے تھے۔

یہ اسم اس صورت میں غیر منصرف ہے کیوں کہ منع صرف کے دو سبب یعنی عُجْمَہ اور عَلَمِیَّت اس میں پائے جاتے ہیں، یا وزنِ فعل اور عَلَمِیَّت پائے جاتے ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یہ اسم اضافی ترکیب پر مشتمل ہے، مضاف اسمِ فاعل کا صیغہ ہے "اَخذٌ" مصدر سے جس کا معنی ہے "پکڑنا، لینا"
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ یَقَعْنَ فِیْهَا فَاَنَا آخِذٌ بِحُجَزِکُمْ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا ۔ [1]

ترجمہ: میری اور میری امت کی مثال ایک آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی چوپائے اور پتنگے اس میں گرنے لگے میں تمہیں کمر سے پکڑے ہوئے ہوں اور تم اس میں بے سوچے سمجھے داخل ہورہے ہو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

---

[1] (۱) الصحیح مسلم ۴/ ۱۷۸۹ کتاب الفضائل ۱۷/ ۲۲۸۴.
(۲) الجامع الترمذی ۲۸۷۴.

مَثَلِی وَمَثَلُکُمْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَ الْفَرَاشُ وَالْجَنَادِبُ یَقَعْنَ فِیْھَا وَھُوَ یَذُبُّھُنَّ عَنْھَا وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ وَاَنْتُمْ تُفْلَتُوْنَ مِنْ یَّدِیْ۔ [1]

ترجمہ: میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی پتنگے اور ٹڈیاں اس میں گرنے لگیں۔ اور وہ انہیں اس سے روک رہا ہے۔ میں تمہاری کمروں کو پکڑے ہوئے اور تم میرے ہاتھ سے کھسک رہے ہو۔

''حُجَزات'' حاء کے پیش، جیم کی زبر اور زاء کے ساتھ ہے۔

نیز ''حُجَز'' یہ ''حُجْزَۃ'' کی جمع ہیں۔

اس سے مراد جسم کا وہ مقام ہے جہاں تہ بند کا کنارا دوہرا کیا جاتا ہے۔

شلوار کے نیفہ کو بھی حُجْزَۃ کہتے ہیں اور اس کا مقام کمر ہوتا ہے۔

گویا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑے ہوئے ہوں تا کہ تمہیں دوزخ سے نجات دوں۔

کمر سے پکڑنا آسان ہوتا ہے، تو اسے حُجَزات سے تعبیر کیا، یہ استعارہ کے بعد دوسرا استعارہ ہے۔

---

[1] (۱) الصحیح مسلم (۲۲۸۵/۱۹)۔ (۲) المسند احمد ۳۹۲/۳۔
(۳) دلائل النبوۃ ۳۶۷/۱۔

قرآن مجید میں ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔(التوبۃ، آیت/۱۰۳)

ترجمہ: آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول کریں اس طرح آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں۔

یہ آیت کریمہ اگر چہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں اور ان کے نفلی صدقہ کے بارے میں نازل ہوئی، جس پر ان کی توبہ کی تکمیل موقوف تھی، لیکن یہاں پر مراد اس سے عام صدقہ ہے خواہ ان پیچھے رہنے والے صحابہ کرام کا ہو یا فرض زکوٰۃ ہو، یہی وجہ ہے کہ مانعینِ زکوٰۃ نے کہا تھا کہ ہم اپنی زکوٰۃ صرف اس شخص کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے وجہ سکون ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مالداروں سے زکوٰۃ وصول فرماتے اور مستحقین زکوٰۃ میں تقسیم فرماتے جیسا معلوم اور معروف ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسمِ گرامی انجیل میں مذکور ہے۔

اس کا معنی ہے آخری نبی۔

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں حضرت مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:

حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنت کے دروازے کے حلقہ کو سب سے پہلے تھامیں گے اور دروازہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھول دیا جائے گا۔

پھر انہوں نے تورات کی یہ آیت ہمیں پڑھ کر سنائی:۔

اَخُرَابَا قَدمابا اَلۡاَوَّلُوۡنَ اَلۡاٰخَرُوۡنَ۔

حضرت شیخ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نام سنن ابی داؤد کی اس حدیث شریف سے اخذ فرمایا ہے:۔

وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ۔ [1]

ترجمہ: خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ تم میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا میں ہی ہوں۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس نام میں اشکال ہے کیوں کہ خوف اور خشیت انسانی کیفیت ہوتی ہے جو ڈرنے والے پر ممکن عذاب کو ملاحظہ کرنے کے بعد طاری ہے، اور دلیلِ قطعی موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عذاب نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

یَوْمَ لَایُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ ۔(التحریم، آیت/۸)

ترجمہ: اس روز اللہ تعالیٰ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رسوا نہ کرے گا۔

تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں خوف کا تصور کس طرح ہوسکتا ہے، پھر شدید تر خوف کا کیا مقام ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نسیان کا طاری ہونا ممکن تھا۔ جب عذاب کی نفی کے ثابت کرنے والے امور سے نسیان ہوگیا تو اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر خوف طاری ہوگیا۔

---

[1] سنن ابی داؤد میں یہ حدیث ان الفاظ سے مذکور ہے "اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ" یہ حدیث صحیح بخاری کی کِتَابُ النِّکَاح اور صحیح مسلم کی کِتَابُ الصِّیَام میں ۷۴ اور ۷۹ نمبر پر بھی موجود ہے۔

یوں نہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شدید خوف اور عظیم خشیتِ ربانی کے بارے میں روایات نوع کے اعتبار سے عظیم ہیں نہ کہ کثرتِ تعداد کے اعتبار سے۔

یعنی جب آپ سے خوف صادر ہوتا اگرچہ وہ ایک گھڑی کے لئے ہوتا وہ دوسروں کے خوف سے شدید تر ہوتا۔

خشیت کا معنی ڈر ہے ایک قول کی رو سے اس کا مفہوم خوف سے عظیم تر ہے۔ اور ہیبت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خشیت یہ ہے کہ تو اس قدر اللہ تعالیٰ سے ڈرے کہ یہ خوف تیرے اور گناہ کے مابین حائل ہو جائے۔

حضرت سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خوف خدا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کی مقدار کے مطابق تھا، جیسا کہ مزید بیان خوفِ نبوی کے باب میں آئے گا۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ڈر کے کئی مراتب ہیں:۔

ان میں پہلا مرتبہ خوف ہے، یہ مرتبہ ایمان کی شرط ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

وَخَافُوْنِیْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

ترجمہ: اور مجھ سے خوف کھاؤ اگر تم ایمان دار ہو۔

دوسرا مرتبہ خشیت ہے یہ علم کے لیے شرط ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ. (فاطر، آیت/۲۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندوں سے صرف اہل علم ہی خشیت کے حامل ہوتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ ہیبت ہے، یہ مرتبہ معرفت کے لئے شرط ہے۔

بعض علماء نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کے باعث دل کے دھڑکنے کو ہیبت کہا جاتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس صفت یعنی خشیت کا اثبات جیسا کہ درج ذیل آیۃ مبارکہ میں ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ. (فاطر،آیت/۲۸)

اس قراءت کے اعتبار سے جس میں اسمِ جلالت پر پیش اور الْعُلَمَاء پر زبر ہے، جیسا کہ ابو حیوۃ ،عمربن العزیز اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کی قراءت میں ہے تو یہ صفت رب تعالیٰ کیلئے مجاز کے انداز میں ثابت ہے۔

اس کا معنی ہے تعظیم اور اکرام تو اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا:۔

''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف علمائے کرام کا ہی اکرام فرماتا ہے۔''

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:۔

اَھَابُکِ اِجْلَالًا وَمَا بِکِ قُدْرَۃٌ عَلَیَّ وَلٰکِنْ مِلْءُ عَیْنٍ حَبِیْبُھَا

ترجمہ: اے محبوبہ! میں تیری تعظیم کی خاطر تجھ سے خوف زدہ ہوں، (مجھے معلوم ہے کہ) تیرا مجھ پر کوئی زور نہیں چلتا، لیکن تو اپنے محبّ کی نظر کو بھا گئی ہے۔

شیخ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نسبت حضرت شیث علیہ السلام کے صحیفوں کی طرف فرمائی ہے۔

اس کا معنی ہے "صَحِیْحُ الْاِسْلَامِ".

یہ اسم مبارک دال اور عین کے ساتھ ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی سیاہی نہایت شدید اور چشمان اقدس کشادہ تھیں۔

یہ دَعَج یعنی عین پر زبر کے ساتھ، سے ماخوذ ہے جو معنی کے اعتبار سے: دُعْجَۃ کے مشابہ ہے اور دُعْجَۃ دال کی پیش کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے آنکھ کا شدید سیاہ اور فراخ ہونا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفاتِ حسیہ کے باب میں اس کا بیان آرہا ہے۔

یہ اسم مبارک الف کی زبر، دال کے سکون کے ساتھ ہے، جو "مُدَاوَمَت" مصدر سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔
اس کا معنی ہے کسی چیز پر ہمیشگی اختیار کرنا۔
دوام کا اصل معنی سکون ہے، کہا جاتا ہے: دَامَ الْمَاءُ ۔یعنی پانی رکا رہا، ٹھہرا رہا۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے:۔

لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْہِ. [1]

ترجمہ: تم میں کوئی ہرگز رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اس سے غسل شروع کردے۔
اپنے پروردگار کی مسلسل، لگاتار اطاعت کے باعث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس نام سے موسوم ہوئے۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک دوامی ہوتا، تم میں سے کون ہے جو اتنی استطاعت رکھتا ہو جتنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی استطاعت تھی۔
یہ حدیث پاک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ چاشت پر عدمِ مداومت کے خلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۱/ ۳۴۶ کتاب الوضوء (۲۳۹).
(۲) الصحیح مسلم ۱/ ۲۳۵ کتاب الطہارۃ ۲۸۲/۹۶.

نمازِ چاشت ادا فرماتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسے ترک نہ فرمائیں گے اور پھر اسے یوں چھوڑتے کہ ہم کہنے لگتے کہ اب نہیں پڑھیں گے کیوں کہ کسی عمل پر مداومت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر احوال میں ہوتی آپ کبھی کبھی اس عمل کو کسی حکمت کے باعث ترک بھی فرمادیا کرتے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے قیامِ رمضان پر مواظبت کو ترک فرمادیا جب لوگوں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا علم ہوا تو انہوں نے بھی قیام کرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مداومت کو اس خوف سے ترک فرمایا کہ کہیں یہ نماز ان پر فرض نہ ہو جائے اس طرح وہ تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اگر کوئی پوچھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سنتِ ظہر کی نمازِ عصر کے بعد قضاء پر مداومت کیوں فرمائی جب وہ وفد کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشغول ہونے کی وجہ سے فوت جاتی تھی، جب کہ فجر کی سنت کی قضاء پر مواظبت نہ فرمائی جب کہ وادی میں صبح کی نماز سمیت فوت ہوگئی حالاں کہ فجر کی سنتوں کی تاکید زیادہ ہے اور اس کی قضاء کا وقت بھی مکروہ نہیں بخلاف سنتِ ظہر کی قضاء کے (کہ اسے عصر کے بعد ادا فرمایا جو کہ مکروہ وقت ہے)؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فجر کی سنتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ فوت ہوئی تھیں، اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی قضاء فرماتے تو ہر وہ صحابی جس کی نماز قضا ہوگئی تھی وہ ان کی ادائیگی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتا، کیوں کہ ان کی عادت تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کی پیروی کرتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کی متابعت کرتے، اس طرح یہ امر ان کے لئے شاق ہو جاتا۔ جب کہ سنتِ ظہر کا معاملہ ایسا نہ تھا۔ یا دوسری وجہ یہ تھی کہ فجر کی نماز کی قضاء کے دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سفر پر تھے لہٰذا آپ نے ان کی قضاء پر مداومت نہ فرمائی بخلاف ظہر کی سنتوں کے۔

یہ نام مبارک ایک عضو کے باعث ہے جو سننے کا ذریعہ یعنی کان ہے، گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پورے کے پورے کان تھے، جس طرح فوج کے دیدبان (او پی) کو عین یعنی آنکھ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:۔

وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ. (التوبہ، آیت/ ٦١)

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ آپ ہر کسی کی بات سن لیتے ہیں فرمادیجئے وہ تمہاری بہتری کی باتیں سنتے ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ یہ بات کہنے والا نبتل بن حارث بن مروہ منافق تھا، وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک میں آتا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھتا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سنتا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں منافقوں کے سامنے جا کر بیان کرتا۔

اس حدیث کی روایت امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کی، ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص جُلاس بن سُوَیْد تھا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اُذُن کا معنی ہے کہ وہ ہمارے عذر سن لیتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہم کو ان کی جانب سے تکلیف اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عیب لگانے کے نتیجہ کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عذر وغیرہ جو کچھ کہا جائے وہ اچھی طرح سے سن لیتے ہیں ہر بات کو سن لینے والے کو اُذُن کہتے ہیں کیوں کہ وہ کثرت سے سنتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس اسم میں مضاف محذوف ہے دراصل ذُوْ اُذُنٍ تھا جس کا معنی ہے "سننے والا"۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ اَذِنَ لِلشَّیئِ سے ماخوذ ہے جس کا معنی سننا ہے۔

یہ حدیث بھی انہی معنوں میں ہے:۔

مَااَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْئٍ كَاَذْنِهٖ لِنَبِيٍّ مُتَغَنٍّ بِالْقُرْآنِ[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی شے کو اس خوبی سے نہیں سنتا جس طرح کہ اپنے نبی کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت اس لئے بیان کی کہ اس کی تفسیر ایسی بیان فرمادے جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح اور ثنا ہے۔ اگرچہ منافقین نے اس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت کا ارادہ کیا تھا۔

مشہور قرأت میں اُذُن کے ذال پر پیش ہے۔

امام نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سکون کے ساتھ (اُذْن) پڑھا ہے۔

حضرت ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اُذُنُ خَیْرٍ کا معنی ہے "بھلائی اور حق کی بات کے علاوہ کچھ نہ سننے والے"۔

مشہور قرأت کے مطابق لفظ اُذُن مضاف ہے۔

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے "خَیْرٌ" کو پیش اور اُذُن کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے موافق ہے: یعنی جو ہستی تمہارے عذر قبول کرتی ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

امام عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی "اُذُن خیر" اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آوازوں کو واضح کرنے کے ادراک کی فضیلت عطا فرمائی ہے اس معاملہ میں کوئی بھلائی ایسی نہیں جو آپ کو عطا نہ ہوئی ہو۔ آپ صرف احسن گفتگو ہی سماعت فرماتے تھے۔

﴿فائدہ﴾ صحاح میں فرمایا: لفظ اُذُن مونث ہے۔ اس کی تصغیر اُذَیْنَةٌ ہے۔

"رَجُلٌ اُذُنٌ" (ہر کسی کی بات سننے والا آدمی)۔

اس کا استعمال واحد اور جمع میں یکساں ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا باب استحسان تحسین الصوت بالقرآن ۔ حدیث رقم / ۲۳۲،

اس کا معنی ہے ''ایسی ذات جو اوروں سے علم اور فضیلت میں بڑھ کر ہو''۔

شقِ صدر مبارک کی حدیث میں ہے کہ پھر ان میں ایک فرشتے نے دوسرے کو کہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے دس کے ساتھ ان کو تولو، تو اس نے مجھے ان کے ساتھ تولا، تو میں بھاری رہا۔ پھر اس نے کہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے سو افراد کے ساتھ تولو، اس نے مجھے ان کے ساتھ تولا تو میرا وزن زیادہ تھا۔ پھر اس نے کہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ایک ہزار افراد سے ان کا وزن کرو۔ اس نے مجھے تولا تو بھی میرا وزن زیادہ تھا۔ پھر وہ فرشتہ کہنے لگا اس کو چھوڑ دو اگر تم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری امت کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تولا تو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وزن زیادہ ہوگا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ فضیلت میں ان سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بڑھ کر ہوں گے۔

حضرت زهير بن صُرَد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حمد وثنا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

یَا اَرْجَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِیْنَ یُخْتَبَرُ　　اِنْ لَمْ تَدَارَکْھُمْ نَعْمَاءُ تَنْشُرُھَا

ترجمہ: اے وہ ہستی جو لوگوں میں علم اور بردباری میں سب سے غالب ہے جب کہ ان کی آزمائش کی جاتی ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک سے جو نعمتیں پھیل رہی ہیں اگرچہ ان تک نہیں پہنچ پائیں۔

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وَھب بن مُنَبِّہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:۔

میں نے اکہتر (۷۱) ایسی کتابیں پڑھیں کہ ان تمام میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے آغاز سے لے کر اس کے اختتام تک تمام لوگوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عقل کے مقابل میں اتنی عقل بھی نہیں عطاء فرمائی جتنی نسبت ریت کے دانہ کو تمام دنیا کی ریت سے ہے۔

اور بلاشبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے عقل کے لحاظ سے بڑھ کر ہیں۔

اس کا مزید بیان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عقل پر کلام میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ لفظ رحمت سے افعل تفضیل ہے۔

جس کا معنی ہے تمام لوگوں سے بڑھ کر رحمت والی ذات۔

اس کی مزید وضاحت آئندہ آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس پر گفتگو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت کے باب میں آئے گی۔

یہ لفظ (الف اور) زاء کی زبر اور جیم کی تشدید کے ساتھ ہے۔

یعنی ''ایسی ہستی جس کے ابرو قوس کی شکل میں اور کثیر بالوں والے ہوں۔''

اس کی مزید وضاحت سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کے باب میں آئے گی۔

ازکی زاء کے ساتھ ہے۔جس کا معنی ہے طاہر پاک۔ یہ لفظ ''زَکٰوۃ'' مصدر سے اسمِ تفضیل ہے جس کا معنی ہے ''طہارت'' اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اصل میں یوں ہے اَزْکَی الْعَالَمِیْنَ۔یعنی ''تمام جہانوں سے پاکیزہ''۔

''ازھر''، ''زھارہ'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ''رونق''۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ:

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روشن، صاف اور چمک دار رنگت والے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَزْھَرُ اللَّوْنِ کا معنی ہے ''سفید براق''۔

اس کا معنی وہی ہے جو امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سفید رنگ والے تھے۔

اس کی مزید وضاحت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت کے باب میں آئے گی۔

یہ اسم مبارک الف اور سین کی زبر اور دال کی تشدید کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے "سیدھا" یہ "سَدَد" پہلے دال پر زبر کے ساتھ اور اسی طرح "سَدَاد" سے افعل تفضیل کا صیغہ ہے، جس کا معنی ہے: "استقامت اور قول وعمل میں درستی کی توفیق"۔

عربی میں کہتے ہیں: سَدَّدَہٗ تَسْدِیْدًا. اس کا معنی ہے سیدھا کرنا اور درستی کی توفیق دینا۔

اور سَدَّ یَسِدُّ بروزن فَرَّ یَفِرُّ کا معنی ہے سیدھا ہو جانا۔

اِسْتَدَّ کا معنی ہے:۔ سیدھا ہونا درست ہونا۔ اَسَدَّ کا معنی ہے درستی کو پانا یا اس کو طلب کرنا۔

سَدَّ الثُّلْمَۃَ ۔ ٹوٹی ہوئی جگہ درست کرنا۔ رخنہ کو بند کر دینا۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بادشاہی، اُنس ومحبت، جماعت اور درستگی یعنی استقامت، توفیق، خلل والی رائے کی اصلاح اور درستگی تک پہنچنے میں تمام لوگوں سے فائق تھے۔

کیوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو بھی صادر ہوا گرچہ وہ اجتہاد کی بنا پر ہوتا وہ وحی کی طرف سے مستند ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد میں غلطی نہ ہوا کرتی تھی۔

اس کا مزید بیان نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عِصْمَت کے ابواب میں آئے گا۔

یہ اسم "شجاعت" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے "جنگ کے وقت دل کا قوی اور سخت ہونا"۔

اس کا کچھ بیان "اَحْسَن" کے ضمن میں ہو چکا اور مزید اس پر گفتگو شجاعتِ نبوی کے باب میں آئے گی۔

اس کا معنی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس عورت سے بھی زیادہ حیا والے تھے جو اپنے مخصوص پردہ کی جگہ پر ہو، لفظ حیاء الف ممدودہ (حیاء) اور الف مقصورہ (حیا) دونوں طرح آتا ہے۔

اس کا معنی ہے:۔ برا کام کرتے وقت مذمت کے خوف سے دل کا گھٹنا"۔

اس پر گفتگو حیائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں عنقریب آئے گی۔

٣٦

یہ لفظ (الف کی زبر) شین (کے سکون) نون کی زبر اور باء کے ساتھ ہے۔ جو شَنَب نون کی زبر کے ساتھ سے ماخوذ ہے۔

جس کا معنی ہے دانتوں کی چمک دمک اور ان کی آب و تاب۔

بعض نے فرمایا اس کا معنی ہے "ان کی رقت اور خوشگواری"

اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک اور دھان مبارک کے باب میں آئے گی۔

یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو مبالغہ کا معنی دے رہا ہے۔ اس کے اصل معنوں میں ثبوت اور قوت پایا جاتا ہے۔ چناں چہ رَجُلٌ صَدَقٌ کا معنی ہے وہ شخص جو نیزہ کے وار کرنے میں قوی ہو۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی زیادہ قوی اور حق پر ثابت قدم نہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گفتگو میں سب سے سچے، حق پر سب سے زیادہ ثابت قدم اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے طاقت ور تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گفتگو میں سب سے سچے تھے۔

یہ ان اسمائے مبارکہ سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنہ میں سے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا. (النساء، آیت/۱۲۲)

ترجمہ: باتوں میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون سچا ہے۔

۳۸

اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے، لَهْجَه ہا کی زبر اور سکون دونوں طرح درست ہے۔ لغت میں اس کا معنی ہے زبان۔
بعض نے فرمایا: اس کا معنی زبان کی ایک طرف، اس اسم گرامی کا معنی ہے گفتگو میں سب لوگوں سے سچے۔

۳۹

اطیب کا معنی ہے ''افضل، اشرف'' یا اس کا معنی ہے ''سب سے بڑھ کر اچھی خوشبو والی ذات'' اس صورت میں
یہ طیب سے ماخوذ یعنی اس سے اسم تفضیل کا صیغہ ہوگا۔ جس کا معنی ہے خوشبو۔

یہ اسم مبارک عین اور زاء کے ساتھ ہے۔ ''عِزّ'' مصدر سے اَفْعَلُ کے وزن پر ہے۔
اس کا معنی ہے کثیر عزت والا، اور عزت کا معنی ہے ''غلبہ اور قوت''۔

اَعْظَم کا معنی ہے صورت اور سیرت ہر دو کے اعتبار سے تمام لوگوں سے حسین تر، کیوں کہ یہ عظمت سے اَفْعَلُ کا وزن ہے، اور عظمت ذات کے کمال اور صفات کی تکمیل کی طرف راجع ہے، اور صفات کی تکمیل حسن اور اس کے کمال کے ساتھ ہوتی ہے۔

یہ اسم مبارک عُلُوّ مصدر سے اَفْعَل تفضیل کا صیغہ ہے۔ اور عُلُوّ کا معنی ہے ''دوسروں پر رفعت و بلندی''۔

امام ابو حفص نَسَفِی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا: یہ ان اسمائے حسنٰی سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطاء فرمائے۔ اور اس بارے میں انہوں نے یہ آیت مبارکہ نقل کی:۔

وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی. (النجم، آیت/۷)

ترجمہ: اور وہ اعلیٰ افق پر تھا۔

اس آیت سے یہ اسم مبارک اخذ کرنا محلِ نظر ہے۔

حضرت شیخ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس آیت مبارکہ سے اس اسم کو اخذ کرنے کی مجھ پر کوئی توجیہہ ظاہر نہیں ہوئی، اگر ہم اِسْتَوٰی، ھُوَ، دَنَا، فَتَدَلّٰی اور کَانَ کی ضمیروں کا مرجع نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیں جو کہ تفسیر میں مرجوع قول ہے پھر بھی اَلْاَعْلٰی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت قرار دینا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ ضمیر موصوف واقع نہیں ہوسکتی جیسا کہ نحو کا یہ مضبوط قانون ہے۔ ہاں ایک ضعیف رائے اس کے موصوف ہونے کی تائید کرتی ہے، گویا کہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس (اَلْاَعْلٰی) کو اِسْتَوٰی کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے، اور پورا جملہ یعنی وَھُوَ بِالْاُفُقِ کو بھی مبتداء اور خبر قرار دے کر حال قرار دیا ہے، تقدیرِ عبارت انہوں نے یوں قرار دی ہے:۔

فَاسْتَوٰی اَلْاَعْلٰی بمعنی فَاسْتَوٰی عُلْیًا حَالَۃَ کَوْنِہٖ بِالْاُفُقِ.

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو حال میں استوی فرمایا: پہلی حالت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم برتر تھے اور دوسری حالت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم افق پر تھے۔ لیکن یہ تاویل نہایت بعید ہے۔ اس بارے مجھ پر اس کے علاوہ کوئی اور توجیہہ ظاہر نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے بارے میں علم سے مراد وہ کچھ ہے جو اس کے لئے ثابت ہے۔

جیسا ایک ضعیف روایت میں ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے:۔

اَنَا اَتْقَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَعْلَمُکُمْ بِحُدُوْدِ اللّٰہِ۔

ترجمہ: میں تم سب میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو زیادہ جاننے والا ہوں۔

اس کی وضاحت اسم مبارک "عَالِم" کے ضمن میں آئے گی۔

یہ اسم مبارک غین اور راء کے ساتھ ہے، جس کا معنی ہے بزرگ کریم اور بہتر۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَغَرُّ عَلَیْہِ لِلنُّبُوَّۃِ خَاتَمٌ مِنَ اللّٰہِ مَشْھُوْدٌ یَلُوْحُ وَیَشْھَدُ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت کرم فرمانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر پر مہر نبوت ہے جو چمکتی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت دیتی ہے۔

ایک حدیث میں یہ اسم مبارک اسی طرح وارد ہے۔ اس کو مشکل الفاظ کے معانی کے علماء نے ذکر فرمایا ہے۔
حافظ عماد الدین بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہمیں اس کی سند نہیں ملی۔
ایک حدیث پاک کے الفاظ یوں ہیں:۔
اَنَا اَفْصَحُ مَنْ نَطَقَ بِالضَّادِ بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ.
ترجمہ: میں ضاد کا تلفظ کرنے والوں میں سب سے زیادہ صاحبِ فصاحت ہوں مگر میں قریش سے ہوں۔
ضاد کا تلفظ کرنے والوں میں سب سے زیادہ فصاحت والا ہوں سے مراد ہے کہ میں تمام عرب سے زیادہ فصیح ہوں۔ کیوں یہی لوگ اس کا تلفظ کر سکتے ہیں ان کے علاوہ کسی اور کی زبان میں یہ لفظ نہیں ہے۔
اَفْصَحُ اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے، یہ فَصَحَ الرَّجُلُ سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے اس کی زبان اچھی ہوگئی۔
یہ لفظ اَفْصَحَ (بابِ اِفْعَال) سے نہیں ہے جس کا معنی ہے اس نے عربی میں گفتگو کی، کیوں کہ اسمِ تفضیل صرف ثلاثی مجرد سے مشتق ہوتا ہے۔
صِحَاح میں ہے:۔ رَجُلٌ فَصِیْحٌ، کَلَامٌ فَصِیْحٌ اس کا معنی بلیغ مرد اور بلیغ کلام۔
اور لِسَانٌ فَصِیْحٌ کا معنی ہے، خوش بیان اور فصیح زبان۔
فصاحت دو معنوں کا فائدہ دیتی ہے:۔
﴿۱﴾ وضاحت: جیسا کہ اَفْصَحُ الصُّبْحُ۔ یعنی صبح کی روشنی واضح اور روشن ہوگئی ہر واضح چیز کو مُفْصِح کہتے ہیں۔
﴿۲﴾ خالص ہونا: جیسا کہ اَفْصَحَ اللَّبَنُ۔ یعنی دودھ سے جھاگ اتار لی گئی۔
اس کی مزید وضاحت حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفاتِ حسیہ کے باب میں آئے گی۔

تَبعًا تاء اور باء دونوں کی زبر کے ساتھ ہے۔ یہ تَابِعٌ کی جمع ہے، جس طرح کہ خَادِمٌ کی جمع خَدَمٌ آتی ہے۔
امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَامَعَہٗ مُصَدِّقٌ غَیْرُ وَاحِدٍ .

ترجمہ: بلاشبہ قیامت کے دن بعض انبیائے کرام علیہم السلام اس حال میں آئیں گے کہ ان کے ساتھ صرف ایک تصدیق کرنے والا ہوگا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے:۔
وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَھُمْ تبعًا.

ترجمہ: مجھے امید ہے کہ میرے پیروکاران سب سے زیادہ ہوں گے۔

یہ ارشادِ نبوی شایداس زمانہ کا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے امتِ مرحومہ سے پردہ نہ ہٹایا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو کو پورا فرما دیا، جیسا کہ خصائص کے باب میں آئے گا۔

اس کا معنی ہے دوسروں کی نسبت صفتِ کرم سے زیادہ متصف ذات۔

بعض علماء نے فرمایا کہ کرم اور حریت ہم معنی ہیں لیکن فرق صرف اس قدر ہے کہ حریت کا لفظ چھوٹی بڑی خوبیوں

پر اطلاق پاتا ہے جب کہ کرم صرف بڑی خوبیوں پر اطلاق پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (اَلْحُجُرَات، آیت/۱۳)

ترجمہ: بے شک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر تقویٰ والا ہے۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآل

وسلم نے فرمایا:۔

اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَی اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ.

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے پچھلے تم لوگوں سے معزز ہوں، اور میں یہ فخر سے نہیں بیان کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعزاز تھا کہ اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علی

وآلہ وسلم کی زندگی مبارک کی قسم یاد فرمائی۔ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تکلیف سے عبادت کیا کرتے تھے اس پ

شفقت فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس میں کمی کی فرمائش کی۔ اللہ تعالیٰ نے کسی اور سے یہ فرمائش نہیں

کی بلکہ انہیں اضافہ کرنے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قسم کھائی کہ آپ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رسولوں میں سے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجنون نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

عظیم اخلاق کے مالک ہیں۔ اس نے نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا اور نہ ہی اس نے آپ سے عداوت کی

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ختنہ شدہ پیدا فرمایا تا کہ کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ستر کے مقام کو دیکھنے نہ پائے، ملک الموت علیہ السلام نے باریابی اور قبضِ روحِ اقدس کے لئے اجازت طلب کی، اس نے یہ رویہ کسی اور سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے روانہ رکھا۔

یہ ان اسمائے الٰہیہ سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ.

ترجمہ: اور تمہارا رب اکرم ہے۔

اکْــرَم کا معنی ہے وہ ہستی جسے ہر کریم پر کرم کی زیادتی میں فوقیت اور کمال حاصل ہو، یا وہ ہستی جو اپنے بندوں پر لاتعداد انعامات فرماتا ہے پھر ان سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہے چناں چہ ان کی ناشکری کی وجہ سے سزا میں جلدی نہیں فرماتا۔

۴۸

صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم

۴۹

اس اسم مبارک کا ذکر حدیث شفاعت میں بھی آئے گا۔

اکلیل کا معنی ہے ''تاج''، بعض علما نے فرمایا کہ گول تاج کو اکلیل کہا جاتا ہے۔
حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کے تاج، تمام برگزیدہ ہستیوں کے سردار ہیں۔
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شرف اور برتری کے باعث آپ کو اس نام سے موسوم کیا گیا۔
یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے احاطہ اور عموم کی وجہ سے یہ نام عطاء کیا گیا جس طرح کہ تاج سر کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے اس لئے اس کو تاج کہا جاتا ہے۔

یہ اسم مجد سے اسم تفضیل ہے، اور مجد کا معنی ہے بزرگی اور شرف۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ دونوں صیغے امر اور نہی سے اسم فاعل کے صیغے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ.

ترجمہ: آپ ان کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

یہ حکم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں فرضِ عین تھا۔ جیسا کہ علامہ جُرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شافیہ میں لکھا ہے اور دوسروں کے حق میں یہ حکم فرض کفایہ ہے۔ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

نَبِیُّنَا الْاٰمِرُالنَّاھِیْ فَلَا اَحَدٌ　　اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْہُ وَ لَا نَعَمِ

ترجمہ: ہمارے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم فرمانے والے اور منع فرمانے والے ہیں، ''ہاں'' اور ''نہ'' کے قول میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سچا کوئی اور نہیں ہے۔

امام عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ وصف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں لہٰذا اس اسم کی نسبت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کردی گئی ہے۔ کیوں کہ ہمارے مشاہدہ کے مطابق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی حکم فرمانے والے اور منع فرمانے والے ہیں، اور دلیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واسطہ ہیں یہ اسم اس ذات سے نقل کردیا گیا ہے جس کا یہ حقیقت میں وصف ہے (اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا اطلاق کردیا جاتا ہے)۔

لفظ امر کئی معنوں میں آتا ہے لیکن اس مقام پر اس کا معنی ہے کسی شے کو کرنے کا مطالبہ۔

اور نہی کا معنی ہے اس کے ترک کا مطالبہ۔

شیخ ابواسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ اصول کی ایک جماعت کے نزدیک ان دونوں (امر ونہی) میں علو وبرتری کا اعتبار ہوتا ہے، یعنی طلب کرنے والا مَطْلُوْب مِنْہُ سے عالی مرتبہ ہوتا ہے۔

اور اِسْتِعْلاء کا معنی یہ ہے کہ مطالبہ عظمت کی بناء پر ہو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، امام آمدی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی مفہوم صحیح تر ہے۔

جب یہ معلوم ہو چکا تو اللہ جل مجدہ کے آپ کو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و آمِرٌ اور نَـاھِیْ صفات سے موصوف فرمانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی علوِ شان، منصب کی برتری اور تمام مخلوق پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت منزلت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی بجا آوری اور امر ونہی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا وجوب مستنبط ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا.

ترجمہ: رسول جو تمہیں عطاء کریں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔

۵۳

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے ''نیکی وغیرہ میں پیشوا ہستی''۔

اس کا اطلاق ایک شخص پر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. (البقرة، ۱۲۴)

ترجمہ: میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔

اس کا اطلاق ایک سے زائد افراد یعنی جمع پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا.

ترجمہ: ہمیں تقویٰ والوں کا پیشوا بنا دے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم کی صفت و ثنا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِمَامٌ لَّهُمْ يَهْدِيْهِمُ الْحَقَّ جَاهِدًا　　　مُعَلِّمُ صِدْقٍ اِنْ يُّطِيْعُوْهُ يَهْتَدُوْا

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کے امام ہیں انہیں کوشش کے ساتھ حق کی جانب راہنمائی فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سچائی کے معلم ہیں اگر وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کر لیں گے تو ہدایت پالیں گے۔

چوں کہ مخلوق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرتی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل کی جانب رجوع کرتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس اسم مبارک سے موسوم ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول پر درود پاک بھیجو تو اچھے انداز میں بھیجا کرو کیوں کہ تمہیں کیا معلوم شاید وہ درود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا جائے، اس پر لوگوں نے عرض کی ہمیں اس کا طریقہ سکھائیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یوں کہا کرو:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ الْاَمِیْنِ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ یَغْبِطُہٗ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔

ترجمہ: اے اللہ اپنے درود، اپنی رحمت اور اپنی برکات، رسولوں کے سردار متقیوں کے پیشوا اور انبیاء کے خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما جو تیرے امین بندے، رسول، نیکی کے امام، نیکی کے پیشوا اور سراپا رحمت رسول ہیں، اے اللہ ان کو مقام محمود پر اٹھا جس میں پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں۔

عالَم لام کی زبر کے ساتھ عَلَم نہیں بلکہ اسم جنس ہے اس کی جمع عَوَالِم اور عالَمِیْن آتی ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ اسم صرف اہلِ عقل کے ساتھ خاص ہے تو یہ جن اور انسانوں کے لئے خاص ہے امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے۔

اور اگر ہم اس کو اہلِ عقل سے خاص نہ کریں تو یہ ماسوی اللہ کا اسم ہے، اور یہی صحیح ہے۔ کیوں کہ "علامہ" سے مشتق ہے ان معنوں میں کہ ماسوی اللہ ہر موجود شے وجودِ باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والی علامت ہے، تو اس صورت میں عَالَمُوْنَ عَالَم کی جمع نہیں کیوں کہ جمع عام ہوتی ہے۔ اور عَالَمُوْنَ کا لفظ اہلِ عقل کے ساتھ خاص ہے۔ اور جمع مفرد کی نسبت سے خاص نہیں ہوتی۔

اسی لئے امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لفظ "اَعْرَاب" جس کا معنی دیہاتی لوگ ہیں لفظ "عرب" کی جمع نہیں کیوں لفظ "عَرَب" کا اطلاق دیہاتوں اور شہروں کے رہنے والے باشندوں پر بولا جاتا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عالمین کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار ہے جن میں سے چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی میں ہیں۔

امام مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان کی تعداد اسی ہزار ہے، چالیس ہزار خشکی اور چالیس ہزار سمندر میں ہیں۔

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا، قرآنِ مجید میں ہے۔

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ (المدثر، آیت ۳۱)

ترجمہ: آپ کے پروردگار کے لشکروں کی تعداد اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

عَامِلِیْنَ، عَامِل کی جمع ہے جس کا معنی ہے عبادت کرنے والا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

مُتَّقِیْن سے مراد وہ لوگ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرتے ہیں اور آپ کی سیرت کی پیروی کرتے ہیں، یہ متقی کی جمع ہے جس کا معنی ہے وہ شخص جو شرک سے بچے، شک اور شرعی احکام کی مخالفت سے کنارہ کشی اختیار کرے۔
اِمَامُ الْخَیْر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبُھُمْ وَصَاحِبُ شَفَاعَتِھِمْ غَیْرُ فَخْرٍ۔ [1]

ترجمہ: جب قیامت کا دن ہوگا تو میں انبیائے کرام کا امام ان کی جانب سے گفتگو کرنے اور ان کی شفاعت والا ہوں گا۔ میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ میں اِمَامُ النَّاسِ (لوگوں کا امام) ہے۔
قیامت کے دن کی تخصیص کا نکتہ اسم مبارک "سَیِّدُ النَّاسِ" کے تحت آئے گا۔

---

[1] (۱) الجامع الترمذی (۳۶۱۳) (۲) السنن ابن ماجہ (۴۳۱۴)
(۳) المسند احمد ۵/۱۳۷ (۴) المستدرک الحاکم ۱/۷۱۔
(۵) الکامل ابن عدی ۴/۱۴۴۸۔

۶۰

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں دو امان تھے ایک اٹھ گیا اور دوسرا باقی ہے:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (الانفال، آیت ۳۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ فرمائے گا جب کہ آپ ان میں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا نہ فرمائے جب کہ وہ بخشش طلب کرتے ہوں۔

ترمذی کے الفاظ یوں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ اَمَانَيْنِ لِاُمَّتِيْ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے مجھ پر دو امان نازل فرمائے۔

پھر درج بالا حدیث کو ذکر فرمایا اور اس پر اضافہ فرمایا:۔

فَاِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيكُمْ الْاِسْتِغْفَارَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. [1]

ترجمہ: جب میں چلا جاؤں گا تو قیامت کے دن تک تمہارے درمیان استغفار چھوڑ جاؤں گا۔

---

[1] (۱) الجامع الترمذی (۳۰۸۲)
(۲) الشفا عیاض ۱۱۸/۱۔
(۳) الدر المنثور السیوطی ۱۸۱/۳۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت اور قوم کے لیے عذابِ الٰہی سے امان تھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس وجہ سے دور رکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان میں موجود تھے۔

بعض علماء نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی سب سے بڑی امان تھے جب تک وہ ظاہری حیات کے ساتھ جلوہ گر تھے۔

اور جب تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت باقی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باقی ہیں اور جب وہ مٹادی جائے گی آزمائش اور فتنوں کا انتظار کرو۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا:۔

اَلنُّجُوْمُ اَمَنَۃُ السَّمَآءِ فَاِذَا ذَھَبَتِ النُّجُوْمُ اَتَی السَّمَآءَ مَا تُوْعَدُ، وَاَنَا اَمَنَۃُ اَصْحَابِیْ فَاِذَا ذَھَبْتُ اَتٰی اَصْحَابِیْ مَایُوْعَدُوْنَ، وَاَصْحَابِیْ اَمَنَۃٌ لِّاُمَّتِیْ فَاِذَاذَھَبَ اَصْحَابِیْ اَتٰی اُمَّتِیْ مَایُوْعَدُوْنَ [1]

ترجمہ: ستارے آسمانوں کے محافظ ہیں جب ستارے ختم ہوجائیں گے تو آسمانوں پر وہ کیفیت طاری ہوگی جس کا وعدہ دیا جاتا ہے میں اپنے صحابہ کا محافظ ہوں جب میں دنیا سے رخصت ہوجاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ آزمائشیں آئیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اور میرے صحابہ میری امت کے نگران ہیں جب میرے صحابہ دنیا سے کوچ کر جائیں گے تو میرے امت پر وہ حالات آئیں گے جن کا وعدہ ان سے کیا جاتا ہے۔

لفظ اُمَنَہ الف کی پیش اور میم کی زبر کے ساتھ ہے۔ الف پر زبر کے ساتھ بھی اس کا تلفّظ کیا جاتا ہے۔

اس کا معنی ہے بہت امانت دار جس کو ہر شے بطورِ امانت سپرد کی جاسکے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی وحی کا امین بنادیا تھا، یا اس کا معنی ہے حفاظت کرنے والا، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ پر نگرانی فرمانے والے ہیں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان سے مصائب کو دور فرماتا رہا۔

---

[1] (۱) الصحیح مسلم ۴/ ۱۹۶۱ کتاب الفضائل ۲۰۷/ ۲۵۳۱

(۲) المسند احمد ۴/ ۳۹۹

بعض علماء نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے بدعات میں مبتلا ہونے سے محافظ رہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اختلاف اور فتنوں سے ان کی حفاظت فرماتے رہے۔

یہ معانی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کے منافی نہیں ہے:۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِاُمَّةٍ رَحْمَةً قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی امت سے رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کو اس سے پہلے قبض فرمالیتا ہے۔

کیوں کہ یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ ان کے لئے رحمت ہونے سے مراد مسخ ،خسف اور ان کے علاوہ اور قسموں کے عذاب سے امن ہو، اور ان فتنوں اور آزمائشوں کی آمد ہو جن کی ان کو دھمکی دی جاتی تھی ، کیوں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ان کا دروازہ بند تھا۔

یا "اَمَنَة" کا معنی امن واطمینان ہو، جیسا کہ اس آیۃ مبارکہ میں ہے:۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ۔(اَلْاِنْفَال، آیت/۱۱)

ترجمہ: جب اونگھ نے تم کو ڈھانپ لیا جو اس کی طرف سے اطمینان کا باعث تھی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اہلِ ایمان کے لئے عذاب سے اور کافروں کیلئے خسف اور سزا سے امن کا ذریعہ ہیں۔

اُمّت کا معنی ہے نیکی اور بھلائی کا جامع، نیکی کا پیشوا، یا اس کا معنی ہے نیکی کی تعلیم دینے والا۔

اُمّت کا اصل معنی جماعت ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی یہ نام مرحمت کیا گیا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں اتنے اوصافِ حمیدہ اور عاداتِ جمیلہ جمع تھیں جو بہت سے لوگوں کی ایک جماعت میں بھی موجود نہ تھیں۔

یہ تینوں اسمائے شریفہ حضرت علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں لیکن مشہور یہ ہے کہ یہ اسمائے الہ

سے ہیں۔

اگر علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول درست ہے تو یہ اسما اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنٰی سے ہیں جن کے سات

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔

میں نے کتاب ''اَلْقَوْلُ الْجَامِعُ الْوَجِیْزُ الْخَادِمُ لِلْقُرْآنِ الْعَزِیْزِ'' میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم کے آغاز میں الف اور آخر میں یاء ہے۔

اس کا معنی ہے سَرِیْعُ الْفَھْم دل اور تیز زبان والا۔ روشن دماغ اور تیز دماغ۔

یہ لفظ لَمْعُ النَّارِ (آگ کا بھڑکنا اور روشن ہونا) سے ماخوذ ہے اَلْمَعِی انسان گویا کہ اپنی تیز دماغی کے باعث ایسا ہوتا ہے کہ جونہی کسی معاملہ کا آغاز ظاہر ہوتا ہے اس کے انجام کو معلوم کر لیتا ہے، جیسا کہ اوس بن حُجر نے کہا ہے:

اَلْاَلْمَعِی الَّذِیْ یَظُنُّ بِکَ الظَّنَّ کَاَنْ قَدْ رَاٰی وَقَدْ سَمِعَا .

ترجمہ: اَلْمَعِی وہ ہوتا ہے جو تیرے بارے میں اس طرح کا گمان کرے گویا اس نے تجھے دیکھا اور سنا ہے۔

اَلْمَعُ یعنی یا کے بغیر، یَلْمَعُ یعنی شروع میں یاء کے ساتھ یَسْمَع کے وزن پر اور یَلْمَعِی شروع اور آخر میں دو یاء کے ساتھ ان الفاظ کا معنی بھی اَلْمَعِیُ کی مانند ہے، یہی صحیح اور مشہور ہے۔

اور قاموس کے قابلِ اعتماد نسخوں اور لغت کی دیگر کتابوں میں بھی یہی موجود ہے،

لیکن اس کے بعض نسخوں میں امام لیث کے قول کی پیروی میں یوں بھی پایا ہے: یلمع کا معنی ہے کَذّاب یہ لفظ یلمع سے ماخوذ ہے جس کا معنی سراب ہے۔

قاموس کے بعض نسخوں میں پایا جانے والا یہ معنی غلط اور باطل ہے۔

امام ازھری اور دیگر ائمہِ لغت نے بھی یونہی فرمایا ہے، انہوں نے اس امر سے استدلال کیا ہے کہ عربوں نے اس لفظ کو مدح کے مقام کے علاوہ کہیں اور استعمال ہی نہیں کیا، نیز علامہ ازھری نے فرمایا میرے علم میں نہیں کہ آئمہ لغت میں سے کسی نے ایسا کہا ہو جیسا کہ امام لیث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک ”صاحب“ کے وزن پر الف پر مد اور میم کی زیر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے خالص، متقی، بزرگی والا اور صاف یہ امن سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے دل کا اطمینان اور خوف کا زائل ہونا اَمَان اور اَمَانَة کے بھی یہی معنی ہیں۔اس کا ماضی کا صیغہ اَمِن برزون فَرِحَ ہے اس کے مصدر یہ ہیں: اَمْـنًـا، اَمَانًا دونوں میں الف پر زبر ہے اَمـناً اَمَنَةً الف اور میم دونوں پر زبر ہے، اِمْـنًا الف کے نیچے زیر ہے، اسم فاعل اٰمِنٌ صفتِ مشبہ اَمِنٌ بروزن فَرِحٌ اور اَمِیْنٌ بروزن اَمِیْرٌ ہیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو روزِ قیامت امن عطاء فرمادیا ہے چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

یَوْمَ لَایُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ. (التحریم، آیت/۸)

ترجمہ: جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک کو رسوانہ فرمائے گا۔

اس امن کے عطا میں حکمت یہ ہے کہ جب سارے نبی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے تو آپ شفاعت کے لئے فارغ رہ سکیں اگر آپ کو یہ اطمینان عطا نہ کیا جاتا تو آپ بھی دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی مانند اپنی ذات کی فکر میں مشغول ہوتے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان عطا کئے جانے کے بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہے جسے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں روایت کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ یقیناً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کی شرارت اور ان کے فریبوں سے حفاظت میں تھے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں

کے شر سے اپنی حفاظت اور حمایت میں لیا ہوا تھا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی گھر سے باہر نکلتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک شخص کو روانہ کرتے اور وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے سپرد کرتے، یہاں تک کہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:۔

وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

تو انہوں نے چاہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی اور کو روانہ کریں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اے چچا! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے، لہٰذا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اَلْوَفَاءِ فِیْ شَرْحِ الْاِصْطِفَاءِ میں اسی طرح درج ہے، لیکن یہ محلِّ نظر ہے کیوں کہ شارح علیہ الرحمۃ نے اس کے بعد لکھا کہ یہ آیت جنگ تبوک کے سال نازل ہوئی اور ابو طالب کی وفات ہجرت سے بھی پہلے ہو چکی تھی، و اللہ تعالی اعلم

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

مَازَالَتْ اُكْلَةُ خَيْبَرَ تُعَادُّنِیْ فَقَطَعَتْ اَبْهَرِیْ.

ترجمہ: خیبر کے لقمہ کا زہر مجھ پر مسلسل حملہ آور ہوتا رہا یہاں تک اس نے میری گردن کی شہ رگ کو کاٹ دیا ہے۔

اس ارشادِ نبوی کی وجہ سے درج بالا نام مبارک پر اشکال وارد نہیں ہوتا۔ کیوں کہ یہ آیت مبارکہ تبوک کے سال نازل ہوئی اور زہر اس کے پہلے غزوہ خیبر میں کھلایا گیا تھا۔ اور غزوہ احد کے دن جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچی اس کی وجہ سے بھی اشکال وارد نہیں کیا جا سکتا، کیوں حفاظتِ ربانی سے مراد قتل ہونے سے حفاظت ہے، قتل سے کم تکالیف کی برداشت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ تھی، اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پہرے کے لئے حکم دینا شرعی حکم کی بدولت تھا۔

﴿وضاحت﴾ حدیث پاک میں "تعادّنی" آیا ہے۔ صحاح میں ہے: اَلْعِدَاد کا معنی ہے ڈسے ہوئے آدمی کے درد کا جوش، یہ جوش اس دن ہوتا ہے جب ڈنگ کھانے کے دن کو ایک سال گزر جائے اس وقت اس کی تکلیف میں شدت و ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ عربی محاورہ ہے: عَادّتهَا اللسعة: (درد کی شدت زیادہ ہوگئی)

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ نام حضرت ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی ہے قوت والا، نگرانی کرنے والا، جس کی امانت پر وثوق کیا جاتا ہو اور جس کی دیانت کی طرف رغبت کی جاتی ہو، یہ اسم فَعِیْل کے وزن پر یا تو اسم فاعل کے معنوں میں ہے اس کی ماضی اَمُنَ بروزن کَرُمَ اس سے صفتِ مشبہ اَمِیْنٌ اور اُمَّانٌ بروزن رُمَّانٌ آتے ہیں، قرآنِ مجید میں ہے:

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ o ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ o مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٌ o (التکویر، آیت ۲۱/۱۹)

ترجمہ: یہ معزز رسول کی پہنچائی ہوئی بات ہے جو قوت والا، عرش والے رب کے نزدیک مرتبہ والا ہے اس کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امانت دار ہے۔

ایک قول کی رو سے اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی نسبت اکثر مفسرین کی طرف کی ہے کہ:

آیت میں مذکور رسول سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن میں بھی اس نام سے پکارا جاتا تھا، کیوں کہ آپ کی ذاتِ اقدس میں وقار، گفتگو کی صداقت، ہدایت، خسیس اور گندے اخلاق سے اجتناب کی سی صفات موجود تھیں۔

حضرت سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

اَمِیْنٌ مُحِبٌّ فِی الْعِبَادِ مُسَوَّمٌ ۔۔۔ بِخَاتَمِ رَبٍّ قَاھِرٍ لِلْخَوَاتِمِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امین، محبت فرمانے والے، بندوں میں اپنے پروردگار کے آخری نبی کی علامت والے اور تمام خاتموں پر غلبہ پانے والے ہیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے وقت قریش کا یہ کہنا ''یہ امین ہیں'' کا ذکر عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک روایت کیا:۔

اَلَا تَاْمِنُوْنِیْ وَاَنَا اَمِیْنٌ مَنْ فِی السَّمَاءِ یَاْ تِیْنِیْ خَبَرُ مَنْ فِی السَّمَاءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً۔

ترجمہ: کیا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے حالاں کہ میں اس ذات کی طرف سے امین ہوں جو آسمانوں میں ہے، میرے پاس اس ذات کی طرف سے خبریں صبح وشام آتی ہیں جو آسمانوں میں ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے یاد کیا گیا کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہیہ کے محافظ اور اطاعتِ ربانیہ پر قوی تھے۔

یا یہ اسم مبارک اَمِیْنٌ "مَاْمُوْن" کے معنی میں ہے۔

اور مَاْمُوْن کا معنی ہے:مُؤْتَمَن جس کا ترجمہ ہے وہ ذات جس کو امانت سپرد کی گئی ہے۔

اس صورت میں یہ اسم فَعِیْل کے وزن پر مفعول کے معنوں میں قرار پائے گا،اِئْتِمَان کا معنی ہے کسی سے حفاظت کرانا،امانت پر یقین و وثوق کرنا،عربی میں یوں کہا جاتا ہے:۔

اَمِنَهٗ بروزن:سَمِعَهٗ، اَمَّنَهٗ، اِئْتَمَنَهٗ، اِسْتَاْمَنَهٗ.

ان سب کا معنی ہے اس سے حفاظت کرائی اور اس کی حفاظت پر وثوق کیا۔

صفتِ مشبہ اَمِیْن ہے اور اسمِ مفعول مَاْمُوْن ہے یعنی وہ ذات جس پر وثوق ہو۔

آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کی حفاظت ان کے سپرد فرمائی، ان کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا، ان کو امانت جو کہ خیانت کی ضد ہے کا حلہ وافرہ زیب تن کرایا، صدق کا تاج آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہنایا جو فاخرہ لعل و جواہر سے مرصع تھا۔

قرآنِ مجید میں ہے:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(الاحزاب،آیت/۷۲)

ترجمہ: ہم نے امانت زمین اور آسمانوں پر پیش فرمائی۔

اس امانت سے مراد مقرر کردہ فرائضِ شرعیہ ہیں۔

ایک قول کی رو سے اس سے مراد دلی نیت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اسی کا امین بنایا، اور مخلوق میں سے کسی پر اس کا اظہار نہ فرمایا۔

جس نے اپنے دل میں توحید پر ایمان اسی طرح رکھا جس طرح اس کا اظہار کرتا ہے تو اس نے امانت کو ادا کر دیا، اور جس نے ایسا نہ کیا اس نے امانت کی ادائیگی نہ کی۔

ایک قول کی رو سے اس سے مراد عقل ہے جب کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد عدالت ہے۔

اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ. (الاعراف، آیت/۱۵۵)

ترجمہ: جو امی نبی اور رسول کی پیروی کرتے ہیں۔

اُمِّی کا معنی ہے: جو شخص اچھی طرح کتابت نہ کر سکے، جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے:۔

اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَانَحْسِبُ وَلَانَکْتُبُ.

ترجمہ: ہم امی امت ہیں نہ علمِ حساب جانتے ہیں اور نہ ہی کتابت۔

اس لفظ میں اُمّ کی طرف نسبت ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس حالت پر تھے جس حالت میں کہ والدہ ماجدہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جنا تھا، اُمِّی ہونا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں معجزہ ہے اگرچہ کسی اور کے حق میں ایسا معاملہ نہیں ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ مجید ہے، اس معجزہ کا تعلق علوم و معارف کے لحاظ سے ہے، علاوہ بریں اللہ رب العزۃ نے بہت سے علوم و معارف سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سرفراز فرمایا اور وہ شخصیت جس نے نہ پڑھا ہو نہ تحریر کا ڈھنگ کسی سے سیکھا ہو نہ اسباق کا کسی کے ساتھ تکرار کیا ہو اور نہ ہی کسی سے یہ چیزیں حاصل کی ہوں اس ذات سے ایسی چیزوں کا پایا جانا تعجب کا باعث، عبرت کا انتہائی اعلیٰ مقام اور انسانوں کے لئے معجزہ ہے، اور اس میں کسی قسم کی کمی موجود نہیں، کیوں کہ معروف انداز میں پڑھنے اور لکھنے کا مقصود علوم و معارف وغیرہ مذکور امور نہیں ہیں، یہ تو آلات اور وسائل ہیں جو مقصود تک پہنچانے

والے ہیں خود یہ فی نفسہ مطلوب ومقصود نہیں ہیں اور جب مقصود اور نتیجہ حاصل ہو تو آلات اور وسائل کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿تنبیہ﴾ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جس نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے امی ہونے کی صفت یا اس کی مانند صفات جیسے کہ یتیم ہونا اور جو تکالیف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کو پہنچیں منسوب کیں اگر اس سے اس کا مقصود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور نبوت پر دلالت وغیرہ امور ہیں تو یہ مستحسن ہے، اور جس کا ارادہ یہ نہ ہو اور اس عمل سے برا ارادہ ہو تو ایسے شخص کو ماقبل لوگوں سے لاحق کر دیا جائے گا یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کو برا بھلا کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو اس کے حال کے مطابق قتل کیا جائے گا یا اس کو سزا دی جائے گی۔

اس کا مزید بیان خصائص کے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

یہ اسم مبارک الف کی زبر کے ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں بھی ایک قراءت کے مطابق اسی طرح تلفظ کیا گیا ہے۔ علامہ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ "اَمّ" کی طرف منسوب اسم ہے، اور اَمّ کا معنی قصد اور ارادہ ہوتا ہے اس اسم مبارک کا معنی یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے قصد کا مقام اور ان کے ارادہ کی جگہ ہیں، اپنے افعال اور شرعی احکام میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، اس صورت میں یہ ایک اور اسم ہے۔

علامہ ابسَیِّدُنَان جِنّی نے لکھا کہ ممکن ہے کہ یہ لفظ اُمّی کے معنوں میں ہو، نسبت کے وقت جس طرح بعض لفظوں میں تبدیلی کردی جاتی ہے اس میں تبدیلی بھی اسی قبیل سے ہو اس صورت میں یہ اسی اسم کا دوسرا تلفّظ ہوگا نیا اسم نہ ہوگا۔

اَنعُم الف پر زبر اور عین پر پیش کے ساتھ ہے، یہ نِعْمَة کی جمع ہے، اور نعمت کا معنی احسان ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ان کے لئے رحمت ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مسعود کے طفیل مخلوق کو کثیر نعمتیں عطا ہوئیں ان میں اسلام، کفر سے نجات اور خَسْف سے امن شامل ہیں۔

۷۲

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ. (التوبۃ، آیت/۱۲۸)

ترجمہ: تحقیق تمہارے پاس ایک رسول آئے جو تم میں سے ہیں۔

ایک قراءت میں اَنْفَسِکُم فاء کی زبر کے ساتھ ہے اس صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"تحقیق تمہارے پاس ایک رسول آئے جو تم میں سے نفیس ترین لوگوں میں سے ہیں۔"

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے "اَنْفَسِکُمْ" یعنی فاء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے، جس کا معنی ہے "مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بڑا۔"

اَنْفَس، نَفَاسَۃ مصدر سے اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے "شرف، برتری، اور عزت"۔

دُرٌّ نَفِیْسٌ: کا معنی ہے ایسا موتی جس کی مثال شاذ و نادر مل سکے۔

جمہور علماء کا قول ہے کہ اس آیت کے مخاطب اہلِ عرب ہیں جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اہلِ عرب میں سب سے بلند مرتبہ والی ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے افضل قرار پائے کیوں کہ اہلِ عرب غیروں سے افضل ہیں، لیکن ان کو بھی فضیلت حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل نصیب ہوئی کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے تھے، کسی شاعر نے کہا ہے:۔

وَکَمْ اَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرٰی شَرَفٍ   کَمَا عَلَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ عَدْنَانُ

ترجمہ: کتنے ہی آباء واجداد اولادوں کے طفیل شرافت وعظمت کی بلندیوں پر پہنچے جس طرح کہ قبیلہ عدنان کے لوگ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل شرافت وعظمت والے ہوئے۔

ذِمَامًا، ذال کے نیچے زیر کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے "زیادہ عزت والے، بڑی شان و شوکت والے۔"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا حَمَلَتْ مِن نَّاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا   اَبَرَّ وَ اَوْفٰی ذِمَّةً مِنْ مُحَمَّدِ

ترجمہ: کسی اونٹنی نے اپنے کجاوہ پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اور سچی شان و شوکت والی ذات نہیں اٹھائی۔

اس کا معنی ہے روشن، چمکدار۔

مُتَجَرَّد: راء کی زبر کے ساتھ ہے، اس کا معنی ہے:۔

ہر وہ شے جس کے بدن کو اس طرح ننگا کر دیا جائے کہ اسے دیکھا جاسکے۔

یہ اسم مبارک واوَ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ شَکَّارًا لَّکَ ذَکَّارًا لَّکَ رَھَّابًا لَّکَ مِطْوَاعًا لَّکَ مُخْبِتًا لَّکَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا۔[1]

ترجمہ: اے اللہ! مجھے کثرت سے شکر کرنے والا، کثرت سے ذکر کرنے والا، تیری ذات سے ڈرنے والا، تیری کثیر اطاعت کرنے والا، کثرت سے تیرے لئے تواضع کرنے والا، اواہ اور حکم ماننے والا بنا۔

اَوَّاہٌ کے معنی میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں خُشُوع اور تَضَرُّع کرنے والے، ایمان والے، توبہ کرنے والے، صاحبِ یقین، رجوع کرنے والے، حفاظت کرنے والے، بے گناہ، بغیر کسی خطاء کے استغفار کرنے والے اور تسبیح کرنے والے، بردبار، رحم کرنے والے، اطاعت گزار، اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرنے والے، خوف زدہ، ڈرنے والے، ذاکر اور قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے والے شخص کو اَوَّاہٌ کہتے ہیں، اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تمام صفات سے متصف تھے۔

---

[1] (۱) المسند احمد ۱/۲۲۷، (۲) الصحیح ابنِ حِبّان ۲۴۱۴۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اَوْسَطُ: کا معنی ہے عدل وانصاف کرنے والا، یا ہر شے سے اس کا بہتر حصہ۔

کسی نے خوب کہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آسودگیاں نصیب فرمائے:۔

یَااَوْسَطَ النَّاسِ طُرًّا فِیْ تَفَاخُرِ ھِمْ   وَفِیْ تَفَاضُلِھِمْ یَا اَشْرَفَ الْعَرَبِ

ترجمہ: اے لوگوں کے باہمی فخر کرنے میں، فضیلت میں، باہمی مقابلہ میں سب سے بہتر اور اے تمام عربوں سے بزرگوار!۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا بھی یہی وصف بیان فرمایا ہے چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَکَذَالِکَ جَعَلْنَا کُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا۔(البقرۃ، آیت/۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا ہے۔

امتِ وسط کا معنی ہے عدل وانصاف کرنے والی، بہتر اور غلو وکمی کے درمیان اعتدال کے حامل دین والی امت۔

۷۷

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یعنی: اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ. (الاحزاب، آیت/۶)

(مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے زیادہ قریب)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا و دین کے تمام معاملات میں ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر قریب اور لائق۔

۷۸

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے غیر سے تقدّم اور سبقت والا، یا وہ ذات جس کی اقتداء کی جائے۔

یہ اس مقام پر غیر منصرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے کیوں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے لئے عَلَم بنا دیا گیا ہے نیز اس میں وزنِ فعل بھی ہے۔

پھر بصریوں کے نزدیک لفظوں میں بہر حال یہ صفت واقع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ "اَسْبَق" کا سا سلوک کیا جاتا ہے جو کہ سبق مصدر سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے لہٰذا جب اسے الف لام سے مجرد کر لیا جائے گا تو اس کا مفرد اور مذکر ہونا لازم ہوگا اور اگر اضافت کی نیت کی جائے تو مبنی بر ضمہ ہوگا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ لفظ اوّل کی ضد ہے، تَاَخُّر سے اسمِ فاعل ہے جو تَقَدُّم کے ضد ہے۔

واقعۂ معراج کے سلسلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا میں ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق سے ہوئی انہوں نے عرض کیا:۔

اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَااَوَّلُ.

اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَاآخِرُ.

اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَاحَاشِرُ.

اس پر حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے سلام کا جواب دیجئے۔

معراج کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا میں یوں ہے:۔

میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلمکو تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلا اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری نبی بنایا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ [۱]

ترجمہ: قیامت کے دن میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا سب سے پہلے زمین مجھ پر سے شق ہوگی، میں سب سے پہلے

---

[۱] (۱) الصحیح المسلم ۴/۱۷۸۲، (۲) کتاب الفاضائل (۲۲۷۸/۳).

شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

یہ دونوں اسماء، اسمائے الٰہیہ میں داخل ہیں، تو اس صورت میں ان کا معنی یہ ہوگا:۔

تمام اشیاء سے ان کے وجود سے سابق لیکن ابتداء کے بغیر، انتہاء کے بغیر تمام اشیاء کی فنا کے بعد سب سے آخر۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے نہ آغاز ہے اور نہ ہی اختتام۔

شافع کا معنی شفاعت طلب فرمانے والے۔

۸۲

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ لفظ فاء کی زبر کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے وہ ہستی جو شفاعت کرے گی اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

اور شفاعت کا معنی ہے گنہگاروں سے درگزر کا سوال۔

اس پر مزید گفتگو نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حشر کے ابواب میں آئے گی۔

۸۳

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے اسلام میں تمام کے مقتداء اور پیشوا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

اس اسم پر گفتگو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حشر کے ابواب میں آئے گی۔

یعنی ایمان میں مقتداء اور پیش رو۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس اسم مبارک کو ذکر فرمایا اور اس پر اضافہ نہ فرمایا۔

امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل آیت کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے:۔

سَنُرِیْهِمْ آیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ.

ترجمہ: آفاق میں ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔

اس سے مراد حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسی علامت ہیں جو بالکل عیاں ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ "آیۃ" "اَیْ" (حرفِ تفسیر جس کا معنی ہے یعنی) سے مشتق ہے، کیوں کہ یہ ایک شے کو دوسری شے سے واضح کرتا ہے، یا یہ لفظ اَوٰی اِلَیْـہ: (کسی کو ٹھکانا دینا) سے مشتق ہے، کیوں کہ اس کو ٹھکانا دیا جاتا ہے تا کہ اس سے مطلوب پر استدلال کیا جاسکے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو راہِ ہدایت کا نشان بنا رکھا ہے، اور ایسا نشان بنایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ابدی کامیابی پر استدلال کیا جاتا ہے اور اس کی اقتداء کی جاتی ہے۔

ایک قراءت میں آیت ذیل یوں ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیَةِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔

ترجمہ: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانی سے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ "آیَةُ اللّٰه" سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔

حرف ☆☆☆ باء
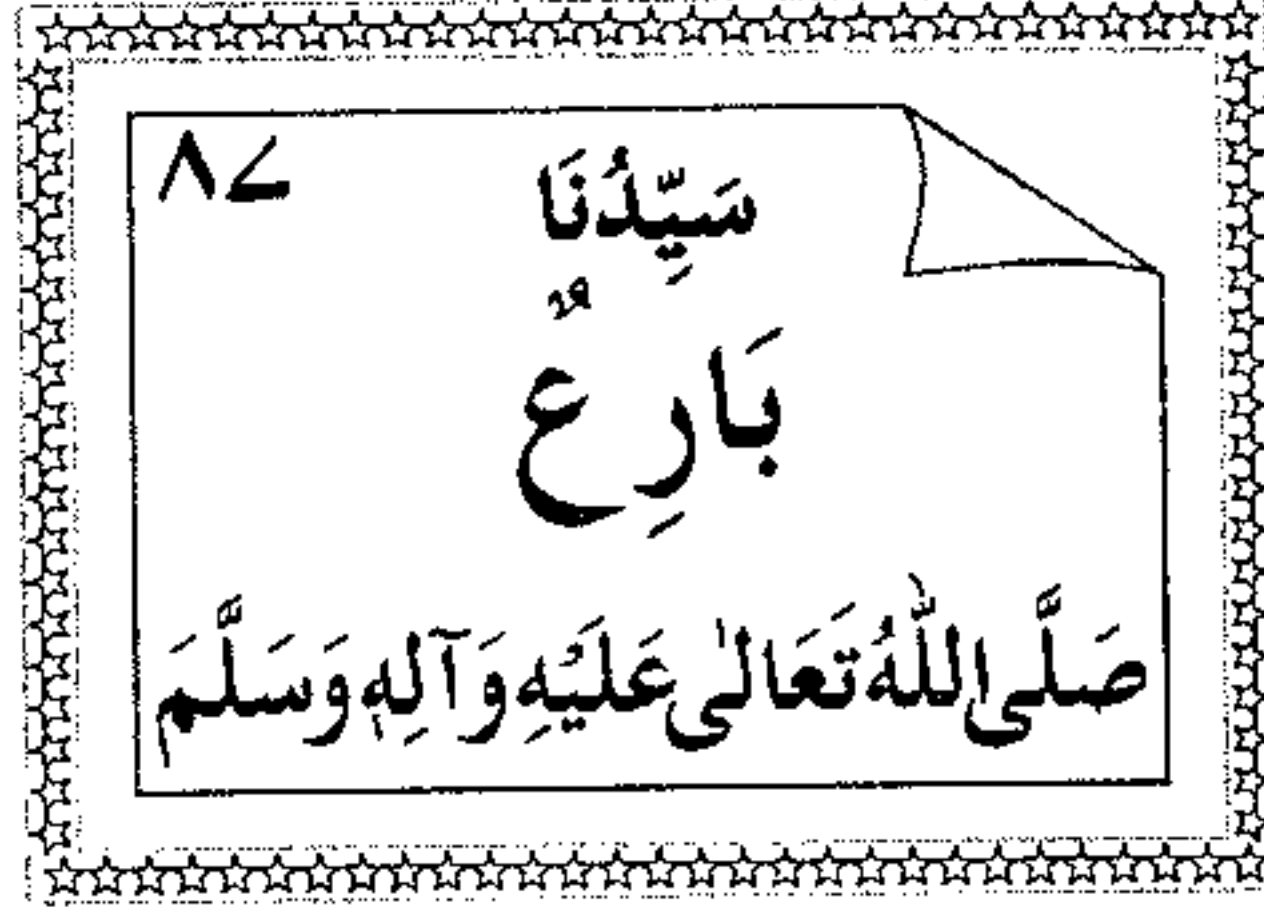
یہ اسم مبارک بَرَعَ الشَّیْئُ بَرَاعَۃً بُرُوْعًا سے مشتق ہے، بَرَعَ کی راء پر تینوں حرکات جائز ہیں۔

یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ وہ شے تمام ساتھیوں سے بزرگی اور علم میں برتر نیز بردباری اور حکم میں راجح تر ہو۔

یہ اسم مبارک باء اس کے بعد الف پھر راء کے کسرہ، زاں بعد قاف کے سکون، پھر یا اور آخر میں طاء کے ساتھ ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام انجیل میں وارد ہے اس کا معنی ہے رُوْحُ الْقُدُس۔

امام ثعلب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ذات جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کردے۔

بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے حمد کرنے والا، اور بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے کثرت سے حمد کرنے والا۔

حضرت شیخ تقی الدین شُمُنِّی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اکثر اہلِ انجیل کے نزدیک اس کا معنی ہے آزاد کیا ہوا۔
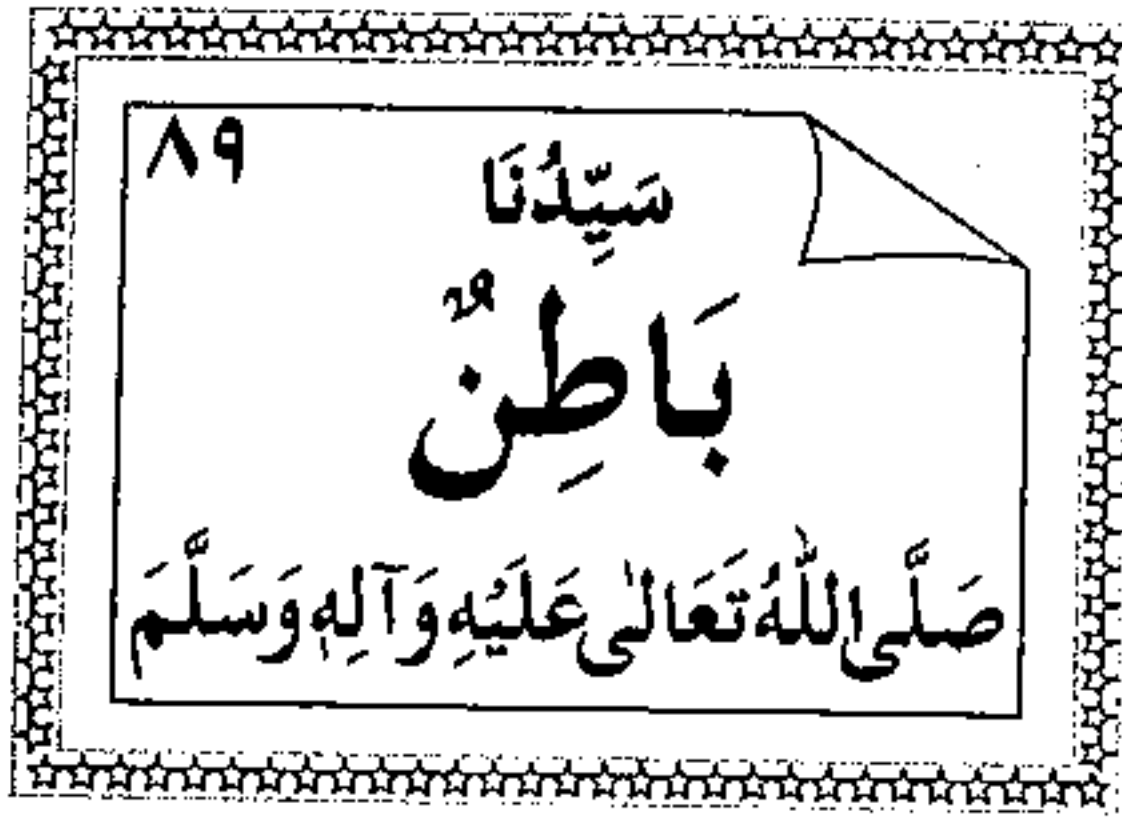
اس کا معنی ہے وحی الٰہیہ کے ذریعہ سے معاملات کے رازوں سے باخبر شخصیت۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے، تو اس کا معنی ہے وہ ذات جو آنکھوں سے اس طرح پوشیدہ ہو کہ ہم اسے نہ دیکھ سکیں، معاملات کے رازہائے پنہاں سے اس طرح اطلاع رکھنے والا کہ اس کی خبر واطلاع میں کوئی اشتباہ نہ ہو۔

بعض علماء نے فرمایا اس کا معنی ہے: وہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے پوشیدہ اور نشانیوں کے لحاظ سے ظاہر ہو۔

اور بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ ذات ہے کہ جس کی حقیقت کا ادراک عقلیں نہ کر سکیں اور نہ ہی حواس۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات جس کے مرتبہ کی انتہاء اور شان کی عظمت، جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا ہے کا ادراک عقلیں اپنی کم مائیگی کے باعث نہ کر سکیں۔

قصیدہ بردہ شریفہ کے ناظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کی طرف اپنے ان اشعار میں اشارہ فرمایا ہے:۔

اَعْيَى الْوَرٰى فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَيْسَ يُرٰى   لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْفَحِمِ

ترجمہ: ساری دنیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت جاننے سے عاجز ہے، لہٰذا کوئی قریب یا دور سب کے سب اس بارے میں ساکت ومبہوت ہیں۔

كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بُعُدٍ   صَغِيْرَةً وَّتُكِلُّ الطَّرْفَ مِنْ اَمَمِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سورج کی مانند ہیں جو دور سے آنکھوں میں اگرچہ چھوٹا ہو نظر آتا ہے لیکن جب وہ آنکھوں کے سامنے آئے تو یہ چندھیا جاتی ہیں۔

وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيْقَتَهُ قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقتِ مبارکہ کا ادراک دنیا میں کس طرح کیا جاسکتا ہے دنیا کے یہ باشندے سوئے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خواب وخیال پر تسلی میں ہیں۔

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهُ بَشَرٌ وَاَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں علم کی رسائی صرف اس قدر ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم انسان ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے بہترین ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہِ اقدس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی اور فضل میں اضافہ فرمائے۔
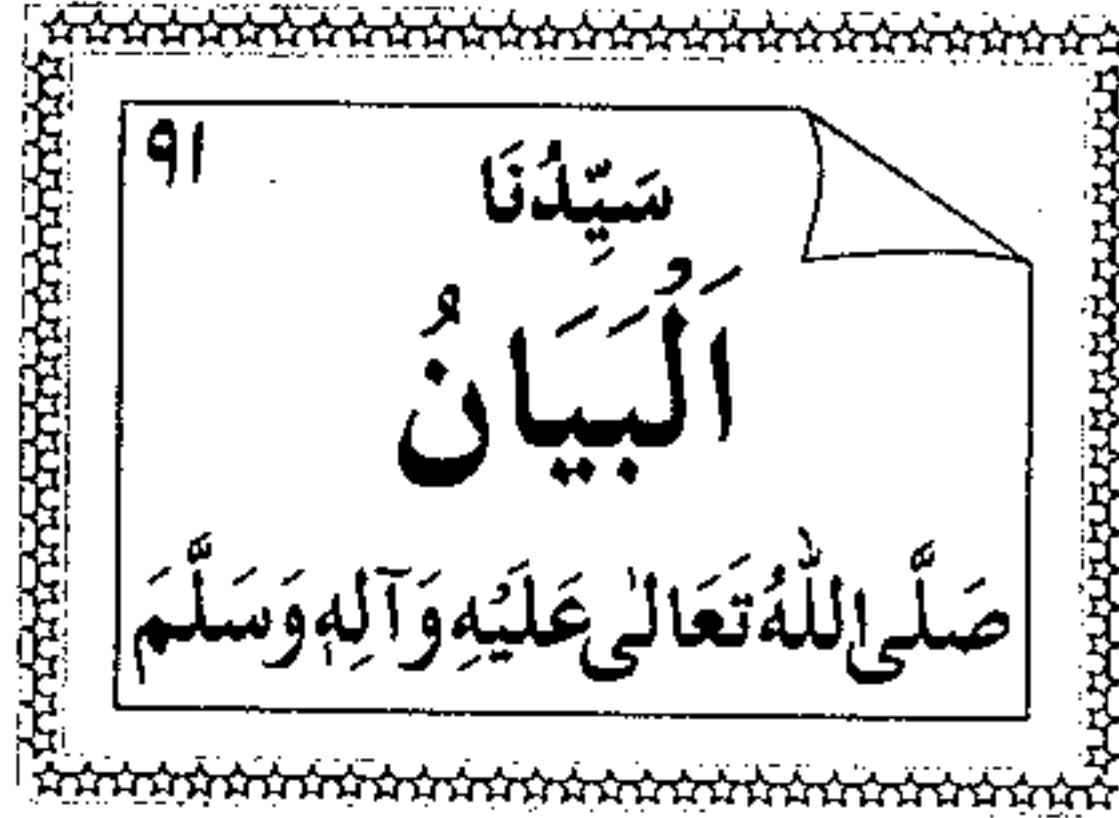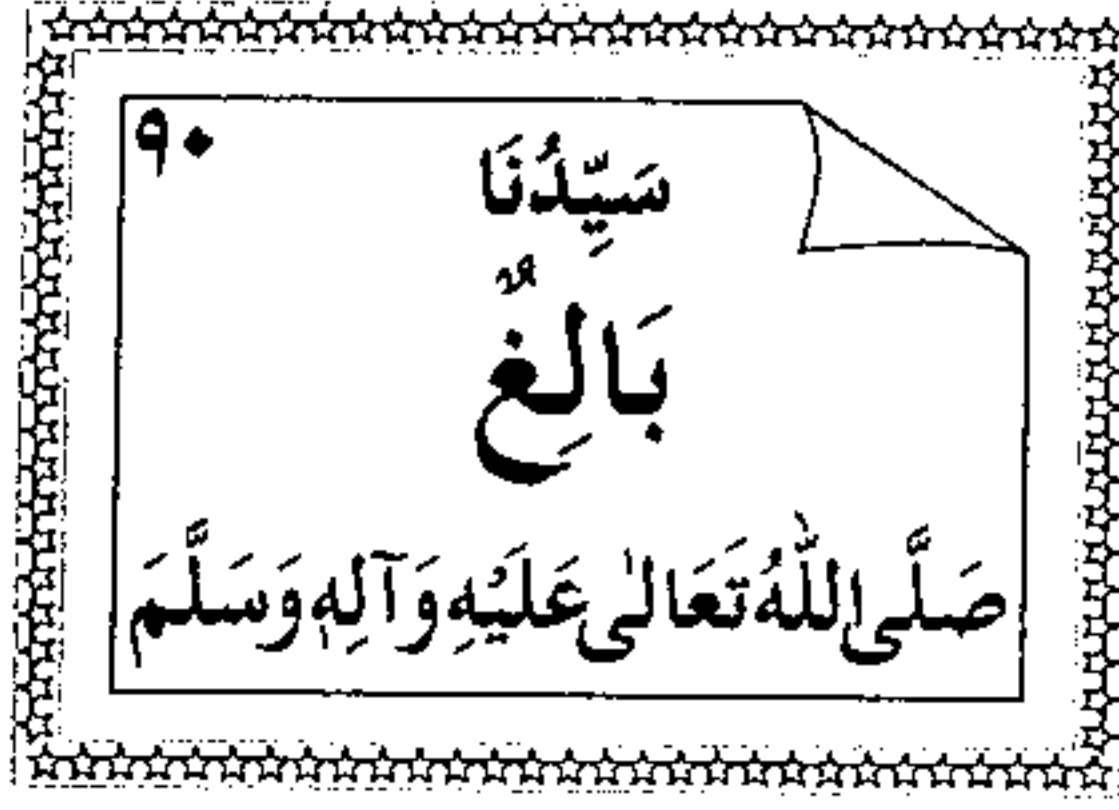
یہ دونوں اسماء ہمارے شیخ حضرت ابو الفضل قَسْطَلَّانِیّ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں۔

یہ اسم مبارک ابتداء میں باءاور آخر میں راء کے ساتھ ہے۔

امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "قَصَصُ الاَنْبِیَاء" میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:۔

بلاشبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ظاہر چاند ہیں، یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور چمک، کثیر منفعت اورلوگوں کے فیض اُٹھانے کے اعتبار سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے نور پر فائق ہے۔

یہ اسم بَدرٌ بَاهِرٌ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے ایسا چاند جس کا نور ستاروں کے نور پر غالب ہو۔

یا یہ نام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حسن میں تمام مخلوق سے فائق ہیں۔اس معنی کی رو سے یہ اس محاورہ سے ماخوذ ہے:۔

بَهَرَتْ فُلانَۃُ النِّسَاءَ: یعنی فلاں عورت دوسری عورتوں سے حسن میں غالب ہے۔

یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل واضح ہے۔

یہ معنی درج ذیل شعر سے ماخوذ ہے:۔

لَقَدْ بَهَرْتَ فَلا تَخْفٰی عَلٰی اَحَدٍ ۔۔۔ اِلَّا عَلٰی اَكْمَهٍ لَا يَعْرِفُ الْقَمَرَا

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل سب سے فائق ہے اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی سے پوشیدہ نہیں ہاں وہ مادرزاد اندھا تمہیں نہیں جانتا جس کو چاند کا علم نہیں۔
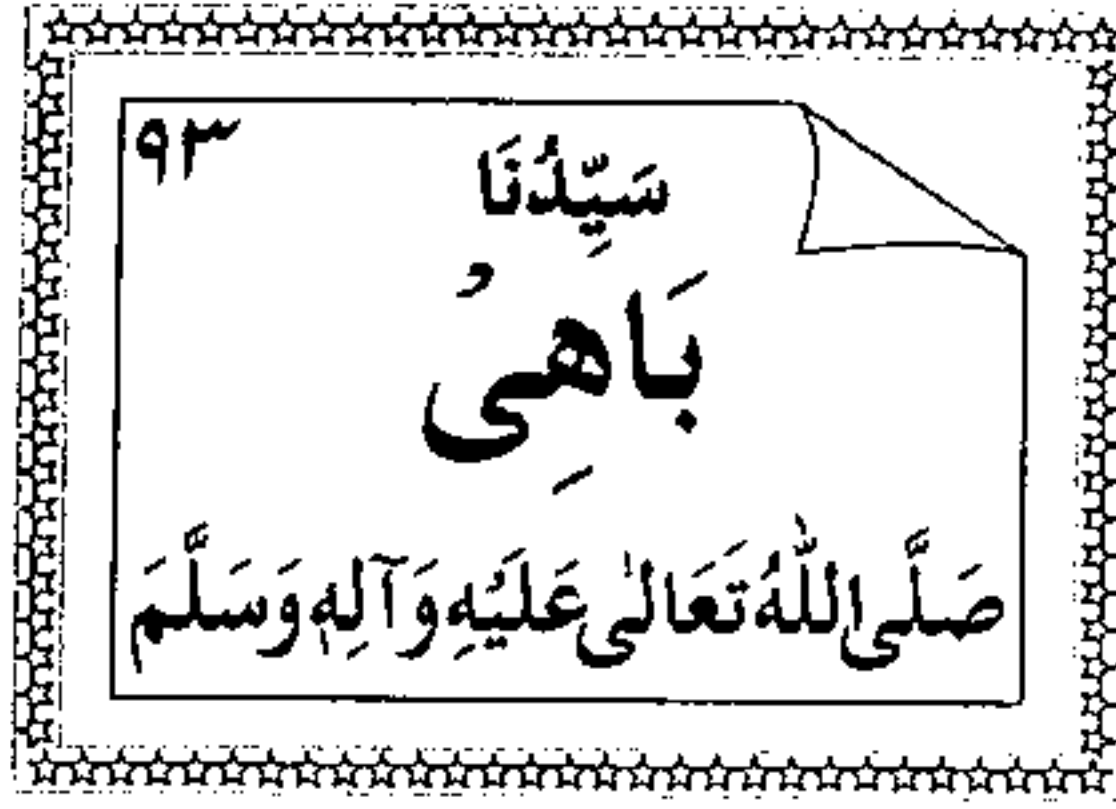
بَاہِیُ کا معنی ہے حسین وجمیل، یہ بَھَآءٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی حسن اور رونق ہے۔

اس کا فعلِ ماضی بَہِیَ بروزن رَضِیَ اسمِ فاعل بَاہِیُ یا باہِ صفتِ مشبہ بَہِیٌّ ہے صرفی قوانین اس میں قاضی کی مانند جاری ہوتے ہیں۔

یہ دراصل بَرٌّ بمعنی خشکی کا متضاد لفظ ہے، لیکن پھر اس کا استعمال کثیر، واسع اور گہرے پانی کے ذخیرہ پر ہونے لگا، ہر بڑے دریا پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، ایسا گھوڑا جو وسیع سفر تک دوڑے اس کو بھی بَحْرٌ کہتے ہیں۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم اس لئے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی سے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بَحْرٌ ذَاخِرٌ (بہت بڑا سمندر) ہیں۔ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قَصَصُ الْاَنْبِیَاءِ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

نبی پاک کو بَحْرٌ ذَاخِرٌ عام فائدے پہنچانے کے لئے کہا گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود پاک تھے جس نے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پاکیزہ بنا دیا، نیز وسیع کرم کے باعث بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بَحْر کہا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام کی خاطر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو چیز طلب کی گئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عطاء فرما دی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک آدمی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بکریاں مانگیں تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عطاء فرما دیں، وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور پکار اٹھا:۔ اے میری قوم! ایمان قبول کر لو خدا کی قسم! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسے شخص کی طرح عطاء فرماتے ہیں جسے فقر و احتیاج کا کھٹکا نہ ہو۔[1]

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کے باب میں اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

---

1 (۱) الصحیح مسلم ۱۸۰۶/۴ کتاب الفضائل (۵۷_۲۳۱۲)

یہ اسم دال اور آخر میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی ہے ایسا سردار جس سے سرداروں کی گنتی کا آغاز کیا جائے کیوں کہ وہ ان سب سے جلالت والا ہے۔
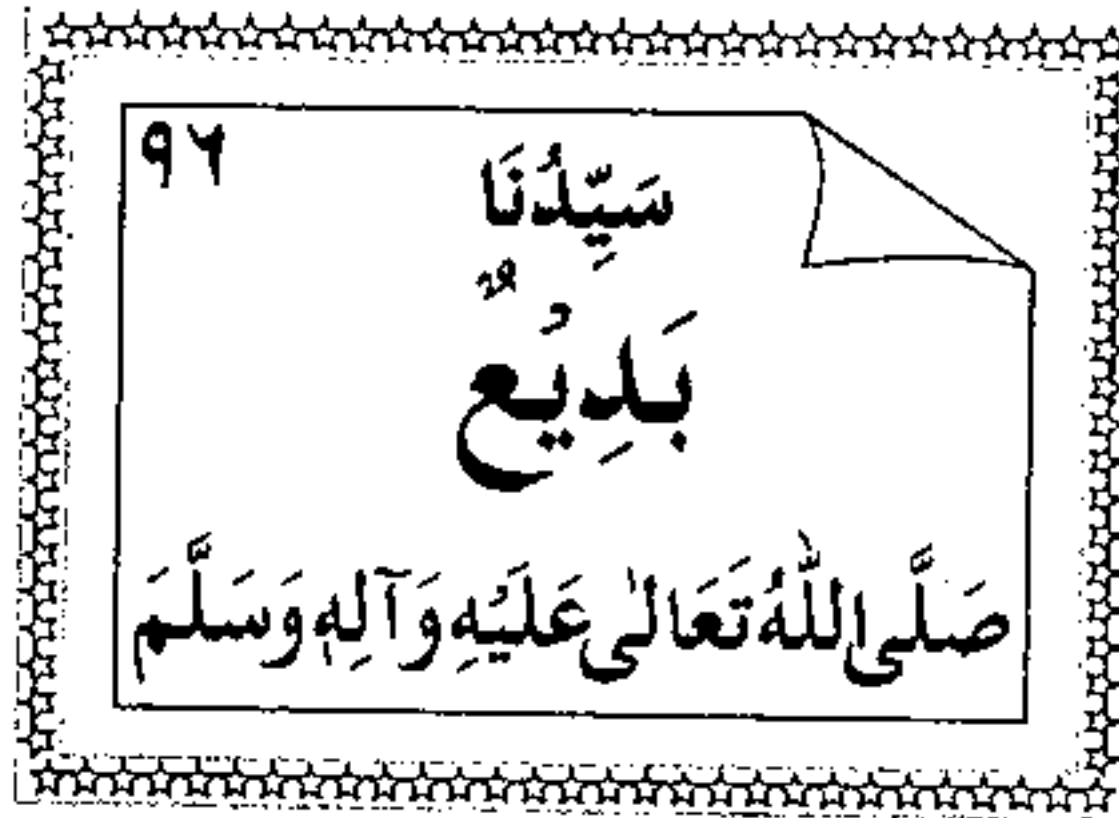
یہ اسم مبارک فعل "اَبْدَعَ" جو کہ متعدی ہے، سے اسے لازم بنانے کے بعد نیز فَعُلَ کی جانب نقل کرنے کے بعد صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے حسن و جمال میں مُبْدَع، یعنی ان صفات میں صاحب استقلال اور منفرد۔

یہ اسمائے حسنٰی سے بھی ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے وہ ذات جو کسی آلہ کے بغیر اشیاء کی مُوجِد ہو۔

اس کا لغوی معنی ہے مکمل چاند۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی بَــدْر، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تکمیل، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمال اور علوِ شرف کے باعث ہے۔

امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کی ''قَصَصُ الْاَنْبِیَاء'' میں ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی مناجات کے دوران فرمایا:۔

اِنَّ مُحَمَّدًا هُوَ الْبَدْرُ الْبَاهِرُ وَالنَّجْمُ الظَّاهِرُ وَالْبَحْرُ الزَّاخِرُ.

ترجمہ: بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روشن چاند، چمکتا ستارہ اور بہت بڑا سمندر ہیں۔
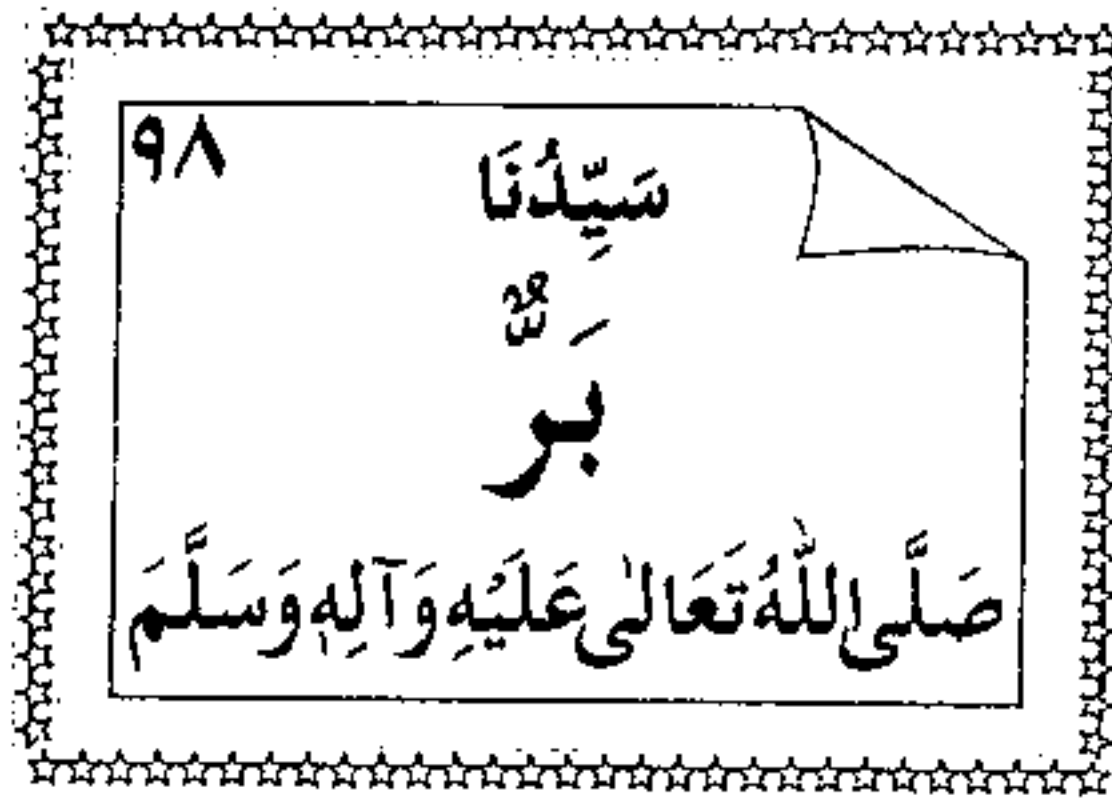
یہ اسم مبارک باء کی زبر کے ساتھ ہے جو بِرّ باء کی زیر کے ساتھ مصدر سے (صفتِ مشبہ بمعنی) اسم فاعل ہے۔

بِرٌّ کا معنی ہے احسان، طاعت اور سچائی۔ مَبَرَّۃٌ بھی انہی معنوں میں آتا ہے۔

بَرِرْتُ وَالِدَیَّ میں نے اپنے والدین سے نیکی کی۔ اس کا مضارع اَبَرُّ ہے مصدر بِرًّا، صفتِ مشبہ بَرٌّ.

اور اسمِ فاعل بَارٌّ ہے۔ صفتِ مشبہ بَرّ کی جمع اَبْرَار اور اسم فاعل بَارٌّ کی جمع بَرَرَۃٌ ہے۔

فَلانٌ یَبَرُّ خَالِقَہٗ (فلاں اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے)۔

فُلانٌ بَرَّ فِیۡ یَمِیۡنِہٖ (فلاں نے اپنی قسم سچ کر دکھائی)۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

مِنۡ اَفۡضَلِ الۡبِرِّ ثَلاثَۃٌ:. اَلصِّدۡقُ فِی الۡغَضَبِ، وَالۡجُوۡدُ فِی الۡعِتۡرَۃِ وَالۡعَفۡوُ عِنۡدَ الۡقُدۡرَۃِ.

افضل نیکیاں تین ہیں:۔ ﴿۱﴾ حالتِ غضب میں سچ کہنا ﴿۲﴾ تنگ دستی میں سخاوت کرنا ﴿۳﴾ قدرت کے باوجود معاف کر دینا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَلۡبِرُّ حُسۡنُ الۡخُلۡقِ۔ [1]

ترجمہ: نیکی خوش اخلاق بننا ہے۔

---

[1] (۱) الصحیح مسلم ۱۹۸۰/۴ کتاب البر والصلۃ (۲۵۵۳/۱۴)
(۲) الجامع الترمذی (۲۳۸۹) (۳) المسند احمد ۱۸۲/۴
(۴) السنن البیہقی ۱۴۲/۱۰ (۵) المستدرک الحاکم ۱۴/۲

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس میدان میں عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے بھی اَلْبِرُّ ہے۔اس کا معنی یہ ہے "حد درجہ کا احسان کرنے والا، وعدہ میں سچا"۔
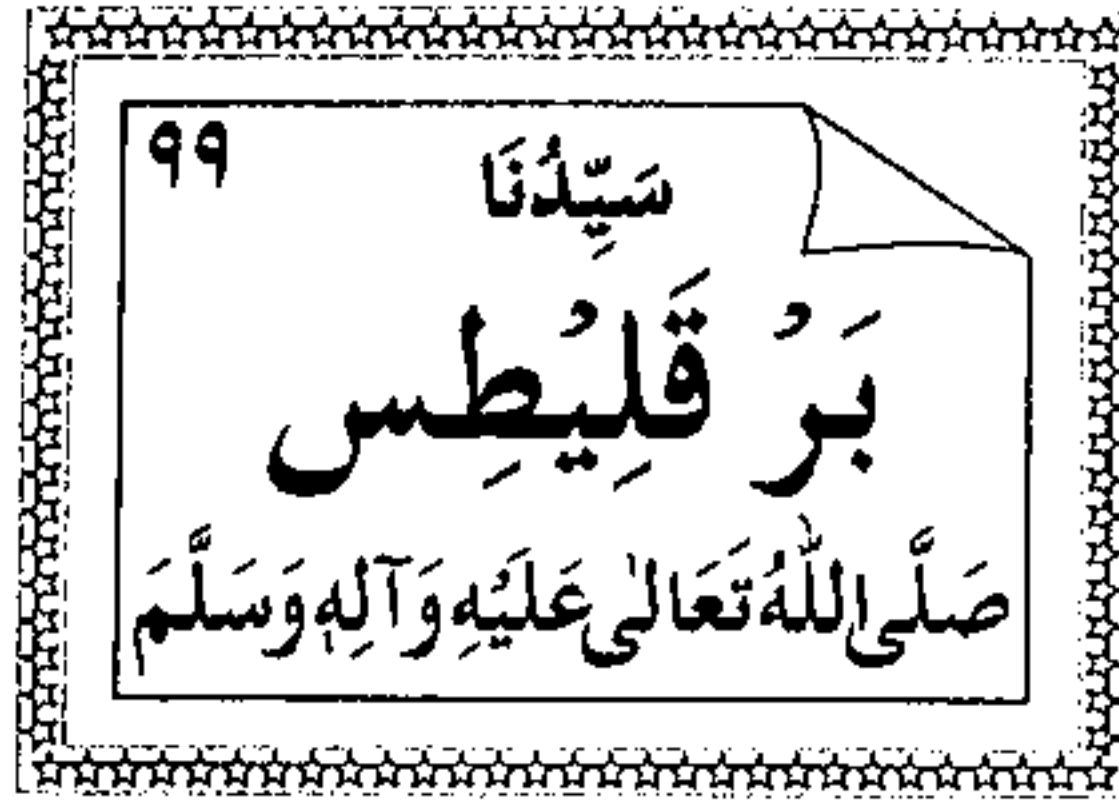
امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین علماء کا کہنا ہے کہ رومی زبان کا لفظ ہے۔

جس کا عربی زبان میں ترجمہ مُحَمَّد ہے۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے اس کا تلفظ یوں دیکھا ہے:۔

باء کی زبر اور زیر کے ساتھ، قاف پر زبر اور طاء کے نیچے زیر بَرْ قَلِیْطِس.
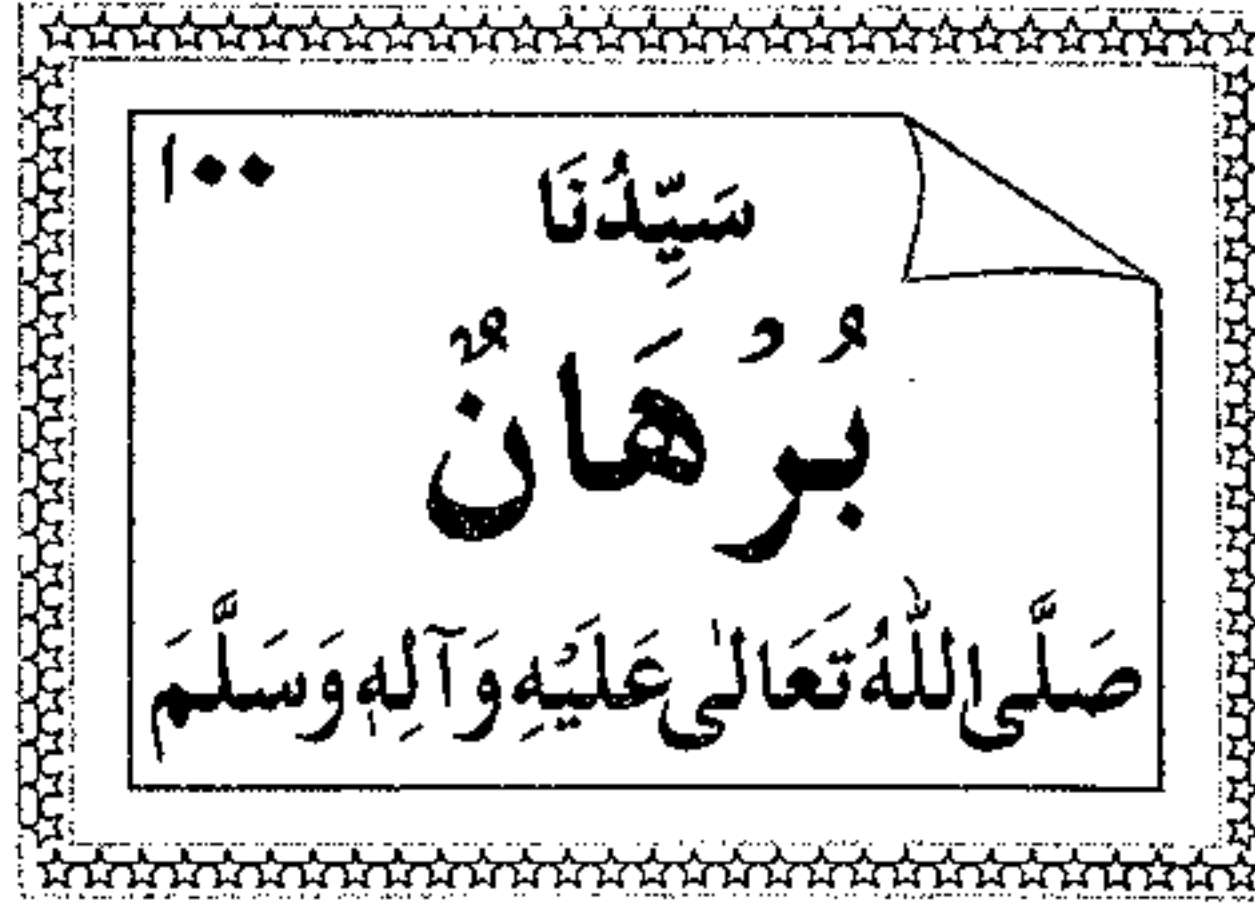
امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مبارکہ:۔

قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ.

ترجمہ: تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک برہان آ چکی۔

کی تفسیر میں حضرت سفیان بن عُیَیْنَہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

برہان سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

علامہ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نَسَفِی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر جزم فرمایا، اور اس بارے میں اس کے سوا کوئی اور قول نقل نہیں کیا۔

لغت میں برہان کا معنی ہے: حُجّت۔

بعض نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے "ایسی واضح اور روشن حُجّت جو پورا یقین عطاء کرے"۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر دو معنی کے اعتبار سے برہان ہیں، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حُجّت ہے نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واضح اور روشن حُجّت ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی صداقت پر دلالت کرنے والے معجزات اور نشانات موجود ہیں۔

یہ اسم بھی ان اسماء سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی موسوم فرمایا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ کی حدیث میں وارد ہے۔
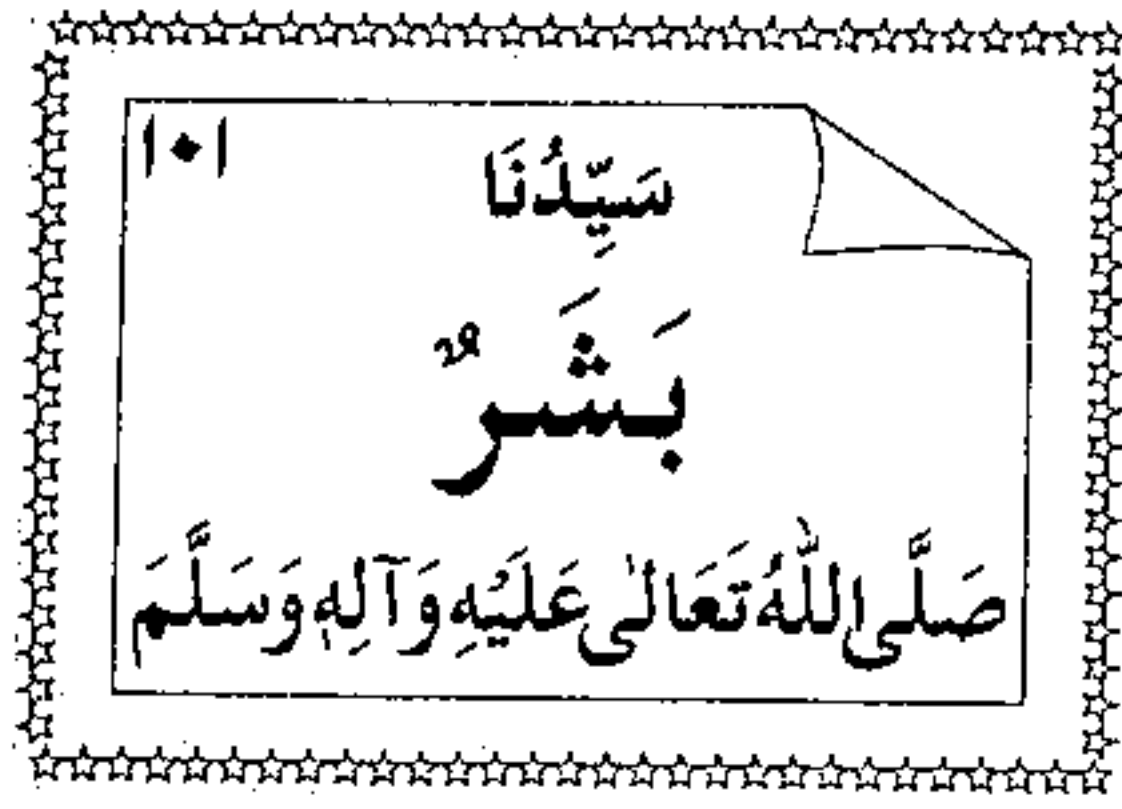
یہ لفظ شین پر زبر کے ساتھ ہے۔ اصل میں یہ انسان پر اطلاق پاتا ہے کیوں کہ اس کی جلد بالوں کے نیچے سے ظاہر ہوتی ہے، اس کے خلاف باقی حیوانات کی جلد بالوں، صوف اور پشم کے باعث ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام بنی نوع بشر سے شان کے اعتبار سے عظیم اور مرتبہ کے اعتبار سے جلیل ہیں۔ یہ تَسْمِیَۃُ الْخَاصِ بِاسْمِ الْعَامِّ کے قبیل سے ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے:۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ. (الکہف، آیت/۱۱۰)

ترجمہ: اے محبوب! آپ انہیں فرمادیجئے کہ میں تمہارے طرح ایک بشر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں تنبیہ فرمائی کہ تمام لوگ بشر ہونے میں برابر ہیں، انسانیت میں ان کے مابین باہمی تفاضل نہیں ہے، ان میں ایک دوسرے پر فضیلت ان معارفِ عظیمہ کے باعث ہے جن سے ان کو مختص کیا گیا ہے، اسی لئے اس کے بعد فرمایا:۔

یُوْحٰی اِلَیَّ۔(الکہف، آیت/۱۱۰)

ترجمہ: میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

آیت کے اس حصہ میں اس وجہ کو بیان کیا گیا جس کی بدولت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر فضیلت حاصل ہے، یعنی میں وحی اور رسالت کی بنا پر تم سے ممتاز اور مخصوص ہوں۔
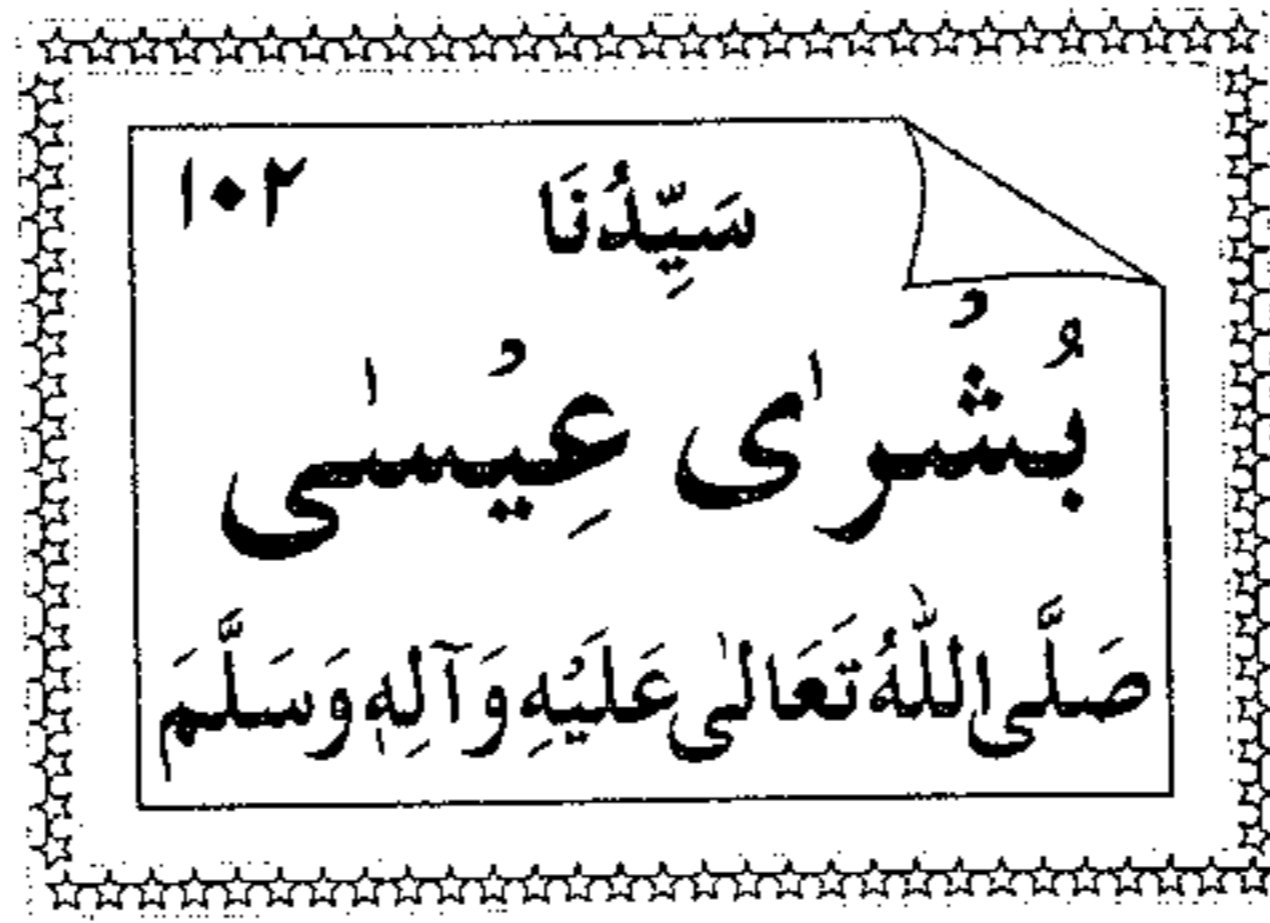
بُشْریٰ باء کی پیش اور شین کے سکون کے ساتھ ہے، یہ بَشَارَت مصدر سے فُعْلٰی کے وزن پر ہے۔
بشارت کا معنیٰ ہے ''سرور بخش خبر'' یعنی نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوش خبری دی گئی تھی۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد نقل فرمایا ہے:۔
وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (الصف، آیت/٦)
ترجمہ: اور میں تمہیں ایک رسول کی خوش خبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔
مستدرک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔
اَنَادَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَبُشْرٰی عِیْسٰی. [1]
ترجمہ: میں اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

فائدہ...... انبیائے کرام علیہم السلام میں سے پانچ کی بشارت دی گئی تھی:۔

١...... حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔
٢...... حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام۔
٣...... حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام۔
٤...... حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام اور
٥...... حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام۔

---
[1] المستدرک الحاکم ج/٢ ص/٦٠٠.
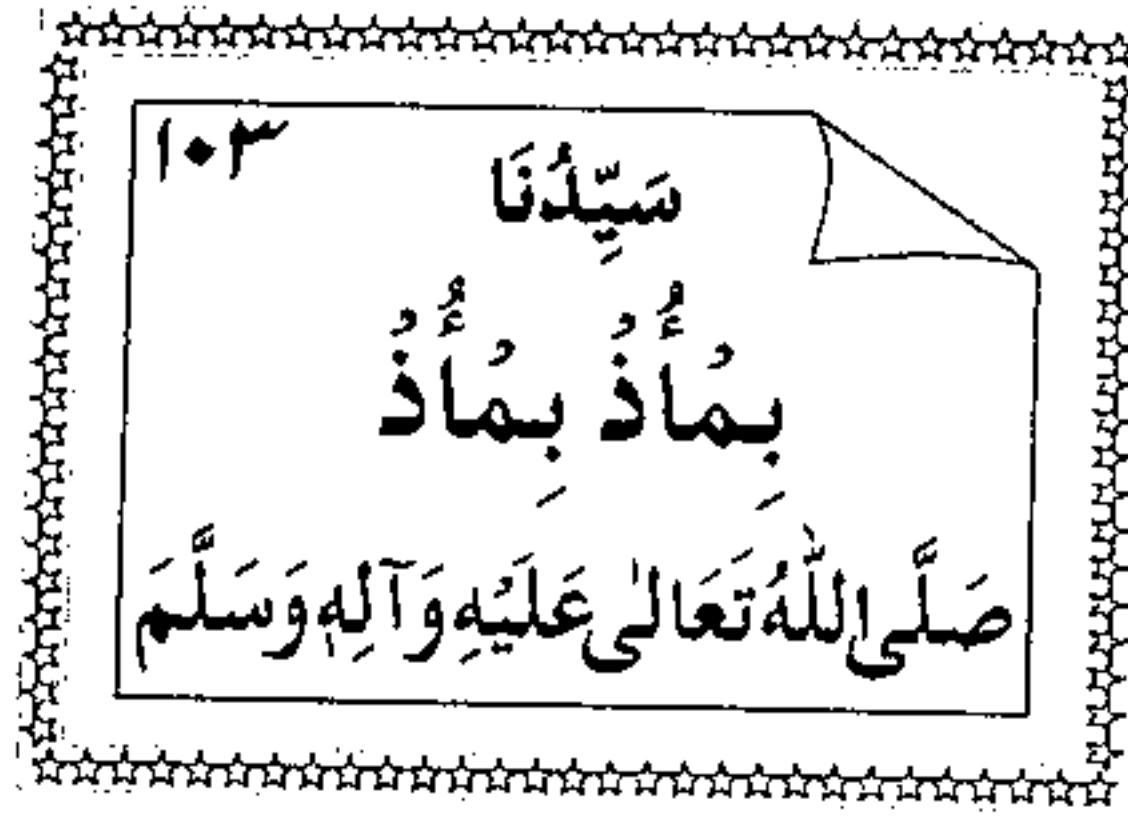
یہ اسم مبارک باء کے نیچے زیر، میم کے سکون، ہمزہ پر پیش اور ذال پر سکون کے ساتھ ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نسبت تورات کی پہلی کتاب کی طرف کی ہے۔ اور فرمایا: اَبجد کے حساب سے با کے اعداد/دو، میم کے/چالیس، الف کا/ایک، اور ذال کے اعداد دال کی طرح /چار، دوسری میم کے/چالیس، الف کا/ایک اور ذال کے/چار ہیں اور ان کا مجموعہ بانوے بنتا ہے جو جمل کے حساب سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے برابر عدد ہیں (نوٹ۔ دوسری با کے اعداد شامل نہیں کیئے گئے ہیں)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے (الشفا) میں فرمایا کہ یہ اسم مبارک "ماذ ماذ" ہے یعنی اس کا پہلا حرف میم ہے (نہ کہ با)۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے کھٹکا ہے کہ یہ نام اصل میں یہی ہو پھر اس کو تبدیل کر دیا گیا ہو۔

میں کہتا ہوں علامہ ابن قیم نے "جَلاءُ الْاَفْھَام" میں تورات کی نص اور اہل کتاب سے بعض اہل ایمان شارحین کی عبارت سے اسی طرح اس نام کو ذکر کیا ہے انہوں نے علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو بھی نقل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس اسم مبارک کا صحیح تلفظ "ماذ ماذ" ہی ہے تو حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا وہ درست ہے۔
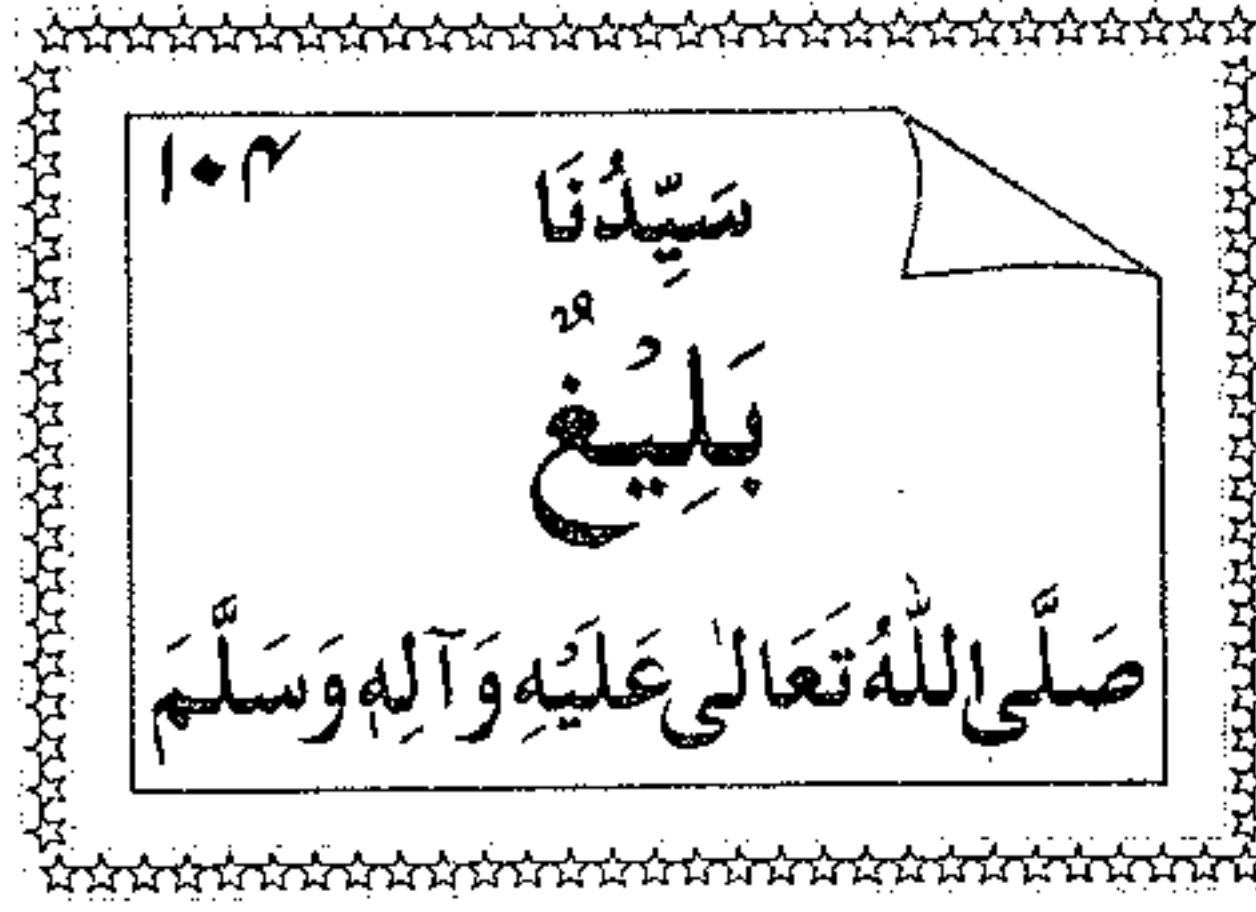
اس اسم مبارک کا معنی ہے ایسی فصیح ذات جس کی تعبیر و گفتگو اس کے ضمیر کی حقیقت تک پہنچی ہو۔
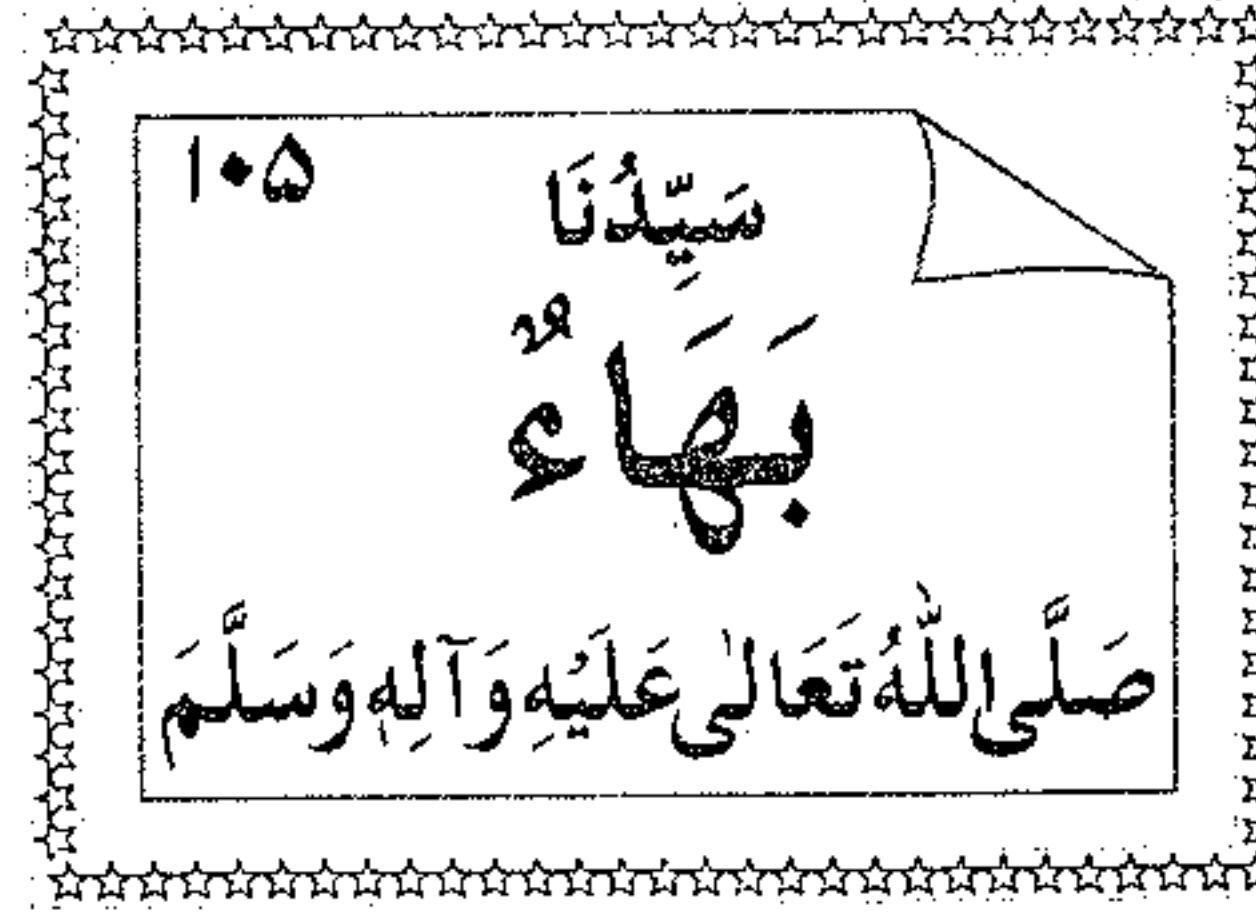
یہ اسم مبارک الف ممدوہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے عز وشرف۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے پڑا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے لئے عزت اور عظمت کا باعث ہیں۔
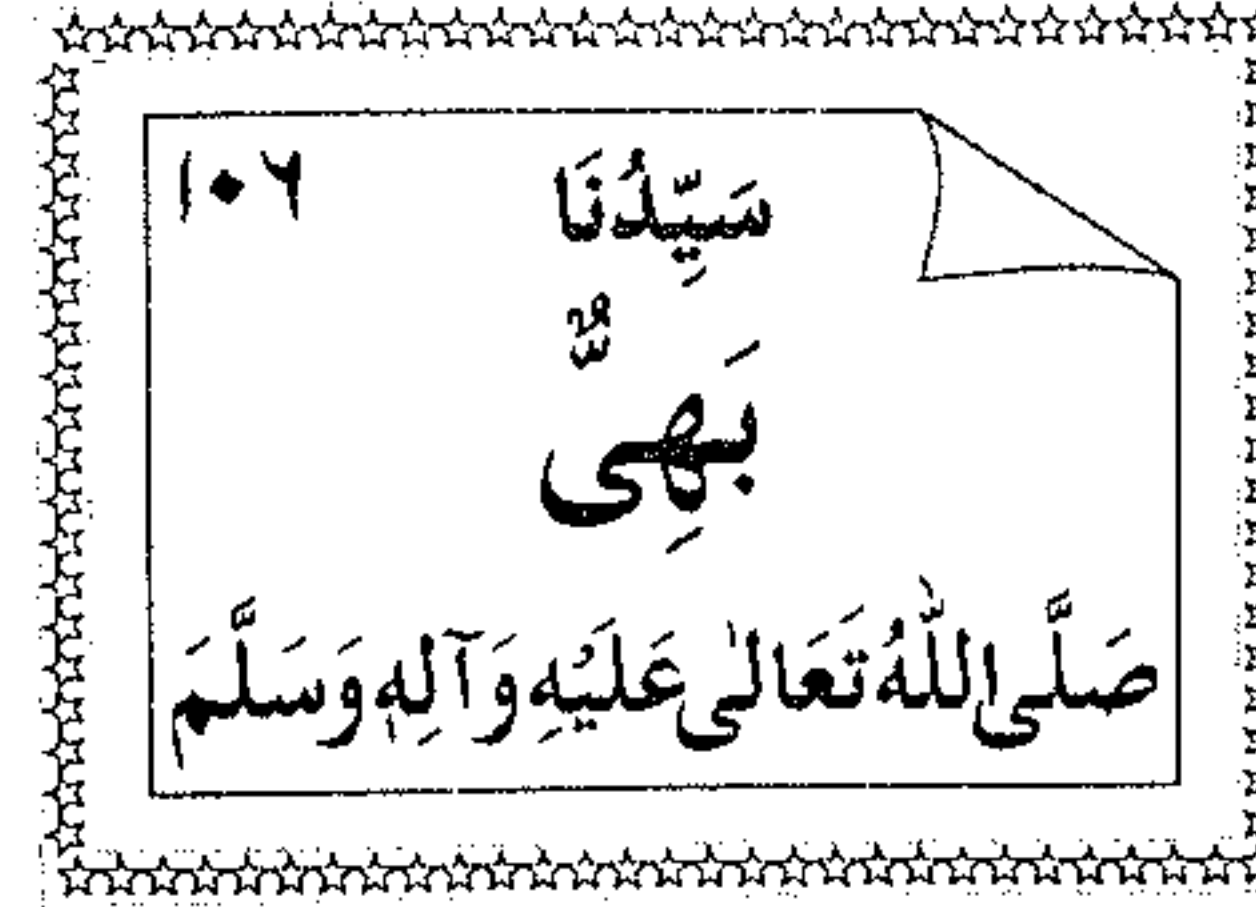
یہ "عَلِیّ" "کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے "حسن والا اور عقلمند"۔

اس کا ماضی دو طرح سے استعمال ہوتا ہے:۔ بَهِیَ ہا کی زیر کے ساتھ اور بَهُوَ ہا کی پیش کے ساتھ۔

بَهِیٌّ ہا کی زیر کے ساتھ صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے۔

۱۰۷

سَیِّدُنَا

بَیِّنَۃٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
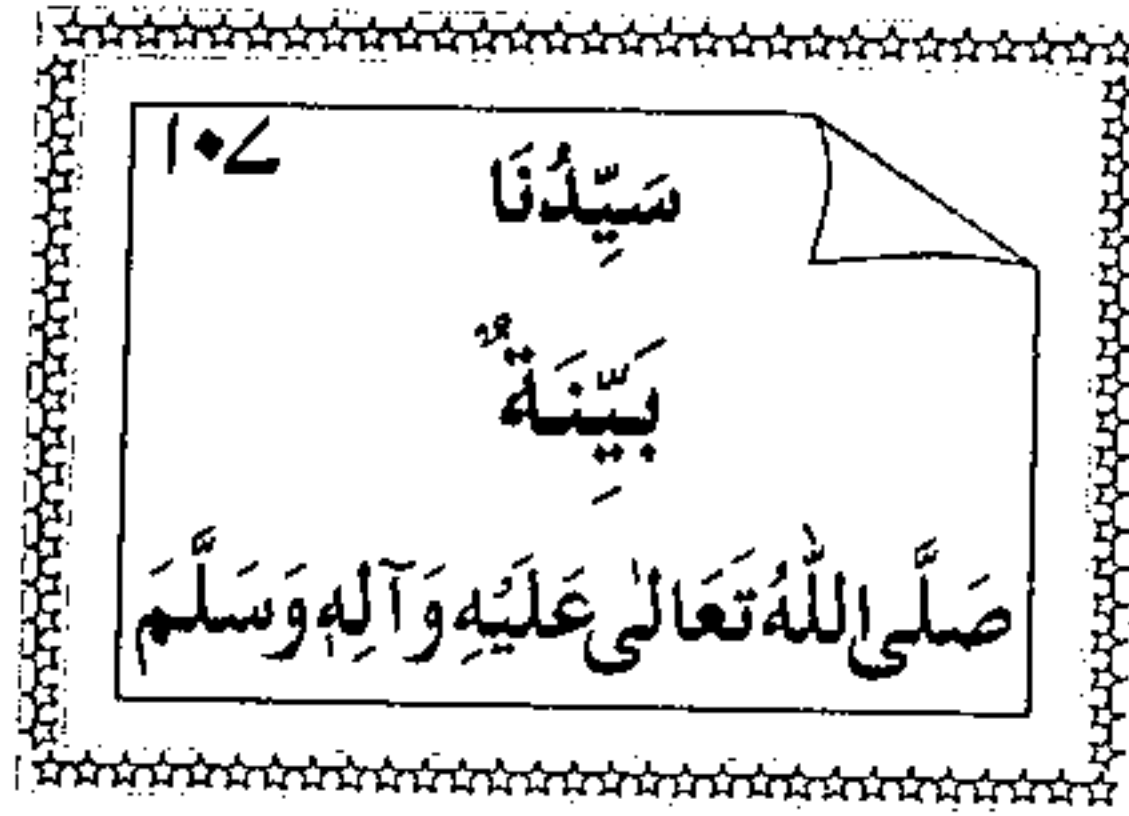
اس کا معنی ہے ''واضح حُجَّت'' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ۔

(اَلْبَیِّنَۃ، آیت/ ۱، ۲)

ترجمہ: اہلِ کتاب میں سے کافر اور مشرک لوگ اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم رسول نہ آجاتا۔

اس آیت میں بَیِّنَۃٌ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔لفظ بَیِّنَۃٌ کے بعد لفظ رسول یا تو اس سے بدل ہے اور یا عطفِ بیان ہے۔

علامہ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

بَیِّنَہ کے آخر میں ''ہا'' مبالغہ کے لئے ہے جس طرح کہ عَلَّامَۃٌ اور نَسَّابَۃٌ کے آخر میں ہا ہے۔
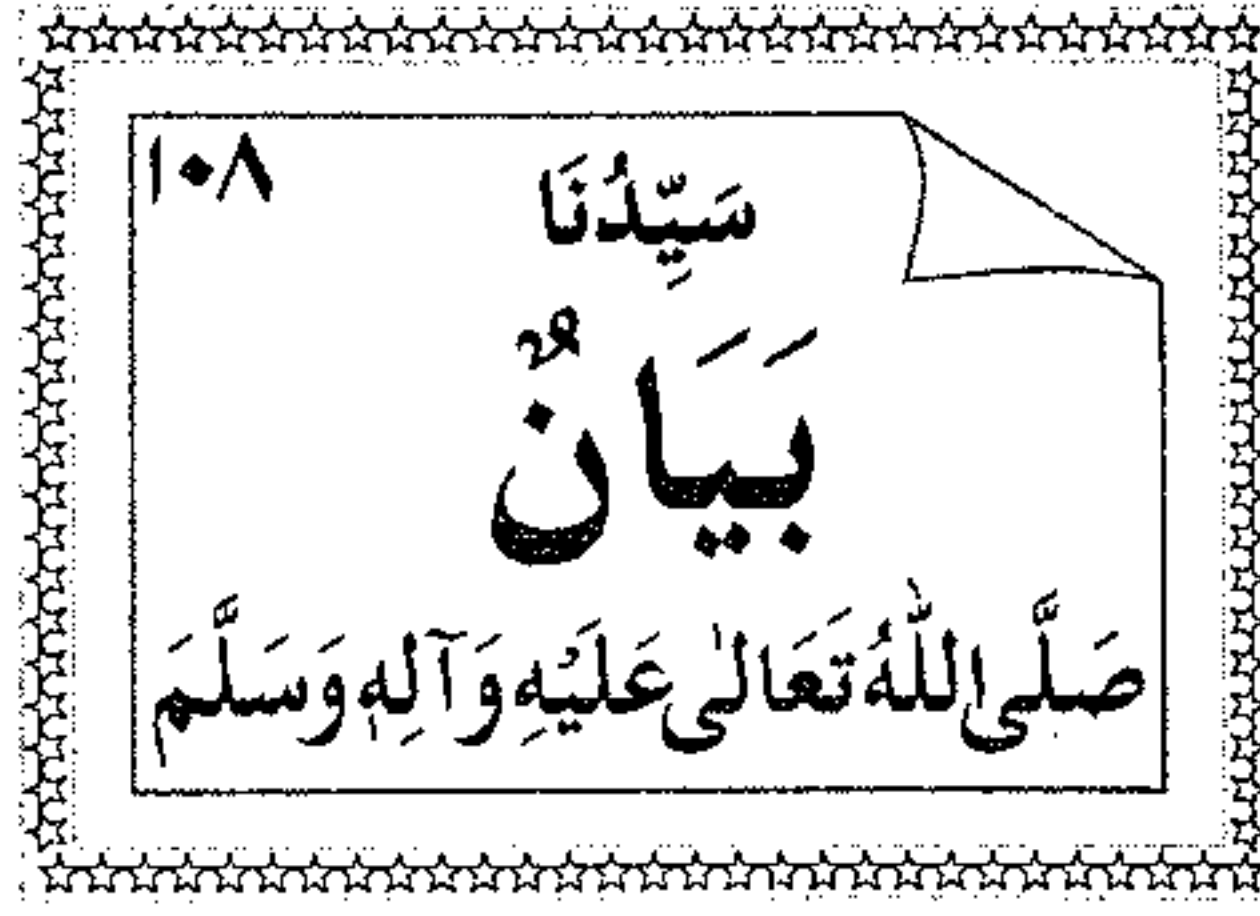
بیان کا معنی ہے ''کھولنا اور ظاہر کرنا'' یا اس کا معنی ہے ''فصاحت'' یا ''فصاحت کا بلاغت اور بلیغ ترین لفظ کے ساتھ مقصود کے اظہار کے ساتھ جمع ہو جانا''۔

عربی میں کہا جاتا ہے:۔

فُلَانٌ اَبْیَنُ مِنْ فُلَانٍ

(فلاں شخص فلاں سے زیادہ فصیح ہے)۔

بعض علماء نے فرمایا کہ بَیَانٌ اور تِبْیَانٌ جو تِفْعَال، تاء کی زیر کے ساتھ مصدر ہے، میں فرق یہ ہے کہ بَیَانٌ ایسے اظہار کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دلیل نہ ہو اور تِبْیَان اظہار بمع دلیل کو کہتے ہیں۔

یا یہ مُبَیِّن کے معنوں میں ہے یعنی لوگوں کے سامنے ان امور کو ظاہر کرنے والی ہستی جن کا ان کو حکم دیا گیا ہے اور جن سے ان کو منع کیا گیا، ان کے لئے دین کی ان باتوں کو بیان کرنے والا جو ان سے پوشیدہ ہیں۔

تَالِی کا معنی ہے اپنے سے پہلے کی پیروی کرنے والا، قرآنِ مجید میں ہے:۔

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرَاهِیۡمَ حَنِیۡفًا۔

ترجمہ: پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے کنارہ پر رہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ''تِلاوت'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ''پڑھنا'' ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

کَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا۔(البقرة، آیت/ ۱۵۱)

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول روانہ کیا جو تمہارے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے۔

''ہماری آیات'' سے مراد قرآنِ مجید ہے۔

تذکرۃ کا معنی ہے وہ چیز جس کے ذریعہ سے بھولنے والا یاد کرے اور غفلت کا شکار متنبہ ہو۔

یہ لفظ ذَکَّرَ کاف کی تشدید کے ساتھ ماضی کے صیغہ کا مصدر ہے۔

امام رَاغِب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لفظ علامت اور دلیل سے عام تر ہے، کیوں کہ علامت اور دلیل کا تعلق حسی امور سے ہے، جبکہ لفظ تَذْکِرَہ ان امور سے مخصوص نہیں بلکہ یہ کبھی اُمُوْرِ ذِھْنِیَّہ کے لئے بھی آتا ہے۔

اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی، قرآنِ مجید میں ہے:۔

وَاِنَّہٗ لَتَذْکِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ.

ترجمہ: یہ متقی لوگوں کے لئے تذکرہ ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ تَذْکِرَۃ سے مراد یہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک قدیم پتھر پر یوں لکھا ہوا پایا گیا:۔

مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُصْلِحٌ سَیِّدٌ اَمِیْنٌ.

ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم متقی، اصلاح فرمانے والے، سردار اور امانت دار ہیں۔

یہ اسم تقویٰ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے اس کی مزید وضاحت اسم مبارک متقی کے ضمن میں آئے گی۔

اس اسم کا ذکر علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔

رومیوں کی کتابوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہی نام درج ہے۔

تَنْزِیلٌ، مُنَزَّل کے معنوں میں ہے جس کا مفہوم ہے بھیجا ہوا یا وہ ذات جس کی جانب قرآن بھیجا گیا یا قرآن وحی کیا گیا، ارشادِ ربانی ہے:۔

تَنْزِیلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ.

ترجمہ: یہ سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ تَنْزِیلٌ سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اور بعض نے فرمایا اس سے مراد قرآنِ مجید ہے۔

پہلی صورت میں یہ آیت مبارکہ:

''رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ''.

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول''

کے معنوں میں ہوگی۔

علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اسم مبارک تاء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے اور ''تِہَامَہ'' کی جانب منسوب ہے ''تِہَامَہ'' مکہ مکرمہ کے اسماء میں سے ہے۔

اور مکہ مکرمہ کی نشیبی جگہ کو بھی ''تِہَامَہ'' کہتے ہیں۔

حجاز کے علاقہ میں اونچی جگہ سے قریب جو نشیبی جگہ ہو اسے بھی تہامہ کہا جاتا ہے۔

یہ نام اس کا اس وجہ سے ہے کہ اس جگہ کی ہوا میں تبدیلی آجاتی ہے۔

عربی میں تَہِمَ الدُّھْنُ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس میں تغیر پیدا ہو جائے۔

علامہ ابن فارس نے کہا:۔

یہ لفظ تَھَم، تا اور ہا دونوں پر زبر کے ساتھ، سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے:۔

حرارت کی شدت اور ہوا کی بندش۔

حرف ☆☆☆ ثاء

۱۱۵

سَیِّدُنَا

ثَانِیَ اثْنَیْنِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسمِ گرامی آیتِ قرآنی سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''دو میں سے ایک''۔

وہ دونوں ہستیاں حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اس امر پر واضح دلیل موجود ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ انتہائی مؤدب تھے، فراخی اور تنگی ہر حالت میں اس ادب کی محافظت فرمایا کرتے تھے، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا ذکر اس مقام (اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا) پر مقدم رکھا۔

— یہ انداز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ذکرِ باری سے لطف اندوز ہونے اور اس کی تعظیم کے لئے کیا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر فرمایا لیکن اس پر کلام نہ فرمایا۔

یہ لفظ ثاء کے زیر اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی سہارا، پناہ گاہ، امداد کرنے والا، اعانت کرنے والا اور کفایت کرنے والا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد نے مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ　　ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بے عیب ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے اقدس سے بادل سیراب ہوتے ہیں، یتیموں کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سہارا اور بیواؤں کو ضرر رساں چیزوں سے بچانے والے ہیں۔

عِصْمَۃُ الْاَرَامِلِ کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو ایسی چیزوں سے محفوظ رکھتے جو ان کے لئے ضرر رساں ہوں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد رضی اللہ عنہ نے یہ شعر اس وقت کہا جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی بچپن کی حالت میں تھے، جب کہ آپ نے بھلائی کے نشانات دیکھے اور برکت کی خوشبو محسوس کی، کبھی ظاہر کو باطن کے لئے دلیل بنایا جاتا ہے، جیسا کہ کسی نے کہا:۔

وَقَلَّ مَنْ ضُمِّنَتْ خَیْرًا طَوِیَّتُہٗ　　اِلَّا وَفِیْ وَجْہِہٖ لِلْخَیْرِ عُنْوَانٗ

ترجمہ: اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جس کے دل کو بھلائی کرنے کی ذمہ داری قدرت کی طرف سے سپرد کی گئی ہو اور اس کے چہرے پر نیکی اور بھلائی کا نشان موجود نہ ہو۔

یا ثُمَال ثا کی پیش کے ساتھ جس کا معنی ہے ''ہر کسی سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والی ذات، اس کی کفایت پر وثوق رکھنے والی شخصیت۔

حرف ☆☆☆ جیم

حضرت قاضی عیّاض رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب میں رکھا اس میں ہے:۔

تَقَلَّدْ سَیْفَکَ اَیُّھَا الْجَبَّارُ فَاِنَّ نَامُوْسَکَ وَشَرَائِعَکَ مَقْرُوْنَۃٌ وَشَرَائِعَکَ مَقْرُوْنَۃٌ بِھَیْبَۃِ یَمِیْنِکَ.

ترجمہ: اے جبار اپنی تلوار پہن لو، کیوں کہ تمہاری عزت اور شریعت باہم ملے ہوئے ہیں اور تمہاری شریعت اور تمہارے احکام تمہارے داہنے ہاتھ کی ہیبت کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

جب یہ اسم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے مستعمل ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے ''شے کی اصلاح کرنے والا'' یا ''قہر کے کسی انداز سے شے کی اصلاح کرنے والا'' یا ''برتر عظیم شان والا''۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے متکبر۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں استعمال ہونے کی وجوہات یہ ہوسکتی ہیں:۔

﴿۱﴾ ہدایت اور تعلیم کے ذریعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کی اصلاح فرمائی۔

﴿۲﴾ اپنے اعداء پر قہر فرمایا۔

﴿۳﴾ تمام انسانوں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ بلند ہے اور شان عظیم ہے۔

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے تکبر کے جبر کی نفی فرمادی کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ مجدہ ہے:

وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ. (ق،آیت/۴۵)

ترجمہ: آپ ان پر جبر وتشدد فرمانے والے نہیں ہیں۔

صِحَاح میں ہے کہ جبر یہ ہے کہ تم کسی شخص کو احتیاج سے مستغنیٰ کردو یا ٹوٹی ہوئی ہڈی کی اصلاح کردو۔

اَجۡبَرۡتُهٗ عَلَى الۡاَمۡرِ:. کا معنی ہے میں نے اس کو کسی کام پر مجبور کردیا۔

علامہ ابنِ دُرَیۡد علیہ الرحمۃ نے کہا جَبَّارٌ کا معنی عظیم اخلاق والا،لوگوں پر تسلُّط رکھنے والا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے آیتِ مبارکہ:۔

وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ. (ق،آیت/۴۵)

کی تفسیر میں فرمایا اس کا معنی ہے ''کہ تم ان پر مسلط نہیں ہو'' اور فرمایا یہ آیت،آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔

حضرت شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس صورت میں زبور کی آیت میں جبار کا معنی یہ ہوگا ''حکمِ قتال کے بعد تسلُّط رکھنے والا'' زَبُوۡر کے سیاق سے یہی معنی مناسبت رکھتا ہے۔

شرح الاصطفاء میں ہے یا مراد یہ ہے کہ:۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو ایمان پر مجبور فرمانے والے نہیں ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلمتو صرف راہنمائی کرنے والے اور دعوت دینے والے ہیں۔
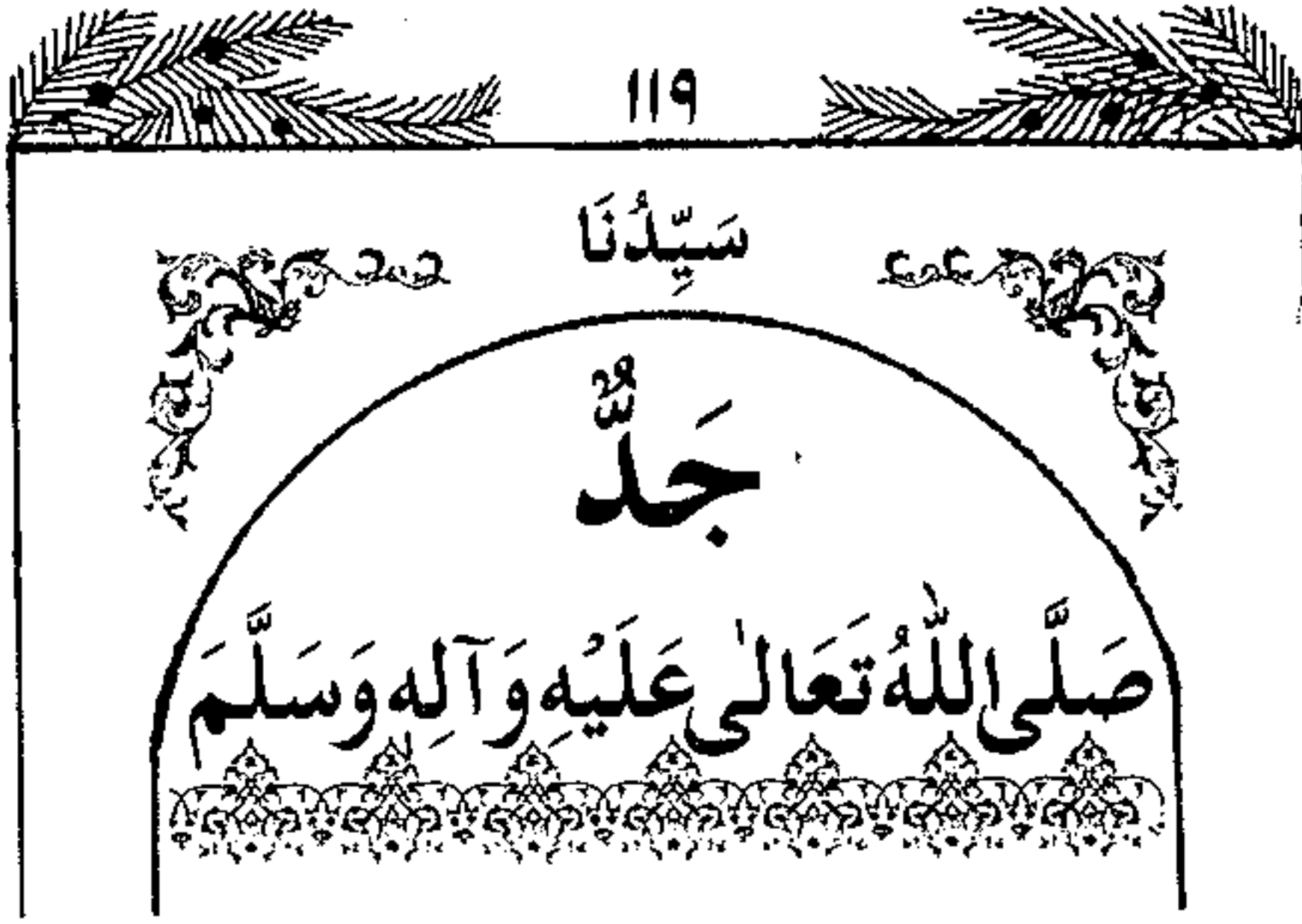
یہ اسم مبارک جیم پر زبر اور پیش دونوں طرح سے درست ہے۔

اس کا معنی ہے "بڑے نصیب والا، عظیم مرتبہ والا"

یا یہ جیم کے نیچے زیر اور اس پر زبر کے ساتھ ہے:۔

تو اس کا معنی ہے حَظٌّ (حصہ) حظوہ (مرتبہ)۔

تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس اسم کا معنی یہ ہوگا:۔

مخلوق کے ہاں بڑے نصیب والا۔

اور حق تعالیٰ کے ہاں بڑے مرتبے والا۔

یا یہ لفظ صرف جیم کی زیر کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے:۔

"کسی معاملہ میں کوشش کرنا"

یعنی:۔عبادت میں کوشش کرنے والے اور طلبِ سیادۃ میں نفس کو تیزی سے ہانکنے والے۔

یہ صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے عظمت والا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ جلیل کا معنی ہے وہ ذات جس کی صفات کامل ہوں، اور عظیم وہ شخص جس کی صفات جلیل ہوں اور ذات بہت بڑی ہو۔

جلال اور جمال کے درمیان فرق یہ ہے کہ جلال سلبی صفت اور جمال ثبوتی صفت ہے۔

یہ باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے ''صفاتِ جلال سے موصوف ذات'' اس کا نتیجہ صفات کا کمال ہے، جس طرح کہ کبیر کے معنی کا ثمرہ ذات کا کمال ہے اور عظیم کے معنی کا ثمرہ دونوں کا کمال ہے۔ امام ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یونہی فرمایا ہے۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

اگر کوئی شخص جلال وعظمت اور کبریاء کا فرق پوچھے تو بعض علماء نے فرمایا یہ سب الفاظ ہم معنی ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ''کبیر'' کی نقیض ''صغیر''، ''جلیل'' کی نقیض ''دقیق'' اور ''عظیم'' کی نقیض ''حقیر'' ہے۔

اشیاء کی پہچان اپنی نقیضوں سے ہوتی ہے۔

لفظِ جلیل کا اطلاق جب ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے تو اس سے مراد اس اسم کے وہ لوازمات ہوتے ہیں جو اس کی ذات کے لائق ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا کبریاء کا ثمرہ کمالِ ذات ہے اور عظمت کا ثمرہ کمالِ صفات ہے۔''

صفاتِ ثبوتیہ کے کمال سے مراد ہے کہ اس کی نقیض کا ثبوت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان نقیضوں سے برتر ہے، جیسا کہ علمِ ثبوتی صفت ہے اس کی نقیض جہالت (ہے، وجودِ ثبوتی صفت ہے) فناء (اس کی نقیض ہے) وغیرہ۔

یہ اسم جیم اور ضاد کے ساتھ ہے۔

یہ جَعْفَرٌ کے وزن پر ہے، اس کا معنی ہے:۔ بڑی کھوپڑی، گول چہرے، فراخ پیشانی اور چوڑے سینہ والا۔
یہ ساری صفات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات میں موجود تھیں۔

یہ لفظ واو کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ اسم تخفیف کے ساتھ جَوَاد سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔
امام قُشَیْرِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جواد کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر خرچ کرنا دشوار نہ ہو۔
کَرَم کا سب سے پہلا مرتبہ سخاوت ہے اس سے برتر مرتبہ جُوْد ہے اور سب سے برتر ایْثَار ہے۔
جس آدمی نے کچھ رکھا اور کچھ خرچ کیا وہ سخی ہوتا ہے۔
جس نے اکثر خرچ کر دیا اور کچھ رکھا وہ جوّاد ہوتا۔
اور جس نے خود تکلیف برداشت کی اور دوسرے کو ترجیح دی ایسا شخص ایثار کرنے والا ہوتا ہے۔
اس کی مزید وضاحت کَرَم و جودِ نبوی علیہ السلام کے باب میں آئے گی۔

یہ اسم واوَ کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے کریم، سخی، پوری زندگی فرماں برداری کرنے والا۔

یہ لفظ جُوْد سے صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے جس کا معنی وسیع کرم اور طاعت ہے۔

حرف ☆☆☆ حاء

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ اسم گرامی پہلی کتابوں میں موجود تھا۔

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

علامہ ثعلب نے فرمایا:۔ اس کا معنی ہے اخلاقی اعتبار سے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے اچھے۔

اَلْوَفَاء شَرْحُ الْاِصْطَفَاء میں ہے یہ لفظ تاء کی زبر کے ساتھ ہے میں نے اسی طرح شفاء کے قابلِ اعتماد نسخہ میں قلم کے ساتھ لکھی ہوئی اس حرکت کو دیکھا ہے۔ اور صِحَاح میں، میں نے اسے زیر کے ساتھ دیکھا ہے، لیکن صِحاح میں اس کا معنی "قاضی فیصلہ کرنے والا" لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں صِحاح میں یہ نہیں کہ حَاتِم زیر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ سے ہے، وہاں تو اس کا معنی صرف فیصلہ کرنے والا لکھا ہے۔

دیوان میں بھی فاعل عین کی زیر کے ساتھ کے ضمن میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ وَاللّٰہ تعالٰی اعلم.

وصلِ ثانی میں مذکور احادیث میں ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:۔

اَنَاالْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی عَقِبِیْ.

ایک اور روایت میں یوں الفاظ ہیں:۔

عَلٰی قَدَمِیْ.

اس روایت کے پورے الفاظ یوں ہیں:۔

اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ مَعِیْ عَلٰی قَدَمِیْ.

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ عَلٰی قَدَمِیْ کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے:۔

ایک قول یہ ہے اس کا معنی ہے:۔ میرے زمانہ اور میرے عہد میں۔

دوسرے قول کی رو سے معنی یہ ہے لوگوں کو میرے سامنے اکٹھا کیا جائے گا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔(البقرۃ،آیت/١٤٣)

ترجمہ: اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ ہوں گے۔

علامہ خَطّابی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ اس کا معنی ہے میرے پیچھے پیچھے۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے آگے آگے ہوں گے اور وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہوں گے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلی شخصیت ہوں گے جن پر سے قبرِ انور شق کی

جائے گی پھر ہر ذی روح کو زندہ کیا جائے گا تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں گے۔

علامہ خَطّابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

اس معنی پر دوسری روایت بھی دلالت کرتی ہے۔جو "عَلٰی عَقِبِیْ" کے الفاظ کے ساتھ ہے۔

علامہ عَزَفِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ "قَدَم" سے اس حدیث میں مراد 'قدم کا نشان' ہے کیوں کہ یہ اسی سے ہوتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا اس کا معنی ہے 'میرے بعد' کیوں کہ قیامت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قریب ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:۔

بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ. [1]

ترجمہ: میری بعثت اور قیامت میری ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ احتمال ہے کہ قدم سے مراد زمانہ ہو۔یعنی میرے قدموں پر کھڑا ہونے کے وقت علاماتِ قیامت کا ظہور ہوگا۔اس میں اشارہ ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ ہی کوئی شریعت۔اس کا معنی وہی قرار پاتا ہے جو حضرت نافع بن جُبَیْر رحمۃ اللہ علیہ کی مروی اس حدیث کے ہیں۔

اَنَا الْحَاشِرُ بُعِثْتُ مَعَ السَّاعَةِ.

ترجمہ: میں حاشر ہوں میری بعثت قیامت کے ساتھ ہوئی ہے۔

ایک قول کی رو سے اس کا معنی یہ ہے میرے مشاہدہ کے وقت جب میں اللہ تعالیٰ کے لئے امتوں کے سامنے کھڑا ہوں گا۔

اس تفسیر و وضاحت میں ایک اِشکال ہے وہ یہ کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مَحْشُوْر ہوں حَاشِر جو کہ اسم فاعل ہے اس کی تفسیر مَحْشُوْر کس طرح ہو سکتی ہے؟۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۱۱/۳۴۷ کتاب الرقاق(۶۵۰۴)

(۲) الصحیح مسلم ۴/۲۲۶۸ کتاب الفتن (۱۳۳. ۲۹۵۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ فعل کی فاعل کی جانب نسبت اضافت ہوئی ہے اور اضافت تھوڑے سے تعلق کی بنا پر درست ہوتی ہے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے بعد کوئی اور امت نہیں ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوگا تو حشر کی نسبت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کردی گئی کیوں کہ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد واقع ہوگا۔

حدیث مبارک کے الفاظ ”عَلٰی عَقِبِیْ“ میں باء کے نیچے زیر ہے، اور عَقب واحد کا صیغہ ہے۔

بعض روایات میں یہ تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ ہے اس وجہ سے باء پر زبر ہے۔

(یعنی ان روایات کی رو سے الفاظ یوں ہیں ”عَلٰی عَقِبَیَّ“)

اسی طرح ”عَلٰی قَدَمِیْ“ میں بھی دو طرح سے روایت ہے۔ واحد کے صیغہ کے ساتھ اور تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ۔

﴿تنبیہ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف بھی حشر کے ساتھ بیان فرمایا ہے چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ.

ترجمہ: اور جس دن وہ ان کو جمع فرمائے گا۔

نیز فرمایا:۔

وَحَشَرْنَاهُمْ.

ترجمہ: ہم نے جمع فرمایا ان کو۔

لہٰذا یہ ان اسمائے حسنیٰ سے ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔

۱۲۶

علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام زبور میں مذکور ہے۔

۱۲۷

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں شامل ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے ''تمام موجودات کو معدوم ہونے سے بچانے والی ذات'' اور ''متضاد چیزوں کو آپس سے بچانے والی ہستی'' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بندوں میں سے حافظ وہ ہوتا ہے جو اپنے اعضاء اور دل کی حفاظت کرے۔ نیز شیطان کے دھوکے، نفس کے فریب، خواہش کی سختی اور غضب کے حملہ سے اپنے دین کی حفاظت کرے، یہ حِفْظ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت اور وحی کی حفاظت فرمانے والے ہیں، وصف حفظ سے موصوف ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نسیان کے وقوع ہونے کی وجہ سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ایک شخص کی قرأت سماعت فرما رہے تھے کہ فرمایا:۔

رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَقَدْ اَذْكَرَنِیْ آیَةً كَذَا كُنْتُ نَسِیْتُهَا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے اس نے مجھے فلاں آیت یاد دلادی جسے میں بھول گیا تھا۔

کیوں کہ یہ واقعہ نہایت نادر ہے اور حکم غالب حالات پر ہوتا ہے اس کی مزید وضاحت عِصْمتِ نبوی کے ابواب میں آئے گی۔

۱۲۸

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نام درج ذیل آیتِ مبارکہ سے اخذ کیا ہے:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ. (اَلنِّسَاء، آیت/۱۰۵)

ترجمہ: ہم نے تمہاری طرف کتاب حق کے ساتھ نازل کی تاکہ آپ لوگوں میں فیصلہ فرمالیں۔

۱۲۹

یہ اسم ''حمد'' مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ایسی ثناء جس کا وہ مستحق ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ اس نام کو حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

حضرت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کو خواب آیا کہ کوئی کہنے والا یوں کہہ رہا ہے:۔ آپ کے پیٹ میں مخلوق میں سب سے افضل اور تمام جہانوں کے سردار ہیں جب آپ کے ہاں ان کی ولادت ہو تو ان کا نام ''مُحَمَّد'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رکھنا کیوں کہ تورات میں ان کا نام ''حَامِد'' اور انجیل میں ''مُحَمَّد'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ۔[1]

ترجمہ: میں اللہ کا حبیب ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے قیامت کے دن میں لِوَاءُ الْحَمْد کو اٹھانے والا ہوں گا مجھے کوئی فخر نہیں۔

حضرت شیخ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے لِوَاءُ الْحَمْد کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا یہ حقیقی طور پر جھنڈا ہوگا یا معنوی اعتبار سے؟ تو آپ نے جواب دیا یہ معنوی لواء ہوگا، لواء کا حقیقی معنی تو جھنڈا ہے اور اسے سپہ سالار ہی اٹھاتا ہے حدیث پاک سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے روز لوگوں کے سردار اور ان کے امام ہوں گے اور اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت حمد کے باعث ہوگی۔

علامہ ابن اَثِیر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پاک سے اس کی یہ نظیر پیش فرمائی ہے:۔

لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ.

ترجمہ: ہر دھوکہ کرنے والے کے لئے ایک لواء (جھنڈا) ہوگا۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی علامت ہوگی جس سے لوگوں میں اس کی شہرت ہوگی۔ کیوں کہ لواء (جھنڈے) کے بنانے کی غرض سردار کے مکان کی شہرت ہے۔

حشر نبوی کے ابواب میں اس کا مزید بیان ہوگا۔

---

[1] الجامع ترمذی ۳۶۱۶.

یہ لفظ حاء کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''امت کو زیادتی سے بچانے والا اور بری حالت سے ان کی حفاظت فرمانے والا''۔

یا اس کا معنی ہے ''خانہ کعبہ اور حرم کی حمایت کرنے والی ہستی، مجرموں کے ہاتھوں سے اسے بچانے والی ذات''۔

یا اس نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حق حاصل تھا کہ اپنی ذات کے لئے حفاظت کا بندوبست فرماتے اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہ کیا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

یہ لفظ حَائِدٌ، حَادَ یَحِیْدُ (الگ ہونا) سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اس اسم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو دوزخ سے الگ کرتے تھے۔

سیدنا حَبِیبُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حبیب، محبت سے فعیل کے وزن پر اسم ہے جو اسمِ مفعول (محبوب) یا اسمِ فاعل (مُحِبّ) کے معنوں میں ہے۔

یہ نام بہت سی احادیث مبارکہ میں آیا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت کا اصل معنی ہے اس کی چیز طرف میلان، جو محبّ کے موافق ہو، لیکن یہ معنی اس ذات کے حق میں درست ہے جس سے میلان اور نرمی سے نفع اندوز ہونے کا صدور درست ہو اور یہ مخلوق کا درجہ ہے، خالق تعالیٰ شانہ تو اَعراض سے منزہ ہے تو اس کی طرف سے بندے کے ساتھ محبت کا معنی یہ ہے کہ اسے سعادت، گناہوں سے حفاظت اور توفیق عطاء فرمانا، قرب کے اسباب اس کے لئے مہیا فرمانا، اپنی رحمت کی نسبت اس کے ساتھ کرنا، اور اس کا سب سے بلند مقام یہ ہے کہ بندے کے دل سے حجابات کو دور کر دینا یہاں تک کہ بندہ اپنی دل کی نگاہ سے اس کا دیدار کرے، اپنی بصیرت کے ساتھ اسے دیکھ لے اور زبان کے ساتھ اس کا ترجمان ہو جائے تو اس کی کیفیت درج ذیل حدیث کی مانند ہو جائے:۔

فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یَبْصُرُبِہٖ وَلِسَانَہُ الَّذِیْ یَنْطِقُ بِہٖ. [1]

ترجمہ: جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔

اِصْطَفَاء میں فرمایا کبھی اس کی وضاحت میں ویسی تقریر کی جاتی ہے جیسا کہ شرح المواقف میں ہے:۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہماری محبت ایسی روحانی کیفیت کا نام ہے جو اس ذات کے لئے کمالِ مطلق کے مسلسل تصور

---

[1] الصحیح البخاری ۱۱/۳۴۰. کتاب الرقاق (۶۵۰۲)

کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے، اس کے ثمرہ میں فتور کے بغیر پختگی کے ساتھ اس کی پاک بارگاہ میں توجہ تام حاصل ہو جاتی ہے، ذاتِ باری تعالٰی کے علاوہ دوسروں کے لئے ہماری محبت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو اس شخصیت کے بارے میں کمال کے تخیُّل سے پیدا ہوتی ہے جس سے ہمیں لذت حاصل ہو یا اس کے ساتھ شفقت کا تعلق ہو یا مشاکلت کا تعلق ہو، جیسا کہ عاشق اپنے معشوق سے، انعام پانے والا انعام عطاء کرنے والے سے، اور باپ بیٹے سے محبت کرتا ہے۔ پھر یہ ہمارے نزدیک ترکِ اعتراض، رضا اور ارادت وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ محبت صرف ارادہ کا نام ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلا جیسا کہ "اَلارْشاد" میں ہے کہ فی الحقیقت محبت اللہ تعالٰی سے نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ ارادہ ہے اور ارادہ صرف نئی چیز کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے جس ذات کی قدامت ثابت ہو اور جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہو ارادہ کا تعلق اس کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

حبیب اور خلیل کے درمیان فرق یہ ہے کہ خلیل وہ ہوتا ہے جس سے امتحان لیا جائے پھر محبت کی جائے۔

اور حبیب وہ ہوتا ہے جس کو آزمانے کی ضرورت نہ ہو بغیر امتحان کے اس سے محبت کی جائے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ مَحَبَّت اور خُلَّت میں سے اَرْفع کون سا ہے؟۔

ایک قول یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں خلیل وہی ہوگا جو حبیب ہے اور حبیب وہی ہوگا جو خلیل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ محبت کا درجہ بلند تر ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اکثر علماء سے نقل کیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حبیب کا درجہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ ہے جو حضرت خلیل علیہ السلام کے درجہ سے برتر ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مقامِ خلت ارفع ہے اس کی دلیل یہ حدیث پاک ہے:۔

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّىْ لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا۔

ترجمہ: اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی اور کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق کو خلیل بناتا۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا خلیل نہیں بنایا

تھا، جب کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لئے محبت کا اثبات فرمایا ہے۔

اسم مبارک "خَلِیْلٌ" کے ضمن میں آئے گا کہ محققین کا یہی مذہب ہے۔

صوفیائے کرام نے محبت کی فضیلت میں بہت خوبصورت گفتگو کی ہے اُنہوں نے فرمایا:۔

خلیل کو واسطہ سے وصل میسر آتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرَاهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (الانعام، آیت/۷۵)

ترجمہ: اور ہم نے اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھلائی۔

جب کہ حبیب کو بغیر واسطہ کے وصل کی دولت نصیب ہوئی ہے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم، آیت/۹)

ترجمہ: تو تھا فاصلہ دو قوسوں کا یا اس سے بھی کم۔

خلیل وہ ہوتا ہے جس کو مغفرت کی خواہش ہوتی ہے۔

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔(الشعراء، آیت/۸۲)

ترجمہ: وہ ذات جس سے میں خواہش کرتا ہوں کہ وہ میری خطا قیامت کے دن معاف فرمادے۔

اور حبیب کی مغفرت یقینی ہوتی ہے۔

لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ. (الفتح، آیت/۲)

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمادے

خلیل علیہ السلام نے مشقت اٹھائی اور کہا:۔

حَسْبِیَ اللّٰهُ.

ترجمہ: میرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

اور حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یوں خطاب کیا جاتا ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ۔(الانفال، آیت/۶۴)

ترجمہ: اے نبی! اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے۔

خلیل علیہ السلام نے عرض کی:

وَاجْعَل لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ. (الشعراء، آیت/۸۴)

ترجمہ: مجھے اچھی شہرت عطاء فرما۔

اور حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یوں فرمایا گیا:۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ.(الانشراح، آیت/۴)

ترجمہ: ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند کردیا۔

اور یہ نعمت بن مانگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطاء کی گئی۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے عرض کی:۔

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ .(ابراھیم، آیت/۳۵)

ترجمہ: الٰہی مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔

اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یوں فرمایا:۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.(الاحزاب، آیت/۳۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ صرف چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت! تم سے ناپاکی کو دور فرمادے اور تمہیں خوب پاک وصاف فرمادے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے مذکور بالا امور کے خلاصہ کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات پاک سے افضل ہے۔ اس سلسلہ میں یوں نہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے وصف خلت ثابت کے لحاظ سے ایسا لازم آیا ہے، کیوں کہ ہم کہتے ہیں کہ ان ہر دو حضرات گرامی کے لئے دو اوصاف یعنی محبت اور خلت کا وصف ثابت ہیں اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے وصف محبت مسلوب نہیں ہے اور خلت محبت کی نسبت سے اخص ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سے خلت کی صفت مسلوب نہیں شبِ معراج کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وصف خلت کا اثبات ہے، حدیث کے الفاظ یوں ہیں:۔

قَدِ اتَّخَذْتُکَ خَلِیْلًا.

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔

اس مسئلہ پر اجماعِ امت قائم ہے کہ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیائے کرام سے افضل ہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات تو مطلقا تمام مخلوقاتِ الٰہیہ سے افضل ہے۔

یہ کہنا ''حضرت خلیل علیہ السلام کو واسطہ سے وصل میسر آیا ہے'' اس دلیل سے وہ مدعا ثابت نہیں ہوتا جس کو قائل ثابت کرنا چاہتا ہے اس سے قطعی طور پر صرف وُصُوْلٌ اِلَی الْمَعْرِفَتِ ہی مراد ہے کیوں کہ ذاتِ باری تعالیٰ تک وصول حسی ممتنع ہے۔

اور یہ کہنا کہ ''حبیب اس ذات تک واصل ہے'' اللہ تعالیٰ تک وصول خواہ حبیب ہو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خواہ خلیل ہو علیہ السلام اسی معرفت کے ساتھ ہوگا۔

اور پھر یہ کہنا کہ ''حضرت خلیل علیہ السلام کو اپنی مغفرت کی خواہش تھی'' تو یہ خواہش اس بنا پر نہ تھی کہ یہ لفظ خلیل کے معنی کی تفسیر پر مبنی ہے اس کا اس لفظ کے معنوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جو کچھ انہوں نے ذکر کیا اس کا آخری اور انتہائی نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ گفتگو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی فضیلت کا فائدہ دیتی ہے نہ اس محبت اور خلت کے وصف کی بنا پر جسے مدعی نے اس بارے میں حقیقی علت قرار دیا ہے۔

یہ اسم مبارک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث معراج میں آیا ہے جسے امام بزار رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ نے روایت کیا ہے۔

امام عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ انجیل مقدس میں مذکور اسمائے گرامی میں سے ایک ہے۔

اس کا معنی ہے ”وہ ذات جو حق و باطل میں امتیاز کر دے“۔

یہ حجاز کی طرف منسوب اسم ہے حجاز ”مکہ مکرمہ، یمامہ اور ان کی بستیوں کو کہتے ہیں“

اس کا نام حجاز اس بنا پر ہے کہ یہ علاقہ تہامہ اور نجد کے درمیان رکاوٹ کے طور پر واقع ہے۔

۱۳۷
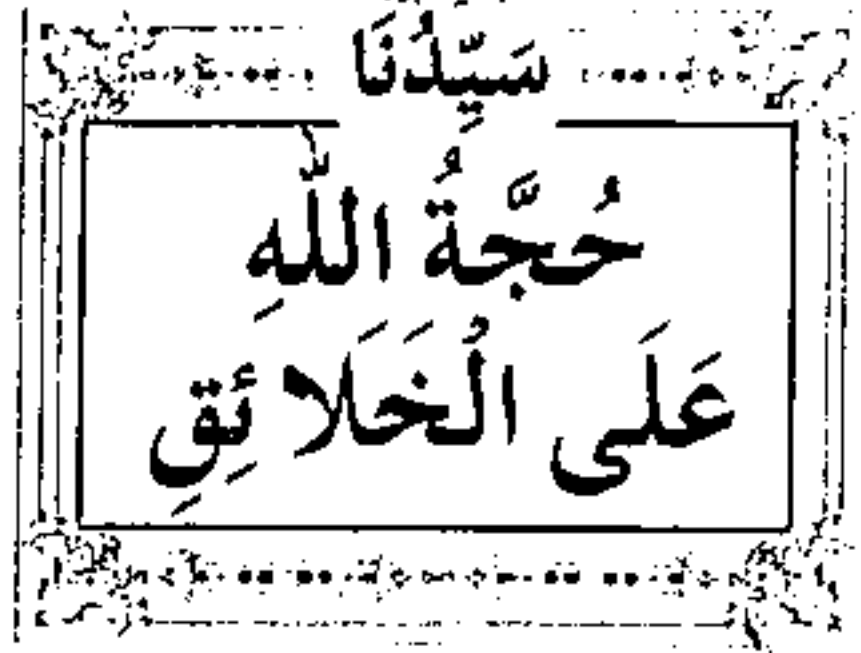
مسند فردوس میں بغیر سند کے یہ حدیث مذکور ہے:

اَنَا حُجَّۃُ اللّٰہِ

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی حجت (دلیل) ہوں۔

حجت کا معنی وہی ہے جو برہان کا ہے۔

۱۳۸
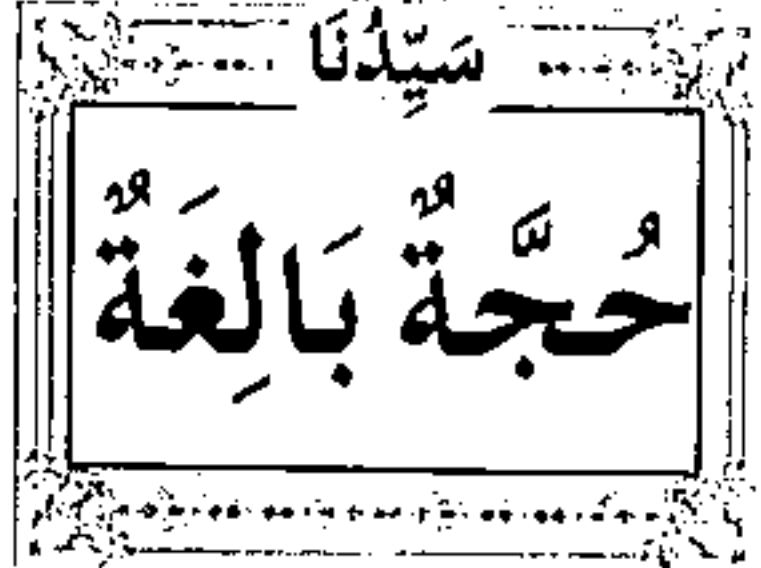
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حجت کا معنی ہے "درست مقصد کو واضح کرنے والی دلالت۔

اور بالغہ کا معنی ہے کامل یعنی جس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو۔
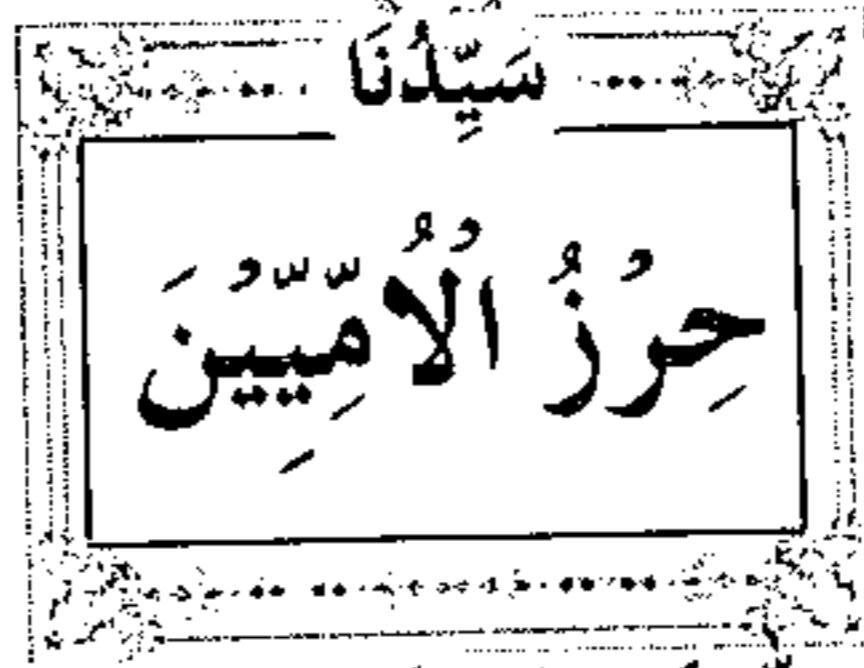
یعنی امی لوگوں کو برائی سے حفاظت فرمانے والے، ان کو اس سے بچانے والے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے حضرت عطا بن یسار سے روایت کی کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملا میں نے عرض کی مجھے حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت وثناء سے آگاہ فرمائیں تو انہوں نے فرمایا:۔

ہاں خدا کی قسم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو انجیل مقدس میں ان بعض صفات سے موصوف کیا گیا ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں:۔

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنَاکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔ (الاحزاب، آیت/۴۵)

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا، ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اس کے ساتھ فرمایا:۔

وَحِرْزًا لِّلاُمِّیِّیْنَ۔

ترجمہ: اور امی لوگوں کے لئے محافظ بنا کر بھیجا ہے۔

حِرْز کا معنی رکاوٹ اور امی لوگوں سے مراد عرب کے باشندے ہیں۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عذاب اور رسوائی سے بچایا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک تو عربوں اور ان کے علاوہ باقی مخلوق کو بھی بچانے والی ہے، پھر یہاں عربوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیوں کیا گیا ہے؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرب کے باشندے تھے عربوں کا

خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد اس امر پر نص قائم کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ ان کی طرف اوران کی حالت کی طرف زیادہ تھی۔ نیز اس میں بنی اسرائیل کے لئے تنبیہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جن لوگوں میں سے مبعوث ہوئے ان کی شان آپ کے طفیل بنی اسرائیل سے عظیم اور برتر ہے۔ اور اُن کے علاوہ باقی سارے ان کے تابع کا حکم رکھتے ہیں۔

اس اسمِ گرامی میں حرم مکی کی جانب نسبت ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔
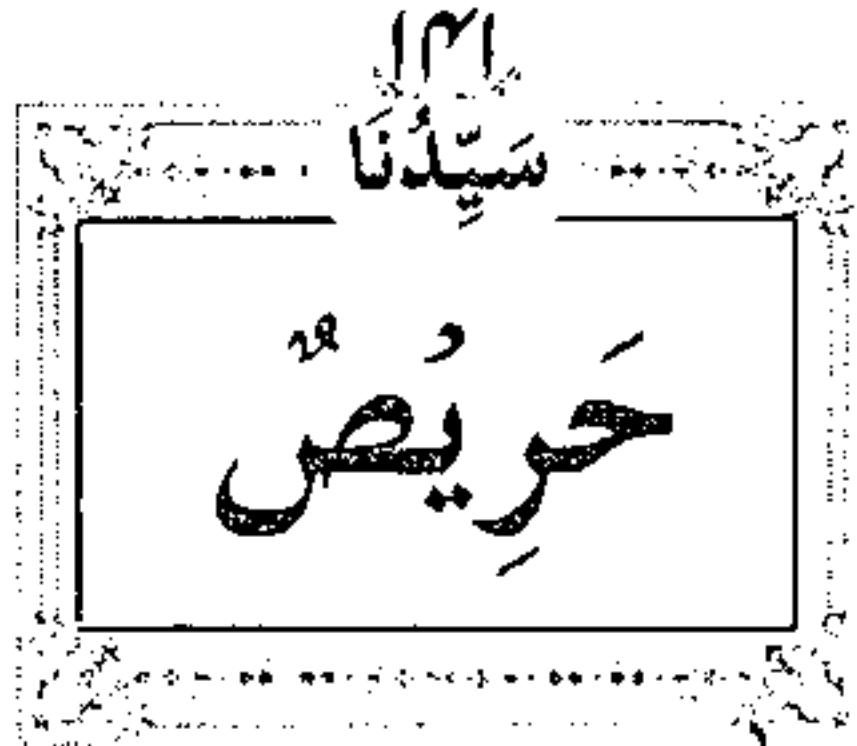
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ لفظ حرص مصدر سے فعیل بمعنی فاعل کے وزن پر اسم ہے۔

حرص کا معنی ہے "مطلوب کی طرف شدید ارادہ"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ۔ (التوبۃ، آیت/۱۲۸)

ترجمہ: وہ تم پر حریص ہیں۔

یعنی تمہارے ایمان اور تمہاری ہدایت کی شدید خواہش رکھنے والے ہیں۔

۱۴۲

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کی وضاحت اس سے اوپر مذکور اسم میں گزر چکی ہے۔

۱۴۳

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حزب کا معنی ہے ''لوگوں کی ایک جماعت''۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے ''سختی والی جماعت''۔

حِزْبُ اللّٰہ کا معنی ہے ''اُس ذاتِ پاک کے متقی بندے اور اس کے دین کے مددگار و معاون''۔

یہ اسمِ گرامی فعیل کے وزن پر ہے لیکن باب افعال سے اسم فاعل یعنی مُفْعِل کے معنوں میں ہے۔

یہ "اَحْسَبَنِی الشَّیْئُ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے اس چیز نے مجھے کفایت کی۔

اور اسی سے ہے عَطَاءً حِسَابًا. ترجمہ: کفایت کرنے والی عطاء۔

یا صاحبِ شرف و کرم کو حسیب کہتے ہیں اس صورت میں حَسَبٌ یعنی سین کے زبر کے ساتھ، مصدر سے ماخوذ ہوگا۔ اور اس کے مفہوم میں "کَرَم یا دین یا آباء و اجداد کی خوبیاں داخل ہیں جو فخر میں شمار ہوتی ہوں"۔

یا اس کا معنی ہے آباء و اجداد یا اعمال و افعال میں پائی جانے والی عظمت" حَسَبٌ بروزن کَرَمٌ کا اطلاق کبھی اس شخص کے لئے بھی کیا جاتا ہے جس کے آباء و اجداد باعظمت نہ ہوں، لیکن شَرَف معنی میں مَجد کی مانند ہے اس کا اطلاق صرف اس عظمت پر ہوتا ہے جو کسی کے آباء و اجداد کے باعث ہو۔ اس کا ماضی حَسُبَ بروزن خَطُبَ (از باب کَرُمَ) مصدر حَسَابَةً بروزن خَطَابَةً اور حَسَبٌ سین کی زبر کے ساتھ ہے، صفتِ مشبہ حَسِیْبٌ ہے اس کی جمع حُسَبَآءُ ہے۔

"حَسِیْبٌ" "مُحَاسِبٌ (حساب لینے والا) یا مُکَافِیْ (کفایت کرنے والا) کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

اس صورت میں وہ اسمائے الٰہیہ سے ہوگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

بندے کا اس وصف میں کوئی حصہ نہیں ہے، ہاں بطورِ مجاز بندے پر اس کا اطلاق درست ہے، ان معنوں میں کہ وہ اپنی نگرانی کے باعث یا شاگرد کی اپنی تعلیم کے باعث اس طرح کفایت کرے کہ وہ کسی اور کا محتاج نہ رہے۔

حَسِیْبٌ کا یہ معنی حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں درست ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا و آخرت کی ضرورتوں کے تمام معاملات میں اپنی امت کی اس طرح کفایت فرماتے ہیں کہ ان کو کسی اور شخص کی احتیاج نہیں رہتی۔

صَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ حِفْظ مصدر سے فَعِیْل کے وزن پر اسم ہے اور حِفْظ کا معنی ہے "کسی شے کو زائل ہونے سے بچانا"۔
اگر وہ شے ذہن میں ہو تو پھر اس کی ضد نسیان ہوتی ہے اور اگر خارج میں ہو تو اس کی ضد تَضْیِیع ہوتی ہے۔
یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی شامل ہے، دونوں معنوں کے اعتبار سے اس کا اطلاق باری تعالیٰ پر درست ہے۔
کیوں کہ تمام اشیاء اس کے علم میں محفوظ ہیں اس پر نسیان طاری نہیں ہوتا۔ اور وہ تمام موجودات کی زوال سے حفاظت فرماتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا "حفیظ" کا معنی ہے "وہ ذات جو غیروں سے تیرے باطن کو محفوظ رکھے اور تیرے ظاہر کو فاسق و فاجر لوگوں کی رفاقت سے بچائے"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ. (الانعام، آیت/۱۰۴)

ترجمہ: میں تمہارا محافظ نہیں ہوں۔

یعنی نہ تو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتا ہوں اور نہ ہی ان پر تمہیں جزا دیتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ حَفِیْظًا.

ترجمہ: ہم نے تجھ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

اس کا مفہوم یہ ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو کفر اور گناہوں میں پڑنے سے حفاظت کرنے والے نہیں۔

یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے گناہوں اور برائیوں کا شمار فرمانے والے نہیں کہ ان کی وجہ سے ان کا محاسبہ کریں۔

(بعض تفاسیر میں) مذکور ہے یہ آیت، آیتِ قتال کے نزول کے باعث منسوخ ہے۔

آیتِ قتال کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہلے معنیٰ کے اعتبار سے "حَفِیْظٌ" ہیں۔

یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو کفر و عصیان سے روکتے ہیں اور اس بنا پر ان سے جنگ کرتے ہیں۔

اور دوسرے معنی کے لحاظ سے حفیظ اس طرح سے ہیں کہ روزِ قیامت ان پر گواہ ہوں گے۔

لفظ "حَفِیْظ" میں معنی کی زیادتی "حَافِظ" کی نسبت سے زیادہ ہے۔

اس کا معنی ہے ''لطف واحسان فرمانے والا۔''

عربی محاورہ ہے ''حَفِیتُ بِفُلَانٍ'' یا'' تَحَفَّیتُ بِفُلَانٍ''

یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تم کسی کی کرامت وعظمت کے باعث اس کا لحاظ رکھو۔
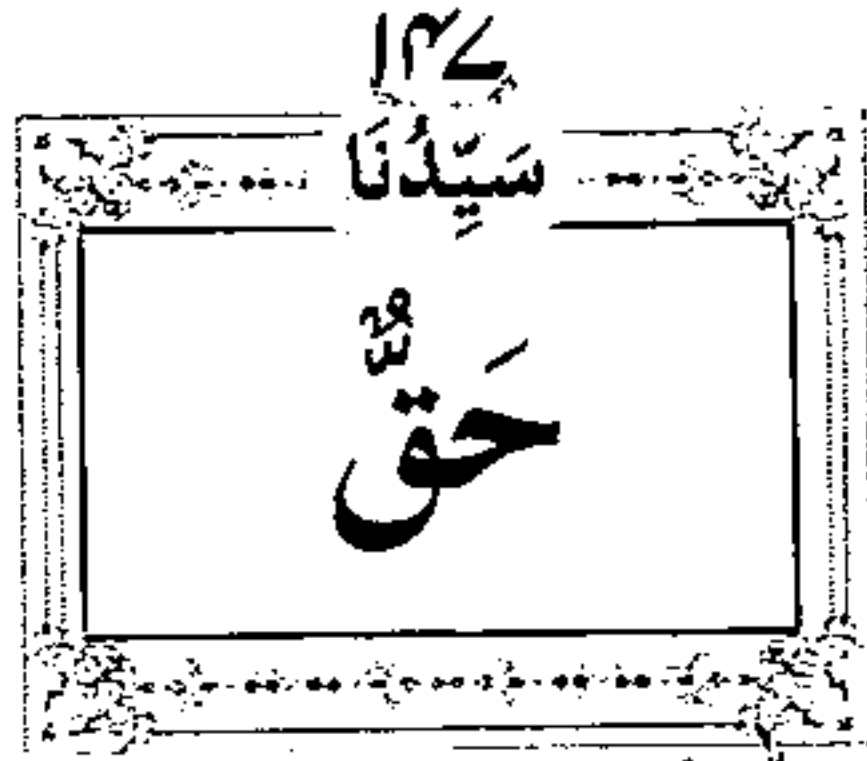
حق کا معنی ہے ثابت، اس کا اصلی معنی واقع کے مطابق ہونا، یا حق کو ثابت کرنے والا یا حق کو ظاہر کرنے والا ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے:۔

جَآءَ کُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ.

ترجمہ: تمہارے پروردگار کی طرف سے حق تمہارے پاس آ گیا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

حَتّٰی جَآءَ ھُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ.

ترجمہ: یہاں تک ان کے پاس حق اور واضح پیغمبر آ گیا۔

نیز ارشادِ خداتعالیٰ ہے:۔

فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ ھُمْ.

ترجمہ: انہوں نے حق کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا۔

آیت مذکورہ بالا میں حق سے مراد کے بارے میں دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد یہاں قرآنِ مجید ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَشَھِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ.

ترجمہ: اور انہوں نے گواہی دی کہ رسول برحق ہیں۔

حدیثِ شفاعت میں یوں ہے:۔

وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ۔

ترجمہ: اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں۔

یہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں بھی شامل ہے تو اس صورت میں اس کا معنی ہے وہ موجود ذات جس کا حکم اور الوہیت برحق ہے۔

یا اس کا معنی ہے "اپنی حکمت کے تقاضا کے مطابق کسی شے کو وجود عطا فرمانے والا۔"

اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس کا معنی ہے:۔

"وہ ذات جن کی صداقت اور نبوت ثابت ہے"

﴿فائدہ﴾ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے صدق اور حق میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ شے کی واقع کی طرف نسبت کو صدق اور واقع میں جو کچھ ہے اس کی شے کی طرف نسبت کو حق کہتے ہیں۔

پہلے حرف یعنی حاء اور دوسرے حرف یعنی کاف دونوں پر زبر ہے۔اس کا معنی ہے حاکم یا روکنے والا۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ سے بھی ہے تو اس صورت میں اس کا معنی ہے ''ایسا حاکم جس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں اور نہ ہی اس کے فیصلہ کے خلاف کسی کا فیصلہ چلتا ہے'' ارشادِ ربانی ہے:۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ حَکَمًا ۔

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور کو میں حکم بنالوں۔

یہاں پر حکم کا معنی مانع ہے۔
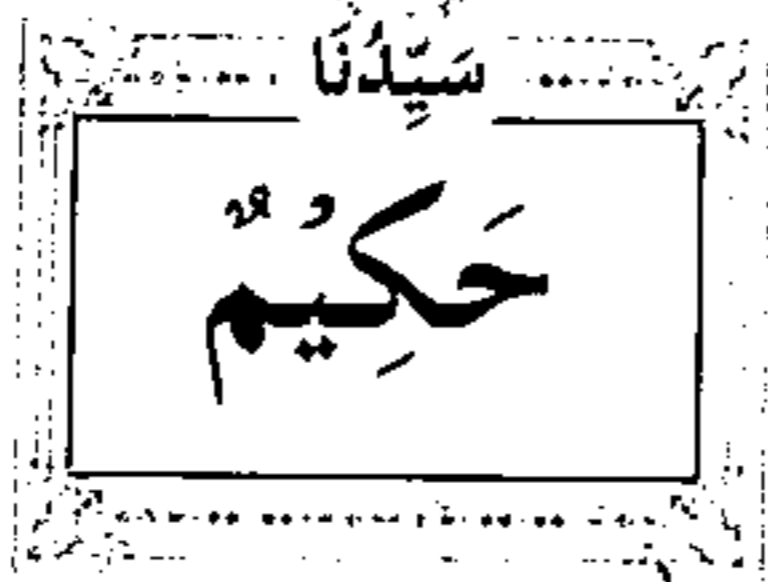
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عَالِم ہیں، عامل ہیں اور اپنے رب تعالیٰ پر یقین فرمانے والے ہیں۔

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکمت سے فعیل کے وزن پر اسم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (البقرة، آیت/ ۱۲۹)

ترجمہ: وہ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔

ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحٰى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ.

ترجمہ: یہ حکمت کے ان امور سے ہے جن کی وحی تمہارے رب نے تمہاری طرف کی ہے۔

علم اور تعلیم ہر دو اعتبار سے حکمت کے ساتھ متصف ذات کو حکیم کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ. (البقرة، آیت/ ۲۶۹)

ترجمہ: جسے چاہتا ہے حکمت عطاء کر دیتا ہے۔

اس آیت میں حکمت سے مراد میں اختلاف ہے:۔

ایک قول یہ ہے کہ حکمت نبوت ہے۔

دوسرا قول یہ ہے اس سے مراد قرآن کی معرفت اور اس کا سمجھنا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بات میں درستگی ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا علم ہے جو عمل تک پہنچا دے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد سنت ہے۔

چھٹا قول یہ ہے کہ اس سے مراد خوفِ خدا ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں ہے:

رَأْسُ الْحِکْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ.

ترجمہ: حکمت کا سر اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔

یہ حدیث امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے دل میں آتا ہے کہ حکمت سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمھیں ایک شخص ایسا ملے گا جو دنیاوی معاملات میں غور کرے تو عقلمند ہوتا ہے اور دوسرا دنیوی معاملات میں تو کمزور ہوتا ہے لیکن دینی معاملات میں عالم اور صاحب بصیرت ہوتا ہے۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہے اس سے محروم رکھتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذکر کردہ تمام معنوں کے اعتبار سے حکیم ہیں۔

اَلْوَفَاءُ شَرْحُ الْاِصْطِفَاء میں ہے: حکیم کا معنی ہے "معاملات میں پختہ کار" یہ اگرچہ فَعِیْل کے وزن پر ہے لیکن باب اِفْعال میں اِحْکام مصدر سے اسمِ فاعل کے معنوں میں ہے۔ اور احْکام کا معنی ہے "پختگی" یا یہ فاعل کے معنوں میں ہے اور حکم مصدر سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے "اصلاح کے لئے روکنا" "حُکْم" "حِکْمَتْ" سے عام تر ہے، اس طرح سے کہ ہر "حِکْمَتْ" "حُکْم" ہوتا ہے، لیکن اس کے برعکس نہیں، کیوں کہ حکم تو کسی چیز پر دوسری چیز سے ایجابی یا سلبی طور پر فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں، یا حکیم کا معنی ہے "صاحبِ حکمت" اور حکمت کا معنی ہے "سب سے بڑھ کر شرافت والے علم کے ساتھ سب سے افضل شے کی پہچان" "علم اور عقل کے ذریعہ سے حق تک رسائی حاصل کرنا" حکمت کا اطلاق جب ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو تو اس سے مراد "انتہائی محکم انداز میں اشیاء کا علم اور ان کا پیدا کرنا" ہوتا ہے اور اگر یہی لفظ بندے کے حق میں استعمال ہو تو اس سے مراد "موجودات کی معرفت اور نیک کام کرنا" ہوتا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ ابنِ دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت تورات میں مذکور ہے۔

یہ اسم حَلُمَ از باب کَرُمَ سے اسمِ فاعل کے معنوں میں ہے جو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے، عربی زبان میں حَلُمَ فَھُوَ حَلِیْمٌ اس وقت بولا جاتا ہے جب حلم کسی کی طبعی صفت بن جائے اور اس کے اخلاق میں شامل ہو جائے۔

حضرت ابو طالب نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کہا تھا:۔

حَلِیْمٌ رَّشِیْدٌ عَادِلٌ غَیْرُ طَائِش   یُوَالِیْ اِلٰھًا لَیْسَ عَنْہُ بِغَافِلِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بردبار، عقل مند، عدل وانصاف کرنے والے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طیش میں نہیں آتے اپنے معبود سے محبت رکھنے والے ہیں اس سے غفلت نہیں برتتے۔

حِلْم، حاء کی زیر اور لام کے سکون کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے اَلْاَنَاۃُ فِی الْاُمُوْرِ، اَنَاۃ الف مقصورہ کی زبر کے ساتھ کے قَنَادۃ کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے (معاملات میں) ''مہلت، انتظار، وقار اور بردباری'' یعنی ثابت قدمی اختیار کرنا اور جلد بازی کو چھوڑ دینا۔

عَبْدُالْقَیْس قبیلہ کے اشج نامی شخص کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے جس میں حِلْم پر اَنَاۃ کا عطف ہے وہ یوں ہے:۔

اِنَّ فِیْکَ لَخَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ ''اَلْحِلْمُ'' وَ ''اَلْاَنَاۃُ'' ۔[1]

ترجمہ: تمہارے اندر دو ایسی عادتیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو محبوب ہیں حِلْم اور اَنَاۃ۔

یہ عطف تفسیری ہے یعنی دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

---

[1] الصحیح مسلم ۴۸/۱ کتاب الایمان (۲۵۔۱۷)

واضح رہے کہ اشج کا اصلی نام منذر بن عائذ بن حارث عصری تھا۔

عصری لفظ میں تمام حروف نقطوں سے خالی ہیں، اس حدیث میں اس لفظ سے مراد بالخصوص عقل ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

''حلم، وقار اور بردباری کی ایسی حالت ہوتی ہے، جس کے خلاف اسباب اور محرکات موجود ہوں''۔

دوسرے علماء نے فرمایا اس کا معنی ہے غیظ و غضب کے ہیجان کے وقت طبیعت اور نفس کا ضبط۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

اس کا معنی برداشت، ایذا رساں چیزوں اور مصائب و آلام کے وقت نفس کو روک لینا ہے، صبر بھی اسی کی مثل ہے۔

دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس کی جمع اَحْلَام ہے، ارشادِ خداوندی ہے:۔

اَمْ تَاْمُرُھُمْ اَحْلَامُھُمْ بِھٰذَا.

ترجمہ: کیا ان کی عقلیں انہیں یہ حکم دیتی ہیں۔

عقل کو حلم اس لئے کہا گیا کہ عقل اس کا باعث بنتی ہے۔

علامہ ابن عطیہ نے فرمایا کہ حلم ایسی عقل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وقار اور برداشت شامل ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر بردبار تھے۔ ہر بردبار کی کوئی نہ کوئی لغزش یادگار اور کوئی نہ کوئی غلطی لوگوں کو یاد ہوتی ہے لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال ہے کہ جب تکلیف زیادہ ہوجاتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صبر میں اضافہ ہوجاتا اور جاہلیت کے قریب ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں بردباری تھی۔ اس کا مزید بیان حلمِ نبوی کے باب میں آئے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں بھی شامل ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتی۔

حَلِیْم اور حَقُوْد (کینہ ور) میں فرق یہ ہے کہ حَقُوْد (کینہ ور) وہ ہوتا ہے جو موقع میسر آنے تک انتقام کو موخر رکھتا ہے، لیکن حلیم وہ ہوتا ہے جو توبہ تک اسے موخر کرتا ہے۔

حلیم اور عفو نیز حلم اور صبر کے درمیان فرق ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں آئے گا۔

دونوں جگہ پر حاء ہے پہلی پر پیش اور دوسری کے نیچے زیر۔

اس کا معنی ہے سردار، بہادر یا بہت مروت والی ہستی اور سنجیدہ مزاج سردار۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسم حلول واستقرار سے ماخوذ ہے۔ کیوں کہ مجلس میں بے چینی اور کم صبری کا اظہار کر

سردار لوگوں کی عادات سے نہیں ہے۔

کسی نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں یوں کہا ہے:۔

وعَـرْبَةُ ارضٍ مَـایُحِـلُّ حَلا لَهَـا　　　مِـنَ النَّـاسِ اِلَّا اللَّوْذَعِيُّ الْحُلَاحِلُ

ترجمہ: زمین کے عربہ نامی مقام میں ہتھیاروں کا استعمال لوگوں میں سے صرف ایسی شخصیت کے لئے حلال ہوا تھا ج

انتہائی زیرک اور صاحب سیادت تھی۔

عَرْبَةُ اَرْضٍ سے مراد شاعر نے مکہ مشرفہ لیا ہے۔

اس شعر میں اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَّكَّةَ الْفِيْلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ كَانَ قَبْلِي

وَاِنَّهَا اُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَّهَارٍ ، وَاِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ بَعْدِيْ۔ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا، اس پر اپنے رسول اور ایمان داروں کو مسلط فرما دیا

---

[1] (۱) الصحیح　البخاری ۸/۹　کتاب الدیات　(۲۸۸۰)

(۲) الصحیح　مسلم ۹۸۸/۲　کتاب الحج　(۴۴۷-۱۳۵۵)

سرزمین مجھ سے پہلے کسی شخص کے لئے (خون ریزی کے لئے) حلال نہ ہوئی تھی میرے لئے بھی دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال ہوئی ہے میرے بعد کسی کے لیے حلال نہ ہوگی۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

عَرَبَۃ عین اور راء کے ساتھ ہے، شہر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے جہاں پر قریش اقامت پذیر تھے۔

عربوں کو اس مقام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

شاعر نے راء کو ضرورت شعری کے لئے ساکن کیا ہے۔

یہ ابوالفصاحت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر کا صحن تھا۔

۱۵۲
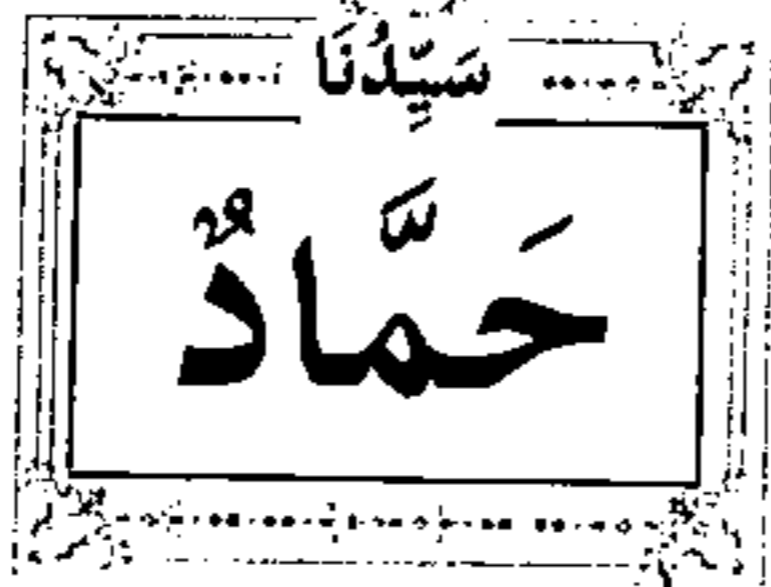
یہ اسم میم کی تشدید کے ساتھ ہے جو حمد مصدر سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔
اس کا معنی ہے کثرت سے حمد باری کرنے والا۔

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کودرج ذیل ناموں سے قدیم کتابوں میں یاد کیا گیا تھا:۔

اَحْمَدُ، مُحَمَّدٌ، مَاحِی، مُقَفِّیْ، نَبِیُّ الْمَلَاحِمِ، حَمُطَایَا، فارقلیطا اور مَاذماذ.

حضرت ابوعمر زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے یہود میں سے ایمان قبول کرنے والوں میں کسی سے اس لفظ کا معنی پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا معنی ہے وہ ذات جو حرم کو بچائے اور حرام سے منع کرے۔

شیخ الاسلام تقی شُمُنِّی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا تلفظ یوں ہے:۔

حاء پر زبر، میم پر تشدید، اس کے بعد طاء پھر الف اس کے بعد یاء ہے (حَمَّطَایَا)

علامہ ہروی نے غریب میں فرمایا:۔ کہ یہ اسم حاء کے نیچے زیر، میم پر سکون، یا اور الف کی تقدیم اس کے بعد طاء اور الف ہے تو ان کے نزدیک یہ اسم یوں ہے:۔ حِمْیَاطَا.

انہوں نے اس کا معنی حرم کی حفاظت کرنے والا بیان کیا ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

اس کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے حرم شریف کو ان بتوں سے بچایا جن کی عبادت کی جاتی تھی، نیز زنا اور اللہ تعالٰی کی نافرمانی سے بھی اسے محفوظ فرمایا۔

حمید فَعِیْل کے وزن پر ہے یہ یا تو حامد کے معنوں میں ہے یا محمود کے معنوں میں، حمد سے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔

اور حمد کا معنیٰ ''ثنا'' ہے، اگر یہ محمود کے معنوں میں ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا:۔

''وہ ذات جس کے اَخلاق قابلِ تعریف اور جس کے اَفعال پسندیدہ ہوں''

اسمِ فاعل کے معنوں میں ہونے کی صورت میں اس کا مفہوم یہ ہوگا:۔

''اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کرنے والی ہستی جو اس سے پہلے کسی تعریف کرنے والے نے نہ کی ہو''

یا اس کا معنیٰ ہے ''بہت زیادہ قابلِ تعریف اعمال والی ہستی''

یہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے:۔

﴿۱﴾ جس نے ازل سے اپنی حمد بیان کی۔

﴿۲﴾ بندے ابد تک جس کی ثنا کرتے رہیں گے۔

﴿۳﴾ حمد کی مستحق ذات۔

کیوں کہ وہ ذات ہر کمال سے موصوف اور ہر نعمت کی مالک ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں اسماء ذکر فرمائے ہیں۔

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ دونوں نام اسمائے الٰہیہ سے ہیں۔

یہ لفظ تخفیف کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''رحمت''۔

اس کا معنی ہے دین اسلام کی طرف مائل اور اس پر ثابت قدم۔

یہ "حنف" سے مشتق ہے جو کہ نون کی زبر کے ساتھ ہے۔

یا اس کا معنی ہے عام لوگوں کے رستہ سے ہٹ کر حق اور استقامت کے راستہ کی جانب میلان رکھنے والے۔

یا اس کا معنی ہے مُستَقِیم (سیدھا)۔

قرآن مجید میں ہے:۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا.

ترجمہ: پھر ہم نے تمہاری طرف وحی فرمائی کہ ابراہیم، جو حنیف ہیں، ان کے دین کی اتباع کرو۔

بعض علماء نے لفظ "حَنِیْفًا" کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹنے والی ضمیر سے حال قرار دینا بھی جائز قرار دیا ہے اس صورت میں اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا:۔

"پھر ہم نے تمہاری طرف، کہ تم حنیف ہو، وحی فرمائی کہ دینِ ابراہیمی کی پیروی کرو۔"

اس آیت میں حنیف کا معنی "طاہر" (پاک) ہے۔

اَلنِّھَایَہ میں فرمایا: حدیث پاک کے الفاظ ہیں:۔

خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ۔

اس کا معنی ہے میں نے اپنے تمام بندے گناہوں سے پاک پیدا فرمائے۔

اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ سارے مسلمان ہوتے ہیں۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّمِنكُمْ مُّؤْمِنٌ.

ترجمہ: تم میں کچھ کافر اور کچھ ایمان والے ہیں۔

اس کی مزید وضاحت واقعہ معراج کی حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی میں لفظ "فطرة" کے تحت آئے گی۔
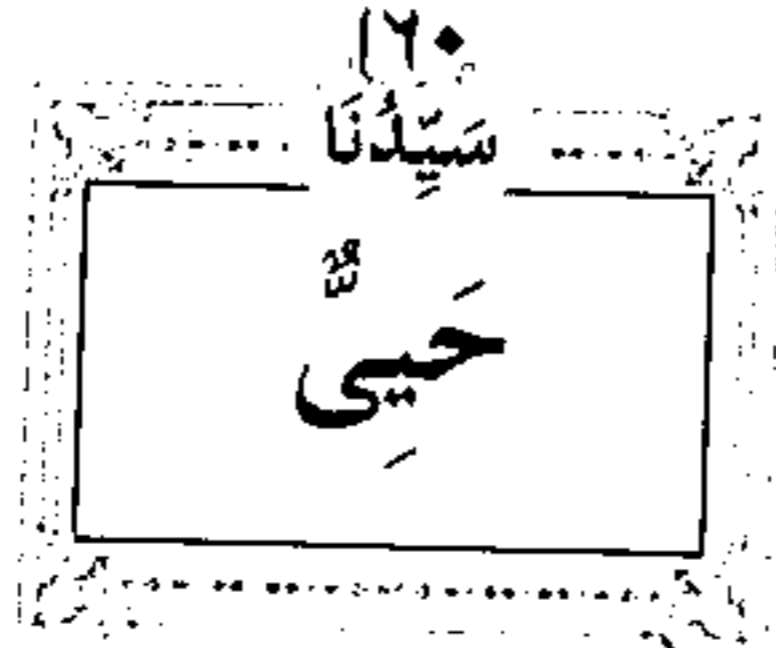
یہ لفظ حاء اور دو (بلکہ تین) یاء سے مرکب ہے۔ جس کا معنی ہے کثرت سے شرم وحیا فرمانے والی ذات۔

حیا کا مفہوم ہے قبیح افعال وعادات سے دل کی گھٹن اور نفرت۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شرم وحیا کے پتلے تھے جو چیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مانگی جاتی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عطاء فرمادیتے اس کی مزید وضاحت حیائے نبوی کے باب میں ملاحظہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے تمتع اور لذت حاصل کرنے والے زندہ ہیں۔ قبر انور میں حیاتِ نبوی کے باب میں اس کا مزید بیان آئے گا۔

حرف ☆☆☆ خاء

یہ اسم تاء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔

یہ لفظ تاء پر زبر کے ساتھ ہے۔

یہ دونوں اسم علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے۔ اور ضبط امام ثعلب سے اسے نقل کیا۔

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی المھمات میں اسی طرح ہے، انہوں نے لکھا "خَاتَم" تاء پر زبر کے ساتھ کا عنی ہے:۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے صورت وسیرت دونوں اعتبار سے حسین تر۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ سلم کی ذاتِ گرامی انبیائے کرام علیہم السلام کا ایسی مشتری کی مانند حسن تھی جس کو پہن کر جمال حاصل کیا جاتا ہے۔

اس نام کے ساتھ موسوم ہونے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ جب نبوت اٹھالی گئی اور اس کا اختتام ہو گیا تو نبی پاک لی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس انگوٹھی کی مانند قرار پائے جس کے ساتھ خط کی تحریر سے فراغت کے وقت مہر لگائی جاتی ہے۔

لیکن لفظ خَاتِم تا کی زیر کے ساتھ کا معنی ہے آخری نبی۔

یہ خَتَمْتُ الشَّیْئَ بمعنی میں نے شے کو مکمل کر لیا اور اس کے آخر تک پہنچ گیا، سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

ارشادِ خداوندی جل مجدہ ہے:۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔(الاحزاب، آیت/۴۰)

ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

حضرت نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث وصل ثانی میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کر
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَکْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِ
زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ وَیَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ فَاَنَا تِلْکَ اللَّبِنَةُ وَاَ
خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ۔ [۱]

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی مثال ایک شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اسے خوبصور
بنایا اور ایک کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ کے بغیر سارا مکمل کرلیا۔لوگ اس کے اردگرد پھرنے لگے، تعجب کرنے لگے اور ک
لگے: یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟۔میں وہ اینٹ ہوں میں سب سے آخری نبی ہوں۔

---

۱ (۱) الصحیح البخاری ۵/۲۴ کتاب المناقب (۳۵۳۴)
(۲) الصحیح مسلم ۴/۱۷۹۱ کتاب الفضائل (۲۲۔۲۲۸۶)

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ماقبل انبیائے کرام علیہم السلام کی
ثال کی وصل میں بعثت اور خصائص کے ابواب میں اس حدیث پر کلام آئے گا۔

علمائے کرام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی کئی ایک حکمتیں بیان کی ہیں:۔

﴿۱﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نبی ہونا رحمت کے ساتھ ہے۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز کے لئے ارادہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
لی امت زمین کے نیچے زیادہ دیر تک نہ ٹھہری رہے۔

﴿۳﴾ ہمیں پہلی امتوں کے احوال کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو آخری امت
ایا تا کہ ان کے حالات پر کسی کو اطلاع نہ ہو یہ سب کچھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز کی خاطر تھا۔

﴿۴﴾ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی اور نیا نبی ہوتا تو وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو
نسوخ کرنے والا ہوتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی
ریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہو، اور منسوخ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ آپ
ملی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے نہ کہ اپنی شریعت کے مطابق، کیوں کہ وہ تو منسوخ
وچکی ہے۔ خصائص نبویہ میں اس کا بیان آئے گا۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کو
بعوث نہیں کیا جائے گا، کسی کو نئی نبوت عطا نہ ہوگی یا کوئی نیا نبی پیدا نہ کیا جائے گا۔ اگر چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی
للہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد موجود ہوں گے۔

۱۶۵

علامہ ابنِ دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم مبارک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اخذ کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

وَاللّٰہِ مَا اٰتِیکُمْ مِنْ شَیْئٍ وَلَا اَمْنَعُکُمْ مِنْہُ اِنْ اَنَا اِلَّا خَازِنٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ۔

ترجمہ: خدا کی قسم! میں تمہیں کوئی چیز نہیں دیتا اور نہ ہی کسی چیز کو روکتا ہوں۔ میں تو صرف خازن ہوں میں اشیاء کو وہاں رکھ دیتا ہوں جہاں کا مجھے حکم ملتا ہے۔

اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ میرے پاس جتنی نعمتیں ہیں میں ان کا خازن ہوں، جس نعمت کی تقسیم کا مجھے حکم دیا جاتا ہے اسے میں تقسیم کرتا ہوں اور اس طرح تقسیم کرتا ہوں جس طرح حکم دیا جاتا ہے، تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشا کے ساتھ ہوتے ہیں۔

لغت میں خشوع کا معنیٰ ''سکون'' ہے۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ''تَخَشُّعٌ'' کا معنیٰ ''تَذَلُّلٌ (عاجزی کرنا)'' ہے۔

محکم میں ہے خَشَعَ الرَّجُلُ اس کا معنیٰ ہے ''اس نے زمین پر نظریں گاڑ دیں''۔

صوفیائے کرام نے اس کی تعریف یوں کی ہے:۔خشوع حق تعالیٰ کی فرمان برداری کو کہتے ہیں۔

بعض صوفیہ نے فرمایا:۔پوری توجہ کے ساتھ دل کے رب تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہنے کا نام خشوع ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔خشوع دل کے ساتھ مسلسل چمٹے رہنے والے خوف کا نام ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

عَلَّامُ الْغُیُوْب ذات کے سامنے دلوں کی عاجزی کو خُشُوع کہتے ہیں۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

خَاشِع وہ شخص ہوتا ہے جس کی خواہشات کی آتش بجھ چکی ہو، سینے کا دھواں رک چکا ہو، اس کے دل سے تعظیم کا نور چمکنے لگا ہو، اس طرح اس کی خواہشات مردہ ہو چکی ہوں، دل زندہ ہو چکا ہو اور اعضاء عاجزی کرنے لگے ہوں۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خشوع کا مقام قلب ہے اور یہ تواضع کے قریب ہے۔

صحاح میں خضوع کا معنی ''پست ہونا اور عاجز ہونا'' ہے۔

امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ خضوع کا مفہوم خشوع کے قریب ہے۔

فرق یہ ہے کہ خشوع کا اظہار بدن، آواز اور آنکھ سے ہوتا ہے اور خضوع کا گردنوں سے۔

۱۶۸

یعنی بازوؤں کو جھکانے والا۔ یہ خفض مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

خفض کا معنی ہے ''تواضع اور مان لینا'' قرآنِ مجید میں:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ: اپنی پیروی کرنے والے مومنوں کے لئے اپنے بازو جھکا دیجئے۔

یعنی ان میں سے کمزور اور محتاج افراد سے تواضع سے برتاؤ کیجئے اور ان میں سے مالداروں سے خوش رہیے۔

یا اس کا معنی ہے وہ ذات جو اپنے قاہرانہ حملے سے جابر لوگوں کو عاجز اور اپنی جنگ سے بادشاہوں کی شان وشوکت کو توڑ دے۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ مجدہ میں بھی شامل ہے، تب اس کا معنی ہے بلاؤں کو دور کرنے والا، نیکیوں کو بلند کرنے والا۔
یا وہ ذات جو بدبختوں کو دوری کے ساتھ جھکا دے اور متقی لوگوں کو خوش بختی کے ساتھ بلند فرما دے۔

۱۶۹

اس کا معنی ہے ''میل کچیل سے پاک وصاف ہستی''۔
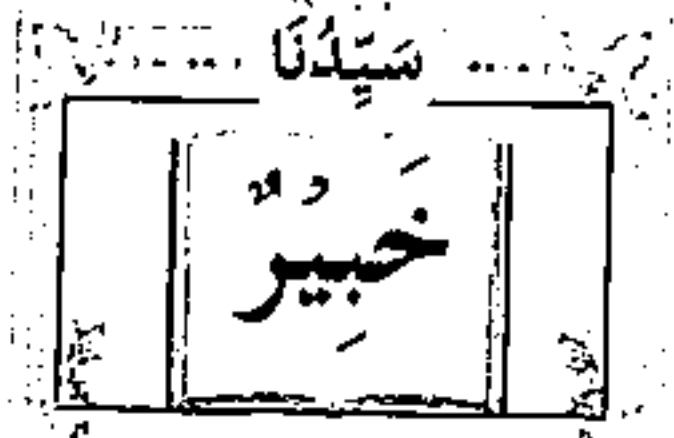
۱۷۰

سَیِّدُنَا

خَبِیْرٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم اس آیت مبارکہ سے مستنبط فرمایا ہے:

فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا. (الفرقان، آیت/ ۵۹)

ترجمہ: باخبر سے اس کے بارے میں پوچھ۔

قاضی بکر بن علاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس آیت میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو سوال کا حکم دیا گیا ہے اور جس سے پوچھا جاتا ہے وہ خبیر ہستی ہے، اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

انہوں نے فرمایا:۔ یہ ان اسمائے باری تعالیٰ مجدہ سے ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیا ہے۔

جب یہ اسم اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے تو اس کا معنی ہے:۔

شے کی حقیقت سے اطلاع رکھنے والا، اس کی کُنہ کو جاننے والا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس صورت میں اس کا مفہوم ہے ''خبر دینے والا''۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو وجہوں سے خبیر ہیں:۔

﴿۱﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس اعلیٰ درجہ کے علم کے عالم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پوشیدہ اور عظیم عرفان سے آپ کو سکھایا۔

﴿۲﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو اس علم سے باخبر فرمانے والے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو بتانے کی اجازت دی۔

خبیر اور شہید کے درمیان فرق شہید کی تعریف کے ضمن میں آئے گا۔

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

حدیثِ شفاعت میں ہے:۔

کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَخَطِیْبَھُمْ.

ترجمہ: میں انبیاء کا امام اور ان کا خطیب ہوں گا۔

یعنی ان کا پیشوا ہوں گا ان کی طرف سے گفتگو کرنے والا ہوں گا۔

خطیب کا معنی ہے:۔ اچھی گفتگو کرنے والا، خطبہ سجع والی نثر میں گفتگو ہوتی ہے جو منبر پر کی جاتی ہے۔

یہ خَطْب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حالت اور بڑا معاملہ۔

اہلِ عرب پر جب اچانک کوئی کام آپڑے تو اس کی خاطر جمع ہوتے ہیں اور زبانیں اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگتی ہیں۔

یا یہ مُخَاطَبَۃ سے مشتق ہے۔ اس میں چوں کہ امر و نہی کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے اس لئے اس کو خطبہ کہتے ہیں۔

یا یہ لفظ اَخْطَب سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ایسی شے جو کئی رنگوں والی ہو۔

کیوں کہ یہ بھی گفتگو کے مختلف اسالیب پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس کا نام خطبہ پڑ گیا۔

۱۷۲

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۱۷۳

سَیِّدُنَا

خَطِیبُ الْوَافِدِیْنَ عَلَی اللّٰہ تَعَالٰی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ دونوں اسمائے مبارکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں۔

اُمَمْ امت کی جمع ہے اور وَافِدِیْن، وَافِد (آنے والا) کی جمع ہے۔

ان دونوں اسمائے مبارکہ کا امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ ''خُلَّت'' پر گفتگو عنقریب آ رہی ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ۔[1]

ترجمہ: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق کو خلیل بناتا لیکن تمہارا ساتھی اللہ کا خلیل ہے۔

خلیل فعیل کے وزن پر ہے جو فاعل کے معنی میں ہے۔ یہ خُلَّت سے مشتق ہے جس کا معنی ایسی دوستی اور محبت ہے جو دل کے اندر ہو اور اس کے درمیان جا گزیں ہو جائے، کسی شاعر نے کہا ہے:۔

قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلَکَ الرُّوْحِ مِنِّیْ　　وَلِذَا سُمِّیَ الْخَلِیْلُ خَلِیْلًا

ترجمہ: تیری محبت میری روح کی راہوں میں گھس گئی ہے اسی لئے تو خلیل کو خلیل کہتے ہیں۔

فَاِذَا مَانَطَقْتُ کُنْتَ حَدِیْثِیْ　　وَاِذَا مَا سَکَتُّ کُنْتُ الْعَلِیْلَا

ترجمہ: جب میں گفتگو کرنے لگتا ہوں تو تو میرا موضوع سخن ہوتا ہے۔ اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو بیمار پڑ جاتا ہوں۔

یہ مفہوم نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے درست ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر میں اللہ تعالیٰ کی محبت اسی کیفیت کی تھی۔

لیکن حق تعالیٰ کے لئے اس کا استعمال علی سَبِیْلِ الْمُقَابَلَۃِ ہوتا ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ خُلَّت کا اصل معنیٰ ''اصطفا (انتخاب)'' ہے

---

[1] المسند احمد ۴۶۲/۱ (۲) الطبقات ابن سعد ۲/ ۲/۲۵

خلیل کو خلیل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتا ہے اور اسی کی خاطر دشمنی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "خُلّت" کا معنی یہ ہے کہ اس نے آپ کی نصرت فرمائی اور اپنی ساری مخلوق میں آپ کو سب سے بہتر بنایا۔

بعض علما نے فرمایا کہ یہ لفظ خَلّت سے مشتق ہے جو خاء کی زبر کے ساتھ ہے اس کا معنی حاجت اور ضرورت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر طرف سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ لیا تھا۔ اور اپنی حاجات اس کے سپرد فرمادی تھیں۔

امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلا قول مختار ہے لیکن اللہ تعالیٰ، حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خلیل ہے اور حضرت نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ خَلّت بمعنی حاجت کی رو سے اللہ تعالیٰ کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خُلیل کہنا درست نہیں ہے۔

تنبیہ

خُلّت: . کا درجہ محبت سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

علامہ ابن قیم نے کہا بعض غلطی کا شکار لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ محبت، خلت کی نسبت سے کامل تر مقام ہے، کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں، اپنی جہالت کی بنا پر وہ نہیں جانتے کہ محبت عام ہے اور خلت خاص۔ خلت انتہائی محبت کا نام ہے۔

امام ابن قیم نے لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا خلیل بنالیا ہے اور بتایا کہ رب تعالیٰ کے سوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی اور خلیل نہیں ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے والد گرامی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔

دوسری دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں، پاک رہنے والوں اور صبر اختیار کرنے والوں

سے محبت فرماتا ہے لیکن اس کی خُـلَّـت صرف دو خلیلوں کے ساتھ خاص ہے۔ انہوں نے اس پر مبسوط کلام کے بعد کہا ایسی باتیں کہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قلتِ علم وفہم کی وجہ سے ہے۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ کی شرح میں لکھا بعض لوگوں کا گمان ہے کہ محبت، خلت سے افضل ہے اور دلیل میں یہ کہا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ یہ گمان ضعیف ہے کیوں کہ خُـلَّـت خاص ہوتی ہے اور یہ ہے محبّ کا صرف ایک سے محبت کرنا، جب کہ محبت عام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یعنی وہ ذات جو دوسرے کے بعد آئے اور اس کا نائب بنے۔اس میں ھاء مبالغہ کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ،حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر افراد کو اس نام سے موسوم فرمایا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کی آبادی ،لوگوں کے بندوبست ،ان کی ذوات کی تکمیل اور ان میں اس کے احکام نافذ کرنے کے لئے اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔

اس خلیفہ بنانے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی ضرورت کارفرمانہ تھی بلکہ جن پر خلیفہ بنایا گیا ان میں اس کے فیض کو قبول کرنے اور بغیر واسطہ کے اس کے احکام کو حاصل کرنے کی صلاحیت میں کمی تھی۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے، واقعہ معراج کی احادیث میں ہے:-

فَنِعْمَ الْاَخُ وَنِعْمَ الْخَلِیْفَةُ وَنِعْمَ الْمُجِیْءُ جَاءَ وَحَیَّاهُ اللّٰهُ مِنْ اَخٍ وَّمِنْ خَلِیْفَةٍ۔

ترجمہ: کتنا اچھا ہمارا بھائی ہے کتنا اچھا خلیفہ ہے، تشریف لانے والا کتنا اچھا ہے جو آیا ہے، اللہ تعالیٰ اس بھائی کو اور اس خلیفہ کو درازِ زندگی سے سرفراز فرمائے۔

ایک حدیث میں لفظِ خلیفہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک پر بھی وارد ہے:-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ۔

ترجمہ: اے اللہ! سفر میں تو ہی ساتھی ہے اور گھر والوں میں تو ہی خلیفہ ہے۔

یہ نام ان اسمائے الٰہیہ سے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیا ہے۔ اس کا معنی وکیل، باقی اور آخر بنتا ہے، کیوں کہ خلافت، خلیفہ بنانے والے کے چلے جانے کے بعد کام کا نام ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر کسی کے چلے جانے کے بعد دائمی وجود کے ساتھ باقی رہنے والی ذات ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کے اندر اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے میں اس کے نائب ہیں خلیفہ کا معنی وکیل کے معنی کے قریب ہے۔

یہ بھی درست ہے کہ اس کا معنی ہو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دین اور شریعت باقی رہنے والے ہیں کیوں کہ یہ تمام دینوں کے بعد ہے اور منسوخ نہ ہوگا۔

آخر کا معنی بھی درست ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔
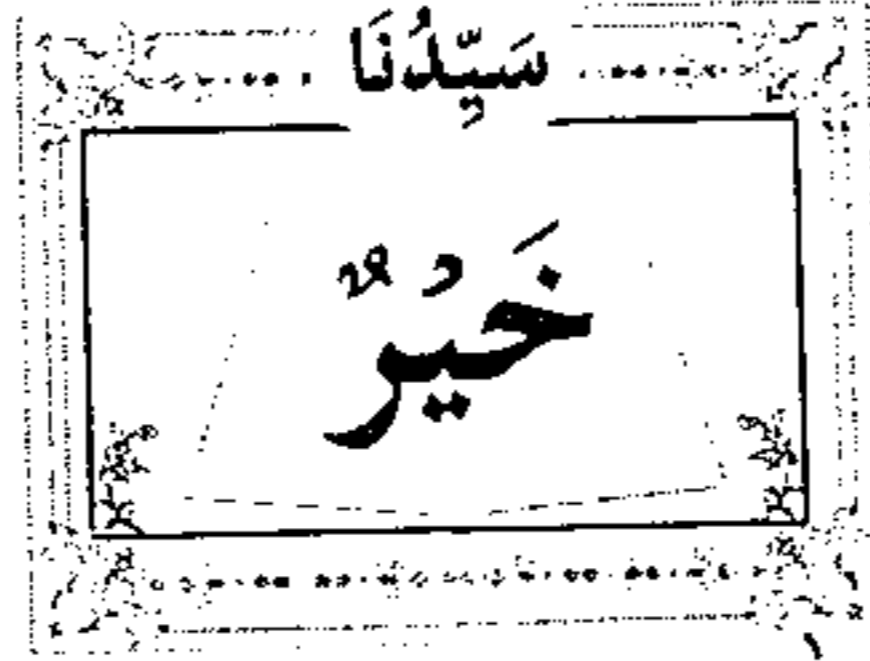
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک یاء کے ساتھ ہے۔ جس کا معنی فضل اور نفع ہے۔

اس نام سے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کرنے کی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ پاک کے طفیل امت کو خیرِ کثیر حاصل ہوا۔

یا اس کا معنی ہے فاضل (فضیلت والا) عربی زبان میں کہا جاتا ہے:۔

رَجُلٌ خَیْرٌ (فاضل آدمی)۔

جس طرح کہا جاتا ہے:۔ رَجُلٌ عَدْلٌ (عادل مرد) اور رَجُلٌ خَیِّرٌ فضیلت اور بھلائی والا مرد۔

یوں کہنا بھی درست ہے: اِمْرَاَۃٌ خَیْرَۃٌ (فاضل عورت) اِمْرَاَۃٌ خَیْرَۃُ النَّاسِ (لوگوں میں فضیلت والی عورت)

یہ ترکیب اس صورت میں درست ہے جب کہ اس سے مطلق صفت مراد لی جائے اور اگر اس سے اسمِ تفضیل مراد لیا جائے تو پھر اس کا عکس ہوگا، پھر یوں کہا جائے گا جیسا کہ قاموس میں ہے:۔

فُلانٌ خَیْرَۃُ النَّاسِ فلاں مرد تمام لوگوں سے بہتر ہے فُلانَۃٌ خَیْرُ النَّاسِ فلاں عورت تمام لوگوں سے فضیلت والی ہے۔

یعنی تذکیر کی صورت میں ''تا'' کے ساتھ اور تانیث کی صورت میں ''تا'' کے بغیر اسمِ تفضیل کے معنوں میں مستعمل ہوگا۔

شیخ عبدالباسط رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے اس بارے میں ایک پہیلی نظم کی جو یہ ہے:۔

اَیَا خَیْرَ الْاَنَامِ بَقِیْتَ مَا اسْمٌ	یُؤَنَّثُ اِنْ اَتٰی وَصْفَ الْمُذَکَّرُ
وَاِنْ ھُوَ لِلْمُؤَنَّثِ جَاءَ وَصْفًا	یُذَکَّرُ مِثْلَ مَا فِی الْعَدِّ یُذْکَرُ

ترجمہ: اے دنیا سے بہتر آدمی! اللہ تعالیٰ تمہیں دراز زندگی عطاء فرمائے وہ کون سا اسم ہے کہ اگر وہ مذکر کا وصف ہو تو اس کا صیغہ تانیث کا آتا ہے اور اگر وہ مونث کا وصف ہو تو اس کا صیغہ مذکر کا آتا ہے جس طرح کہ اعداد کی تذکیر و تانیث کا

حال ہوتا ہے۔

جب کسی نے اس کا جواب نہ دیا تو میں نے خود اس کا جواب یوں لکھا:۔

لَقَدْ اَبْدَعْتُ فِيْ تَرْصِيْفِ لُغْزٍ   رَقِيْقِ النَّظْمِ مَوْزُوْنٍ مُحَرَّرْ

وَهَاكَ جَوَابُهُ اِنْ رُمْتَ وَصْفًا   بِاَفْعَلَ مِنْ بِنَاءِ الْخَيْرِ يُذْكَرْ

فَقُلْ يَا صَاحِ خَيْرُ النَّاسِ هِنْدٌ   وَاَحْمَدُ خَيْرَةٌ وَالْعَكْسُ مُنْكَرْ

ترجمہ: میں نے مضبوط پہیلی بنانے میں اختراع کا سا کارنامہ انجام دیا جو نہایت نفیس معانی، عمدہ وزن اور خوبصورت انداز میں تحریر تھی۔ اس پہیلی کا جواب یہ ہے کہ اگر خَیْر بمعنی اَفْعَلُ تَفْضِیْل سے وصف لانے کا ارادہ ہو تو مونث موصوف کی صورت میں کہو: یَاصَاحِبُ! خَیْرُ النَّاسِ هِنْدٌ ۔ اے میرے ساتھی! ھندہ تمام لوگوں سے بہتر ہے۔

اور موصوف کے مذکر ہونے کی صورت میں یوں کہو:۔ اَحْمَدُ خَیْرَةُ النَّاسِ. احمد تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہے، اس کا عکس برا ہے۔

یا اس کا معنی ہے:۔ ذُوالْخَیْرِ یعنی فضل و احسان کرنے والا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ.

ترجمہ: وہ فضلیت والے اور اچھی طرح سننے والے ہیں۔

لفظِ اُذُن پر تنوین اور لفظ خَیْر پر رفع کے ساتھ، اس وجہ سے کہ یہ اذن کی صفت یا خبر کے بعد خبر ہے۔

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح قراءت کی ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا کہ ان کے ہاں فضل اور خیر میں فرق ہے، یوں کہ باب خیریت متعدی ہوتا ہے اور افضلیت کا باب اس سے قاصر ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے:۔

اَلْحُرُّ الْهَاشِمِيُّ اَفْضَلُ مِنَ الْعَبْدِ الْحَبَشِيِّ (قبیلہ بنی ہاشم کا آزاد فرد حبشی غلام سے افضل ہے)۔

لیکن کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ حبشی غلام عبادت کی کثرت اور لوگوں کو نفع رساں ہونے کی بنا پر بنی ہاشم کے آزاد مرد سے خیر (بہتر) ہو۔

اس کا معنی ہے انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل۔

امام جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا عربی زبان میں کہا جاتا ہے:۔

رَجُلٌ خَیْرٌ (فاضل مرد) رَجُلٌ اَخْیَرُ نہیں کہا جاتا کیوں کہ "خَیْرٌ" ہی میں تفضیل کا معنی موجود ہے۔

اس کا ہمزہ محذوف ہے جس طرح اَشَرٌّ سے اکثر استعمالات میں ہمزہ حذف کیا جاتا ہے۔

اَخْیَر اور اَشَرُ کہنا متروک ہے ہاں نادر طور پر اس کو بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:۔

بِلَالٌ خَیْرُ النَّاسِ وَابْنُ الْاَخْیَرِ۔

ترجمہ: بلال تمام لوگوں سے افضل ہے اور سب سے افضل کا بیٹا ہے۔

خِیرَۃ کا لفظ خاء کے نیچے زیر اور یا کے سکون کے ساتھ ہے نیز عِنَبَۃ کے وزن پر ہے، اس کا معنی ہے پسندیدہ۔

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہا جاتا ہے:۔

مُحَمَّدٌ خِیَرَۃُ اللّٰہِ خاء کی زیر اور یا کی زبر کے ساتھ، نیز مُحَمَّدٌ خِیرَۃُ اللّٰہِ یاء کے سکون کے ساتھ:۔

اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ۔

اگر خاء کی زبر اور یا کے سکون کے ساتھ تلفُّظ کیا جائے تو معنی ہوتا ہے:۔

"لوگوں میں سے افضل اور لوگوں میں سب سے بڑھ کر بھتری والا۔"

بَرِیَّہ کا معنی ہے مخلوق (یعنی مخلوق میں سے افضل)۔

۱۸۳

یہ دونوں اسماء علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے۔

۱۸۴

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کوذکر کیا ہے ان اسماء کا علم احادیث اور مشہور آثار سے ہوتا ہے۔

دونوں کا معنی ایک ہے ان کی مزید وضاحت خصائصِ نبویہ میں آئے گی۔

خلق درحقیقت مصدر ہے جو مخلوق کے معنوں میں ہے، اس کا معنی ہے:۔

مُبْتَدَع (جس کو ایجاد کیا گیا ہو) مُخْتَرَعْ (جس کی اختراع کی گئی ہو)۔

دونوں لفظوں میں دال اور راء زبر کے ساتھ ہیں، ان کے علاوہ باقی مخلوق کو بھی اس کا معنی محیط ہے۔

امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نام امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے لیا ہے جو حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے نکاح کر رکھا ہے؟ تو میں نے جواب دیا نہیں، اس پر انہوں نے فرمایا نکاح کرو کیوں کہ اس امت کی سب سے بہتر ہستی کی بیویاں سب سے زیادہ تھیں۔

اس سے ان کی مراد حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تھی۔

نکاحِ نبوی کے باب میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

حرف ☆☆☆ دال

۱۸۷

سَیِّدُنَا
دَارُ الْحِکْمَةِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم گرامی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اخذ کیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔

ترجمہ: میں حکمت کا گھر ہوں، علی اس کا دروازہ ہیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اس کو روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے موضوع ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "النکت" اور "اللآلی" میں اس کا تعاقب کیا ہے۔

حافظ علائی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا درست یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے نہ صحیح ہے اور نہ ہی موضوع ہے۔

میں نے "اَلْفَوَائِدُ الْمَجْمُوْعَةُ فِیْ بَیَانِ الْاَحَادِیْثِ الْمَوْضُوْعَةِ" نامی کتاب میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:۔

فرشتے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خوابِ استراحت میں تھے، وہ کہنے لگے اس کی مثال بیان کرو، اس پر وہ کہنے لگے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے گھر بنایا، اس میں دستر خوان لگایا اور دعوت دینے والے کو بھیجا جس نے دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرلیا وہ گھر میں داخل ہوا اور دستر خوان سے کھایا اور جس نے اس کی دعوت کو قبول نہ کیا نہ گھر میں داخل ہوسکا اور نہ ہی دستر خوان سے کھا سکا، وہ کہنے لگے اس کی تعبیر بیان کرو تاکہ یہ سمجھ لیں، تو وہ کہنے لگے گھر سے مراد جنت ہے، دعوت دینے والے سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں لہٰذا جس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مان لیا اور جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے سرکشی کی۔

لفظ "مَــأْدُبَةٌ" دال پر پیش اور زبر کے ساتھ ہے، اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کھانے کے لئے دعوت دی جاتی ہے۔

شرح میں ہے کہ لفظ "دَاعِیُ" دُعَا سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پکارنا، لیکن "دُعَا" پکار کی نسبت خاص ہوتی ہے کیوں کہ پکار عموماً صرف اس وقت ہوتی ہے جب اس کے ساتھ اسم بھی ذکر ہو مثلاً یوں پکارا جاتا ہے:۔ اے فلاں! فلاں کی جگہ پکارے جانے والے کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی طرف دعوت دیتے تھے اور انہیں اس کی ترغیب دیتے تھے قرآن مجید میں ہے:۔

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ. (الاحزاب، آیت/ ۴۶)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔

بِاِذْنِهٖ. (الاحزاب، آیت/ ۴۶)

ترجمہ: اس کی اجازت سے۔

یعنی اس کے آسان اور سہل فرمانے کے ساتھ۔ اذن کو آسانی اور سہولت کے لئے بطورِ استعارہ استعمال کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ اسی پر مترتب ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں داخل ہونا ناممکن اور مشکل تھا۔ جب اذن پایا گیا تو یہ آسان اور سہل ہوگیا اور اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان مشکلات سے آگاہی موجود ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کو توحید کی طرف دعوت دینے اور تبلیغ کے سلسلہ میں برداشت کیں یہ نہایت مشکل کام تھا نیز اس میں اشارہ ہے کہ اس مشکل کام کو اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سہل اور آسان کر دیا جائے گا۔

یا ''دَاعِی اِلَی اللّٰہ'' کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بھلائی کے حصول کے لئے اس کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ رغبت کرنے والا اور استغاثہ کرنے والا۔

﴿تنبیہ﴾ اللہ تعالیٰ نے ''دعوت'' کے ساتھ اپنا وصف بھی بیان فرمایا ہے چناں چہ قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سلامتی والے گھر (جنت) کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اس طرح یہ اسم مبارک ان اسماء الٰہیہ سے ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک بھیجنے کی کیفیت کے بارے میں مروی حدیث میں یوں ہے:۔

دَامِغ جَیْشَاتِ الْاَبَاطِیْلِ۔

ترجمہ: باطل نظریات کے اُبالوں اور جوشوں کی سرکوبی کرنے والے۔

یہ حدیث مکمل طور پر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک بھیجنے کے ابواب میں آئے گی۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باطل کی سرکوبی اس طرح کی کہ وہ بھاگ نکلا، باطل کو ملیامیٹ کر دینے والی حجت کی تلوار کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کے جوشوں کو فاش شکست دی۔

جَیْشَات، جَیْشَۃ کی جمع ہے جو ''باری'' پر دلالت کرنے والا مصدر ہے۔

اس کا فعل جَاشَ ہے جس کا معنی ہے وہ بلند ہوا۔

دَامِغ، دَمَغْتُہ سے، ماخوذ ہے۔ جس کا معنی دماغ تک پہنچنا۔

جب چوٹ دماغ تک پہنچ جائے تو ہلاک کر دیتی ہے۔

۱۹۰

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

دانی، دُنُوّ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ دُنُوّ کا معنی قرب اور نزدیک ہونا ہے اللہ تعالیٰ مجدہ کا ارشاد ہے:۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی۔

ترجمہ: پھر وہ قریب ہوا پھر اور قریب ہوا۔

معراج کے باب میں سورۃ النّجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

۱۹۱

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

دعوت سے مراد کلمۂ توحید ہے۔

اور یہاں پر اس سے مراد ''صاحبِ دعوت یعنی 'لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ' کلمہ توحید سکھانے والے'' ہیں۔

یا دعوت کا معنی ''اِعْلَام'' یعنی بتا دینا ہے۔

یہ نام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ہدایت کا رستہ بتایا اور اس پر دلالت کی۔

یا دعوۃ مصدر بمعنی ''مَدْعُوٌّ بِہٖ'' یعنی جس کو دعوت دی گئی ہو۔

یہ اسمِ مفعول پر مصدر کے اطلاق کے قبیلہ سے ہے کتاب کے آغاز میں اس پر مبسوط گفتگو گزر چکی ہے۔

۱۹۲

سَیِّدُنَا

دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:۔

اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ

ترجمہ: میں اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثمرہ ہوں۔

۱۹۳

سَیِّدُنَا

دَعْوَۃُ النَّبِیِّیْنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۱۹۴

سَیِّدُنَا

دَلِیْلُ الْخَیْرِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

دلیل کا معنی ہے ہادی یعنی ہدایت اور راہنمائی کرنے والا۔

۱۹۵

سَیِّدُنَا

دَھْتَمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک جَعْفَرٌ کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی ہے نرم مزاج اور خوبصورت۔

حرف☆☆☆ذال

۱۹۶

یہ ذکر سے اسمِ فاعل ہے۔اور ذکر سے مراد رب تعالیٰ کی تَمْجِیْد، تَقْدِیْس اور تَسْبِیْح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَاتَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ. (الاعراف،آیت،۲۰۵)

ترجمہ: اور یاد کرو اپنے پروردگار کو اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے اور بلند آواز کی نسبت پست آواز کے ساتھ صبح وشام، اور غافلوں میں سے مت بنو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر لحہ ذکر کا حصول ضروری ہے۔

نیز ذکرِ قلبی پر مداومت ضروری ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ۔(الاعراف،آیت،۲۰۵)

ترجمہ: اور غافلوں سے مت بنو۔

اور جہاں تک انسانی قوی کے بس میں ہو اور بشری طاقت برداشت کر سکے اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت سے ایک لحظہ بھی غفلت نہ برتی جائے۔ یہ امر شک وشبہ سے بالا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مخلوق کو اس ذکر سے مانوس فرمایا، ان پر یہ احسان فرمایا اور انہیں مشاہدۂ عظمت میں استغراق اور درجاتِ کمال کے اختصاص کا حقدار بنایا اسی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے یاد کیا گیا۔

یہ اسم ذال پر پیش اور خاء پر سکون کے ساتھ ہے۔

عربی میں کہا جاتا ہے:۔

ذَخَرْتُ الشَّیْئَ اَذْخَرُہٗ۔

اس کا معنی ہے "میں نے اس چیز کو آخرت کے لئے تیار کیا۔"

سَیِّدُنَا

ذِکْر

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ لفظ کاف کے سکون کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے طاقت ور، بہادر، کمینی باتوں سے اپنے آپ کو بلند رکھنے والا، ثنا اور اشرف۔

علامہ عَزَفی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کے اعتبار سے صاحبِ شرافت ہیں اوروں کو شرافت عطاء فرمانے والے ہیں۔ شرافت کے بارے میں لوگوں کو خبر دیتے ہیں۔

اس طرح ذکر کی تین جہتیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں جمع ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے لئے سراپا شرافت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قَدْاَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا۔ (الطلاق، آیت/۱۰، ۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر یعنی رسول بھیج دیا ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ ذکر سے مراد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں لفظ رَّسُوْلًا ذکر سے حال یا بدل ہوگا۔ ایک قول کی رو سے ذکر سے مراد قرآن عظیم ہے۔ تو اس صورت میں لفظ رَّسُوْلًا ذکر سے بتقدیرِ مضاف بدل قرار پائے گا، یعنی ذکر سے مراد صاحبِ ذکر ہوگا یا اس مقدر مضاف سے یہ صفت واقع ہوگا۔

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے آیتِ مبارکہ:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. (الرعد، آیت/۲۸)

ترجمہ: آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔
کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں ذکر سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کے صحابہ کرام ہیں۔

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم گرامی اسم ''اَوّاہ'' کے ضمن میں مذکور حدیث پاک سے اخذ کیا ہے جو اس طرح ہے:۔

وَاجْعَلْنِیْ لَکَ ذَکَّارًا۔

ترجمہ: مجھے اپنا کثرت سے ذکر کرنے والا بنا دے۔

ذَکَّارًا ''فَعَّالًا'' کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے کثرت سے ذکر کرنے والا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب کا کثیر ذکر کرنا، جاگنے، سونے، حرکات، سکنات، قیام، قعود اور دیگر تمام احوال کی ادعیہ معلوم اور مشہور ہیں۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے رہتے تھے۔

یہ اسم مبارک ذال اور کاف دونوں پر زبر کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے عظیم اور جلیل۔

حدیث پاک میں ہے:۔

اَلْقُرْآنُ ذَکَرٌ فَذَکِّرُوْهُ.

ترجمہ: قرآن عظیم ہے اسے عظیم جانو۔

اَلنِّھَایَہ میں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ جلیل اور عظیم ہے اس کی جلالت کا اقرار کرو۔

ذُو کا معنی ہے صاحب اور تاج سے مراد عمامہ ہے۔

عمامہ کو اس لئے تاج کہا گیا کہ یہ عرب لوگوں کے لئے تاج ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس عمامہ تھا جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زیب سر فرمایا کرتے تھے۔

اس کا بیان لباس نبوی کے باب میں آئے گا۔

ذُوْ کا معنی صاحب ہے اور جہاد جَہْد سے ماخوذ ہے۔ جَہْد جیم کی زبر کے ساتھ تھکاوٹ اور مشقت کو کہتے ہیں، اور جیم کی پیش سے ہو تو اس کا معنی طاقت ہے۔

مجاہد فی سبیل اللہ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے نفس کو آخری ممکن حد تک اللہ تعالیٰ کی راہ اور اس کے کلمہ کی سربلندی کے لئے مشقت میں ڈال دے۔ یہی جنت کا رستہ ہے، اس کے بعد قلبی جہاد ہے اور یہ نام ہے شیطان کو دور کرنے اور نفس کو خواہش سے روکنے کا، ہاتھ اور زبان سے جہاد کو اَمْر بِالْمَعْرُوْف اور نَھْی عَنِ الْمُنْکَر کہتے ہیں۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے اپنے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ آراستہ کرلیا اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ کے ساتھ مزین کر دیتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجاہدہ کی اصل اور اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ نفس کو اس کے مرغوبات سے الگ کر دیا جائے اور ہر وقت اس کو اس کی خواہشات کے خلاف امور کی ترغیب دی جائے۔

حَطِیم حاء کی زبر کے ساتھ ہے صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ وہ محفوظ کردہ مقام ہے جو خانہ کعبہ سے تعمیر کے وقت خارج کردیا گیا تھا، ایک قول کی رو سے یہ دور کنوں اور دروازے کے درمیان کی جگہ کا نام ہے۔

اس کا نام حطیم پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت کو یہاں سے اٹھا لیا گیا اور اسے چھوڑ دیا ہے۔

یا اس کو اس لئے حطیم کہتے ہیں کہ لوگ یہاں ازدحام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کچلتے ہیں۔

یا اسے حطیم اس لیے کہتے ہیں کہ عرب کے لوگ جن کپڑوں میں طواف کرتے انہیں اتار کر یہاں ڈال دیتے یہ وہاں پڑے رہتے یہاں تک لمبا عرصہ پڑے رہنے کے باعث وہ گل سڑ جاتے۔

یا اس لئے کہ یہ گناہوں کو توڑ دیتا ہے یعنی ان کو ختم کر دیتا ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ذوالحطیم کہنے کی وجہ جیسا کہ کتب سابقہ میں موجود ہے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کو مشرکین کے تصرف سے بچایا، اس میں موجود بتوں کو نکال پھینکا اور اس کو حلیم وخبیر بادشاہ حقیقی کی عبادت کا مقام قرار دے دیا۔

۲۰۵

سَیِّدُنَا

ذُوالْحَوْضِ الْمَوْرُوْدِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حشر نبوی کے باب میں اس پر کلام آرہا ہے۔

۲۰۶

سَیِّدُنَا

ذُوالْخُلُقِ الْعَظِیْمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

خلق خاء اور لام دونوں پر پیش ہے۔ حسنِ اخلاق نبوی کے باب میں اس پر گفتگو آرہی ہے۔

۲۰۷

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سابقہ کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مندرج ناموں میں سے ایک نام ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند تلواریں تھیں، جن کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آلاتِ جنگ کے باب میں آئے گا ان شاء اللہ۔

۲۰۸

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے صاحبِ سکینہ اور سَکِیْنَۃ سین کی زبر اور کاف کی تخفیف کے ساتھ فَعِیْلَۃٌ کے وزن پر اسم ہے جو سکون سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ''وقار اور حرکت میں ٹھہراؤ'' ہے۔

علامہ صغانی نے فرمایا یہ لفظ سین کے نیچے زیر اور کاف کی تشدید کے ساتھ ہے، جس کا معنی رحمت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ. (الفتح، آیت/۲۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے اپنے رسول اور اہلِ ایمان پر طمانیت نازل فرمائی۔

۲۰۹

سَیِّدُنَا

ذُوالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۲۱۰

سَیِّدُنَا

ذُوطَیْبَۃَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یعنی ''مدینہ منورہ کے والی'' مدینہ منورہ کو طیبہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ:۔

یہ شہر اپنے رہنے والوں کے لئے خوش گوار ہے، کیوں کہ ان کو یہاں اطمینان اور راحت میسر ہوتا ہے۔

یا اس لئے کہ یہ شہر شرک سے پاک ہے۔

۲۱۱

سَیِّدُنَا

ذُو الْعِزَّةِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۲۱۲

سَیِّدُنَا

ذُو الْعَطَایَا

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

عَطَایَا، عَطِیَّۃٌ کی جمع ہے، جس کا معنی ہے بخشش۔

سَیِّدُنَا

ذُو الْفُتُوحِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

فُتُوح، فَتح کی جمع ہے، جس کا معنی دشمنوں کے خلاف کامیابی۔

اللہ تعالیٰ مجدہ نے فرمایا:۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔(الفتح، آیت/۱)

ترجمہ: ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی۔

اس سے مراد فتح مکہ ہے یا صلح حدیبیہ ہے۔

فتح مکہ کو ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا اگرچہ یہ فتح نزول آیت کے وقت واقع نہیں ہوئی تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا وقوع یقینی تھا اس لئے اس کو وقوع پذیر کے قائم مقام کر دیا گیا۔

۲۱۴

سَیِّدُنَا

ذُو الْفَضْلِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

فضل کا معنی ہے احسان۔

۲۱۵

سَیِّدُنَا

ذُو الْمَدِیْنَۃِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

مدینہ سے مراد شہر محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

۲۱۶

سَیِّدُنَا

ذُو الْمُعْجِزَاتِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس پر کلام عنقریب آئے گا۔

۲۱۷

سَیِّدُنَا

ذُو الْقَضِیْبِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

قَضِیْبٌ کا معنی ہے ''پتلی تلوار''۔

انجیل میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت یوں مذکور ہے:۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوہے کی پتلی تلوار ہوگی جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنگ کریں گے۔''

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ۔(التکویر، آیت ۱۹/۲۰)

ترجمہ: یہ ایک معزز رسول کی زبان سے ہے جو قوت والا ہے اور عرش والے کے نزدیک باعزت ہے۔

اس کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول جو جمہور علمائے تفسیر سے نقل فرمایا وہ یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریلِ امین علیہ السلام ہیں۔

یہ ان اسمائے الٰہیہ سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔ شجاعت نبوی کے باب میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

۲۱۹

سَیِّدُنَا

ذُوالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

شفاعت کے باب میں اس پر کلام ہوگا۔

۲۲۰

سَیِّدُنَا

ذُو الْمِیْسَمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

مِیْسَمْ میم کے نیچے زیر اور یاء کے سکون کے ساتھ ہے دراصل یہ داغنے کے آلہ کو کہتے ہیں۔
لیکن یہاں پر مراد علامت، یا حسن و جمال ہے، یعنی حسن و جمال والی ذات بابرکات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

سَیِّدُنَا

ذُو الْهِرَاوَةِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

ہِرَاوَۃ، ہا کی زیر کے ساتھ ہے جس کا معنیٰ ''عصا'' ہے۔

حدیث سَطِیح میں ہے:۔

وَخَرَجَ صَاحِبُ الْھِرَاوَۃِ.

ترجمہ: لاٹھی والے نکلے۔

امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکثر عصا تھامے رکھتے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے عصا اٹھایا جاتا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیچھے چلتے، اس کو گاڑ دیا جاتا پھر اس کو سترہ بنا کر نماز ادا فرماتے۔

اس پر مزید بات چیت اسم مبارک صَاحِبُ الْھِرَاوَۃِ کے ذیل میں آئے گی۔

سَیِّدُنَا ذُوالْوَسِیْلَۃِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ کا نام وسیلہ ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں وارد ہے۔

وسیلہ کا اصل معنی ہے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کے ہاں مقام ومنزلت۔

خصائص اور شفاعت میں اس پر کلام آئے گا۔

﴿فائدہ﴾ ذُو کی اضافت صرف اسم ظاہر کی طرف ہوتی ہے۔

علامہ مُبرَّد رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک متکلم کی ضمیر کی طرف اس کی اضافت جا

ہے۔ چناں چہ کہا جائے گا:۔ ذِیَّ، یعنی میرا ساتھی، جیسا کہ فِیَّ کہا جاتا ہے یعنی مجھ میں۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ "ذُو" کے ساتھ اضافت، لفظ "صَاحِب" کے ساتھ اضافت کی نسبت

سے افضل ہے، کیونکہ "ذُو" کی اضافت تابع کی طرف ہوتی ہے۔

مثلاً:۔ ذُومَالٍ، مال انسان کے تابع ہوتا ہے۔

اور "صَاحِب" کی اضافت متبوع کی طرف ہوتی ہے:۔

مثلاً:۔ اَبُوْھُرَیْرَۃَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ)

یوں نہیں کہا جائے گا:۔ اَلنَّبِیُّ صَاحِبُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ۔

(کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مَتْبُوْع ہیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابع ہیں)۔

ہاں کسی وجہ کی بنا پر اس کا خلاف جائز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ: سُوْرَۂ اَنْبِیَاء میں جب ثناوتعریف کے موقع پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہوا تو ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:۔

وَذَاالنُّوْنِ.

ترجمہ: مچھلی والے۔

یہاں لفظ "ذُو" "والے" جو تعظیم پر دال ہے۔اس کی اضافت لفظ "نُوْن" کی طرف فرمائی جو لفظ حوت کی نسبت اشرف ہے کیوں اگر چہ دونوں لفظوں کا معنی ایک ہے لیکن حرفِ تہجی میں حرف "نون" "حاء" کے بعد ہے، اس لئے "نون" "حاء" کی نسبت شرافت والاحرف ہے۔اور سورتوں کے اوائل قسم کی وجہ سے بزرگی میں زیادہ اور تعظیم میں بڑھ کر ہیں،اور سورہ نون میں آپ علیہ السلام کے ذکر سے یہ مقصود نہ تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ. (القلم، آیت/۴۸)

ترجمہ: آپ مچھلی والے کی مانند نہ ہوں جب انہوں نے اس حال میں ندادی جب کہ وہ مصیبت زدہ تھے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

حرف☆☆☆راء

۲۲۳

سیّدُنا

رَاجِی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ رجَاءٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جوکہ خوف کی ضد ہے۔

رَجَاءٌ کا معنی ہے ''پسندیدہ چیز کے ساتھ قلبی تعلق جس کا حصول عنقریب متوقع ہو''۔

دوسرے قول کی رو سے اس کا معنی ہے ''موجود کریم کی طرف سے سخاوت کا یقین''۔

تیسرے قول کے مطابق اس کا معنی ہے:۔ ''اچھے وعدہ کے باعث دل کا سرور''۔

بعض علماء نے رَجَاءٌ اور تَمَنَّا کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ:۔

تَمَنَّا کے ساتھ سستی ہوتی ہے اس کی موجودگی میں انسان جدو جہد کا رستہ اختیار نہیں کرتا۔

لیکن رَجَاءٌ میں اس کے برعکس کیفیت ہوتی ہے۔

نیز رَجَاء ممکن امر کے ساتھ ہوتی ہے اور تمنا ممکن اور محال دونوں میں استعمال ہوتی ہے، کیوں کہ تمنا کی حقیقت میں شے کے حصول کی محبت پائی جاتی ہے خواہ اس کا انتظار ہو یا نہ اور عدمِ انتظار کے لئے لفظ ''لَیْتَ'' مختص ہے۔

جیسے:۔ لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ. کاش کہ جوانی لوٹ آئے۔

اور رجاء میں حصول کا انتظار ہوتا ہے حصول کا یقین نہیں ہوتا۔ نیز وہ چیز ممکن الحصول بھی ہوتی ہے۔ اس کے لئے پسندیدہ شے کی صورت میں لفظ ''لَعَلَّ'' خاص ہے۔

جیسے:۔ لَعَلَّ الْعَدُوُّ یَمُوْتُ. امید ہے کہ دشمن مر جائے گا۔

اس قسم کے الفاظ کو اسمائے نبویہ میں شامل کرنا محلِ نظر ہے۔

(کیوں کہ یہ لفظ اگر باب "سَمِعَ" "ضَرَبَ" اور "فَتَحَ" سے ہو تو معنی ہے بچے کا دودھ پینا۔
اور اگر باب "کَرُمَ" سے ہو تو معنی ہے لَئِیم ہونا، کمینہ ہونا)۔

امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم درج ذیل آیہ مبارکہ سے اخذ فرمایا ہے:۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔

ترجمہ: اور ضرور عنقریب آپ کو آپ کا رب عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

رَاضِی کا معنی ہے جو ملے اس پر قناعت کرنے والا۔ رضا سے یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

رنج وکرب میں بندے کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے ساتھ خدائی فیصلہ کو ناپسند نہ کرے۔

اور پروردگار کی بندے سے رضا کا معنی ہے کہ وہ اسے اپنے اوامر کو بجالانے والا اور منہیات سے رکنے والا دیکھے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس ارشادِ خداوندی کی تلاوت کی:۔

رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ
فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

ترجمہ: اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے جو میری پیروی کرے وہ میری جماعت سے ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو تو بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا تلاوت کی:۔

اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ.

ترجمہ: اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو یہ تیرے بندے ہیں۔

اس کے بعد اپنے دونوں مبارک ہاتھ بلند فرمائے اور یوں دعا مانگی:۔

اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیۡ اُمَّتِیۡ۔

ترجمہ: اے اللہ! میری امت میری امت۔

تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا:۔

اے جبریل! محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جاؤ اور کہو ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں راضی کریں گے ہم آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔

یہ اسم مبارک رَغِبَ اِلَیْہِ از باب سَمِعَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس کے مصدر یہ ہیں:۔

﴿۱﴾ رَغَبًا راء اور غین دونوں پر زبر ہے۔ ﴿۲﴾ رَغْبًا راء پر زبر۔

﴿۳﴾ رُغْبًا کبھی راء پر پیش بھی پڑھی جاتی ہے۔ ﴿۴﴾ رَغْبَاءُ صحراء کے وزن پر ہے۔

﴿۵﴾ رُغُوْبًا. ﴿۶﴾ رُغْبَانا. ﴿۷﴾ رُغْبَۃً راء پر پیش کے ساتھ۔ ﴿۸﴾ رُغَبَۃً غین پر زبر کے ساتھ۔

اس کا معنی ہے تضرع اور عاجزی۔ کبھی اس کا صلہ "فِیْ" آتا ہے اس صورت میں اس کا معنی ارادہ اور کسی شے کی حرص ہوتا ہے۔ رُغْبَۃ کا اصلی معنی وسعت والا ہونا، کشادہ ہونا ہے، اس معنی میں ہے:۔ حَوْضٌ رَغِیْبٌ۔ "وسیع حوض"۔

رُغْبَۃ کا معنی کثرتِ عطاء ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا اپنی رغبت صرف اسی کی طرف کیجئے اس کے سوا کسی اور طرف رغبت نہ کیجئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے جب تم اپنی نماز اور تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب کے حضور دردمندی کا اظہار کرو اور اپنی حاجت طلب کرو۔ اور فرمایا دوزخ سے ڈرتے ہوئے اور جنت کی طرف رغبت کرتے ہوئے اس کے دربار میں عاجزی کرو۔

حضرت ابن ابی عَبَلَۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فَرَغِّبْ (اپنی امت کو ترغیب دلایئے) پڑھا ہے۔ جو کہ تَرْغِیْب مصدر سے فعل امر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس سے صفتِ مشبہ رَغَبٌ ہے۔

اس کا معنی ہے ایسی ذات ستودہ صفات جس کے طفیل ان کی امت کی قدر و منزلت بلند ہوئی۔ اور انہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی پیروی کا شرف حاصل ہوا۔

یہ باری تعالیٰ کے اسماء سے بھی ہے جس کا معنی ہے وہ ذات جو مومنوں کو خوش بختی کے ساتھ رفعت عطاء کرتی ہے۔ اور کافروں کو پھٹکار کے ساتھ پست کرتی ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے، بَابُ الْاِسْرَاءِ میں اس پر کلام ہوگا۔

کتب سابقہ میں مذکور اسمائے نبویہ سے ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شعیا علیہ السلام جو کہ ذُوالکِفل کے نام سے معروف ہیں ان کی کتاب "نبوت شعیا" میں ہے:۔

مجھے کہا گیا کھڑے ہو کر نظارہ کرو دیکھو کیا نظر آ رہا ہے؟ اس کے بارے میں بتاؤ۔ میں نے کہا میں نے دو آتے ہوئے سوار دیکھے ہیں، ایک گدھے پر سوار ہے اور دوسرا اونٹ پر، پھر وہ اتر پڑا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا بابل اور اس کے بت گر پڑے، تو فرمایا گدھے پر سوار حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور اونٹ پر سوار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، کیوں کہ بابل کی سلطنت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور تلوار کے باعث ختم ہوئی جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کی مدد پر تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ یہی وجہ ہے کہ نجاشی کے پاس جب حضرت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچا وہ ایمان لے آیا تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت گدھے پر سواری کرنے والے کے بارے میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کی مانند ہے جو انہوں نے اونٹ سوار کے بارے میں دی تھی۔

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کوئی پوچھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اونٹ کی سواری کے لئے کیوں خاص کیا گیا حالاں کہ آپ نے گھوڑے اور گدھے پر بھی سواری کی تھی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اونٹ پر سواری کرنے والے سے مراد صرف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرب سے ہیں نہ کہ غیر عرب سے۔ کیوں کہ اونٹ عربوں کی سواری ہے جو ان کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ دوسری امتوں کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جاتی۔

یہ اسم گرامی راء کی زبر اور جیم کی زیر اور زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی گنگھریالے بالوں والا۔ گویا کہ ان پر کنگھی کی ہوئی ہے، یہ نہ ہی بالکل سیدھے اور نہ ہی شدید گنگھریالے بلکہ ان دونوں کی درمیانی حالت والے بالوں والا۔

صفاتِ نبوی میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

اس کا معنی ہے اپنے سوا ہر کسی سے فضیلت میں زیادتی والی شخصیت۔

یہ اسم "رُجْحَان" مصدر سے فعیل کے وزن پر ہے اور اسمِ فاعل کے معنوں میں ہے۔

ترازو کا ایک پلڑا اپنے اندر زیادتی کے باعث دوسرے سے جھک جائے تو اس حالت کو عربی میں یوں ادا کرتے ہیں:۔

رَجَحَ الْمِیْزَانُ یَرْجِحُ، مضارع کے صیغوں میں جیم کی زیر اور زبر کے ساتھ (نیز پیش کے ساتھ بھی وارد ہے)

یعنی وسیع ہتھیلی یا کثرت سے عطاء فرمانے والا۔

میں کہتا ہوں یہ دونوں صفات نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں موجود تھیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ مجدہ ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ۔(الانبیاء، آیت ۱۰۷)

ترجمہ: ہم نے آپ کوصرف سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کے لئے رحمت ہیں، مومنوں کے لئے ہدایت کے اعتبار سے رحمت ہیں، منافقین کے لئے قتل سے امان کی وجہ سے رحمت ہیں۔اور کافروں کے لئے عذاب میں تاخیر کے باعث رحمت ہیں۔

حضرت ابوبکر بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت کے ساتھ مزین فرمایا۔لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وجودِ اقدس رحمت ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل وصفات رحمت ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصال رحمت ہے۔

جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:۔

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔[1]

ترجمہ: میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا انتقال تمہارے لئے بہتر ہے۔

نیز فرمایا:۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ رَحْمَةً بِاُمَّةٍ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَّسَلَفًا۔

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی امت سے رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کو اس سے پہلے قبض فرمالیتا ہے اور اسے اس امت کے لئے فرط اور آگے جانے والا بنا دیتا ہے۔

﴿وضاحت﴾

فرط. فاء اور راء کی زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ایسا شخص جو مسافروں سے آگے آگے ہو اور ان کی ضرورت کی اشیا ان کے لئے مہیا کرے۔

---

[1] (۱) کشف الخفاء العجلونی ۱/۳۴۲

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ۔ [۱]

ترجمہ: میں صرف اللہ تعالیٰ کی عطاء فرمودہ رحمت ہوں۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے:۔

بُعِثْتُ رَحْمَةً مُهْدَاةً۔ [۲]

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ رحمت بن کر مبعوث ہوا ہوں۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ:۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں پر رحمت کی خاطر مبعوث فرمایا وہ اس کا بدلہ نہیں چاہتا۔ کیوں کہ ہدیہ پیش کرنے والا جب اس کا ہدیہ رحمت کے باعث ہو تو اس کے عوض کا مطالبہ نہیں کرتا۔

---

[۱] (۱) دلائل النبوہ البیہقی ۶/۲۹۹ (۲) البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ۶/۲۹۹.
(۳) الطبقات ابن سعد ۱/۱/۱۲۸ (۴) الکامل ابن عدی ۴/۱۵۴۶.

[۲] (۱) المعجم الصغیر الطبرانی ۱/۱۹۵ (۲) جامع بیان العلم وفضلہ ابن عبدالبر ۱/۱۵۴.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَاعَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ

(التوبۃ، آیت ۱۲۸)

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس ایک رسول تم میں سے آچکا، تمہیں تکلیف میں ڈالنے والی چیز ان پر شاق گذرتی ہے وہ تمہاری بہتری کے حریص ہیں اور مومنوں پر وہ رؤف اور رحیم ہیں۔

استاذ ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں اسماء اپنے ناموں سے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے۔ رافت کا معنی ہے شدید اور انتہائی رحمت۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رافت کی خاصیت یہ ہے کہ یہ ناپسندیدہ امور اور سختیوں کو دور کرتی ہے اور رحمت پسندیدہ امور کی طلب کرتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں رافت سے مشتق اسم کو رحمت سے مشتق اسم سے مقدم کیا گیا ہے۔

کلامِ عرب میں رحمت کا معنی میلان، شفقت اور رافت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ معنی صحیح ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مخلوق میں سب سے بڑھ کر رحم دل، مہربان، شفیق اور نرم دل تھے۔

لیکن یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں ناممکن ہے، تو تاویل کر کے اس کا لازم مراد لیا جائے گا اور وہ مرحوم کے لئے بہتری کا ارادہ، بندہ کو وہ ثواب عطا کرنا جس کا وہ مستحق نہ ہو اور سزا کی مستوجب چیز کو اس سے دور کرنا۔

شیخ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رافت اور رحمت کے درمیان فرق یہ ہے کہ رافت کی ابتداء ایسے احسان سے ہوتی ہے جو احسان کرنے والے کی شفقت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور رحمت کا آغاز ایسے احسان سے ہوتا ہے جس کا باعث مرحوم کی ضرورت اور احتیاج ہوتا ہے۔

شفقت نبوی کے باب میں اس کا مزید بیان آئے گا۔

بعثتِ نبوی کے باب میں اس پر کلام آئے گا۔

اِمَامُ الْخَیْر اسم مبارک کے ضمن میں مندرج حدیث مبارک میں یہ اسم گرامی بھی وارد ہے، اس کا معنی واضح ہے
کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت کے لئے بھیجا تھا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم

مَلاحِم ،مَلْحَمَۃٌ کی جمع ہے۔ جو میم کی زبر کے ساتھ اسم ظرف ہے جس کا معنی ہے ''قتال اور جنگ کا مقام'' یہ لفظ لُحمَۃُ الثَّوْبِ کپڑے کا بانا۔ کپڑے کا پیٹا، سے ماخوذ ہے، کیوں کہ لوگ جنگ میں یوں گتھم گتھا اور گڈ مڈ ہو جاتے ہیں جس طرح کپڑے کا بانا اس کے تانے میں گتھم گتھا ہو جاتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا یہ لَحم بمعنی گوشت سے ماخوذ ہے کیوں کہ میدانِ جنگ میں مقتولوں کے گوشت کی کثرت ہوتی ہے اس لئے اس کو مَلْحَمَۃٌ کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کرنے کا باعث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم جہاد اور تلوار سمیت مبعوث ہوئے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ "رُشْدٌ" سے فَعِیلٌ کے وزن پر اسم ہے، رُشْد راء کی پیش اور شین کے سکون نیز اس کی زبر کے ساتھ ہے۔ دوسرا مصدر پہلے کی نسبت زیادہ خاص ہے کیوں کہ دنیوی اور اُخروی امور کے بارے میں ایہ "رُشَد" لفظ بولا جاتا ہے اور پہلا "رُشْد" صرف اخروی امور کے بارے میں طلاق پاتا ہے۔

اور اس کا معنی ہے معاملات میں ثابت قدمی۔

اور رَشِید رَاشِد کے معنی میں ہے یہ سیدھا استقامت والا، یا یہ مُرشِد کے معنی میں ہے یعنی ہدایت کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (الشوریٰ، آیت/۵۲)

ترجمہ: آپ یقیناً راہِ راست کی طرف رہبری کرتے ہیں۔

یعنی مضبوط دین کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے فرمایا:۔

حَلِیْمٌ، رَشِیْدٌ، عَادِلٌ، غَیْرُ طَائِشٍ ــــــ یُوَالِیْ اِلٰھًا لَیْسَ عَنْہُ بِغَافِلٍ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بردبار، ہدایت کرنے والے، عدل وانصاف کے خوگر اور طیش میں آنے والے نہیں ہیں، وہ معبودِ برحق سے محبت کرتے ہیں اور اس پاک ذات سے غفلت نہیں برتتے۔

یہ اسمائے الٰہیہ میں بھی شامل ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہے وہ ذات جو اپنی تدابیر کو بغیر کسی کے مشورہ اور راہنمائی کے آخر تک انتہائی پختگی کے ساتھ پہنچاتی ہے یا وہ ذات جو مخلوق کو ان کی بہتریوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے ''رضا والا'' یا اس کا معنی ہے ''اللہ تعالٰی کی اپنے بندوں پر رضا''۔
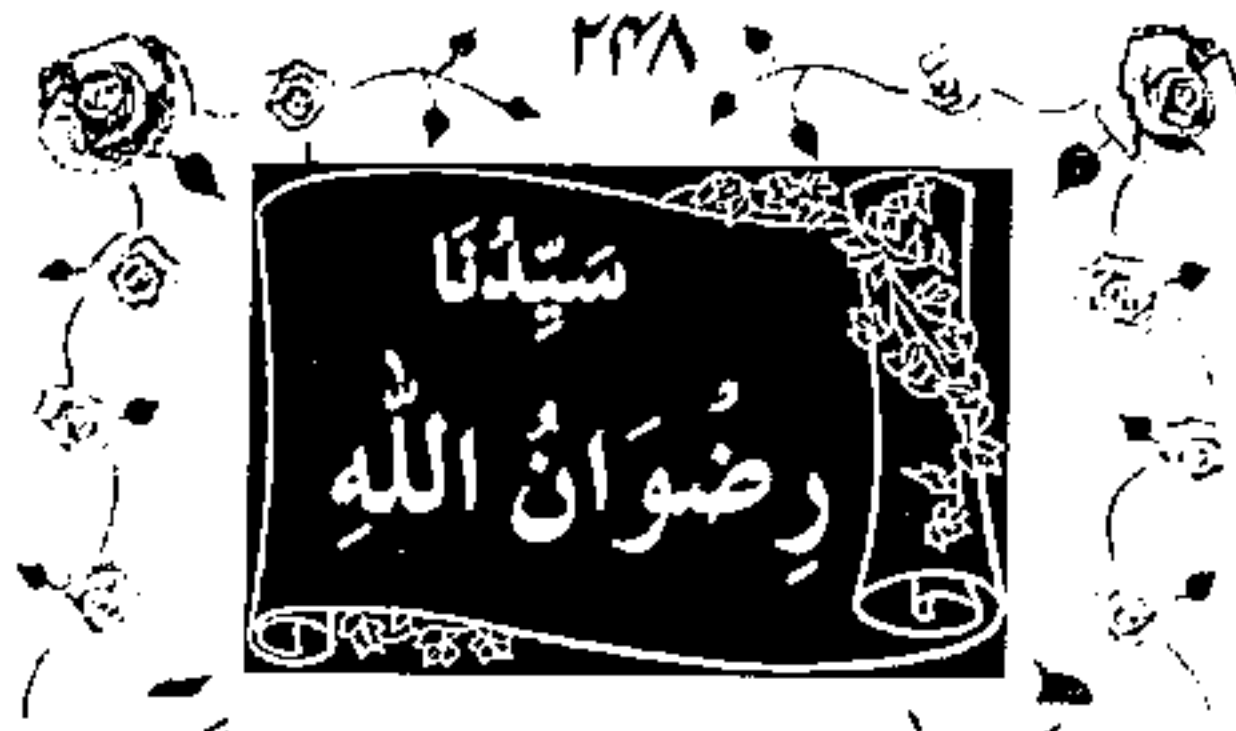
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

رضوان راء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا ہیں، قرآن مجید میں ہے:۔

یَھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ. (المائدۃ، آیت ۱۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے اسے جو اس کی رضا کی پیروی کرے۔

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ:۔ رِضْوَانَہٗ سے مراد اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم فَعِیْلٌ کے وزن پر باب افعال کے اسم فاعل (مُفْعِلٌ) کے معنوں میں ہے۔

یہ رِفْقٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مہربانی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ مہربانی فرمانے میں نہایت عالی تھا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

قرآنِ مجید میں ہے:۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ۔(الانشراح، آیت/۴)

ترجمہ: ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند فرمادیا۔

امام ابن حِبّان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبُّکَ یَقُوْلُ تَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ؟ قَالَ:. اَللّٰہُ اَعْلَمُ قَالَ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ۔ لے

ترجمہ: میرے پاس جبریل آیا اس نے پوچھا آپ کا رب فرماتا ہے کیا آپ کو پتہ ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا ذکر بلند کیا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میرا ذکر ہوگا آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ کیا جائے گا۔

علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی ہے ''برتر یا غیر سے درجات میں فائق''۔

یا:۔ رَفِیْعُ الذِّکْرِ کا معنی ہے مَرْفُوْعُ الذِّکْرِ (جس کا ذکر بلند کیا گیا ہو)۔

یا اس کا معنی ہے کفر وعصیان کی پستی میں گرنے کے بعد اس امت کو ایمان کی بدولت بلندی ورفعت عطاء فرمانے والی ذات، اس صورت میں رفیع بمعنی رافع ہوگا۔

رَفِیْعٌ اسمائے باری تعالیٰ سے بھی ہے۔

لے (۱) الصحیح، ابنِ حِبّان (۱۷۷۲) (۲) التفسیر الطبری ۱۵۱/۳۰. (۳) مجمع الزوائد ۲۵۷/۸

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم گرامی درج ذیل آیت مبارکہ سے استنباط کیا ہے:۔۔

وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ۔(الانعام،آیت/۱۶۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت بخشی ہے۔

اس سے مراد ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ سراپا برکات ہے۔

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یونہی فرمایا ہے:۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان عجیب وغریب فضیلتوں سے خاص فرما کر رفعت عطاء فرمائی ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی اور نبی کو عطاء نہیں کی گئیں۔

خصائص نبوی کے باب میں اس کی وضاحت آئے گی۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

رَقِیبٌ کا معنی ہے وہ ذات جو چیزوں کی نگرانی اور حفاظت کرے۔

یہ فَعِیلٌ کے وزن پر ہے جو فاعل کے معنوں میں ہے، اور مُرَاقَبَة سے ماخوذ ہے، مراقبہ کا معنی ہے ''حفاظت''۔
عربی میں کہا جاتا ہے رَقَبْتُ الشَّیْئَ (میں نے شے کی حفاظت کی) اَرْقُبُہٗ میں اس کی حفاظت کرتا ہوں یا کروں گا۔ یہ جملے اس وقت بولے جاتے ہیں جب اس شے کی رعایت کی جائے۔ یا: ۔رَقِیبٌ کا معنی ہے ''عالم''۔
یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے دلوں کی باتوں کی اطلاع رکھنے والا، باطن کے معاملات کو جاننے والا۔
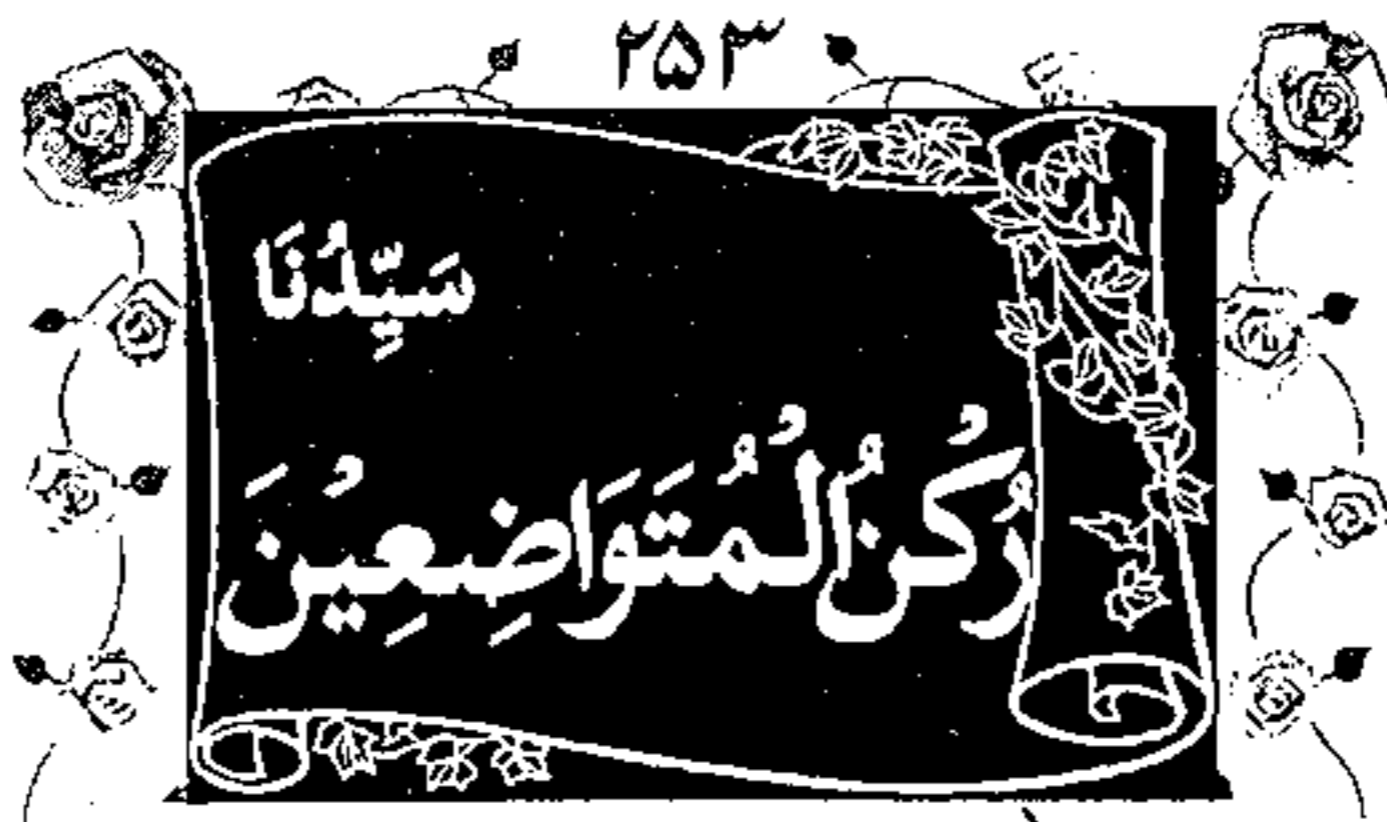
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم گرامی حضرت شَعْیَا علیہ السلام کی کتاب میں وارد ہے جیسا کہ ''تورات اور انجیل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کی وصل میں گزر چکا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسلَّمَ

یہ رُھبٌ بمعنی خوف سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ رُھبٌ راء پر پیش اور ہا پر سکون کے ساتھ ہے۔ یہ "تَرَھُب" سے ماخوذ نہیں، کیوں کہ مبالغہ کے اوزان غالبا صرف ثلاثی مجرد سے بنائے جاتے ہیں۔ نیز حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رھبانیت سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کو اپنی صفت قرار نہیں دے سکتے، حدیث پاک میں ہے:۔

وَاجعَلنِی شَکّارًا لَکَ رَھَّابًا۔

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اپنا کثرت سے شکر کرنے والا اور کثرت سے ڈرنے والا بنا۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

روح حقیقت میں وہ شے ہے جس کے ساتھ جسم قائم ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، قرآن مجید، حضرت جبریل علیہ السلام اور وحی کو روح کا نام دیا گیا ہے، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک مخلوق کی گمراہی کے باعث موت کے بعد، ہدایت کے ساتھ ان کی زندگی کا باعث ہے، نیز ان سے عذاب کو دور کرنے والا ہے جس طرح جسم روح کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ.

ترجمہ: جس دن روح کھڑی ہوگی۔

روح کی تفسیر میں مختلف قول ہیں:۔

﴿۱﴾ اس سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

﴿۲﴾ روح سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں۔

ان دو کے علاوہ بھی اس بارے میں اقوال موجود ہیں۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ دونوں نام انجیل میں وارد ہیں۔

رُوْحُ الْقُدُسِ کا معنیٰ مقدس روح یعنی گندگیوں سے پاک روح۔ یہ اسم موصوف کی صفت کی جانب اضافت کے باب سے ہے۔ حق سے مراد یا تو ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس صورت میں روح کی ذات باری تعالیٰ کی طرف اضافت اظہارِ شرافت کے لئے ہوگی۔ جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کا نام دیا گیا ہے۔ یا حق سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس صورت میں یہ اضافت بیانیہ ہوگی۔ یعنی روح جو کہ حق ہیں۔

حرف☆☆☆زاء

یہ زَجْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جس کا معنی ہے ''روکنا منع کرنا''۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے گناہوں سے روکتے اور منع فرماتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَیَنْھَاھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ۔

ترجمہ: وہ ان کو برائی سے روکتے ہیں۔

اس کا معنی ہے ''چمک دار رنگت والی ذات، روشن چہرے والی شخصیت''۔

علامہ کسائی رحمۃ اللہ علیہ کی ''قَصَصُ الْاَنْبِیَاء'' میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ:۔

محمد مصطفیٰ چمک دار ستارے ہیں۔

یہ کتب سابقہ میں مذکور اسماء سے ہے۔ زُھْدٌ، رَغْبَت کا الٹ ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس کا معنی ''حرام کو چھوڑ دینا'' ہے، کیوں کہ حلال تو مباح ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ زہد حرام میں واجب ہے اور حلال میں باعث فضیلت ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلزَّهَادَةُ فِی الدُّنْیَا لَیْسَتْ بِتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ وَلَا اِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنِ الزَّهَادَةَ فِی الدُّنْیَا اَنْ لَّاتَكُوْنَ بِمَا فِیْ یَدَیْکَ اَوْثَقَ مِمَّا فِیْ یَدِ اللّٰهِ. وَاَنْ تَكُوْنَ فِیْ ثَوَابِ الْمُصِیْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِیْهَا لَوْ اَنَّهَا بَقِیَتْ لَهَا۔ [۱]

ترجمہ: دنیا میں زہد حلال اشیاء کو حرام قرار دینا نہیں ہے اور نہ ہی یہ مال کو ضائع کرنے کا نام ہے، لیکن دنیا میں زہد یہ ہے کہ جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اس پر تیرا وثوق اس سے بڑھ کر نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، نیز جو مصیبت تجھے پہنچی اس کے ثواب میں تیری رغبت اس صورت سے بڑھ کر ہو جس میں تو اس مصیبت میں مبتلا ہونے کے لئے بچا لیا جاتا۔

زہدِ نبوی کے باب میں اس پر کافی بحث ہوگی۔

---

۱ (۱) الجامع الترمذی (۲۳۴۰)
(۲) کنز العمال المتقی (۶۰۵۹)

اس کا معنی ہے ''حسین اور چمکدار، یا اس کا معنی ہے وہ ہستی جس کا معاملہ واضح ہو، جس کی دلیل عیاں ہو''۔ ہدایت اور جواں مردی کے علامات کے باعث برتر ہو اور منصب نبوت کے لئے نامناسب امور سے منزہ ہو۔

زَعِیۡمٌ کا معنی ہے کفیل، معاملات کا ذمہ دار یا روزِ قیامت امت کی کامیابی کا ضامن۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَنَا زَعِیۡمُ بَیۡتٍ فِیۡ رَبَضِ الۡجَنَّۃِ لِمَنۡ تَرَکَ الۡمِرَاءَ وَھُوَ مُحِقٌّ۔

ترجمہ: میں اس شخص کے لئے جنت کے درمیان گھر کا ضامن ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے کو چھوڑ دے۔

رَبَضٌ، راء اور باء پر زبر اور آخر میں ضاد کے ساتھ اس کا معنی ہے جنت کی زمین۔

یہ رَبَضُ الۡمَدِیۡنَۃِ کے ساتھ تشبیہ ہے جس کا معنی ہے شہر کا اردگرد۔

شیخ عبدالباسط بُلْقِينِي رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی پاک اور بابرکت ہے۔

یہ "زَكٰوة" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے "بڑھنا اور پاک ہونا"۔

سَطِيح نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت میں جیسا کہ "بَابُ الْمنَامَات" میں گزر چکا ہے، کہا:۔

ذِی یَزن کے ملک کو برتر واعلیٰ رب کی طرف سے پاکیزہ وحی والا ایک نبی قطع کردے گا۔

علامہ ابنِ دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم مبارک درج ذیل آیت سے اخذ فرمایا ہے:۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ ۔(البقرة، آیت/۱۵۱)

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ درست نہیں، کیوں کہ "زَكّٰی" سے اسم فاعل "مُزَكِّیْ" آتا ہے نہ کہ زَكِیٌّ

ہاں یہ نام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں صحیح ہے۔

اس کا معنی ہے پاک۔ عربی میں کہا جاتا ہے:۔

زَكَّاهُ۔ اس کا معنی ہے اس نے اسے پاک کیا۔

یہ اسم زاء پرزبر کے ساتھ کَتِف کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے ''زَلِیْف'' لام کے بعد یاء کے ساتھ اس کا معنی ہے تقدُّم والا، قریب۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس نام کی وجہ یہ ہے انبیائے کرام سے فضل اور شرف کے اعتبار سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مقدم ہیں۔ یا اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم درجہ میں اپنے مولیٰ کے قریب ہیں۔

یہ زَلَفٌ سے مشتق ہے جس کا معنی قرب اور تقدُّم ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ اسم زَمْزَم کی طرف منسوب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کیلئے پانی کا ذخیرہ ہے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف منسوب ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس کا معنی ہے ''خوبصورت، صورت اور سیرت ہر دو اعتبار سے کامل''۔

لغت میں یہ لفظ ''شَین'' (عیب)'' کی ضد ہے۔

یہ اسم مبارک حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

معجزات کے باب میں ''گوہ'' کی حدیث میں اس کا یہ کلام آئے گا:۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سلام ہو اے وہ ہستی! جو قیامت میں آنے والوں کے لئے باعث زینت ہے۔

حرف ☆☆☆ سین

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مرفوع حدیث میں ہے:۔

اَلسُّبَّاقُ اَرْبَعَۃٌ اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ وَصُھَیْبٌ سَابِقُ الرُّوْمِ وَسَلْمَانُ سَابِقُ الْفُرْسِ وَبِلَالٌ سَابِقُ الْحَبْشَۃِ۔

ترجمہ: چار افراد سبقت لے جانے والے ہیں۔ میں عربوں سے سبقت لے جانے والا ہوں۔ صہیب روم سے آگے بڑھ جانے والے ہیں۔ سلمان ایران کے لوگوں سے آگے بڑھ جانے والے ہیں اور بلال حبشی لوگوں میں سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

یہ سَبْقٌ بمعنی تقدُّم (آگے بڑھ جانا) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اور کبھی حصولِ فضیلت میں پہل کر جانے کے معنوں میں مجازاً استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْن.

ترجمہ: اور سبقت حاصل کرنے والے ہی سبقت لے جانے والے ہیں۔

میں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اس صورت میں سَابِقْ کا معنی ہے وہ صاحبِ اخلاص جس نے اپنے مولیٰ تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کی، صحراؤں کو اس کی رضا کی خاطر قطع کیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ جس نے آغازِ کار ہی نیکی کو اپنا لیا اور اس پر مداومت اختیار کر لی، ایسے شخص کو سابق کہتے ہیں۔

﴿۲﴾ جس نے اپنی عمر کا آغاز گناہ اور غفلت میں گزارا پھر توبہ کر کے اس حالت پر پلٹ آیا ایسے لوگوں کو اَصْحَابُ الْیَمِیْن کہتے ہیں۔

﴿۳﴾ جس نے آغازِ کار سے برائی کو اپنایا پھر مرنے تک اسی حالت پر برقرار رہا ایسے افراد اَصْحَابُ الشِّمَال کہلاتے ہیں۔

یا اس اسم گرامی کا معنی یہ ہے کہ:۔
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باقی مخلوق سے جنت کا دروازہ کھولنے میں پہل کریں گے۔

اس کا معنی عاجزی کرنے والا، اطاعت گزار۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ان آیات سے اخذ فرمایا ہے:۔

﴿۱﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْلَهٗ.

ترجمہ: رات کو اسے سجدہ کیجئے۔

﴿۲﴾ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ.

ترجمہ: سجدہ کرنے والوں سے ہوجایئے۔

اس کا معنی ہے "ان کے ہمراہ اپنی عبادت اور عاجزی پر مداومت اختیار کیجئے"۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
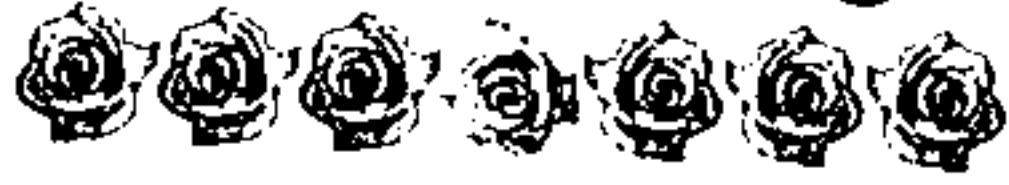
علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نام اس آیت مبارکہ سے اخذ کیا ہے:۔

وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

ترجمہ: اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔

ایک قول کی رو سے یہاں پر سبیل اللہ سے مراد حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ علامہ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سبیل اللہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے رستہ ہیں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تک پہنچانے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ.

ترجمہ: جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے رکے رہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کو چھپایا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

اس اسم کا تلفّظ سین پر زبر اور باء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے سیدھے بالوں والا۔
جیسا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور بالوں کی کیفیت میں آئے گا۔

۲۷۳
سَیِّدُنا
سَخِیٌّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

اس کا معنی ہے کرم فرمانے والی ذات۔

یہ سخاء الف ممدودہ کے ساتھ، مصدر سے صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے کرم۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اس اسم کے تمام حروف نقطوں سے خالی ہیں۔ سَدَادٌ بمعنی استقامت مصدر سے فعیل کے وزن پر، اسم فاعل کے معنوں میں ہے۔ یا:۔ بابِ تَفْعِیل سے اسم فاعل یعنی مُفَعِّلٌ کے معنوں میں ہے۔ اس صورت میں اس اسم کا معنی ہوگا دنیا میں اپنے امت کے رخنوں کو ان کے معاملات کی اصلاح کے ساتھ درست کرنے والے، اور آخرت میں ان کے خللوں کی پیوندکاری کرنے والے۔

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنَاکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا، ڈرسنانے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اذن سے دعوت دینے والا اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا ہے۔

سِرَاج سے مراد حجت و دلیل یا ہدایت کرنے والا یا چراغ یا سورج ہے۔

سِرَاج نام سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کرنے کا باعث یہ ہے کہ دنیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے منور ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے کفر اور اس کی تاریکیاں کافور ہوگئیں۔ سورج کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے تشبیہ دی گئی کہ سورج تمام نورانی اجسام سے بڑھ کر روشن ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سِــرَاج کہنے کی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دین باقی ادیان میں ایسا ہے جیسا کہ تاریک رات میں چراغ جل رہا ہو۔

کسی نے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ نبوت کے ساتھ بصیرتوں کے انوار کو اس طرح مدد بہم پہنچائی جس طرح کہ چراغ آنکھوں کے نور کے لئے مددگار بنتا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سِرَاج سے تشبیہ دی گئی اس سے زیادہ منور اشیا اگرچہ موجود ہیں ان سے تشبیہ نہ دی گئی، جیسا کہ سورج۔ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر سراج سے مراد سورج ہی ہے۔ یا اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اس زمانہ میں ہوئی جو اپنے کفر اور جہالت کی تاریکیوں کے باعث شب کے مشابہ تھا تو آپ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت اور یقین کے نور کے ساتھ ان تاریکیوں کو دور فرمادیا۔

قاضی ابو بکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے علماء نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی سراج ہونے کا سبب یہ ہے کہ جس طرح ایک چراغ سے بہت سے چراغ روشن کیئے جاسکتے ہیں اور اس سے اس کی روشنی کچھ بھی کم نہیں پڑتی۔ اسی طرح طاعات کے سارے چراغ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چراغ سے روشن ہیں لیکن اس عمل سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہے۔

انہوں نے کہا سورج کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشبیہ کی چند وجوہات درج ذیل ہیں۔

﴿۱﴾ اس کے طلوع سے پہلے فجر اوّل (صبحِ کاذب) اور فجر ثانی (صبحِ صادق) اس کے طلوع کی خوش خبری دیتی ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے انبیاء و مرسلین نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوش خبری سنائی اور آسمانی کتابوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کیئے۔

﴿۲﴾ سورج میں جلانے کا وصف اور روشنی ہوتی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے نور سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اولیاء کے دل منور ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار وہ آگ تھی جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کے دل جل گئے۔

﴿۳﴾ سورج میں راہنمائی اور ہدایت ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گمراہی سے ہدایت دی اور رشد و ہدایت کی طرف راہنمائی کی۔

﴿۴﴾ سورج آسمانی انوار کا سردار ہے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انبیائے کرام کے سردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت منیر بیان کی ہے اور جب سورج کا نام سراج رکھا تو یہ صفت اس کے لئے بیان نہ فرمائی۔ اس کا باعث یہ ہے کہ سورج تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ نیز سورج کی حکومت صرف دنیا میں ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نور اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حکمرانی دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں اس سے بڑھ کر ہوگی۔

مُنِیْرٌ "اَنَارَ" "یُنِیْرُ"، اِنَارَةً سے مُفْعِلٌ کے وزن پر اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ نور ہی کی طرف راجع ہے۔

اس پر کلام حرف صاد میں آئے گی۔

اس اسم مبارک کو علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور فرمایا یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سریانی زبان میں نام ہے اس کا معنی وہی ہے جو "برقلیطس" کا ہے، اور گزر چکا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے اپنے پروردگار کی اطاعت میں جلدی کرنے والے یا اوروں سے سبقت لے جانے والے، یا اس کا معنی ہے شدید (سخت) چناں چہ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ.

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

سَرِیْعُ الْعِقَاب کا معنی سخت عذاب کرنے والا ہے جلدی عذاب کرنے والا نہیں ہے کیوں کہ یہ رب تعالیٰ کی صفتِ حلم کے منافی ہے۔ حلیم کا معنی جس طرح پہلے بیان ہو چکا یہ ہے وہ ذات جو نافرمانی کرنے والے کو جلدی عذاب نہیں دیتی۔ ایک قول کی رو سے اس آیت کا معنی ہے کہ جب عذاب کا وقت آجاتا ہے تو جلد عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم ذکر کیا ہے۔

۲۸۱

سیدنا

سَعِیْدٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک سَعْد مصدر سے فَعِیْلٌ بمعنی اسم فاعل ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل سے سعادت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ میں کررکھی ہے۔ اور ساری امتوں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو سیادت عطاء فرمارکھی ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے عیب سے پاک اور شک سے منزہ، یہ دراصل سلامت ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ نام ہونے کا باعث ہے کہ یہ امت بلکہ اس امت کے علاوہ باقی مخلوق آپ کے وجود کی برکت سے عذاب اور سزا سے محفوظ اور سالم ہیں۔ یا اس نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نقص وعیب سے سالم اور کجی اور شک سے بری ہیں۔

یہ اسم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے اس صورت میں ایک قول کی رو سے اس کا معنی ہے وہ ذات جو عیب سے سالم، جس کی صفات نقص اور زنگ سے برتر ہوں۔

دوسرے قول کی رو سے اس کا معنی ہے بندوں کو ہلاکتوں سے بچانے کا مالک۔ اس کا مفہوم قدرت کی جانب راجح ہے۔

تیسرے قول کے مطابق اس کا معنی ہے مومنوں پر جنت میں سلام کہنے والا۔ اس کا مفہوم کلام قدیم ازلی کی طرف راجع ہے۔ حضرت امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے

چوتھے قول کے مطابق اس کا معنی ہے وہ ذات جس کی مخلوق اس کے ظلم سے بچی ہوئی ہو۔

پانچویں قول کے مطابق اس کا معنی ہے وہ ذات کہ مومن اس کے عذاب سے بچے رہیں۔

چھٹے قول کی رو سے اس کا معنی ہے برگزیدہ بندوں پر سلام کہنے والا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

ترجمہ: اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ پہلے اور چوتھے قول کے مطابق درست ہے، یہ واضح ہے، پانچویں قول کے مطابق بھی درست ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کو اپنی ہدایت کے باعث عذاب سے بچانے والے ہیں۔ تیسرے اور چھٹے قول کے مطابق بھی اس اسم کا استعمال نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بعید نہیں ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے بادشاہ، حجت اور قوی دلیل۔ برہان کے معنی ہونے کی صورت میں اس کو مذکر استعمال کرنا زیادہ مشہور ہے۔

امام ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کہا ہے اور یہی قرآن کی لغت ہے۔ اور حجت معنی قرار دے کر کبھی اس کو مونث کے طور پر بھی لایا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے:۔

قَضَتْ بِہٖ عَلَیْکَ السُّلْطَانُ.

(دلیل وحجت نے تیرے خلاف یہ فیصلہ کیا ہے)

قاموس میں ہے سلطان کا معنی حجت، بادشاہ کی قدرت ہے۔

اس کے لام پر پیش بھی پڑھا جاتا ہے اس کا معنی والی بھی ہے۔ یہ مونث کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ سَلِیط کی جمع ہے جس کا معنی ہے "گھی" ملک اس سے چمک اٹھتا ہے، یا مونث کے طور پر استعمال کی وجہ یہ ہے کہ یہ حجت کے معنوں میں ہے۔ اور مرد کے لئے استعمال کی وجہ سے کبھی مذکر کے طور پر بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کا باعث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات آخرت میں بندوں پر حجت اور دنیا میں قوی دلیل ہے۔ نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذو سلطان بمعنی صاحبِ مِلک وقوت ہیں۔

یہ لفظ سَلَاطَۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے قہر اور غلبہ کے ساتھ قابو پانا۔

فصیح آدمی کو اسی لئے سَلِیط کہتے ہیں کیوں کہ وہ کلام کے مختلف اصناف پر قدرت رکھتا ہے۔

اور شور مچانے والی عورت کو سَلِیْطَة کہتے ہیں کیوں اس کو گفتگو کی طاقت ہوتی ہے نیز یہ مردوں پر سخت گرفت کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ سَلِیْط جیسا کہ قاموس اور دوسری کتابوں میں ہے مردوں کے لئے مدح کا کلمہ ہے اور عورتوں کے لئے مذمت کا۔

علامہ عبدالباسط زینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک پہیلی تیار کی ہے جو یہ ہے:۔

یَـــا اِمَـــامَ الْاَنَـــامِ اَیَّةُ وَصْفٍ ‏ ‏ ‏ ‏ اِنْ یَّـکُـنْ لِـلـذُّکُوْرِ فَھُـوَ مَـدِیْـحٌ

وَاِذَا مَـــا بِـــهِ الْاَنَـــاثُ نَـعَتْـنَـا ‏ ‏ ‏ ‏ فَھُـــوَ فِـــیْ نَــعْتِھِــنَّ ذَمٌّ قَبِیْـحٌ

ترجمہ: اے لوگوں کے امام! وہ کون سا وصف ہے جو اگر مردوں کے لئے ہو تو وہ ان کے لئے مدح قرار پاتا ہے اور جب ہم اسی لفظ سے عورتوں کی تعریف کریں تو یہ لفظ ان کے وصف میں بُری مذمت بن جاتا ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ سَمْعٌ مصدر سے فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم ہے جو اسم فاعل کے معنوں میں ہے۔

سَمْعٌ (کان) ظاہری حواسِ خمسہ میں سے ایک ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (بنی اسرائیل، آیت/ ۱)

ترجمہ: تاکہ ہم آپ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ضمیر "هُوَ" حضور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اس نام سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے یاد کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے سفر کے دوران اپنے مولیٰ تعالیٰ کے کلام کی سماعت سے مشرف ہوئے تھے۔ یہ اسمائے باری تعالیٰ میں بھی شامل ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے وہ ذات جو راز اور اس سے بھی مخفی تر حقیقت کو سن لیتی ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی صفتِ سمع کا تعلق مسموعات سے ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے عالی یہ سُمُوٌّ سے ماخوذ ہے جس کا معنی "عُلُوٌّ" (برتری، بلندی) ہے۔

آسمان کو بھی سَمَآء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بلند اور برتر ہوتے ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ چمکنے والی روشنی اور تاباں نور۔ اگر اسے الف ممدودہ کے ساتھ پڑھیں تو معنی ہوگا شرف اور علو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس امت کا شرف اور فخر ہیں۔ یا اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم "صاحبِ شرف" ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ لفظ سین، نون اور دال کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے:۔

"کبیر، ایسا صاحبِ جلالت جس پر اعتماد کیا جائے، اس کا قصد کر کے لوگ آئیں اور اس کی پناہ لی جائے"۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی میں درج ذیل اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ ایسا سردار جس کی اتباع کی جائے اور جس کی بات کو آخری مانا جائے۔

﴿۲﴾ جس سے پناہ لی جائے لوگ اپنی ضرورتوں میں اس کے محتاج ہوں۔

﴿۳﴾ جو اپنے رب کی اطاعت کرے۔

﴿۴﴾ فقیہ، عالم۔

﴿۵﴾ جو علم، عبادت اور تقویٰ میں سردار ہو۔

﴿۶﴾ جو ہر معاملہ میں اپنے ہم عصروں سے فائق ہو۔

اس کے معانی میں ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تمام مذکور معانی کے اعتبار سے سید ہیں۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ میں سے بھی ہے۔

علامہ نحاس علیہ الرحمۃ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی مخلوق پر یہ نکرہ کے انداز میں استعمال ہوتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زیادہ واضح امر یہ ہے کہ اس کا اطلاق لامِ تعریف کے ساتھ اور اس کے بغیر اس ذات پر ہوتا ہے جو علم اور صلاح میں شہرت رکھتی ہو، اس کے بغیر اس کا استعمال ناپسندیدہ ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت بُرَیْدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلْفَاسِقِ یَاسَیِّدُ اَغْضَبَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ ۔[1]

ترجمہ: جب کوئی شخص کسی فاسق کو "یَاسَیِّد" کہہ کر پکارتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو غضب ناک بنادیتا ہے۔

﴿تنبیہ﴾ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مُطَرِّف بن عبداللّٰہ بن شَخِّیر سے انہوں نے اپنے والد ماجد سے روایت کی کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا وہ کہنے لگا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریش کے سردار ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سردار تو اللہ تعالیٰ ہے۔[2]

اسم "سَیِّدُ النَّاس" کے ضمن میں اس اشکال کا جواب مذکور ہوگا۔

---

[1] (۱) المستدرک الحاکم ۳۱۱/۴ (۲) التاریخ الخطیب ۴۵۴/۵۔ (۳) الزھد ابن مبارک ۵۱/۲۔

[2] (۱) السنن ابو داؤد ۴۸۰۶ (۲) المسند احمد ۲۴،۴۔ (۳) الطبقات ابن سعد ۵۲/۱/۱ (۴) الکامل ابن عدی ۵۹۲/۲۔

ثَقَلَیْن سے مراد انسان اور جن ہیں۔ چوں کہ یہ دونوں قسم کی مخلوق زمین پر بوجھ کی مانند ہیں، اس لئے ان کو ثقلَیْن کہا جاتا ہے (ثقل کا معنیٰ بوجھ ہے)۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کو اس نام سے یاد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان ہر دو مخلوق کو باقی حیوانات پر تمیز کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے، اور ہر وہ شے جس کا وزن اور مرتبہ ہو اور جس کی طرف رغبت کی جاتی ہو اسے ثَقِیل کہتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَنَاسَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

ترجمہ: میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا۔

حدیثِ شفاعت میں ہے:

اَنَاسَیِّدُالنَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ هَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّ ذَاکَ؟ یَجْمَعُ اللّٰہُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ فِیْ صَعِیْدٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ: روز قیامت میں لوگوں کا سردار ہوں گا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کیوں کر ہوگا؟۔ اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو ایک زمین میں جمع فرمادے گا۔

اس پوری حدیث میں انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس پھر پھرا کر لوگوں کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنا مذکور ہے، وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نفسی نفسی کہتے ہوں گے۔

علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث میں سَیِّدُ النَّاسِ کے ساتھ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کی قید مذکور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روز ہر کسی پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت عیاں ہوجائے گی وہاں کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑا کرنے والا یا عناد کرنے والا باقی نہ ہوگا۔ دنیا کا حال اس کے برعکس ہے کیوں دنیا میں کافر بادشاہوں اور سرداروں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس معاملہ میں نزاع کیا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ.

ترجمہ: میں لوگوں کا سردار ہوں۔

لیکن اس روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

وَلَا فَخْرَ.

اس کا معنی یہ ہے کہ اس فخر سے بڑھ کر کامل تر کوئی اور فخر نہیں ہے یہ فخر مجھے عطاء کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ فضیلت جو مجھے حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان وفضل ہے میں نے اپنی ذات سے اسے حاصل نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس فضیلت تک اپنی قوت سے پہنچا ہوں، تو مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس پر فخر کروں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ مفہوم درج ذیل آیت کے معنوں کے قریب ہے:۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ. (المؤمن، آیت/۱٦)

ترجمہ: آج کس کی بادشاہت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بادشاہت تو آج بھی ہے اور آج کے بعد بھی باقی رہے گی۔ لیکن دنیا میں چوں کہ اس کے کچھ دعویدار ہیں اور کئی لوگوں کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے اور آخرت میں یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور اس کی حکومت باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبیخ کے لئے یہ فرمائے گا جو یہ گمان کیا کرتا تھا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی دو وجوہ ہیں:۔

﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ.

ترجمہ: اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے۔

﴿۲﴾ یہ ان توضیحات سے ہے جن کی اپنی امت کو تبلیغ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھی، تاکہ اسے جان لیں اور اس کا اعتقاد رکھیں۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشادِ مبارک ہے:۔

لَاتُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی.

ترجمہ: مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔

اور ایک روایت میں "عَلٰی یُوْنُسَ (حضرت یونس علیہ السلام پر مجھے فضیلت نہ دو) وارد ہے۔
یہ یا تو اس زمانہ کی بات ہے جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا سَیِّدُ النَّاسِ ہونا معلوم نہ تھا۔
یا ادب کی خاطر ہے یا تواضع کی بنا پر ہے۔
یا اس حدیث میں تفضیل سے مراد وہ تفضیل ہے جو اس ہستی کی تنقیص تک پہنچا دے جس پر فضیلت ثابت ہے۔
یا جس کا انجام جھگڑا ہو۔ یا اس سے مراد نفس نبوت میں تفضیل ہے خصائص وکمالات میں تفضیل مراد نہیں ہے۔
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انبیائے کرام میں باہمی فضیلت کا اعتقاد ضروری ہے، کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ. (البقرۃ، آیت/۲۵۳)

ترجمہ: یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطاء کی ہے۔
اس بحث کا تتمہ خصائص نبویہ اور کتاب کے آخر میں حدیث شفاعت کے ضمن میں آئے گا۔

صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ حضرت کعب بن زُھَیر رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوی میں قصیدہ "بانت سعاد" پڑھا جب آپ اس شعر پر پہنچے:۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ مُھَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ الْھِنْدِ مَسْلُوْلُ

ترجمہ: بے شک حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہندوستان کی سونتی ہوئی تیز تلواروں میں سے ایک ہیں جس سے ضیاء حاصل کی جاتی ہے۔

تو حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں اصلاح فرمائی:۔

مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تلواروں سے۔

سَیْفٌ (تلوار) کا اصلی معنی معروف ہے۔ اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی جیسا کہ قاموس میں ہے ایک ہزار سے زائد ہیں۔ اس کی جمع اَسْیَاف، سُیُوْف اور اَسْیُفٌ آتی ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حضرت شیخ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ اسم خاء اور ذال کے ساتھ مُعَظَّمٌ کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی ہے ''کاٹنے والی گزر جانے والی'' اس اسم مبارک میں استعارہ مرشحہ ہے کیوں کہ یہ وصف حقیقی تلوار کے مناسب ہے جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جو نہایت بلیغ تشبیہ ہے۔ اور دونوں کے درمیان وصفِ مشترک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ تلوار سے حملہ کرنے والے اور جھگڑا کرنے والے کو مٹا دیتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے دینِ حق کو غالب فرمایا اور باطل کو مرغ بسمل کی طرح بنا دیا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام دَیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عَرفَجَة بن شُرَیح رضی اللہ عنہ سے مرفوعاروایت کی:

اَنَا سَیفُ الْاِسْلَامِ وَاَبُوْبَکْرٍ سَیفُ الرِّدَّةِ.

ترجمہ: میں اسلام کی تلوار ہوں اور ابو بکر ارتداد کے خلاف کام آنے والی تلوار ہیں۔

اس پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

حرف ☆☆☆ شین

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اس کے معانی:۔ عالم ربانی، باعمل استاد اور دینِ قیم کو بیان اور ظاہر کرنے والا ہیں۔

یہ اسم ''شَرْعٌ'' مصدر سے اسم فاعل کے وزن پر ہے۔ جس کا معنی ظاہر کرنا اور واضح کرنا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات پر اس لفظ کا اطلاق علمائے کرام کی زبانوں پر مشہور ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دین اور احکام کو واضح فرمایا۔ اور شَرْعٌ کا معنی ''دین'' ہے یہی شریعت کا معنی بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف یوں بیان فرمایا ہے:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ. (الشوریٰ، آیت ۱۳)

ترجمہ: اس نے تمہارے لئے دین کو واضح کیا۔

اس طرح یہ ان اسمائے الٰہیہ سے ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا۔

اس کا معنی ہے شفاعت طلب کرنے والے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

یہ اسم مبارک فاء پر زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے وہ ذات جو شفاعت کرے پھر اس کی شفاعت قبول کر لی جائے۔

اور شفاعت کا مفہوم ہے گنہگاروں سے درگزر کرنے کا سوال۔

---

[1] اس اسم مبارک کے ذکر کا یہاں مقام نہ تھا بلکہ اس کا مقام حرف میم کے تحت تھا، چنانچہ وہاں بھی یہ درج ہے، اس طرح یہ اسم مبارک دو دفعہ درج ہوگیا، یہاں پر اس کا نمبر نہیں لگایا گیا اس کا نمبر اپنے مقام پر لگایا جائے گا۔ متن کتاب کی اتباع میں یہاں درج کیا گیا ہے۔

یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ پہلا اسم (شَافِعٌ) اور تیسرا اسم (شَفِیْعٌ).

اسم مبارک "اَوّل" کے ضمن میں مذکور مسلم شریف کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ [۱]

اور دوسرا نام (مُشَفَّع) اسم مبارک "اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَابِعًا" کے ذیل میں مذکور حدیث میں آچکا ہے۔ [۲]

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت پر کلام عنقریب آئے گی۔

بیماری اور تکلیف سے شفاء دینے والے، ہر ضرر رساں معاملہ کو اپنی امت سے دور کرنے والے۔

---

[۱] اس میں دو مسامحتیں ہیں: (۱) مسلم شریف کی حدیث اسم مبارک "اول" کے ذیل میں نہیں بلکہ اسم مبارک "آخر" کے ذیل میں ہے
(۲) مسلم شریف کی اس حدیث میں شَافِعٌ (پہلا اسم گرامی) اور مُشَفَّعٌ (دوسرا اسم مبارک) مذکور ہے

[۲] یہاں پر بھی دو مسامحتیں ہیں: (۱) پہلے مذکور اسم مبارک اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا میں ہے نہ کہ تَابِعًا.
(۲) اس کے ضمن میں یہ اسم مذکور نہیں ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

شُکْرٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اور شُکْرٌ کا معنی ''احسان کرنے والے کی نیکی پر اس کی مدح وثنا کرنا'' ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے ''نعمت کا تصور کرنا اور اس کا اظہار کرنا''۔

بعض علماء نے فرمایا یہ لفظ کَشْرٌ کی مقلوبی حالت ہے جس کا معنی ہے ''کھولنا''۔

بعض علماء نے فرمایا کہ لفظ شُکْر، عَیْنٌ شَکْرٰی (بھرا ہوا چشمہ) سے ماخوذ ہے۔ تو اس صورت میں شکر کا معنی ''انعام کرنے والے کے ذکر سے بھر جانا'' قرار پائے گا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شکر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی نعمتوں کا اقرار کرے اور زبان سے ان کو بیان کرے۔

ایک قول یہ ہے کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ زبان سے کماحقہ بیان کرنے سے اپنے عجز کا اعتراف کرے۔

شکر کی تین قسمیں ہیں:

﴿۱﴾ زبان سے شکر، یعنی زبان سے نعمت کا اقرار کرے۔

﴿۲﴾ اعضاء سے شکر، انعام کرنے والے کی خدمت اور اس سے موافقت کی صفت سے متصف ہو جانا۔

﴿۳﴾ دل سے شکر کرنا عزت اور حدود کا پاس کرتے ہوئے منعم کی بارگاہ میں حاضری کے فرش پر معتکف ہو جانا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخلوق کی طرف سے حق تعالیٰ کا شکر یہ ہے کہ اس کے احسانات کو پہچانے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کا شکر یہ ہے کہ ان کے افعال پر ثواب عطاء فرمائے۔

ایسی صورت میں شکر کی جزاء کو شکر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے دونوں میں وجہ اشتراک مشاکلت ہے۔ جیسا کہ برائی

کی جزا کو برائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں ہے:۔

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا.

ترجمہ: برائی کا بدلہ اس کی مانند برائی ہے۔

شَاكِر اسمائے الٰہیہ سے بھی ہے۔

شَکُوْرٌ، شَاکِرٌ سے مبالغہ کا وزن ہے اور شَکَّارٌ میں مبالغہ بہ نسبت شَکُوْرٌ کے زیادہ ہے۔ جیسا کہ غَفُوْرٌ کی بحث سے معلوم ہوگا۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا کیا کرتے تھے:۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَکَّارًا.

ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے اپنی ذات کا کثرت سے شکر کرنے والا بنادے۔

فَعُوْل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جو اسم فاعل کے معنوں میں ہے اس کا معنی ہے کثرت سے شکر کرنے والا یا وہ ذات جو قلیل نعمت پر کثرت سے بدلہ عطاء فرمائے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں یہ صفت داخل تھی تاکہ کسی کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ میں احسان باقی نہ رہے۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ سے بھی ہے اس صورت میں اس کا معنی یہ ہے وہ ذات جو قلیل عمل کے بدلے کثیر ثواب عطاء فرمائے، یہ عربی کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے:۔

دَابَّۃٌ شَکُوْرٌ (وہ جانور جو گھاس کھلائے جانے سے بڑھ کر موٹا تازہ ظاہر ہو)

یا اس کا معنی ہوگا ''بندوں کی تعریف کرنے والی ذات جب وہ اس کی اطاعت کریں''۔

یا یہ معنی ہوگا شکر پر جزا عطاء کرنے والی ہستی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر ورم آ گیا۔ خدمت عالیہ میں عرض کیا گیا کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے مکلف ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلوں کی خطائیں معاف فرمادی ہیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا.

ترجمہ: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

بعض علماء نے کہا کہ شکور میں مبالغہ شاکر کی نسبت سے زیادہ ہے۔ کیوں کہ شاکر کا معنی ہے جو عطاء پر شکر کرے اور شکور کا معنی ہے وہ جو بلاء کے وقت شکر ادا کرے۔

بعض نے فرمایا دونوں میں فرق یہ ہے کہ شاکر موجود پر شکر کرتا ہے اور شکور مَفْقُوْد پر شکر ادا کرتا ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جعفر صادق بن محمد رحمۃ اللہ علیہما سے فتوت و جوانمردی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟۔ تو حضرت شفیق کہنے لگے اگر ہمیں عطاء کیا جائے تو شکر کرتے ہیں اور اگر عطیہ روک لیا جائے تو ہم صبر کرتے ہیں۔ اس پر حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے مدینہ منورہ کے کتے بھی تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شہزادے! تمہارے نزدیک فتوت (جواں مردی) کیا ہے؟۔ فرمایا اگر ہمیں عطاء کیا جائے تو ہم ایثار سے کام لیتے ہیں اور اگر عطیہ روک لیا جائے تو ہم شکر کرتے ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے "علم رکھنے والا" یا:۔ "اطلاع رکھنے والا، موجود"۔ یہ شہود بمعنی حضور سے اسم فاعل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا. (الاحزاب، آیت/۴۵)

ترجمہ: ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں کی طرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے ان کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے، جس طرح کہ عادل گواہ کی بات مانی جاتی ہے۔

اسم مبارک شہید کے ضمن میں اس پر مزید بحث آئے گی۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک شین پر زبر اور ثاء پر سکون اور آخر میں نون کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے "بڑی ہتھیلیوں اور بڑے قدموں والا" عربوں میں اس صفت کے حامل کی مدح کی جاتی تھی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی ہے وہ ہستی جس کی دونوں ہتھلیاں نحیف اور کمزور ہوں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا معنی ہے وہ شخص جس کی انگلیاں موٹی ہوں لیکن چھوٹی نہ ہوں۔

یہ صفت مردوں میں قابل تعریف ہے کیوں کہ اس سے گرفت مضبوط اور قوی ہوتی ہے۔

شَـدِیْدٌ کی جمع اَشِدَّاء ہے۔ یہ صفت مشبہ سے ہے۔اس کا معنی ہے ایسی ذات جس کی شدت ظاہر ہو، شِدَّت شین کی زیر کے ساتھ ہے یہ اِشْتِدَاد کا حاصلِ مصدر ہے، جس کا معنی قوت ہے، قرآن مجید میں ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ. (الفتح، آیت/ ۲۹)

ترجمہ: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر شدت کرنے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ کا معنی بھی یہی ہے:۔

وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ.

ترجمہ: اور ان پر سختی کیجئے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔ اسلاف کی شدت ان پر اس حد تک تھی کہ وہ لوگ اپنے بدنوں اور کپڑوں کو ان کے ساتھ مس ہونے سے بھی بچاتے تھے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم کا تلفظ یوں ہے شین پر زبر، دال پر سکون اور قاف پر زبر۔

اس کا معنی ہے بلیغ اور عمدہ خطبہ دینے والا۔

اس کا اصلی معنی ہے؛ کَبِیْرُ الشِّدْقِ ۔ بڑی باچھوں والا۔ میم زائدہ ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سَمُرَہ بن جُنْدَب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فراخ دہن تھے۔

دہنِ اقدس کی صفت میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

شَرَفٌ مصدر سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے عُلُوٌّ. شریف کا معنی ہے "بلند مرتبہ"۔

یا اس کا معنی ہے "وہ ذات جس کو دوسروں سے بزرگی اور فضیلت عطاء کی گئی ہو"۔

یہ اسم فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک شین کے نیچے زیر اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے بیماری سے تندرستی یا اس سے سلامتی۔

اس نام سے تسمیہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے بیماریوں کو دور فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی نرمی کے باعث تکالیف کو دور فرمادیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قَدْ جَآءَ تْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَافِی الصُّدُوْرِ. (یونس، آیت/۵۷)

ترجمہ: تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور سینے کی مرضوں کی شفاء آچکی ہے۔

ایک قول کی رو سے شفاء سے مراد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس کا حقیقی معنی تو سورج ہے۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجوہات درج ذیل ہیں:۔

﴿۱﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مطہرہ ظاہر ہے۔

﴿۲﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رفعت اور برتری حاصل ہے۔ سورج کا مرتبہ بھی اکثر اجرام فلکی سے برتر ہے
متاخرین اہل ہیئت میں محققین علماء کے ہاں یہ چھٹے آسمان پر ہے۔

﴿۳﴾ مخلوق کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کثیر فوائد حاصل ہیں۔ جس طرح دیگر اجرام فلکی کی نسبت سے
سورج سے فوائد زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کھیتی کو پکاتا ہے، دانے کو سخت کرتا ہے اور بدن کو مرطوب رکھتا ہے۔

﴿۴﴾ جلالت قدر اور عظمت مرتبت کے باعث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت کا کما حقہ احاطہ نہیں کیا
جا سکتا۔ آپ کے بارعب ہونے کے باعث کوئی دیکھنے والا آپ کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جس طرح ک
سورج کی جسامت کی بڑائی کے باعث آنکھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ عین ممکن ہے کہ اس کو تھکا دے، اس کی نظر کو سلب کر
لے یا اس کو نابینا کر دے۔

سورج کے حجم کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ زمین کے کرہ سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔

﴿۲﴾ پچاس گنا بڑا ہے۔

﴿۳﴾ بیس گنا بڑا ہے۔

﴿۵﴾ باقی انبیائے کرام علیہم السلام کے انوار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے مدد حاصل کرتے ہیں۔
امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے:۔

وَكُلُّ آيٍ أَتَى الرُّسُلُ الكِرَامُ بِهَا　　　فَإِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

ترجمہ: سارے رسول جو جو معجزہ لائے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ انور کی بدولت ان کو عطاء ہوا تھا۔

جس طرح کہ باقی ستارے سورج کے نور سے مدد حاصل کرتے ہیں۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ ستاروں کے انوار سورج کے نور سے منور ہیں تو گویا یہ اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ورنہ سورج شفاف جوہر ہے اس کا کوئی رنگ نہیں یہ خود بخود روشن ہے یا یہ دوسرے ستاروں سے روشن ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ہاں چاند ہمیں نظر آتا ہے جو بذاتِ خود کامل ہے۔

یہ اسم شین کی زیر کے ساتھ ہے۔اس کے معانی ﴿۱﴾ ایسا سردار جو کام کو کر گزرے ﴿۲﴾ چمک دار ستارہ ہیں۔
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا جس طرح کہ نجم سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیا گیا۔

یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے ہر معاند اور منکر سے دین کو محفوظ کر دیا جس طرح شہابوں کے ذریعہ سے آسمانِ دنیا کو ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ شِهَابٌ ثُم يَتْبَعُهُ نُوْرٌ مَّضِيْئٌ لَهٗ فَضْلٌ عَلَى الشُّهُبِ

ترجمہ: حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک شہاب ہیں، جن کے پیچھے تاباں نور ہوتا ہے جو کئی شہابوں سے عظیم تر ہوتا ہے۔

یہ اسم مبارک حرفِ اوّل پر زبر اور دوسرے حرف کی زیر کے ساتھ ہے۔
اس کا معنی ہے ایسا سردار جس کا حکم نافذ ہو۔

اس کا معنی ہے ''علم والا، قابلِ اعتماد انصاف کرنے والا''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرۃ، آیت/۱۴۳)

ترجمہ: اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں گے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم کو قابلِ اعتماد اور بھروسہ کے لائق قرار دینے والے ہوں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک روز باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے شہداء پر اس طرح نماز ادا کی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر کی طرف پلٹے اور فرمایا:۔

اَنَا فَرَطُكُمْ وَاَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ۔[1]

ترجمہ: میں تمہارے آگے جا کر قیام کا سامان مہیا کرنے والا ہوں۔ میں تمہیں قابلِ اعتماد گواہ قرار دینے والا ہوں۔

شہید اسمائے باری تعالیٰ سے بھی ہے۔ اس کا معنی اس صورت میں ہے کہ وہ ذات جس سے کوئی شے غائب نہ ہو۔

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ اسمِ فاعل کے معنوں میں فعیل کے وزن پر مبالغہ کے اوزان سے ہے۔ جب مطلق علم کا اعتبار کیا جائے تو اس کے لئے لفظ علیم ہے جب باطنی امور کی نسبت سے کہا جائے تو لفظ خبیر کہا جائے گا اور جب ظاہر کی طرف نسبت کے اعتبار سے بولا جائے تو لفظ شہید بولا جاتا ہے۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۲۴۸/۳ کتاب الجنائز (۱۳۴۴)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر شہید اور خبیر، علیم ہوتا ہے لیکن اس کا عکس نہیں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا اس کا معنی ہے قیامت کے روز اپنے علم کے مطابق گواہی دینے والا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

يُدْعٰى نُوْحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيُدْعٰى قَوْمُهٗ فَيُقَالُ هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَتَانَا مِنْ نَّذِيْرٍ وَّمَا اَتَانَا مِنْ اَحَدٍ، فَيُقَالُ لِنُوْحٍ مَّنْ يَّشْهَدُ لَكَ؟ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَّاُمَّتُهٗ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تعالىٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔[1]

ترجمہ: قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا ان سے کہا جائے گا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دیئے؟ وہ عرض کریں گے ہاں۔ تو آپ کی قوم کو بلایا جائے گا ان سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے تمہیں تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ کہیں گے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت۔ قرآن مجید کی اس آیت کا یہی معنی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا. (البقرة، آیت/۱۴۳)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تم کو اعتدال والی امت بنایا ہے وسط کا معنی ہے انصاف کرنے والی۔

اس کا مزید بیان خصائص نبویہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۶/۴۸ کتاب التفسیر (۴۴۸۷)

حرف☆☆☆صاد
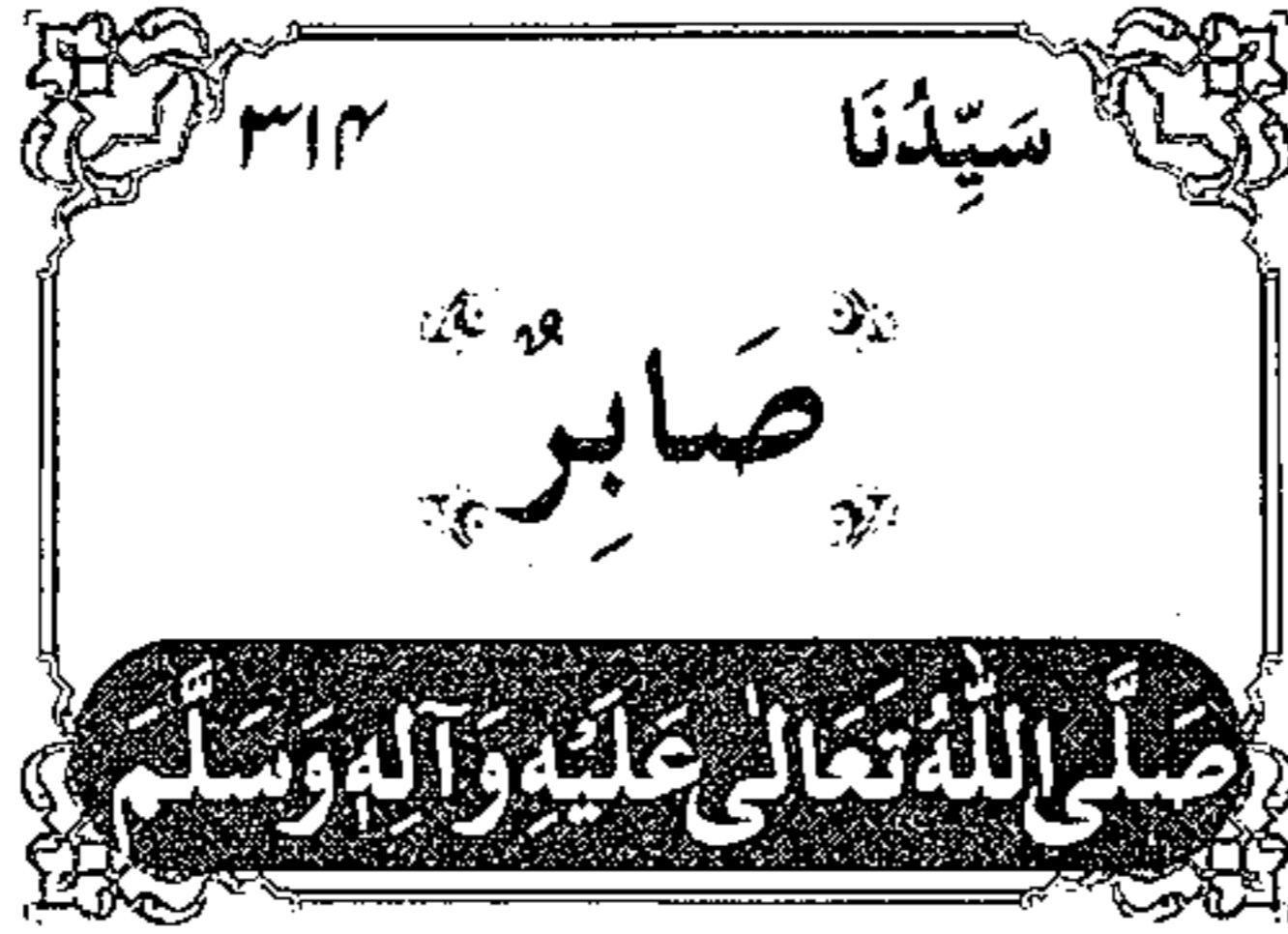
یہ صَبۡرٌ مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے بے صبری سے نفس کو روکنا، خوف اور تنگی میں اسے روکے رکھنا۔

اِحۡیَاءُ الۡعُلُوۡم میں فرمایا صبر کا معنی ہے خواہش پر اکسانے والے امور کے مقابلہ میں دین پر برانگیختہ کرنے والے امور پر ثابت قدم رہنا۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ میں ہے کہ صبر یا تو بندے کی عمل میں ہوگا یا اس کے علاوہ اور امور میں ہوگا۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا یا جن سے منع فرمایا ان پر ثابت قدم رہنا۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ تقدیرِ الٰہی سے جو اس کو پہنچے اس کی برداشت پر ثابت قدم رہنا، کیوں کہ اس میں مشقت ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مفہوم ہے منہ بگاڑے بغیر کڑوی چیز کو گھونٹ گھونٹ کر کے پی جانا۔

حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حسنِ ادب کے ساتھ آزمائش میں ثابت قدمی کو صبر کہا جاتا ہے۔

حضرت امام جریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نعمت اور مشقت کے حال کے درمیان فرق نہ کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ دونوں میں طبیعت کا مطمئن رہنا صبر کہلاتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا صبر کا معنی ہے کہ بندوں کے سامنے شکایت کو ترک کر دیا جائے۔ لہٰذا اگر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت پیش کی جائے تو وہ صبر کے منافی نہ ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا. (ص، آیت ۴۴)

ترجمہ: ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔

حالاں کہ انہوں نے رب تعالیٰ کے حضور شکایت کی تھی، جب آپ نے یوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی تھی:۔

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ (الانبیاء، آیت ۸۳)

ترجمہ: مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

تصبُّر (مصدر از باب تفعُّل) کا معنی ہے محنت و مشقت کے بوجھ کے باوجود آزمائش پر اطمینان کا اظہار کرنا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ صبر میں تین مقامات ہیں:۔

﴿۱﴾ شکایت کو ترک کر دینا یہ توبہ کرنے والوں کا درجہ ہے

﴿۲﴾ تقدیر پر راضی رہنا یہ زاہدین کا درجہ ہے

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی ہو جانا یہ صِدِّیْقِیْن کا مقام ہے۔

حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا مفہوم ہے کتاب وسنت کے احکام پر ثابت قدم رہنا۔

بعض صوفیہ نے فرمایا کہ صبر یا تو بدنی ہوتا ہے یا نفسی:۔

اگر پیٹ کی خواہش سے ہو تو اس کو عفت کہتے ہیں۔

اگر مصیبت میں ہو تو اس کا نام صبر ہے۔

اور اس کی ضد جَزَعٌ اور ھَلَعٌ (بے صبری اور گھبرا جانا) ہے۔

اگر امارت کی برداشت کی حالت میں ہو تو اس کا نام ضبطِ نفس ہے اور اس کی ضد بَطَرٌ (فخر وغرور کرنا) ہے۔

اگر بحالت جنگ ہو تو اسے شجاعت کہا جاتا ہے اور اس کی ضد جُبْن (بزدلی) ہے۔

اگر غصہ کو پی جانے کے حالت میں ہے تو اسے حلم (بردباری) کہتے ہیں جس کی ضد سفاہت (بے وقوفی) ہے۔

اگر بات کو چھپانے کی حالت میں ہو تو اسے رازداری کہتے ہیں اگر فضول قسم کی زندگی سے ہو تو اس کا نام زہد ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّکَ۔

ترجمہ: اپنے پروردگار کے حکم پر ثابت قدم رہیے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

ترجمہ: اور صبر کیجئے آپ کا صبر صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم درج بالا تمام مفاہیم ومعانی کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بڑھ کر صبر کرنے والے تھے۔

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماعیل بن عیاش سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے گندے اور قابلِ نفرت اعمال واخلاق پر سب سے بڑھ کر صبر فرمانے والے تھے۔
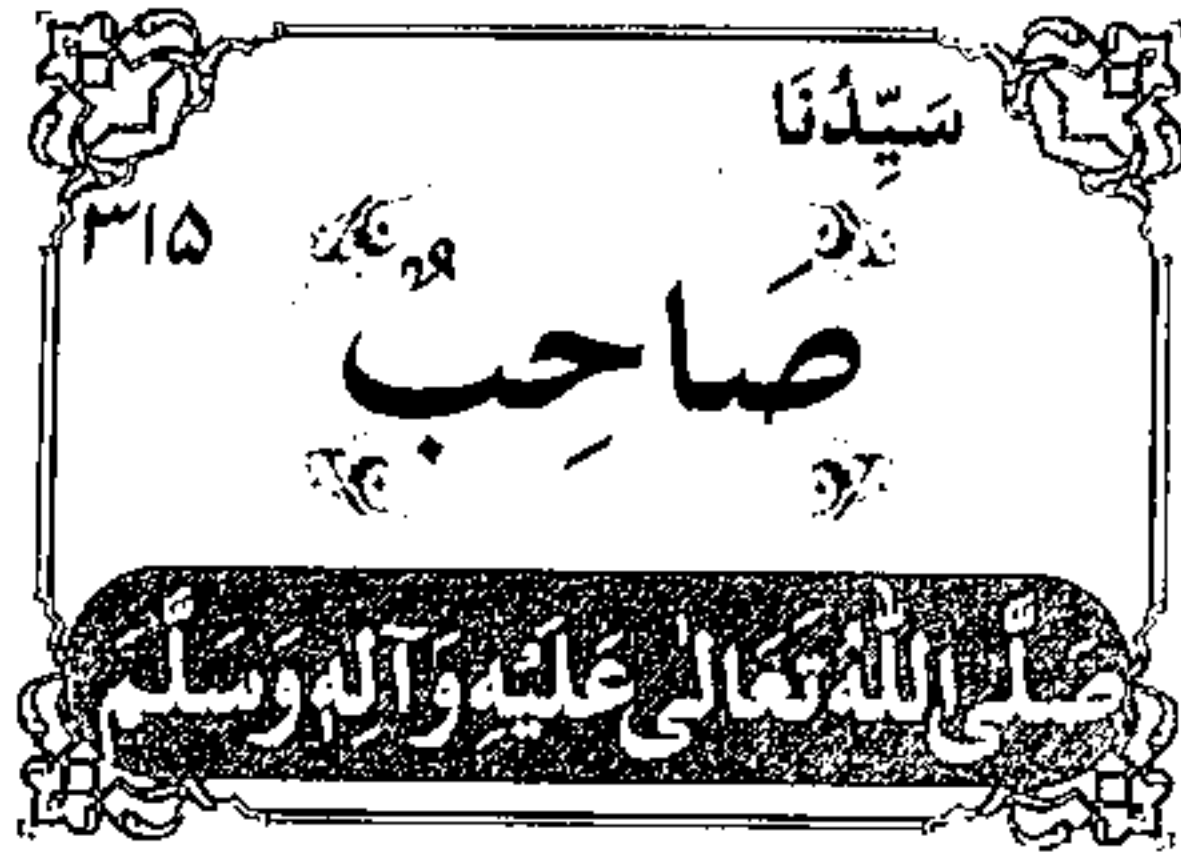
اس اسم گرامی کو حضرات علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابو الفتح بن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ صحبت سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے مل جل کر رہنا، ایک دوسرے کے ساتھ رہنا سہنا۔

قرآنِ مجید میں ہے:۔

مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ. (النجم، آیت/۲)

ترجمہ: تمہارے ساتھی گمراہ نہیں ہوئے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنَ. (النجم، آیت/۲۲)

ترجمہ: تمہارا ساتھی پاگل نہیں ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ اس کا معنی ہے "علم والا، حفاظت کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا"۔

علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے پیروکاروں کے ساتھ بہتر انداز سے رہن سہن، اچھی معاملت، وقار، نیکی، اور مہربانی تھی۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ صاحب کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر اس حدیث میں وارد ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ۔

ترجمہ: اے اللہ! سفر میں تو ہی ہمارے ساتھ ہے اور اہل وعیال میں تو ہی پیچھے رہنے والا ہے۔

شیخ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحبت کی تین قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ اپنے سے بلند مرتبہ کے ساتھ صحبت، حقیقت میں یہ خدمت ہوتی ہے۔اس کا ادب یہ ہے کہ علیحدگی کو ترک کر دیا جائے اور شدید ترین حالات کے باوجود جو کچھ اس سے صادر ہو اس کو برداشت کیا جائے۔

﴿۲﴾ اپنے سے کم مرتبہ کے ساتھ صحبت، اس کا تقاضا یہ ہے کہ متبوع شفقت کرے اور تابع وقار کے ساتھ رہے۔اور اس کے آداب سے یہ ہے کہ جس بات میں نقصان ہو اس سے چوکنا رہے لیکن ناک منہ نہ چڑھائے۔

﴿۳﴾ اپنے ہم مرتبہ کے ساتھ صحبت، یہ ہم کفو اور ہم عصر لوگوں کے ساتھ صحبت ہے، اس کی بنیاد جواں مردی اور ایثار پر ہے اس کے آداب یہ ہیں:۔

ان کے عیوب سے چشم پوشی اور جوان سے صادر ہو اسے خوبصورت معنوں پر محمول کیا جائے اگر ان کے افعال وگفتار کی کوئی تاویل نہ ہو سکے تو ان سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔
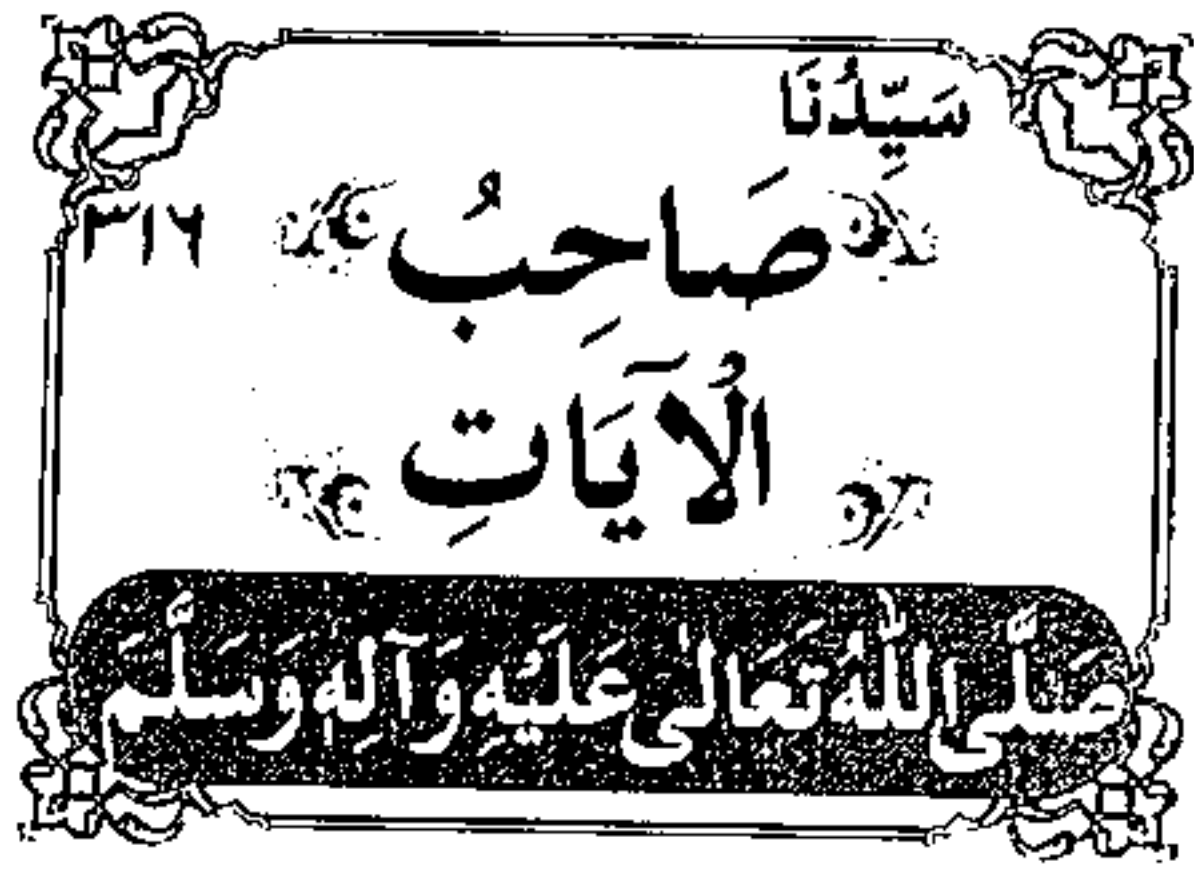
یہ اسم مبارک علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

۳۱۸
سَیِّدُنَا
صَاحِبُ
الْاَزْوَاجِ الطَّاهِرَاتِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

سَیِّدُنَا
۳۱۹
صَاحِبُ
الْبُرْهَانِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم
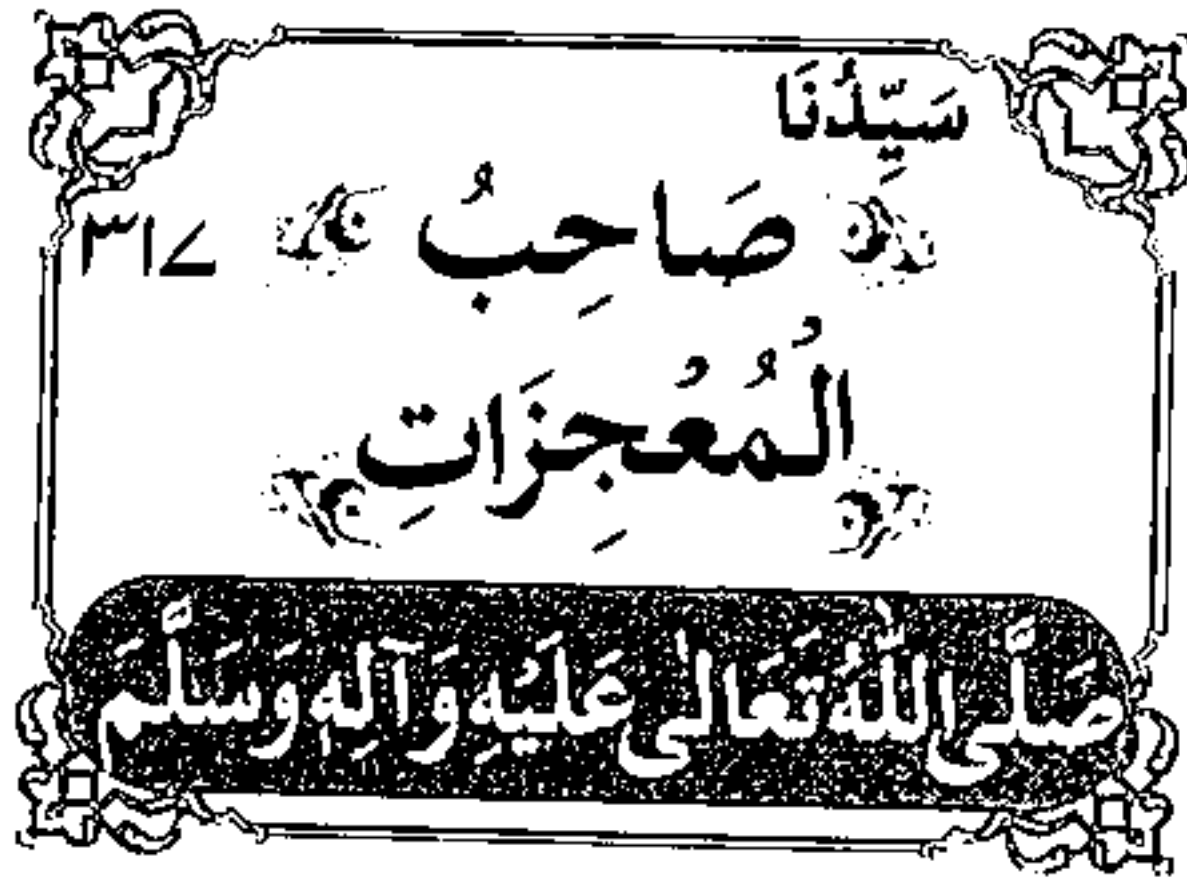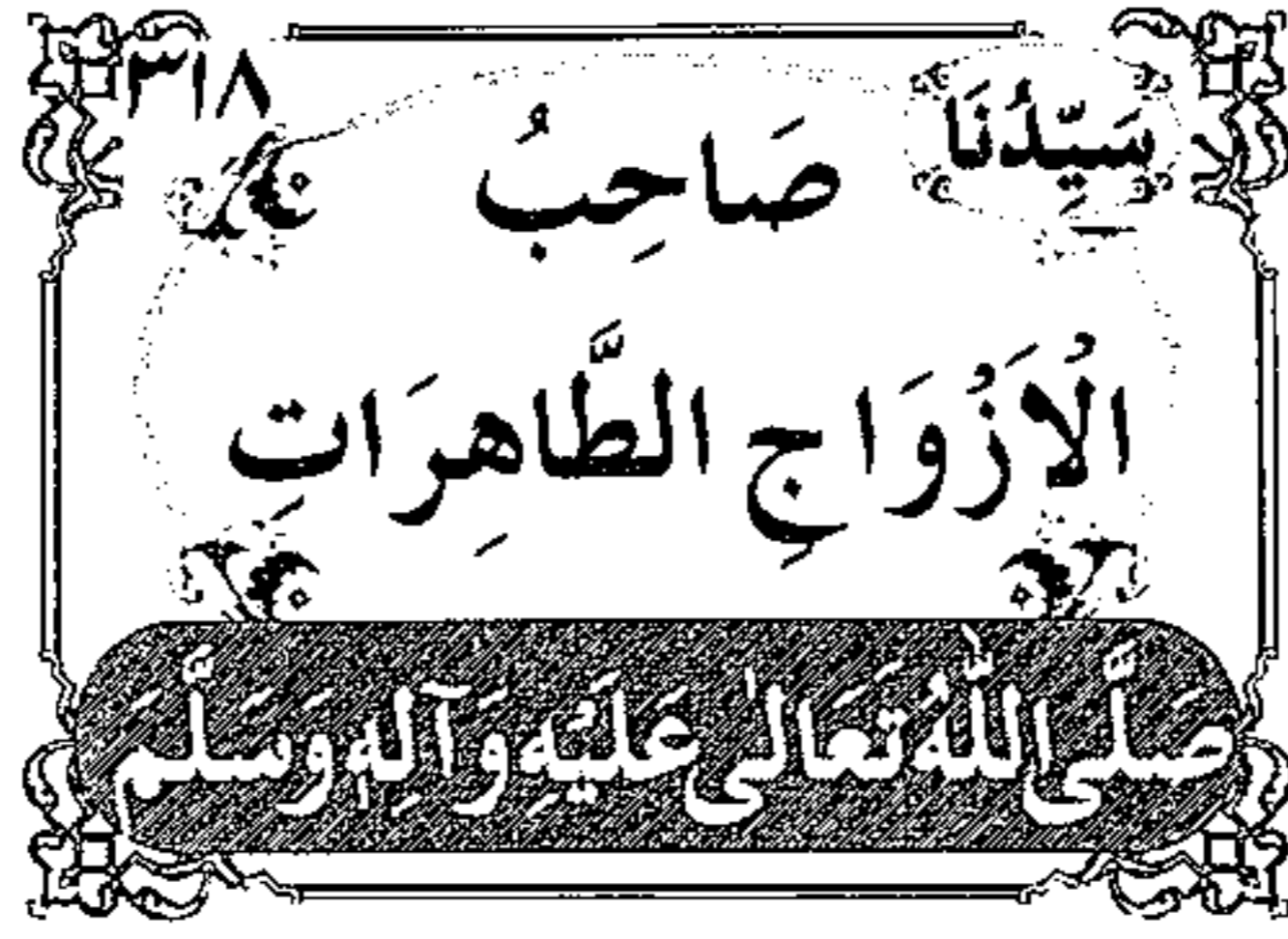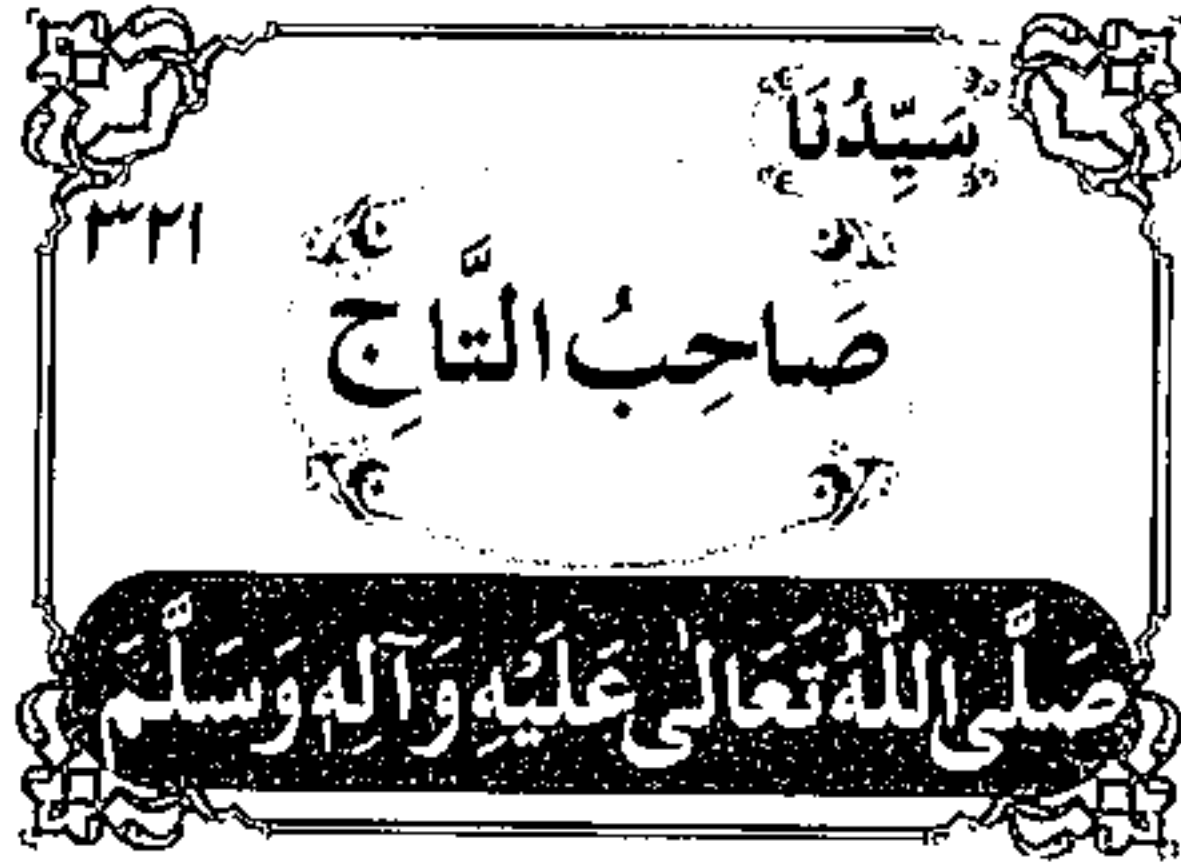
یہ اسم گرامی انجیل میں مذکور ہے، جیسا کہ اسم مبارک ''رَاکِبُ الْجَمَلِ'' کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تاج سے مراد عمامہ ہے اس وقت اس کا رواج صرف عربوں میں تھا، نیز دستاریں عربوں کے تاج ہیں۔
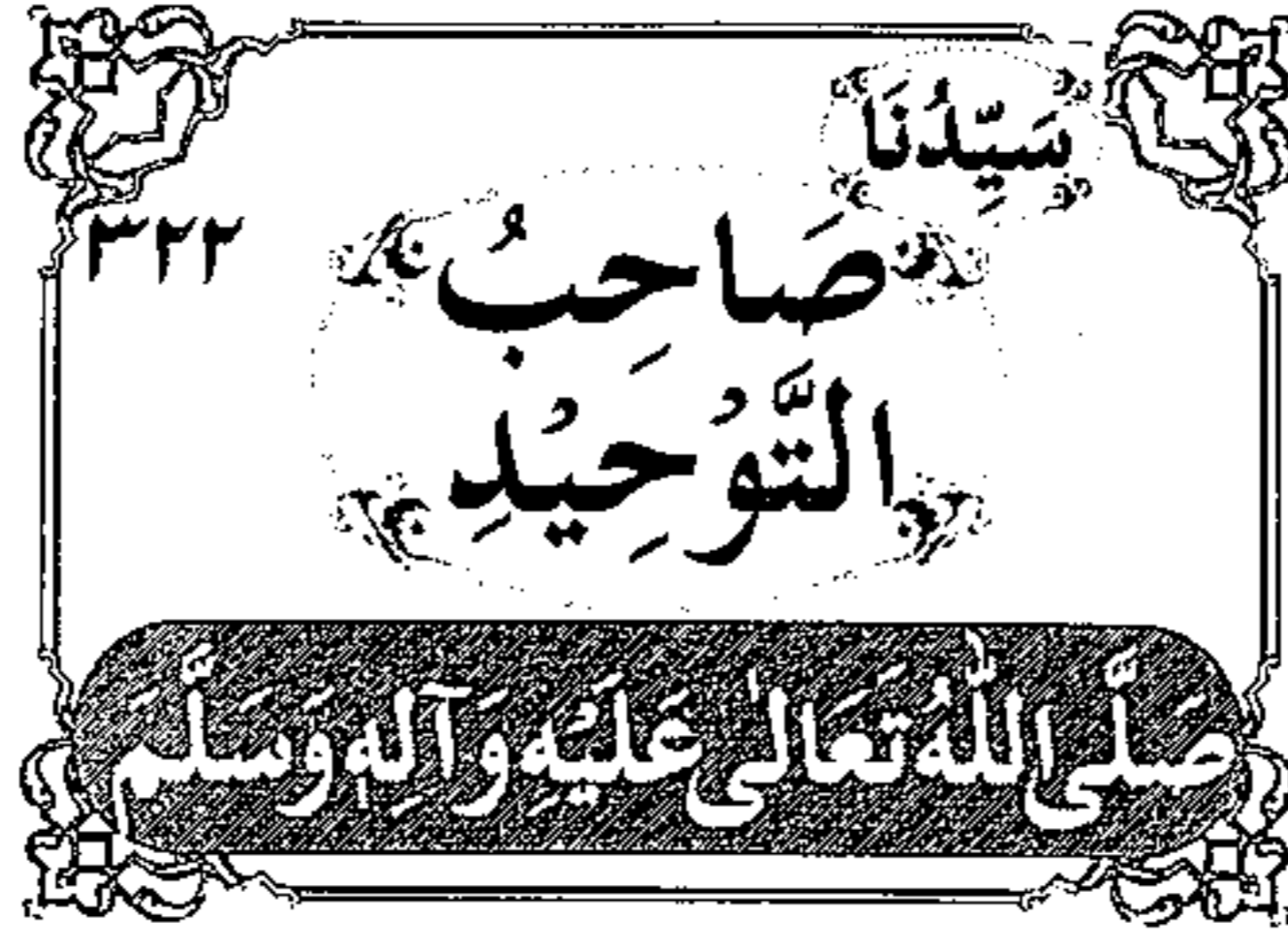
تَوْحِیْد، وَحَّدْتُہٗ کا مصدر ہے جس کا معنی ہے میں نے وحدانیت (یکتا) ہونے کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا۔
بعض علماء نے فرمایا کہ توحید کا معنی ہے کہ "حکم لگانا اور جاننا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے"۔
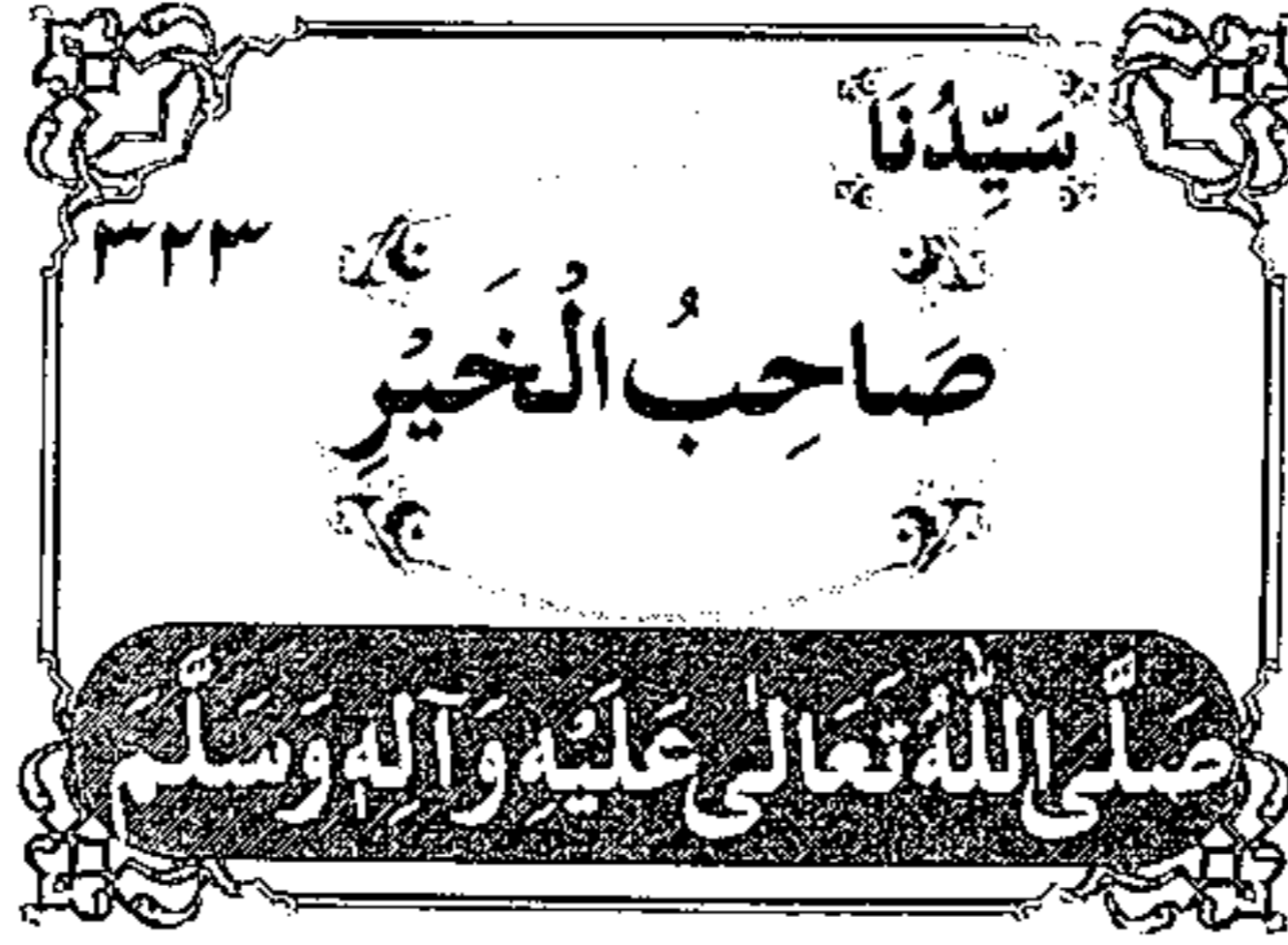
۳۲۴
سَیِّدُنَا
صَاحِبُ الدَّرَجَةِ
الْعَالِيَةِ الرَّفِيْعَةِ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

سَیِّدُنَا
۳۲۵
صَاحِبُ الرِّدَاءِ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

سَیِّدُنَا
صَاحِبُ السُّجُوْدِ ۳۲۶
لِلرَّبِّ الْمَعْبُوْدِ
صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

سَیِّدُنَا
صَاحِبُ ۳۲۷
السَّرَایَا
صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

سَیِّدُنَا
۳۲۸
صَاحِبُ الشَّرْعِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

سَیِّدُنَا
۳۲۹
صَاحِبُ الْعَطَاءِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

۳۳۰
سَیِّدُنَا صَاحِبُ
الْعَلَامَاتِ الْبَاهِرَاتِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۳۳۱
سَیِّدُنَا صَاحِبُ
الْعُلُوِّ وَالدَّرَجَات
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سَیِّدُنَا
۳۳۲
صَاحِبُ
الْفَضِیْلَةِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

سَیِّدُنَا
۳۳۳
صَاحِبُ الْفَرَجِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

سَیِّدُنَا
۳۳۴
صَاحِبُ الْقَدَمِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

سَیِّدُنَا
۳۳۵
صَاحِبُ
الْمُغْنَمِ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ
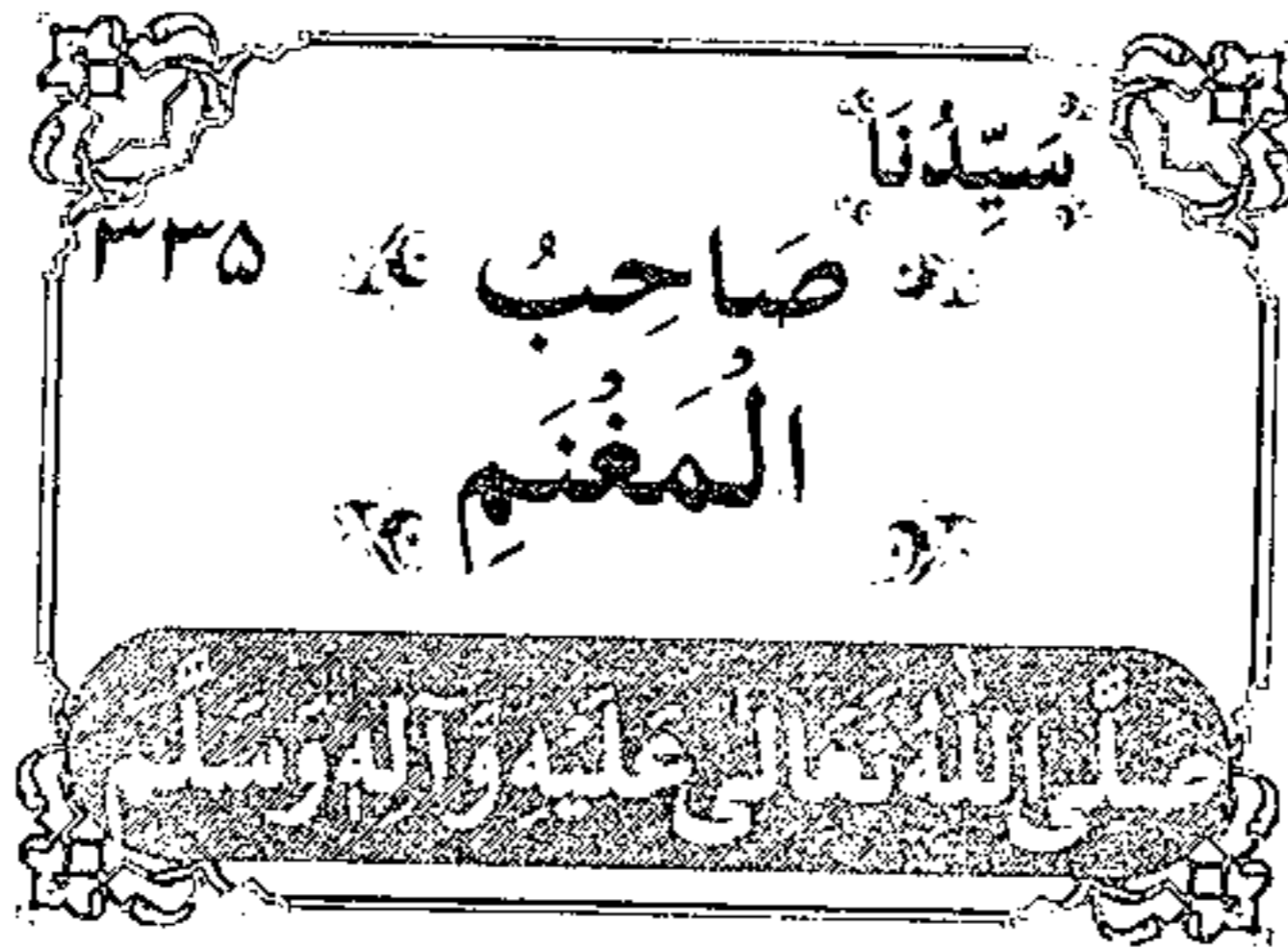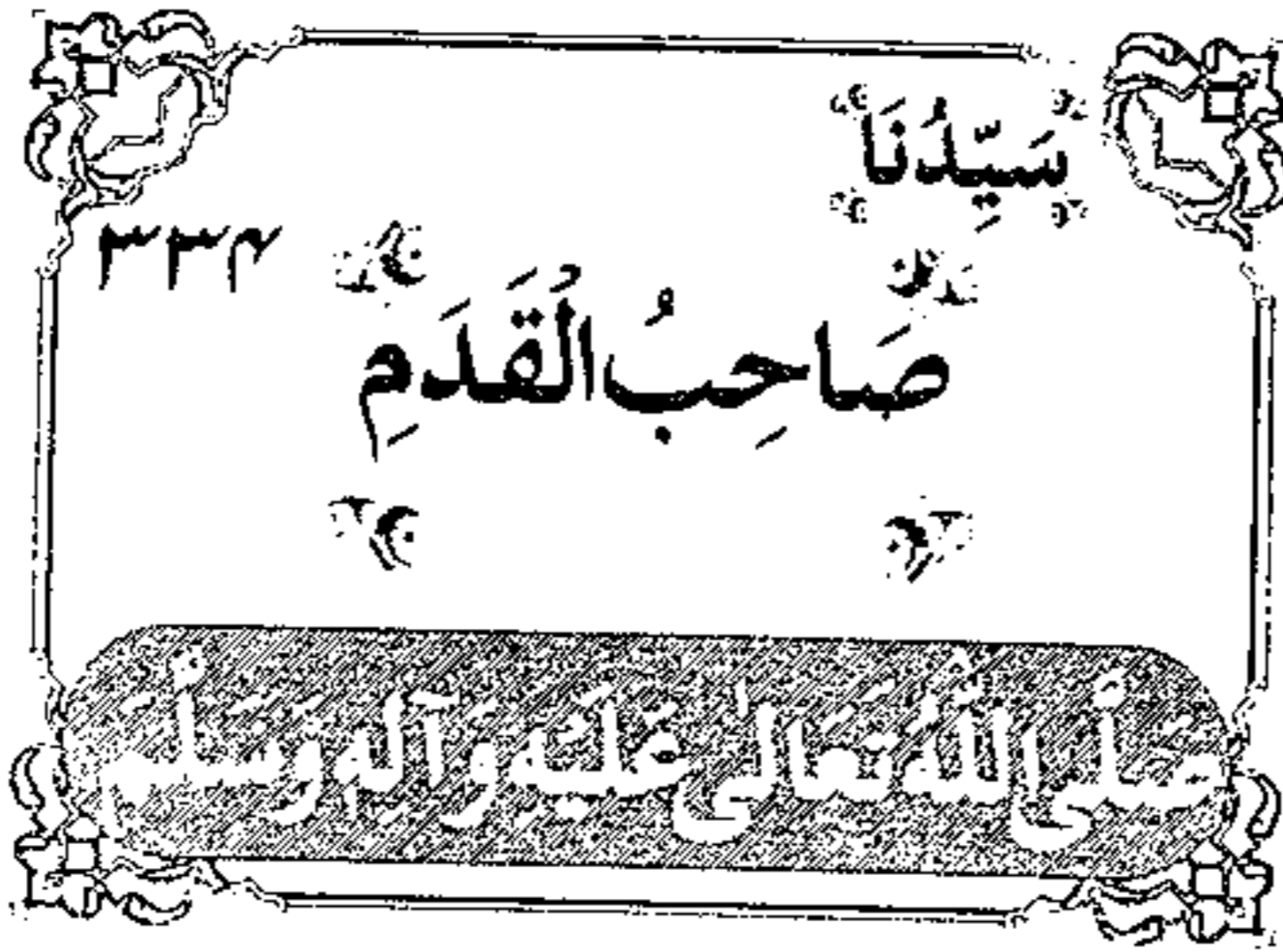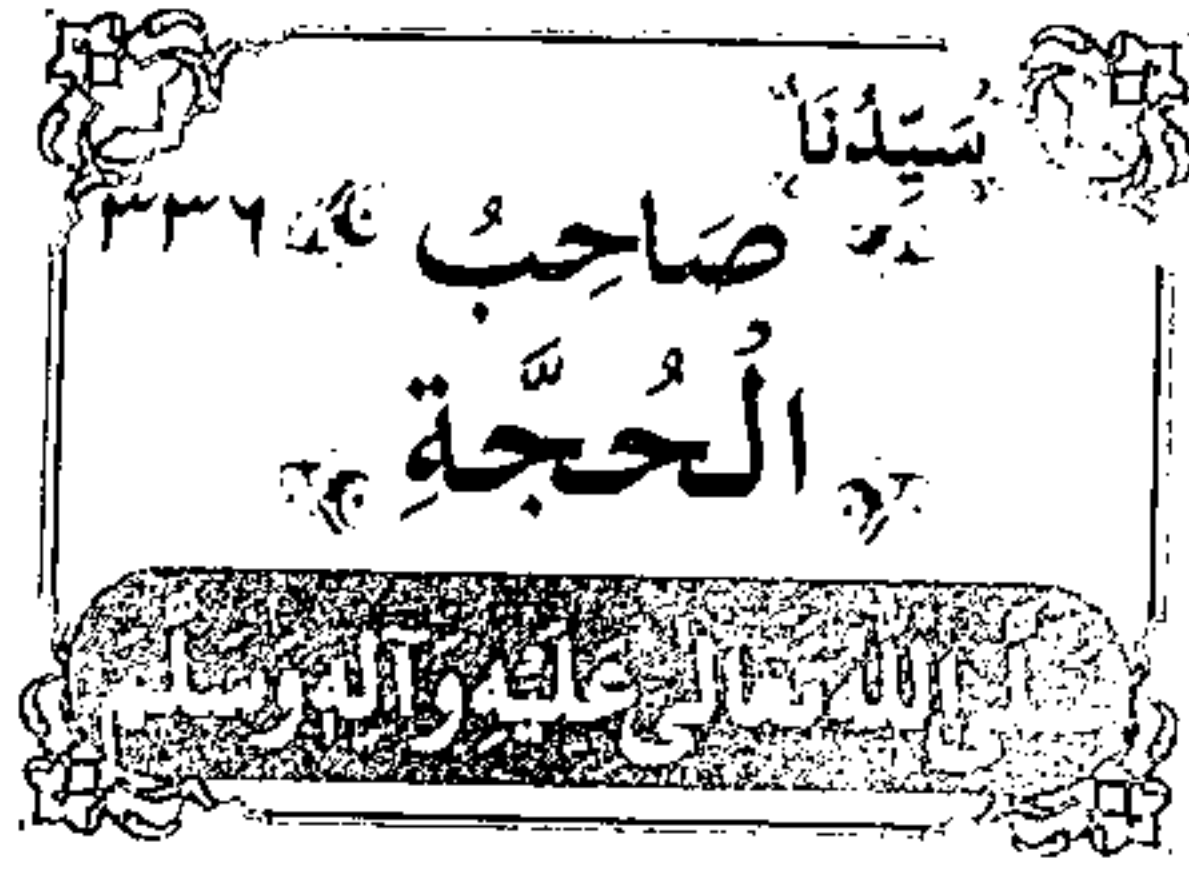
علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کتبِ سابقہ میں جو اوصاف حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مذکور ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔

حجت کا معنی ہے "برہان، مضبوط دلیل"۔

اور اس سے مراد معجزات ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے تھے۔

معجزاتِ نبویہ کے باب میں اس پر مزید کلام ہوگا۔
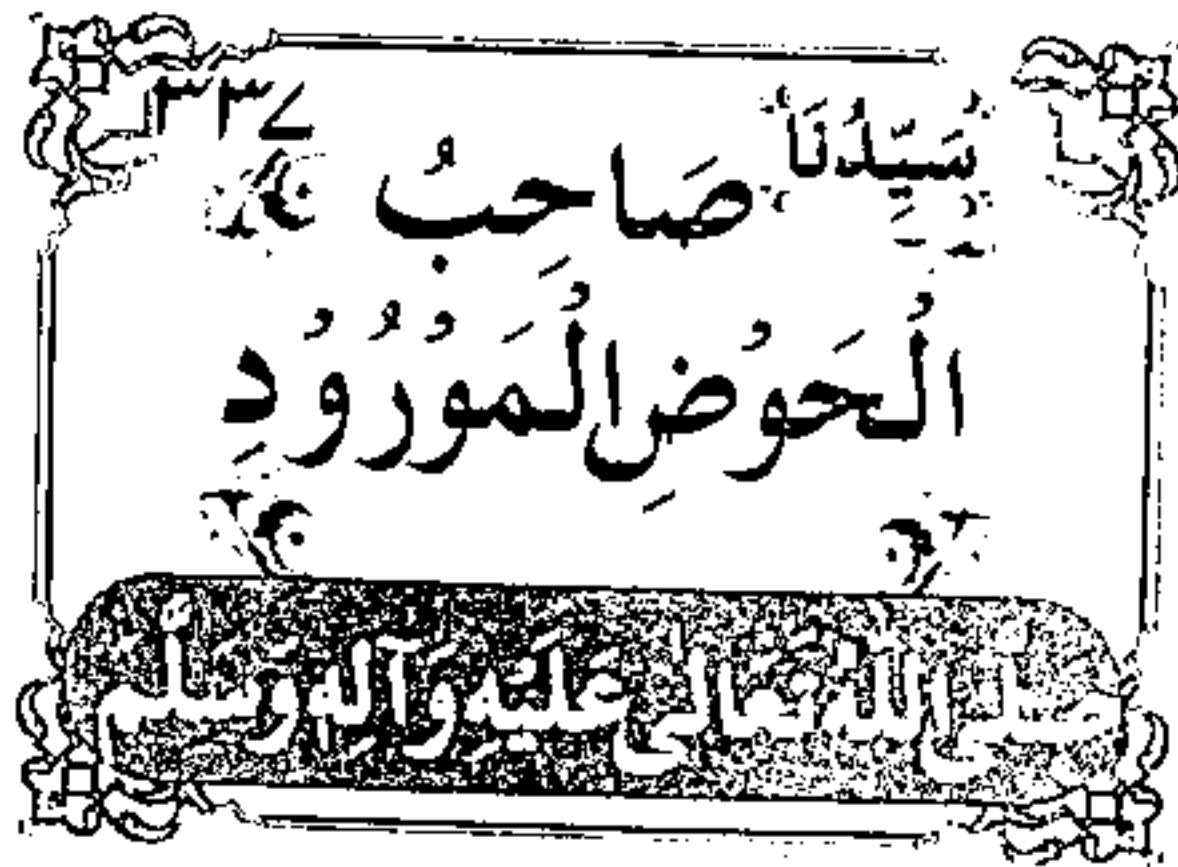
کتاب کے اواخر میں اس پر گفتگو آئے گی۔
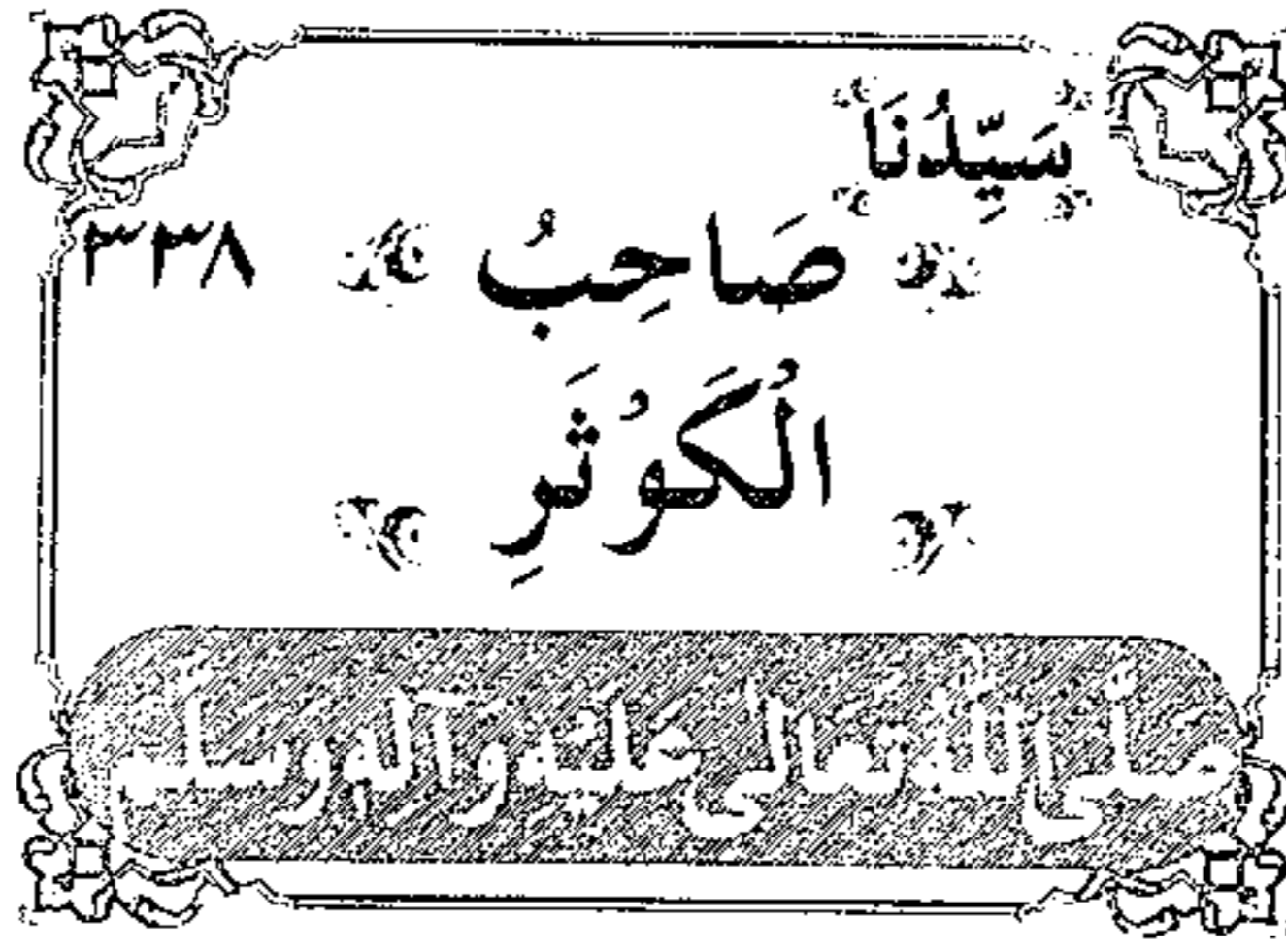
اس پر گفتگو آگے آئے گی۔

فائدہ......امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے سندِ جیّد کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ”جو شخص نہر کوثر کے گرنے کی آواز سننا چاہے اسے چاہیے کہ اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لے۔“

حضرت حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں روایت کی:۔

جو شخص نہر کوثر کے گرنے کی مانند آواز سننا چاہے۔۔۔۔۔الخ۔
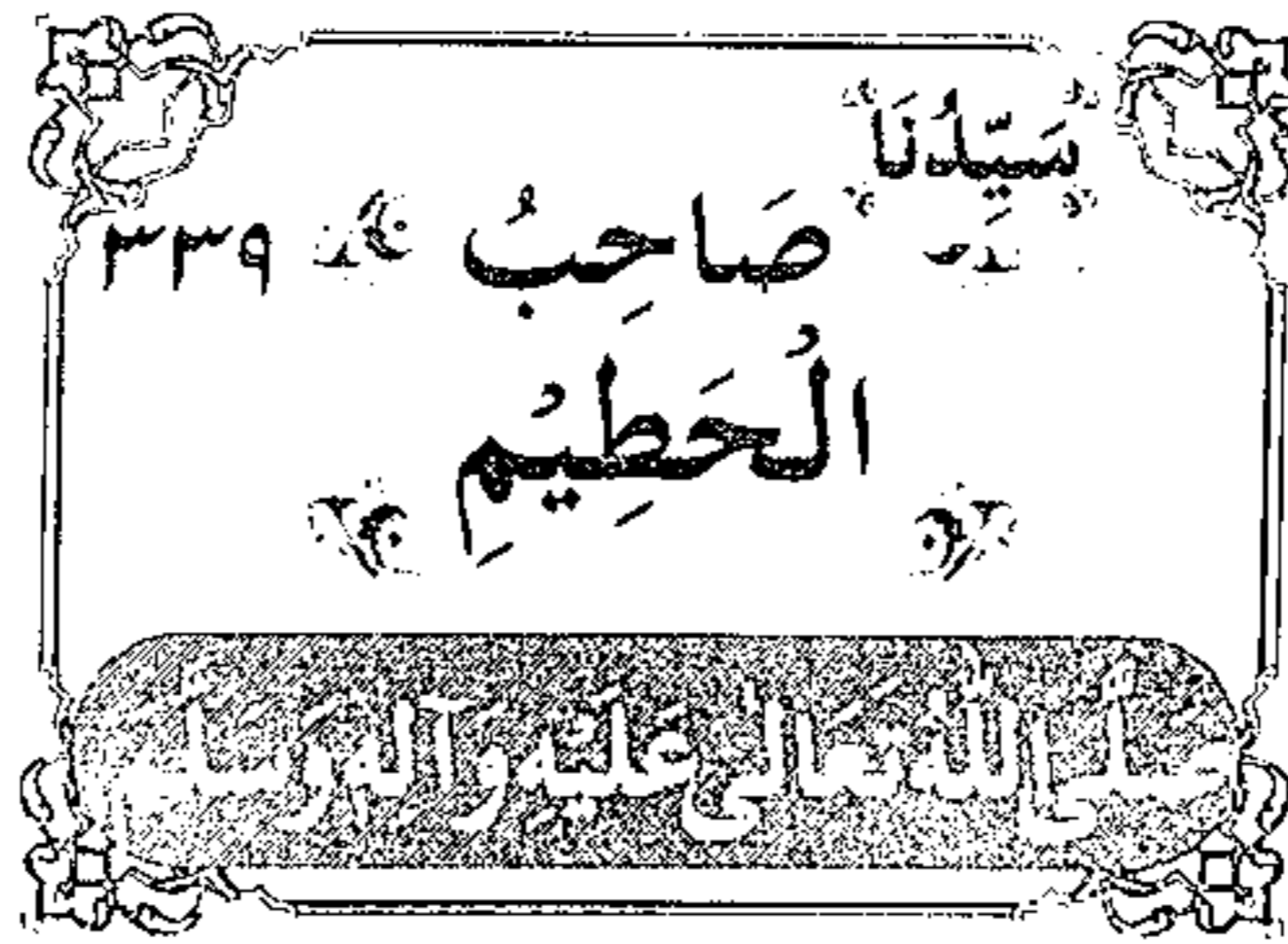
قصہ معراج نبوی میں اس پر کلام عنقریب آرہا ہے۔
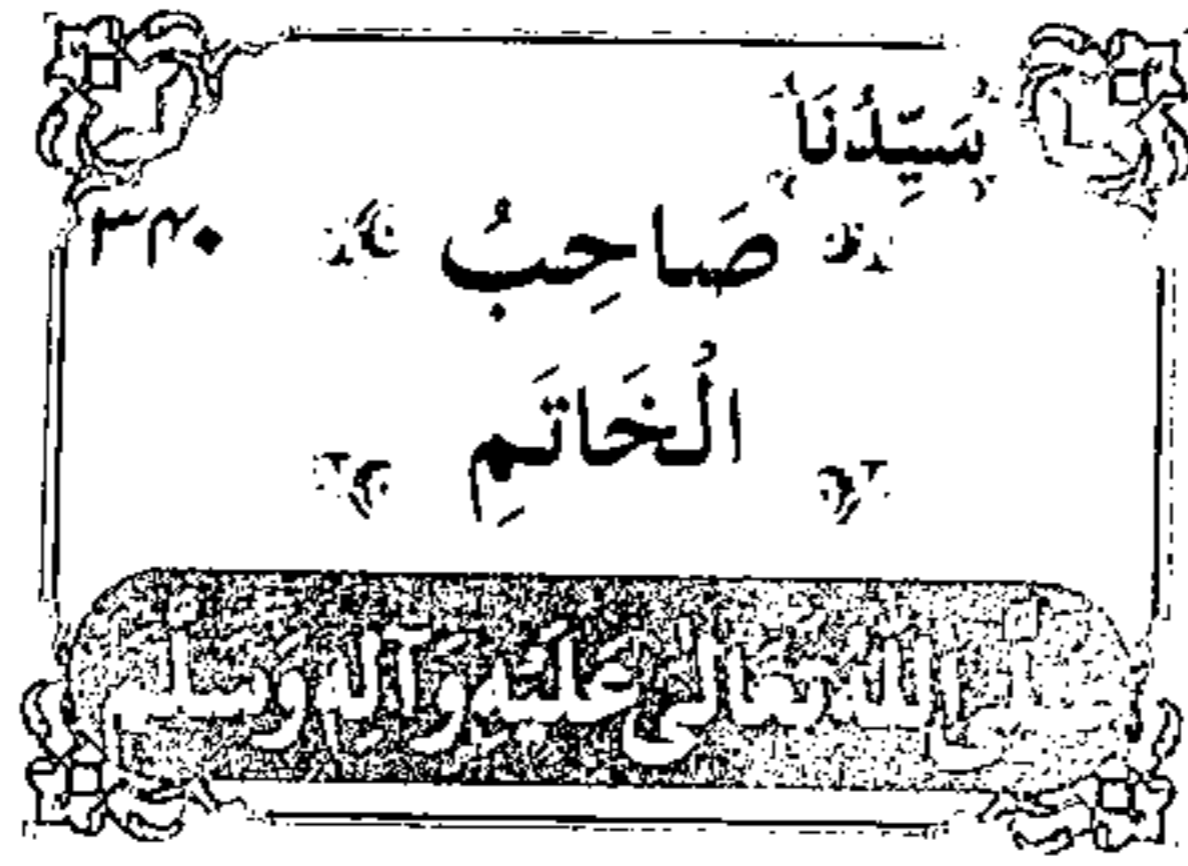
صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

اس سے مراد خاتَمِ نُبُوَّت (مہر نبوت) ہے جسمانی صفاتِ نبوی کے باب میں اس پر گفتگو آئے گی۔

یا اس سے مراد وہ انگوٹھی ہے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پہنا کرتے تھے۔

اس پر کلام زینتِ نبویہ کے ابواب میں آئے گا۔
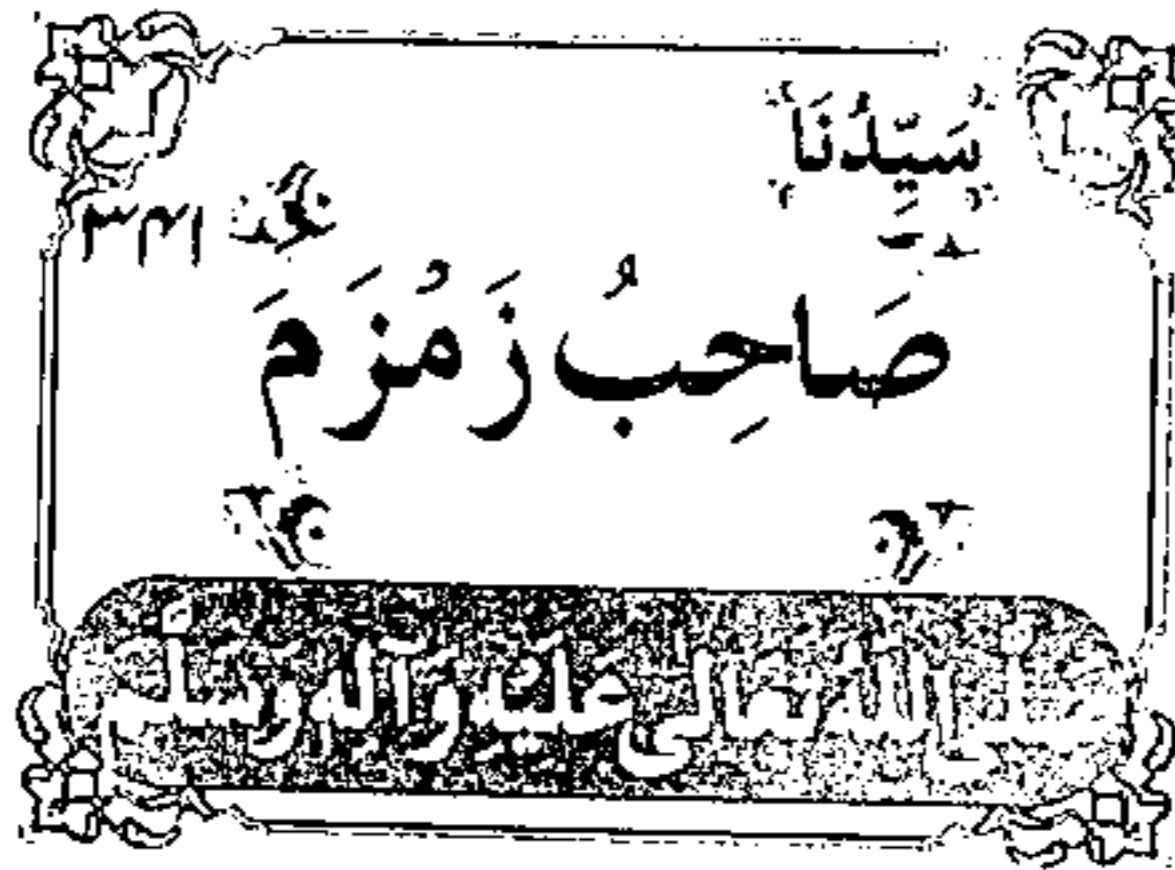
اس اسم مبارک کو علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن خالویہ نے ذکر کیا ہے۔

زمزم کے ضمن میں اس پر کلام گزر چکا ہے۔
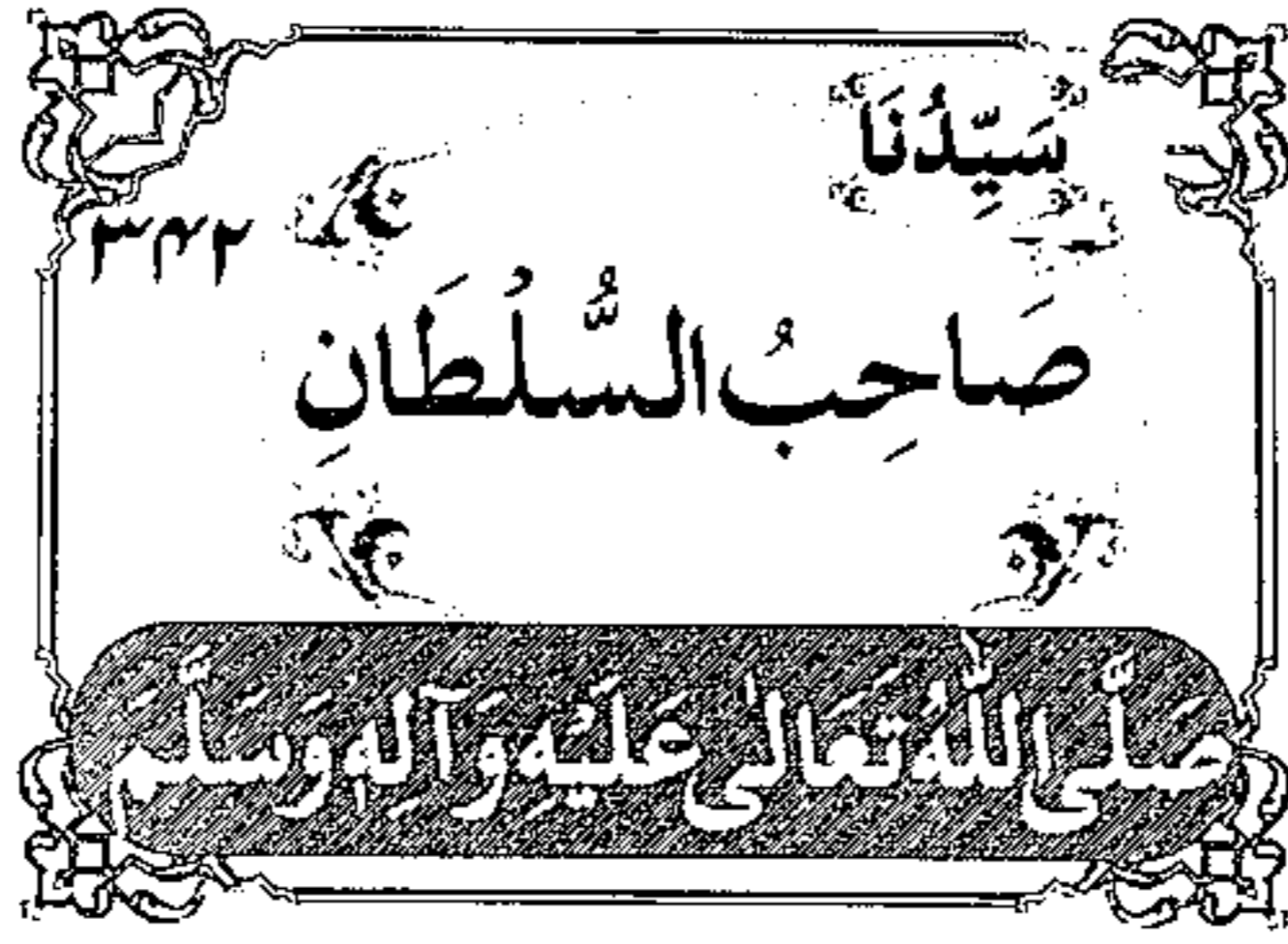
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کتب سابقہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جو اسمائے مبارکہ مندرج ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

"نبوت شَعْیَاء" کی کتاب میں ہے جیسا کہ علامہ ابن ظفر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:۔

"اس کے غلبہ کی نشانی اس کے کندھے پر ہوگی۔"

عِبْرَانیوں کی روایت میں اس کی بجائے یوں ہے:۔

"اس کے کندھے پر خَاتَمِ نُبُوَّت ہوگی"۔

اثر سے مراد یہی ہے اور غلبہ سے مراد نبوت ہے۔

لفظِ سُلطان کے ضمن میں اس پر کلام ہو چکا ہے۔

قدیم کتابوں میں مذکور اوصافِ نبویہ میں سے ایک یہ بھی ہے۔

اس کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قتال اور جہاد فرمانے والے ہیں اور انہی کتابوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے پر ہوگی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

بُعِثْتُ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یُعْبَدَ اللّٰہُ لَاشَرِیْکَ لَہٗ [1]

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے تلوار دے کر بھیجا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

لطیفہ:...... علامہ جمال الدین ابن نباتۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تلوار اور قلم کے درمیان مفاخرت کے موضوع پر ایک مقالہ تحریر کیا ہے، آپ نے اس میں قلم کی خصوصیات اور تلوار کی اس پر فوقیت بیان کرتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار کو اپنے ہاتھ سے تھاما ہے قلم کو ہاتھ میں نہیں لیا۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سلاح کے باب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تلواروں کا ذکر آئے گا۔

---

[1] المسند احمد ۲/۵۰۔

خصائص نبویہ اور شفاعت نبوی کے ابواب میں اس پر کلام آئے گا۔

لِوَاء سے مراد لِوَاءُ الْحَمْد ہے۔ کبھی اس سے مراد وہ جھنڈا لیا جاتا ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنگ میں باندھا کرتے تھے تو یہ قِتَال سے کنایہ ہوگا۔

صحاح [1] میں ہے کہ مَحْشِرٌ شین کی زیر کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی ہے قیامت کے دن حشر (اکٹھا) ہونے کی جگہ۔

صاحبُ مَحْشَرِ سے مراد یہ ہے کہ اس روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت ہوگی۔ نیز اس روز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صاحب شفاعت، صاحب لِواء، صاحب مقام محمود اور صاحب کوثر ہوں گے۔ کثیر تعداد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات ظاہر ہوں گی جو کسی اور کو نصیب نہ ہوں گی۔

یہ نام مبارک انجیل میں وارد ہے جیسا کہ رَاكِبُ الْجَمَل اسم مبارک کی بحث میں گزر چکا ہے۔

صحاح میں ہے:۔ مِدْرَعَةٌ اور مِدْرَعٌ دونوں کا معنی لوہے کی زرہ ہے۔

اس اسم مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنگ اور قِتَال فرمانے والے ہوں گے۔

---

[1] حَشْرٌ مصدر دو باب سے مستعمل ہے: (۱) ضَرَبَ۔ (۲) نَصَرَ۔ اگر ضَرَبَ باب سے مستعمل ہو تو اس کا اسم ظرف مَحْشِرٌ ہوگا، جیسا کہ صاحب صحاح نے فرمایا۔ اور اگر نَصَرَ باب سے ہو تو اس کا ظرف مَحْشَرٌ ہوگا، جیسا کہ متن میں مذکور ہے۔ محمد علیم الدین عفی عنہ
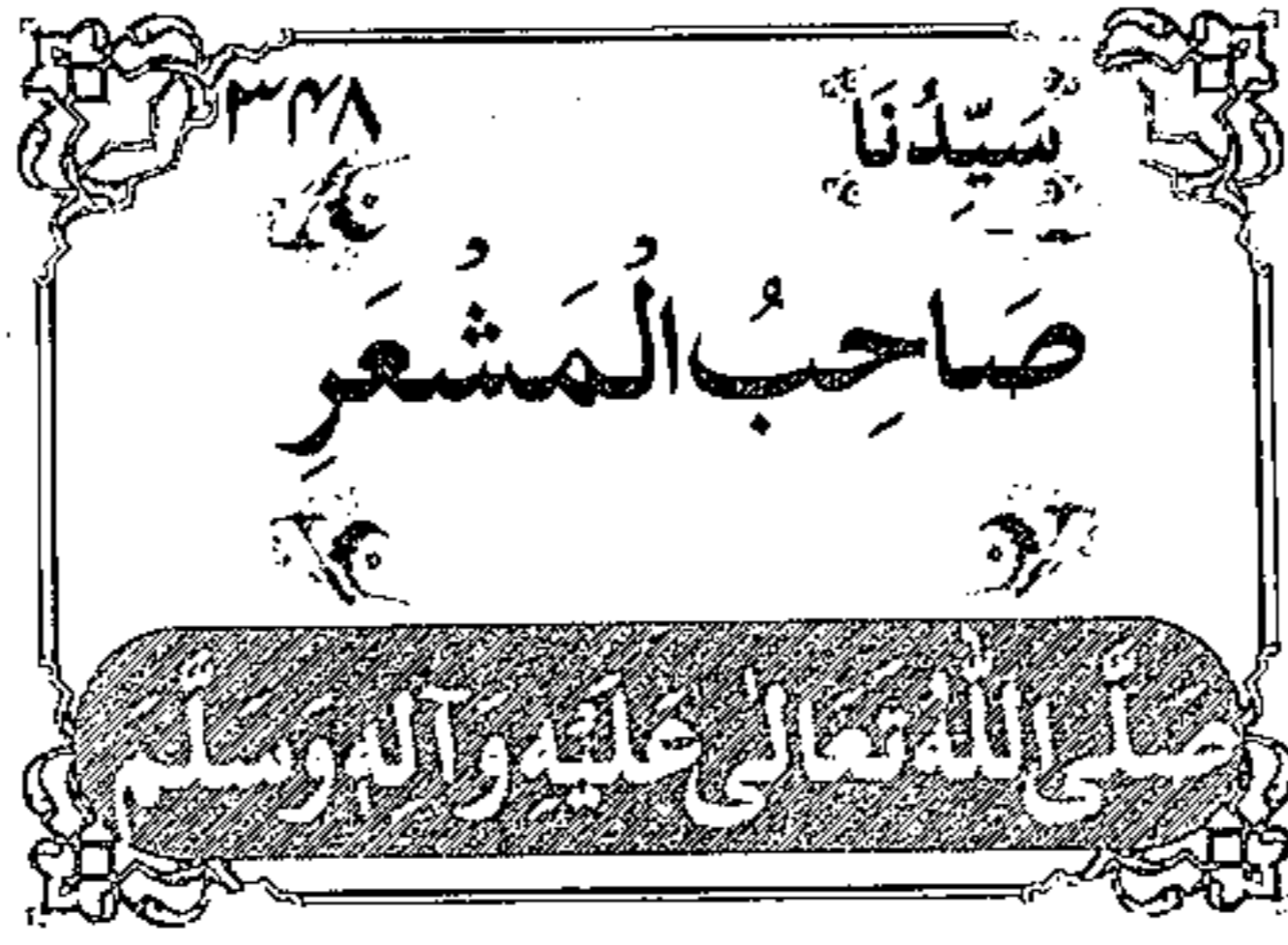
علامہ ابن خالویہ نے فرمایا کہ مَشْعَرْ میم پر زبر کے ساتھ ہے۔

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک تلفظ میم کے نیچے زیر کے ساتھ بھی کیا ہے۔

صاحب المطالع نے فرمایا میم کے نیچے زیر کے ساتھ جائز ہے لیکن یہ وارد نہیں ہے

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تَھْذِیب میں فرمایا اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

تفسیر، حدیث، اخبار اور سیرت کی کتابوں میں مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد پورا مُزْدَلِفَة ہے۔

اسے مَشْعَر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شعائرِ اسلام یعنی دین کی علامات کثرت سے ہیں۔

اس پر کلام آئندہ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔
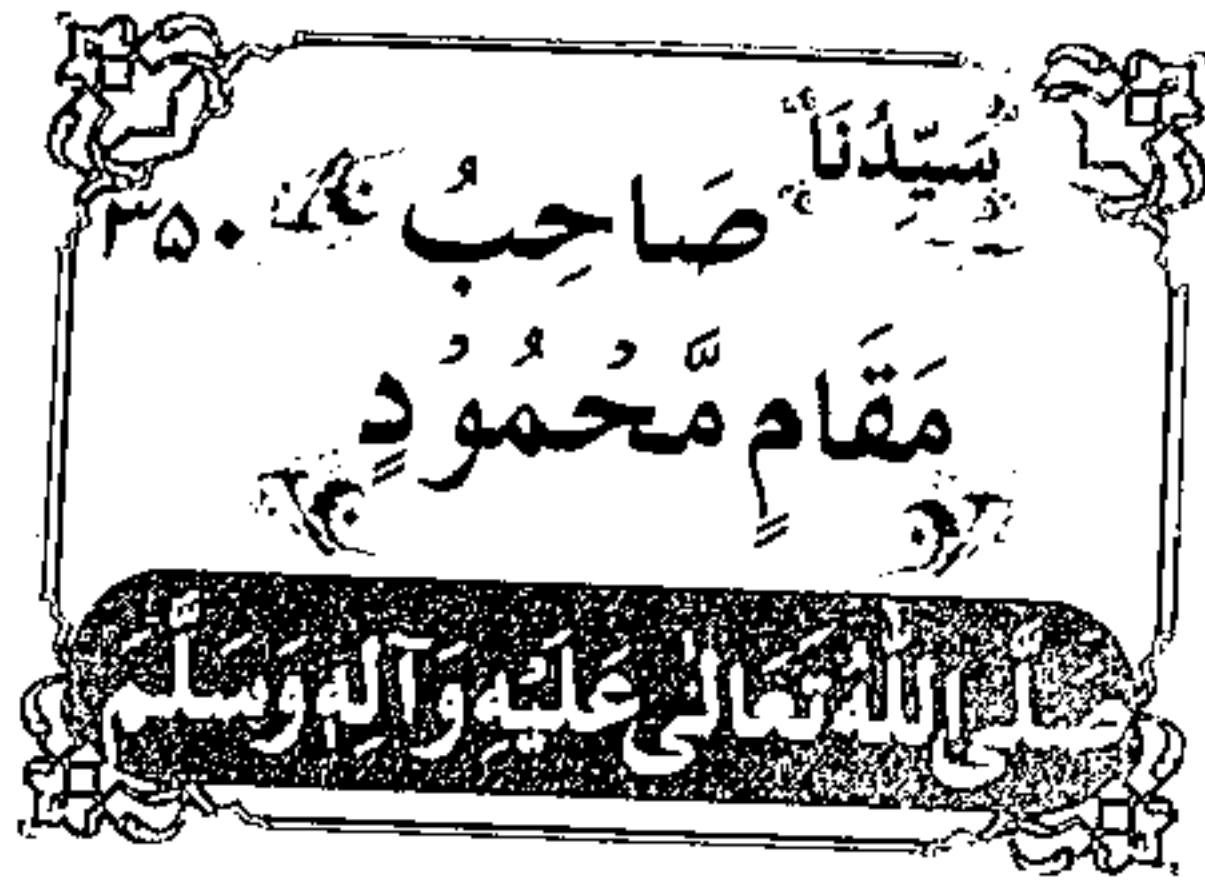
علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس امر پر اجماع ہے کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے۔

شفاعتِ نبویہ اور خصائصِ نبویہ کے ابواب میں اس پر کلام آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔
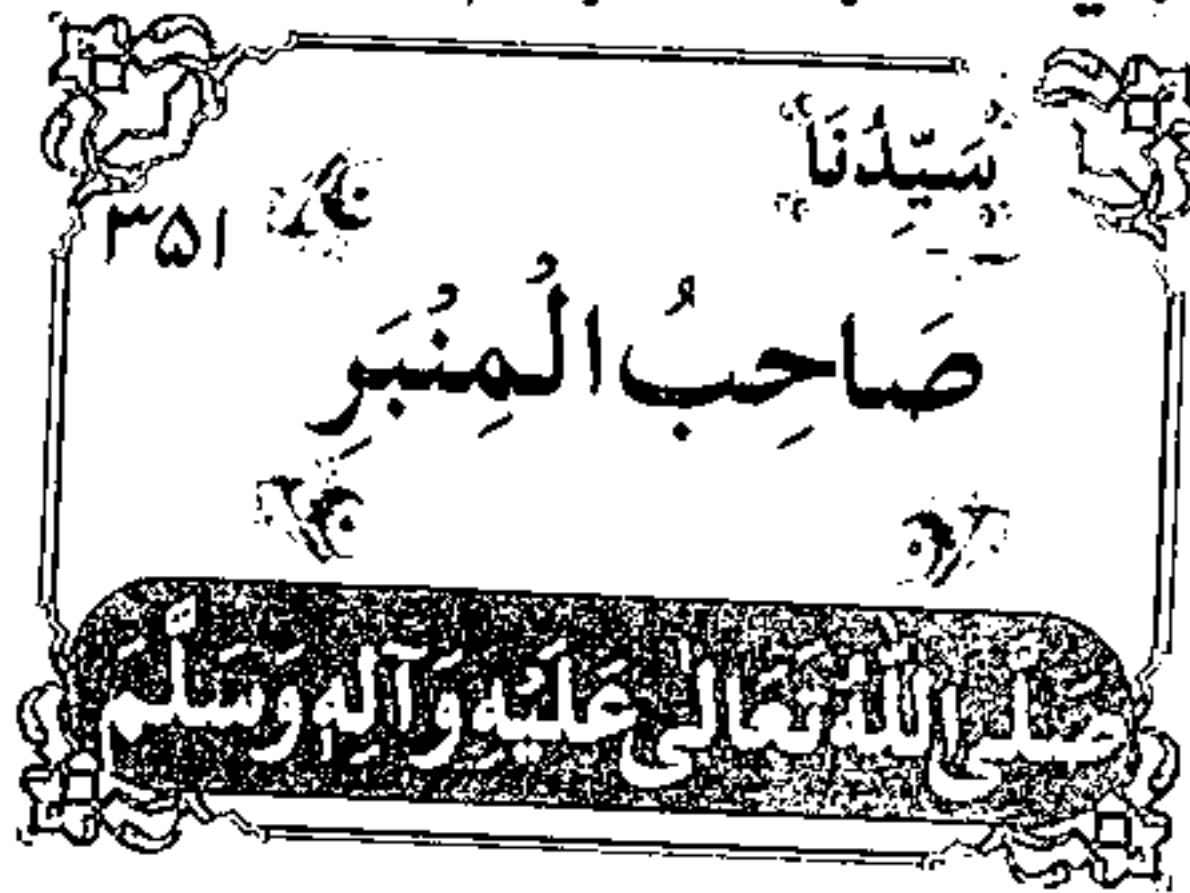
مِنبَر میم کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔ جو نَبْرٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ''بلند کرنا'' ہے۔

واقعات کے ضمن میں اس پر گفتگو آئے گی۔
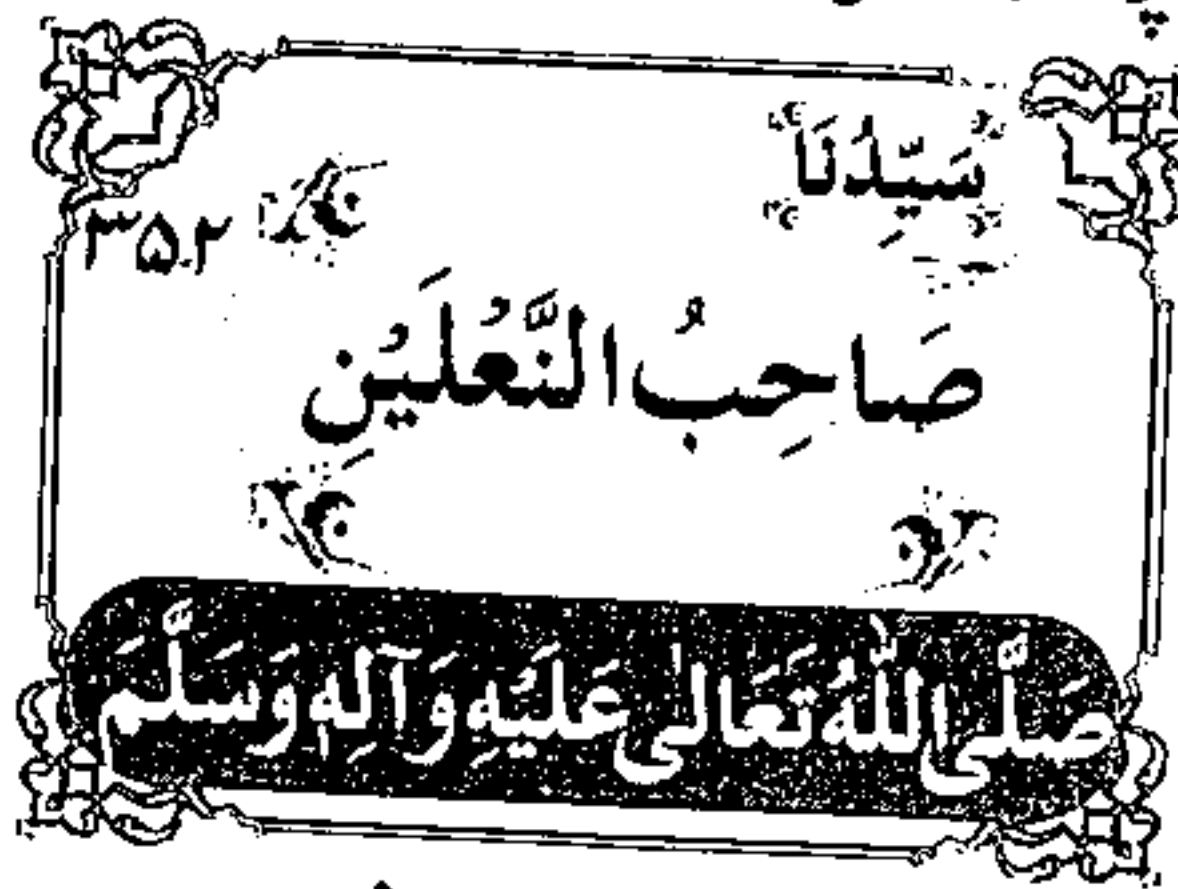
حرف راء کے اسماء کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ یہ اسم گرامی انجیل میں وارد ہے۔

اس کی مزید وضاحت لباس نبوی کے باب میں آئے گی۔
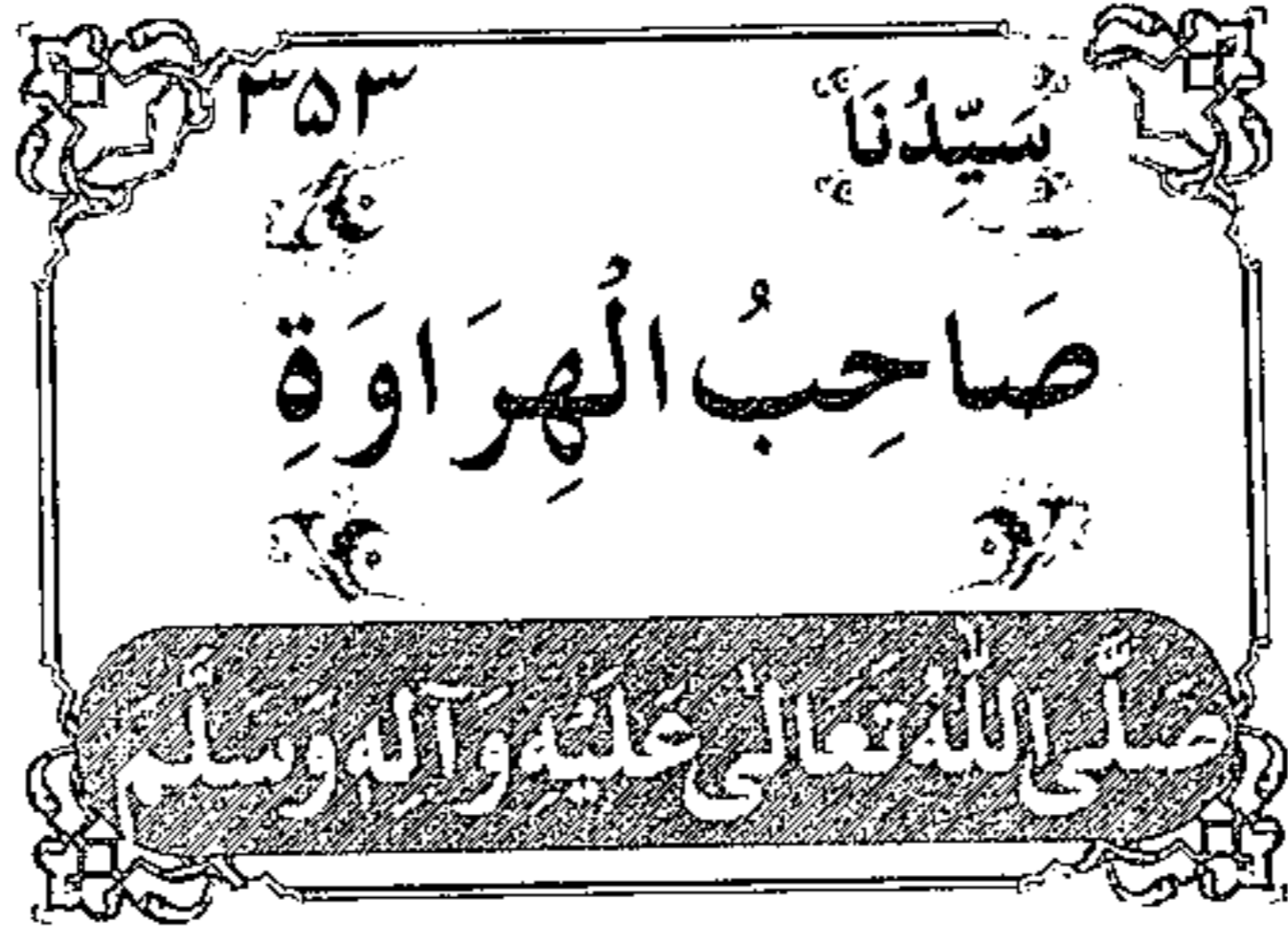
یہ اسم مبارک بھی انجیل میں وارد ہے جس طرح کہ حرف راء کے اسمائے مبارکہ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

هِرَاوَة. ہا کے نیچے زیر کے ساتھ عصا (لاٹھی) کے معنی میں ہے۔

میرا خیال ہے اس سے مراد وہ عصا ہے جو اسِ حدیثِ حوض میں مذکور ہے، حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے:

اَذُوْدُ النَّاسَ عَنْهُ بِعَصَایَ اِلَی الْیَمِیْنِ۔

ترجمہ: میں لوگوں کو اس سے اپنے عصاء کے ساتھ دائیں جانب ہٹاؤں گا۔

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ توجیہ ضعیف ہے، کیوں کہ اس سے مراد سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی تعریف ہے جس کو لوگ دیکھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر اس سے دلیل اخذ کریں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس نام کے ذریعہ کتب سابقہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت مذکور ہے، لہٰذا اس کی تفسیر اس عصاء کے ساتھ کرنا جو آخرت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوگا درست نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستِ مبارک میں اکثر لاٹھی تھامے رکھتے تھے۔ اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو ایک عصا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے ہوتا اس کو گاڑا جاتا پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف رخ فرما کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اَبُو مُثَنّٰی اُمْلُوکی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ان سے انبیائے کرام علیہم السلام کے لاٹھی تھام کر چلنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ ان کی اپنے رب تعالیٰ کے حضور عاجزی اور تواضع تھی۔

﴿وضاحت﴾ اُمْلُوکی شروع میں ہمزہ اور پھر لام پر پیش کے ساتھ ہے۔

توراۃ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں یوں مذکور ہے کہ:۔
اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ٹیڑھا دین سیدھا نہ ہو جائے اور لوگ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' نہ کہنے لگیں۔
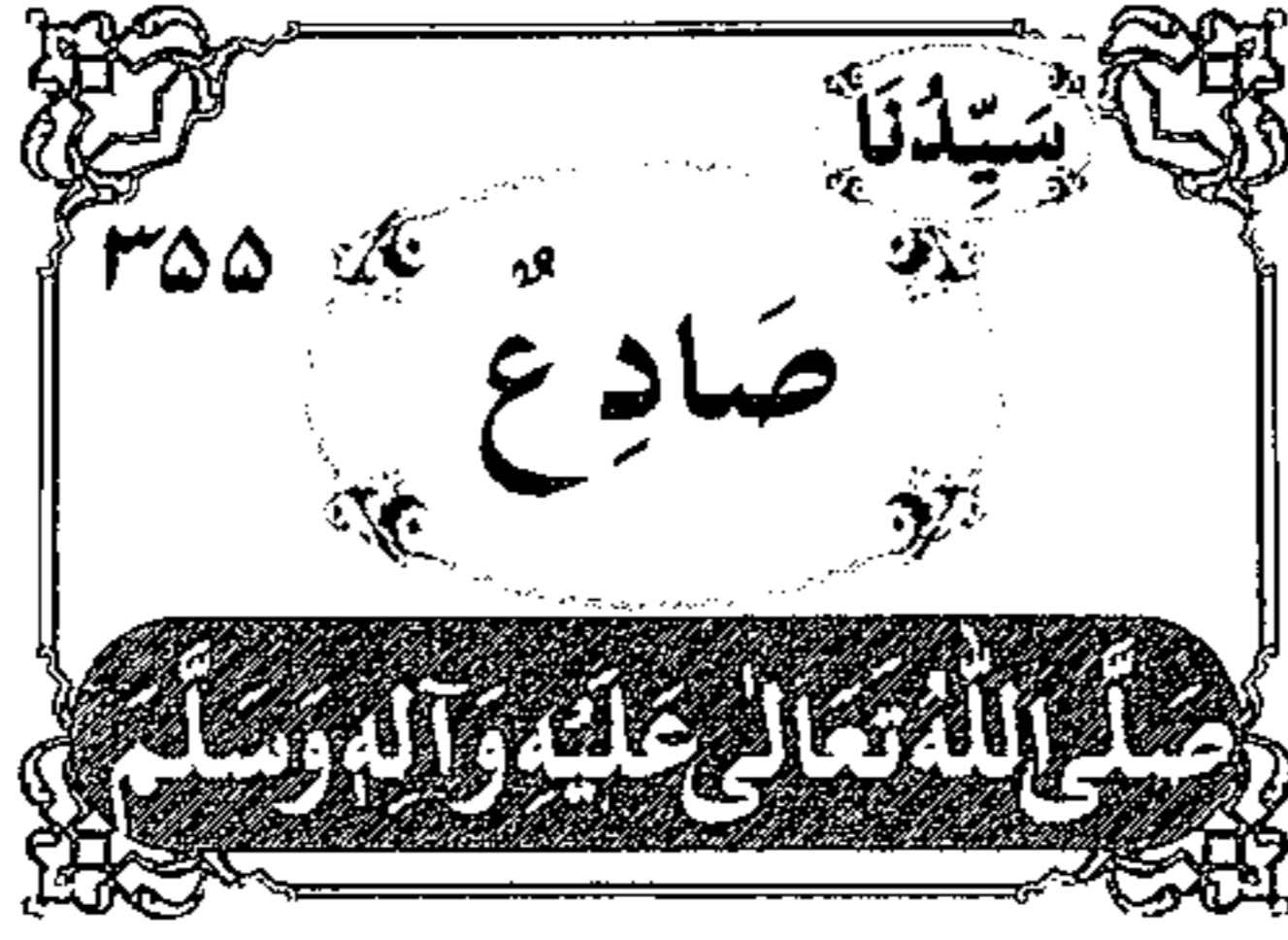
یہ اسم صَدَعَ بِالْحُجَّۃِ بمعنی اس نے باآواز بلند دلیل بیان کی اور صَدِیْعٌ سے جس کا معنی فجر ہے سے ماخوذ ہے۔ یا یہ: صَدْعٌ بمعنی جدا کرنا اور الگ کرنا سے مشتق ہے۔

اسے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درجِ ذیل آیہ مبارکہ سے اخذ فرمایا ہے:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ.

ترجمہ: جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے علانیہ کیجئے۔

(اس آیت کے معنوں میں کئی اقوال ہیں):۔

﴿۱﴾ معاملہ کو خوب واضح کر دیجئے اس طرح کہ کوئی خفا باقی نہ رہے۔

جس طرح کہ شیشہ کی شکستگی مندمل نہیں ہوسکتی، یہ تبلیغ سے کنایہ ہے، اور دونوں کے درمیان وجہ اشتراک تاثیر ہے۔

﴿۲﴾ اسے ظاہر کر دیجئے۔

﴿۳﴾ اسے کر گزریئے۔

﴿۴﴾ اسے جدا کر دیجئے۔

اور بِمَا تُؤْمَرُ سے مراد قرآن مجید ہے۔

یا اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت ہے۔

یعنی حق کو واضح کر دیجئے اور باطل سے اس کو الگ کر دیجئے۔
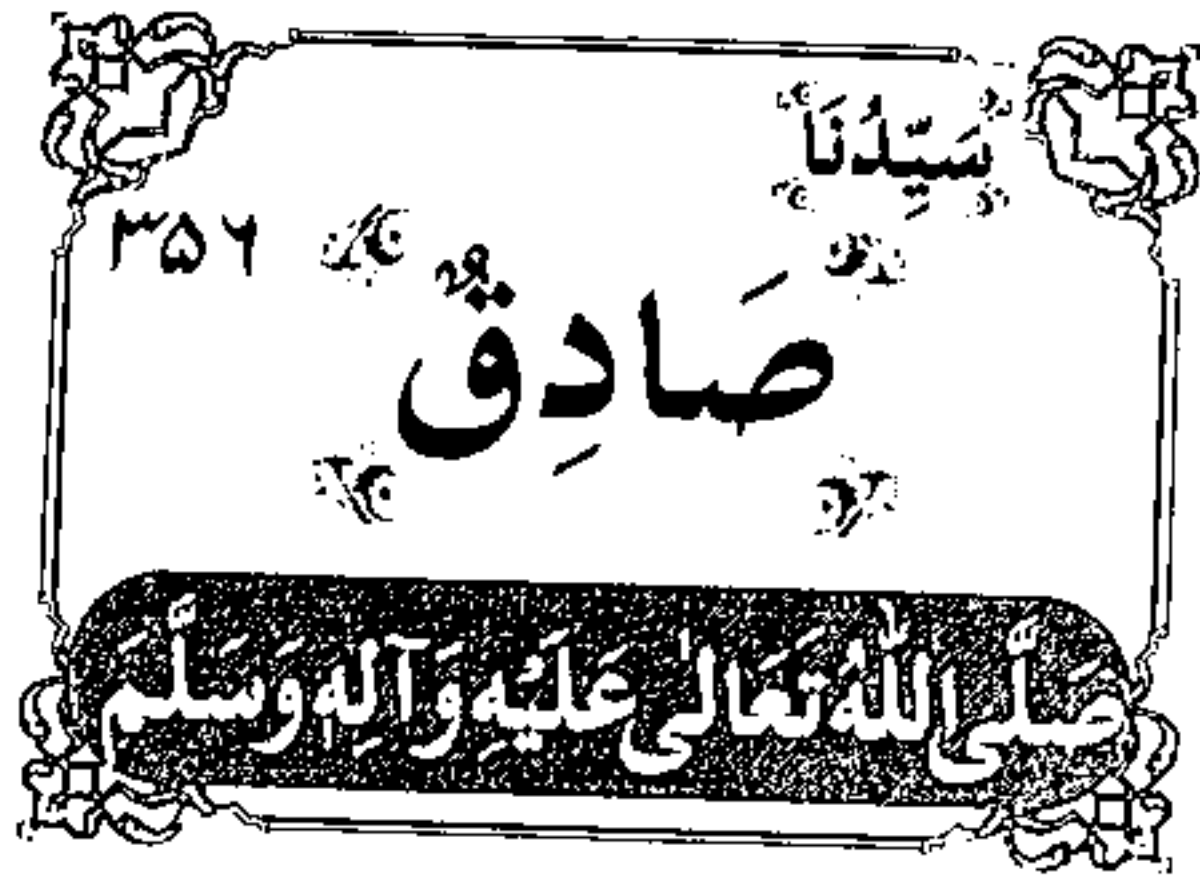
یہ اسم مبارک صِدق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جوان اخبار کے پہنچانے میں سچے ہیں اور انہیں اس معاملہ میں سچا قرار دیا گیا ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

صَادِق اور مَصدُوق آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ایسا واضح نام تھا جو اسمِ عَلَم کے قائم مقام ہے۔

حضرت زُبَیر بن بَکّار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابوجہل نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی اور کہنے لگا: ''ہم آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا قرار نہیں دیتے لیکن جو کچھ آپ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) لائے ہیں اس کو جھوٹ قرار دیتے ہیں'' اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت مبارکہ نازل کی:۔

فَاِنَّھُمْ لَایُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ۔

ترجمہ: وہ آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے لیکن ظالم لوگ اللہ تعالٰی کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالٰی کے اسماء مبارکہ سے بھی ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا:۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا۔

ترجمہ: بات میں اللہ تعالٰی سے بڑھ کر سچا کون ہے؟

اس کا ذکر معراج کی حدیث میں بھی وارد ہے۔

صَاعِد، صُعُوْد سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے ''اوپر چڑھنا'' عربی میں کہا جاتا ہے:۔

صَعِدَ فِی الْجَبَلِ (وہ پہاڑ پر چڑھا)

یا کہا جاتا ہے:۔ صَعِدَ فِی السُّلَّمِ، وہ سیڑھی پر چڑھا۔

نیز عربی محاورہ ہے: اَصْعَدَ فِی الْاَرْضِ، اس کا معنی ہے اس نے ایسی زمین کا رخ کیا جو پہلے سے نسبتاً اونچی تھی، اور ابو عمرو نے کہا اس کا معنی ہے وہ چلا گیا جدھر اس کا رخ ہو گیا۔ معراج کے ابواب میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔
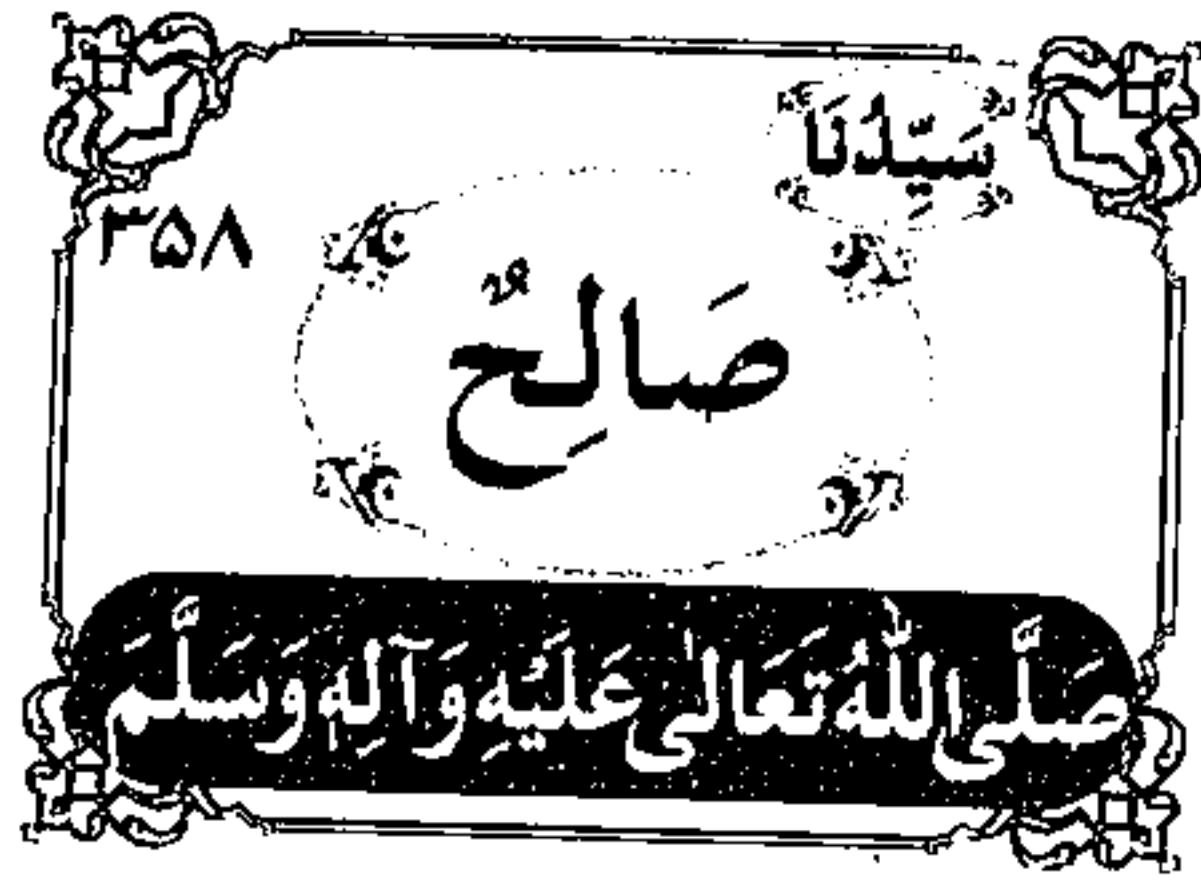
معراج کی رات آسمانی سفر کی حدیث میں انبیائے کرام علیہم السلام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یوں خوش آمدید کہا:۔

مَرۡحَبَا م بِالۡاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ۔

ترجمہ: صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید۔

صَالِح ایسا لفظ ہے جو بھلائی کے تمام معانی کا جامع ہے۔ علامہ زجاج علیہ الرحمۃ نے کہا صالح وہ شخص ہے جو ان اَحکام کو بجالائے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کئے نیز لوگوں کے حقوق بھی پورے کرے۔

مَطَالِع میں ہے کہ صَالِح کا معنی ہے ان تمام حقوق کی ادائیگی کا بندوبست کرنے والا جو اس پر لازم ہیں۔
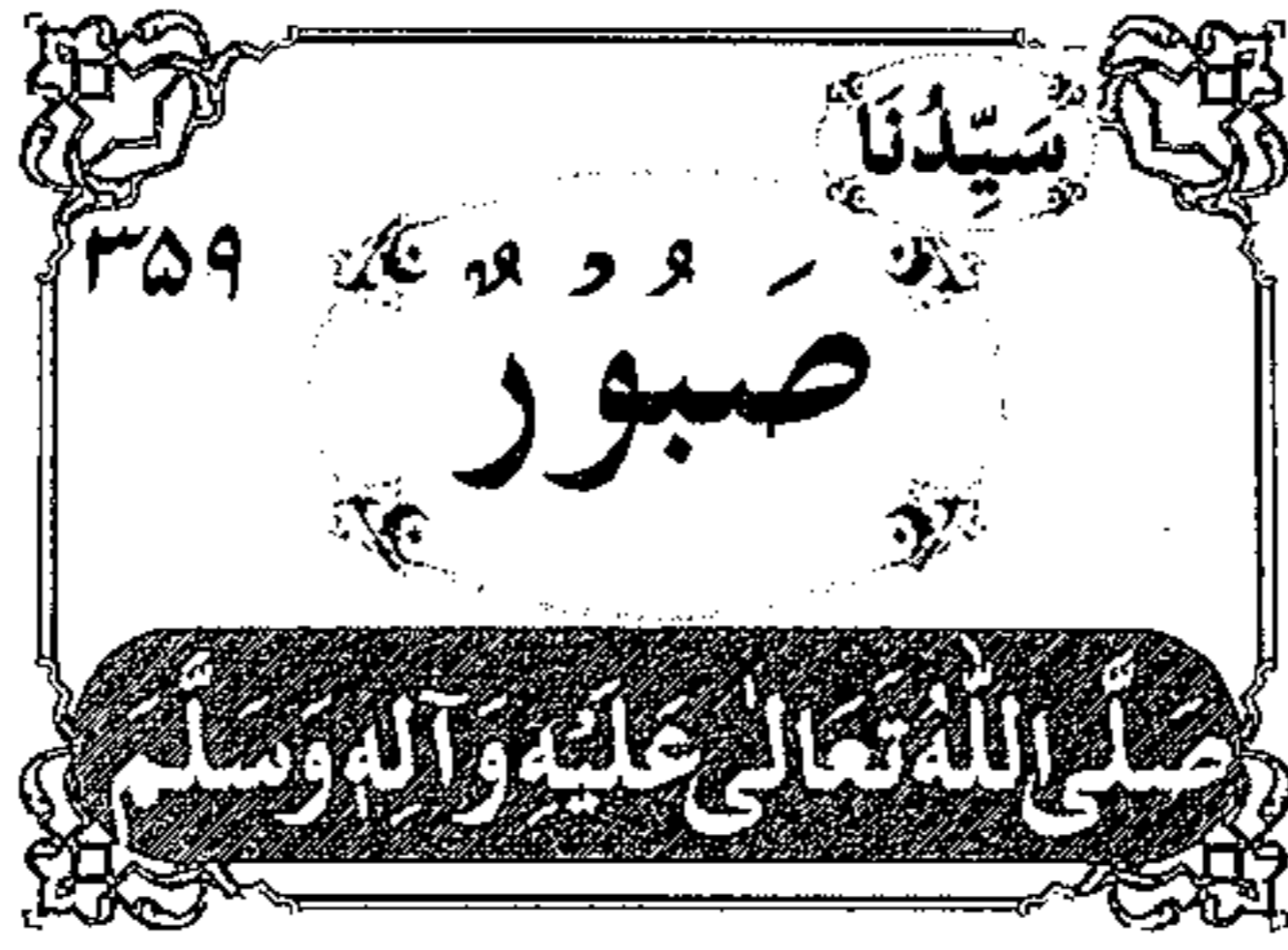
یہ لفظ صَبْرٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ فَعُوْلٌ کے وزن پر اسمِ فاعل کے معنوں میں ہے۔

اس کا معنی ہے وہ شخص جس کو جلد بازی مواخذہ پر آمادہ نہ کر سکے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کی طرف سے ایذاؤں کے باوجود شدید صبر فرماتے تھے اور ان پر حلم و بردباری کا مظاہرہ اس حد تک فرمایا کرتے تھے کہ اُحد کے دن عتبہ بن ابی وقاص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارا جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نیچے کے دو رُبَاعِی داندان مبارک ٹوٹ گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔

عبداللہ بن شہاب زہری نے اسلام لانے سے قبل چہرہ انور کو زخمی کیا۔

اور عَبْدُ اللّٰه بن قَمِئَة نے زخم لگایا، رخسار منور کو زخم لگایا اور زرہ کے دو حلقے اس میں دھنس گئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے حق میں ایذاء کے لئے دعا کی درخواست کی گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ.

ترجمہ: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیوں کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعائے ہدایت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بجا آوری تھی جس میں تسلی دیتے ہوئے یوں کہا گیا تھا:۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ.

ترجمہ: آپ اس طرح صبر کیجئے جس طرح عزم والے رسولوں نے صبر کیا تھا۔

عزم والوں سے مراد وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے کام کے کرگزرنے پر دل میں گرہ باندھ لی۔

اُولُوالْعَزْم رسول یہ ہیں:۔

﴿۱﴾ حضرت نوح علیہ السلام۔

﴿۲﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

﴿۳﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

﴿۴﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ [۱]

صَبُوْر اسمائے باری تعالیٰ میں سے بھی ہے۔اس صورت میں اس کا معنی ہے وہ ذات پاک جس کو جلد بازی گناہ گاروں کے مواخذہ پر برانگیختہ نہیں کرسکتی اور نہ ہی سرکشوں کو عذاب دینے پر ابھار سکتی ہے۔

صبر اور حلم کے درمیان فرق یہ ہے کہ حلم میں بالآخر سزا کا تصور نہیں ہوتا اور صبر میں ہوتا ہے۔

---

[۱] الدر المنثور السیوطی ۲/۲۹۸ بحوالہ ابن ابی شیبہ، کتاب الزہر امام محمد، ابونعیم ، ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہم
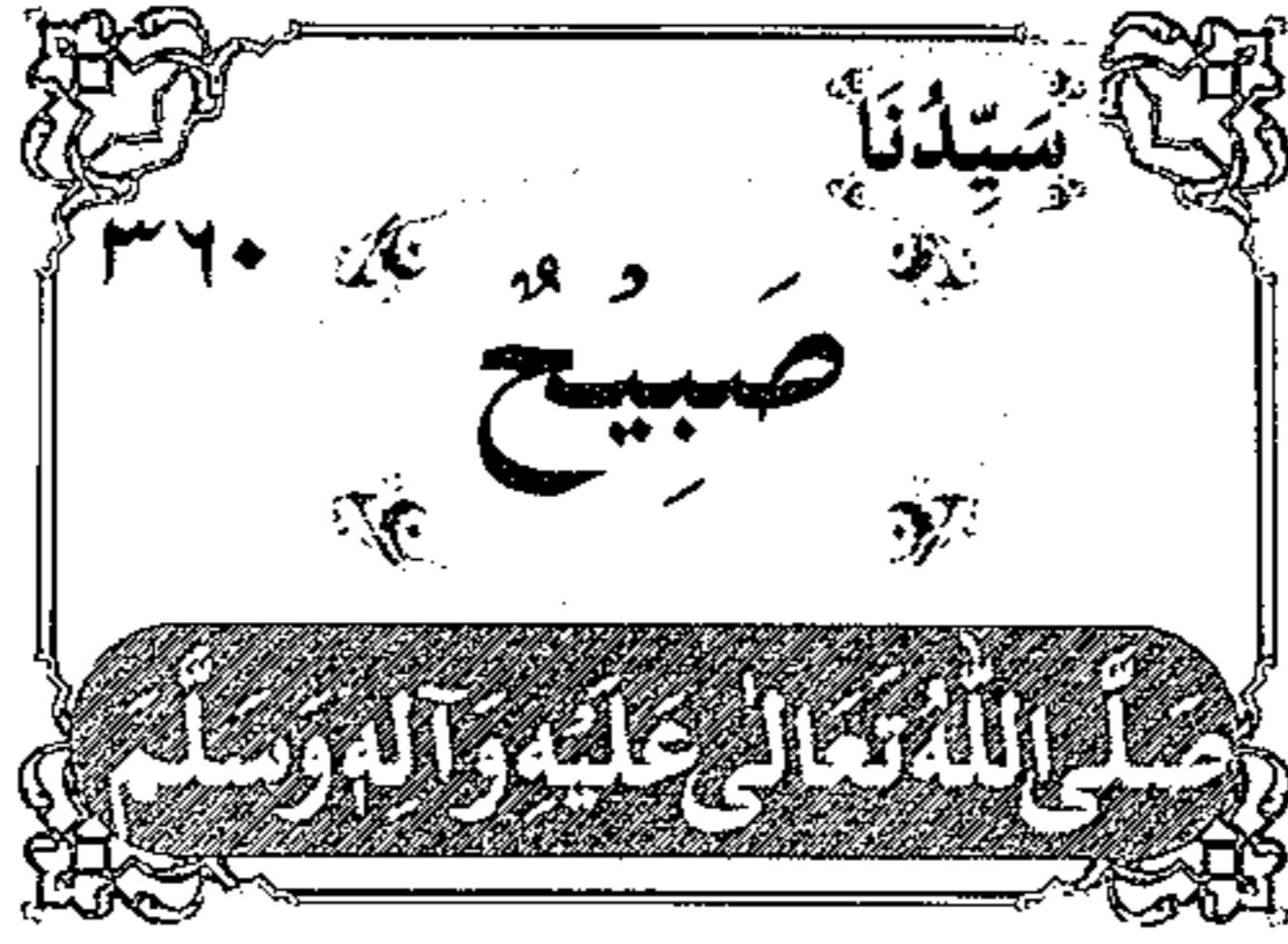
صبیح کا معنی ہے جمیل، یہ صَبَاحَت سے صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے۔ صَبَاحَت کا معنی ہے حسن و جمال۔

اس کی ماضی صَبُحَ بروزن کَرُمَ، صفتِ مشبہ اور مبالغہ کے صیغے صَبِیْحٌ اور صُبَّاحٌ بروزن فَلَّاحٌ اور بروزن اُمَّانٌ آتے ہیں، جس کا معنی ہے ''جمیل، حسین''۔

اس اسم سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسین اور بڑھ کر جمیل تھے۔ جیسا کہ حسنِ نبوی کے باب میں آئے گا۔
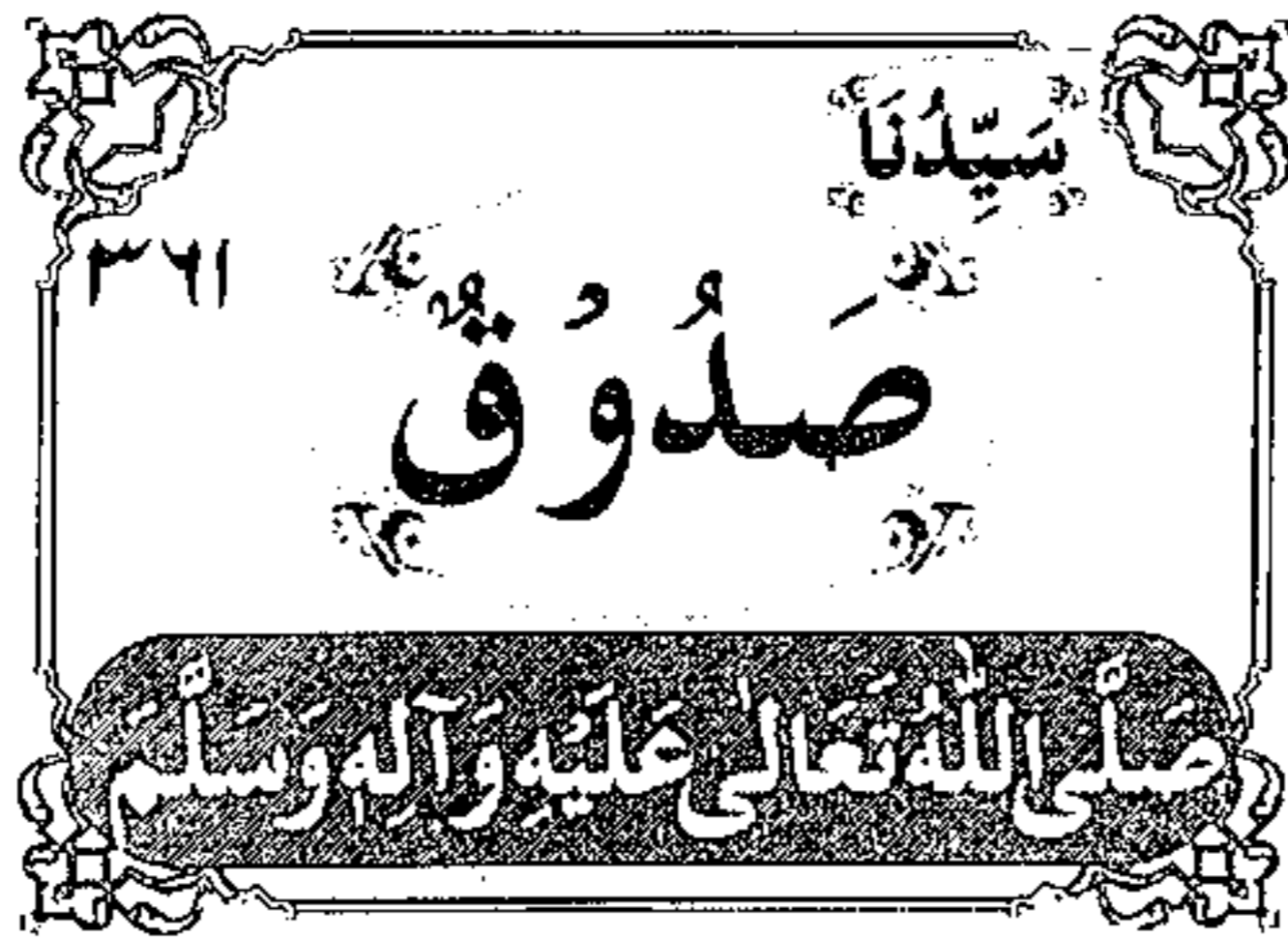
اس کا معنی ہے ''وہ ذات جس میں تکرار کے ساتھ صدق بمعنی اخلاص پایا جائے۔

اس کا اولین مرتبہ یہ ہے کہ ظاہر اور باطن برابر ہو جائے۔

امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد: ارادہ کے ساتھ ایک خدا پر ایمان لانا ہے۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بعض علماء سے نقل کیا ہے یہ اس آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے:۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ وَکَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْجَآءَہٗ ۔

ترجمہ: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اور صدق کی تکذیب کرے جب وہ اس کے پاس آچکا۔

اس کا تلفُّظ دال کی تشدید کے ساتھ ہوتا ہے، جس کا معنی ہے یقین کرنے والا۔

یہ صِدْقٌ مصدر سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

یا اس کا معنی ہے ’’وہ شخص جو اپنی بات کو اپنے عمل سے سچا ثابت کرے‘‘۔
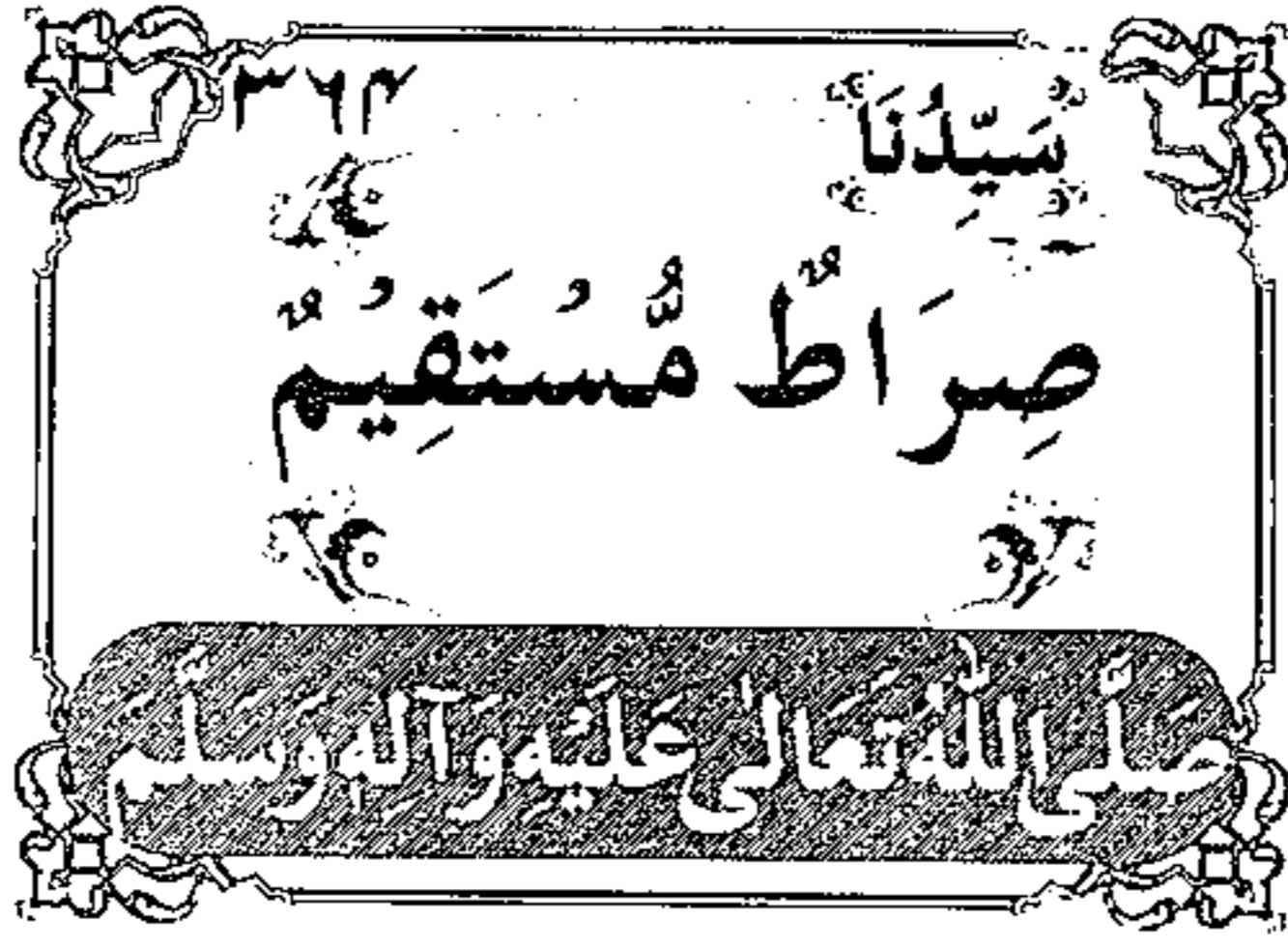
حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اس سے مراد حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات ہے''۔

امام عَبْد بن حُمَیْد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا.

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح کے ساتھ اس قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اس اسم سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا رستہ ہیں۔صراط کے معنی میں درج ذیل اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ رستہ ﴿۲﴾ واضح ﴿۳﴾ برابر۔

اس کا ایک تلفظ سین کے ساتھ (سِرَاط) بھی ہے اور مستقیم کا معنی ہے سیدھا، واضح، جس میں کوئی کجی نہ ہو۔
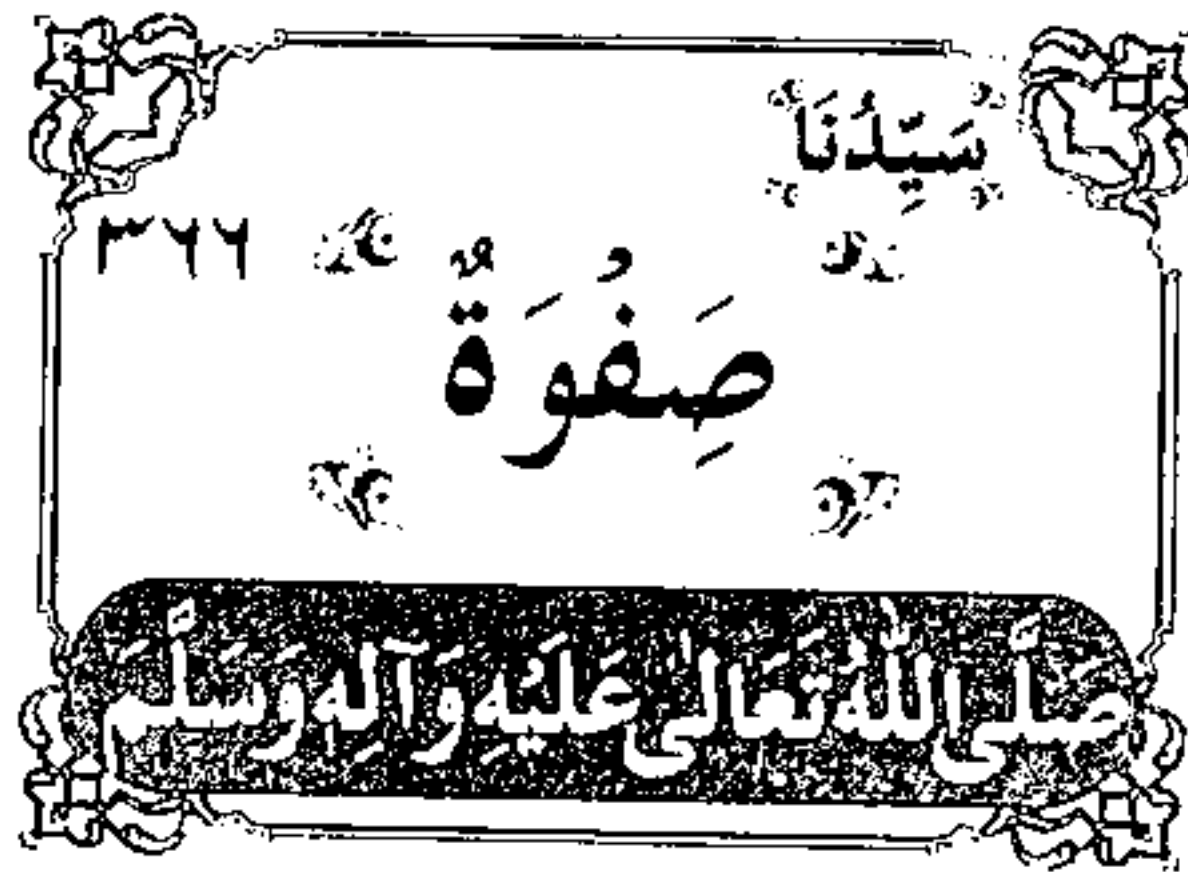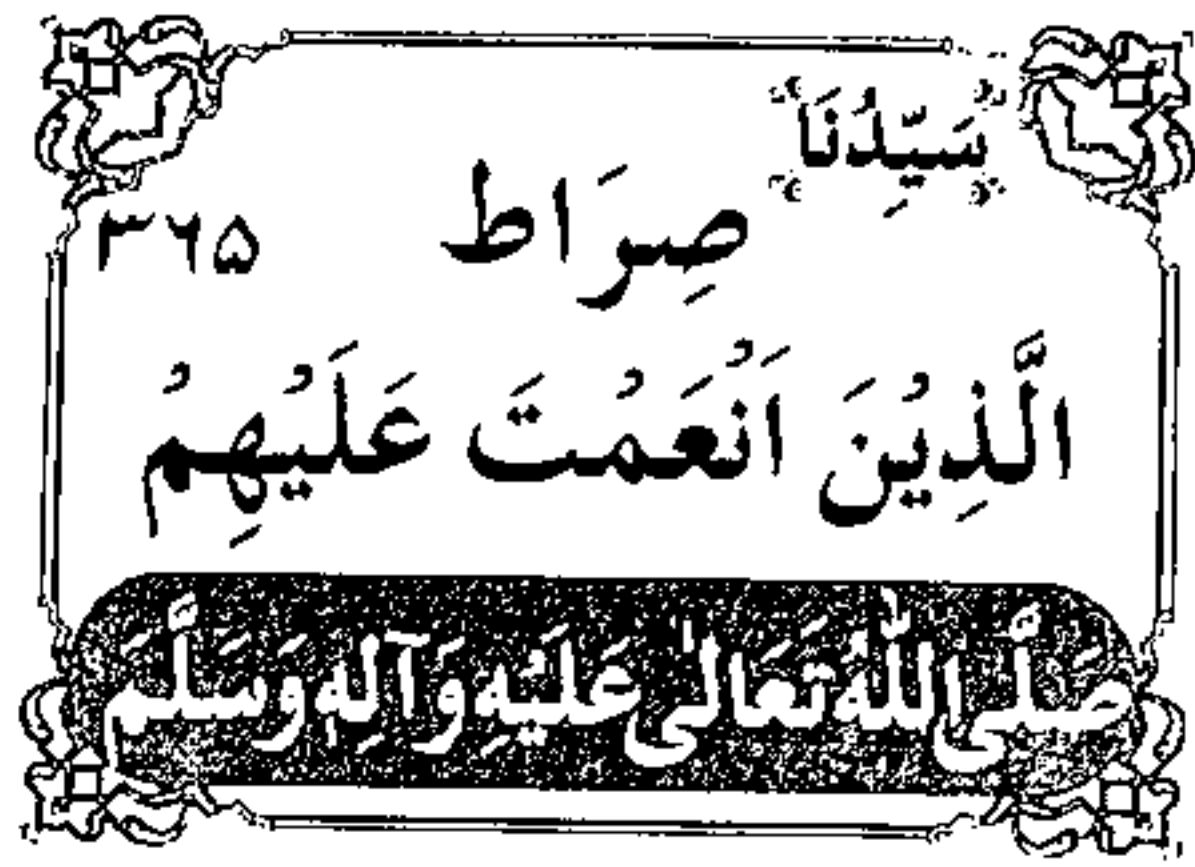
صِفْوَۃٌ میں صاد پر تینوں حرکات درست ہیں۔ اس کا معنی ہے ''بہتر، خلاصہ''۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کہا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے نزدیک بہتر ہیں۔
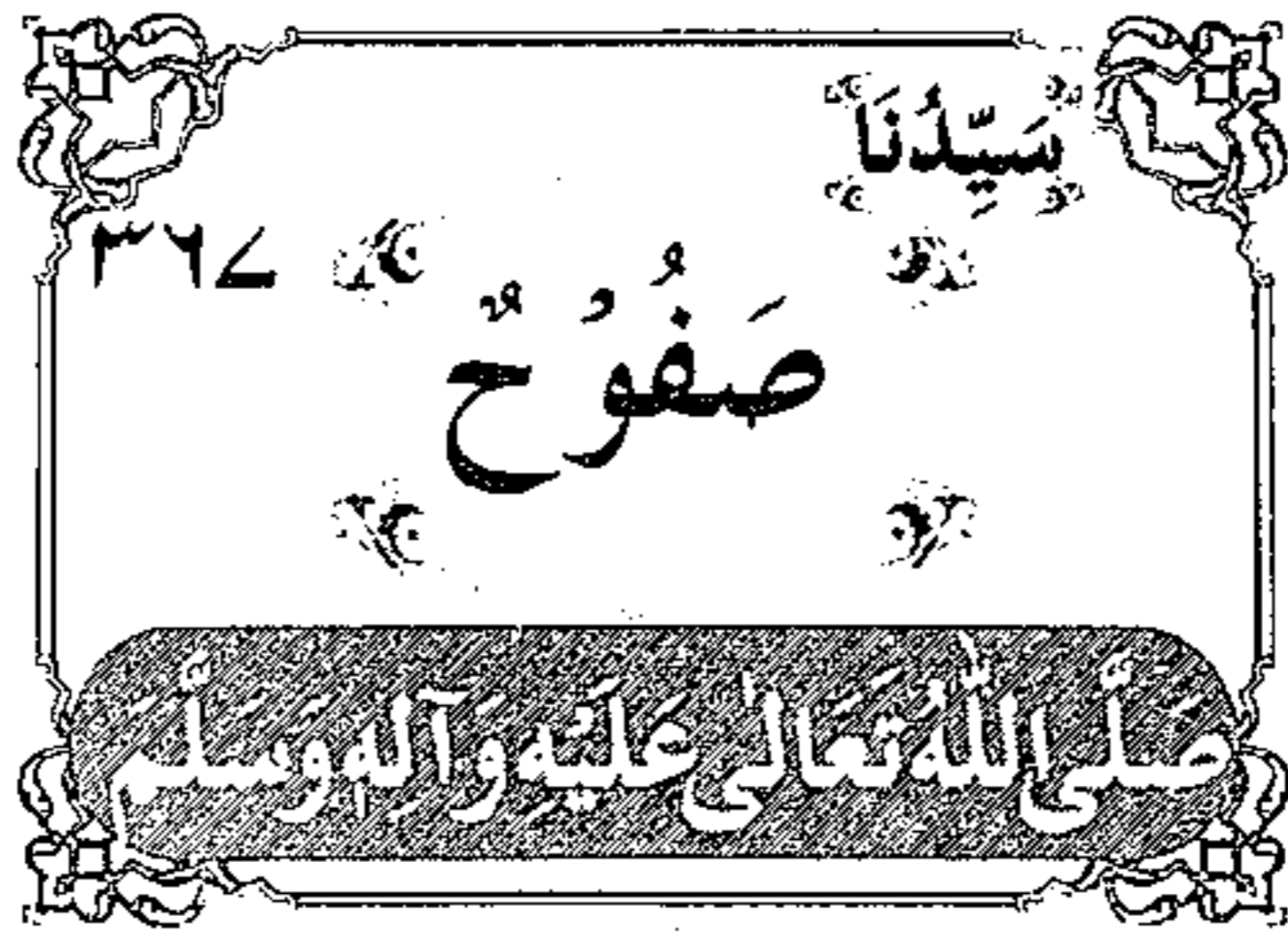
تورات میں مذکور صفات نبویہ سے ایک یہ بھی ہے۔

اس کا معنی ہے جو برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے بلکہ معاف کر دے اور درگزر کر دے۔

شمائل میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بدخُلق، بدکلام، بازاروں میں شور وغوغا کرنے والے، برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے نہ تھے بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معاف فرما دیتے اور درگزر کر دیتے تھے۔"

صَفُوحٌ صَفْحٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

صحاح میں ہے:۔ صَفَحْتُ عَنْ فُلَانٍ. اس کا معنی ہے میں نے اس کے گناہ کو معاف کر دیا۔

اَلْوَفَاءُ شَرْحُ الْاِصْطِفَاءِ میں ہے صَفْحٌ کا معنی ہے درگزر کو روبعمل لانا اور غلط کاروں سے درگزر اور اعراض کر لینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ۔

ترجمہ: اچھے طریقہ سے ان سے درگزر کر دیجئے۔

ایک قول یہ ہے کہ صَفْحٌ، عَفْوٌ کی نسبت سے بلیغ تر ہے، کیوں کہ انسان کبھی معاف کر دیتا ہے لیکن درگزر نہیں کرتا۔

شیخ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک عَفْوٌ، صَفْحٌ کی نسبت بلیغ تر ہے، کیوں کہ صَفْحٌ کا معنی ہے مواخذہ سے اعراض کرنا جب کہ عَفْوٌ کا معنی ہے گناہ کا مٹا دینا۔

مَحْو کے لوازم سے اعراض ہے اس کا عکس نہیں ہے۔
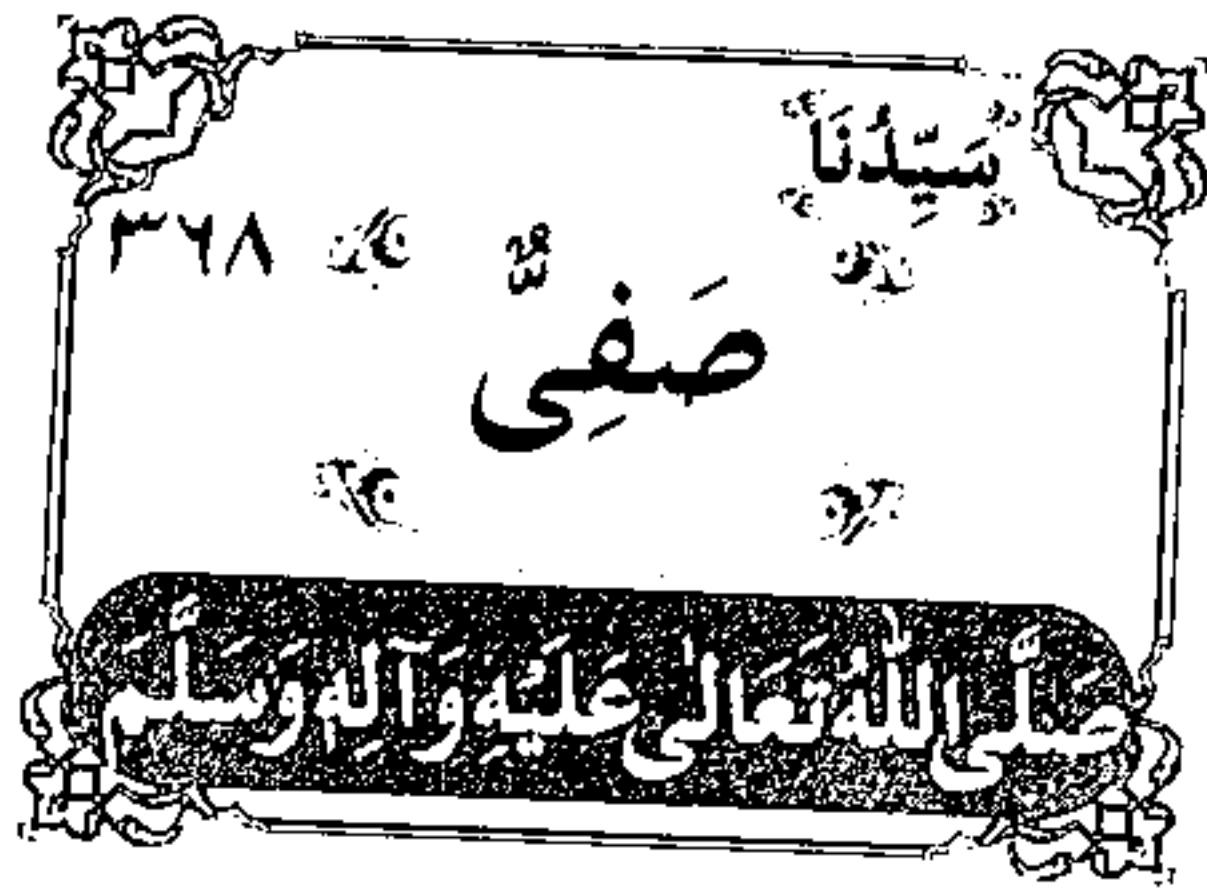
صَفِیّ اس چیز کو کہتے ہیں جو غنیمت کے مال سے کوئی بڑا آدمی اپنے لئے پسند کر کے رکھ لے۔

یہ فَعِیلٌ کے وزن پر اسم ہے جو اسمِ مفعول کے معنی میں ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوق سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرمالیا تھا۔

نَسَبِ نبوی کے باب میں اس کی مزید وضاحت گزر چکی ہے۔
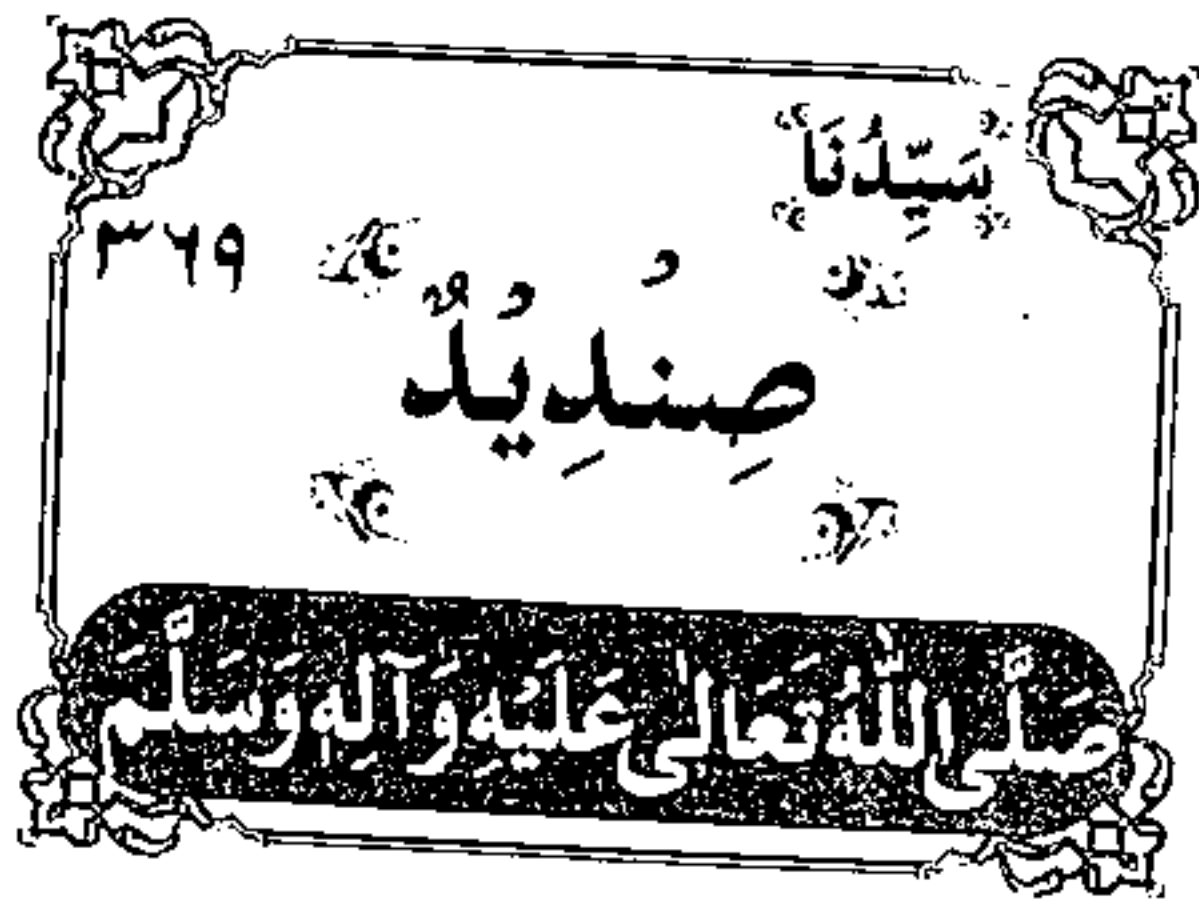
یہ اس مبارک صاد اور ہر دو جگہ دال کے ساتھ عِفْرِیْت کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے:۔ ایسا سردار جس کی اطاعت کی جائے۔ دلیر، بہادر یا حلم والا، یا سخاوت کرنے والا یا بزرگ۔
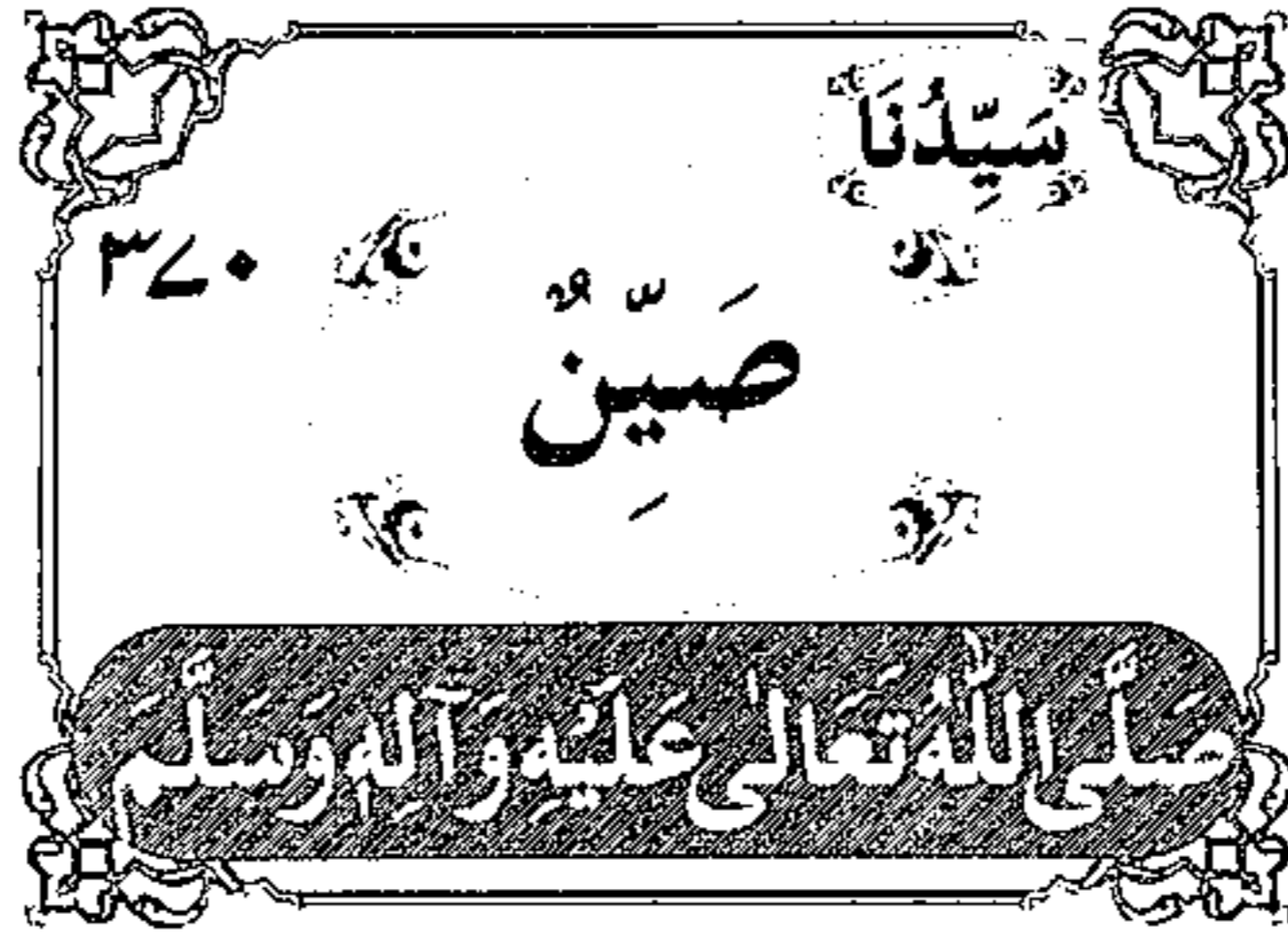
یہ اسم گرامی صاد پر زبر، یاء پر تشدید اور نون کی تخفیف کے ساتھ ہے، صِیَانَت مصدر سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔
اس کا معنی ہے معاملات کی حفاظت، ان کا جمع رکھنا۔
اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کو میل کچیل سے بچایا اور دل کی شک اور ہوس کے وارد ہونے سے حفاظت فرمائی۔

حرف☆☆☆ضاد
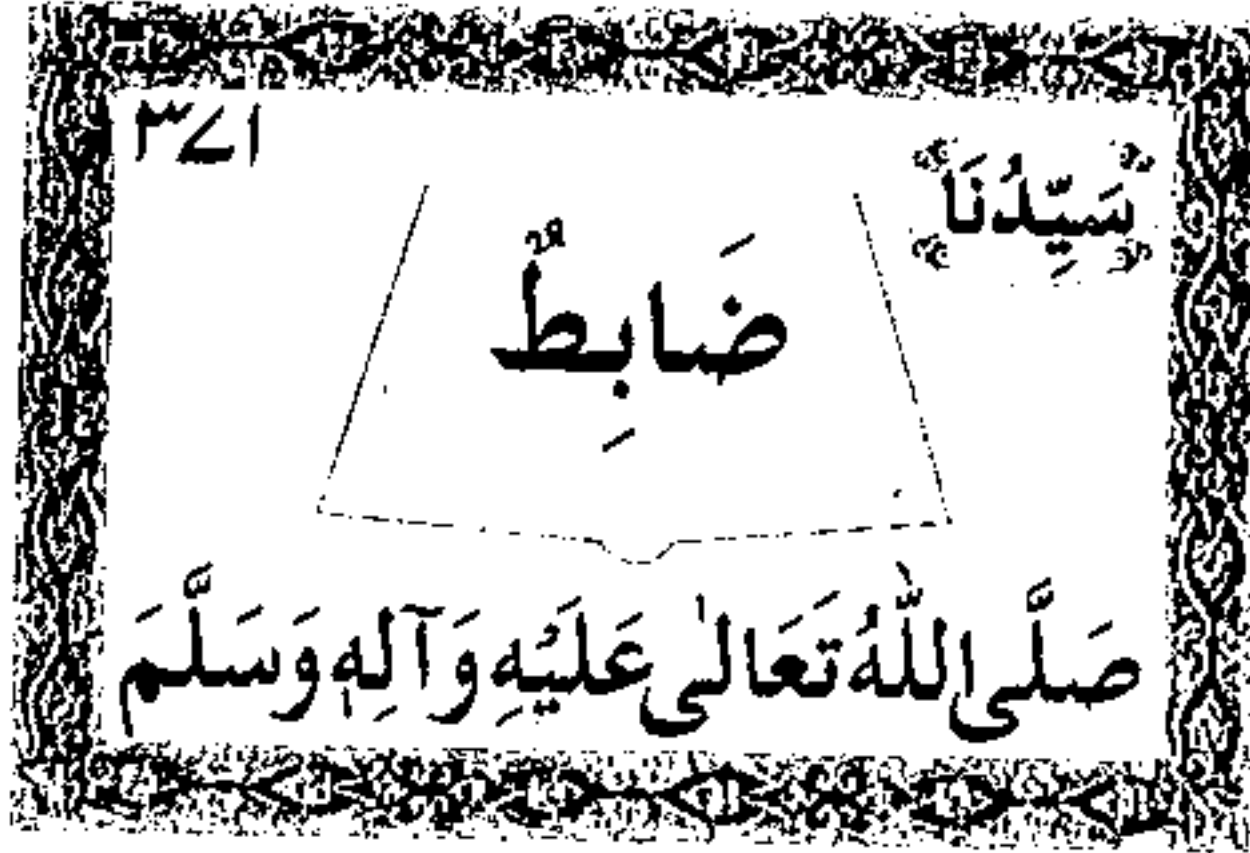
صحاح میں ہے: ضَبَطَ الشَّیْئَ کا معنی ہے اس نے اس کی حفاظت کی، اسم فاعل: ضَابِط ہے جس کا معنی ہے احتیاط کرنے والا۔ ضَابِطٌ کا معنی حافظ اور حفیظ ہی قرار پاتا ہے۔

اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف نازل ہونے والی وحی کو ضبط فرماتے۔ یعنی تغیّر وتبدّل سے اس کی حفاظت فرماتے تھے۔

اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی، انکساری اور تواضع کرنے والا۔ یہ ضَرِعَ بروزن فَرِحَ یا بروزن مَنَعَ ماضی اور یَضْرَعُ مضارع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے عاجزی کرنے والا، انکساری سے دعا مانگنے والا۔

اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بارگاہِ الٰہیہ میں کثرت سے عاجزی سے گڑگڑا کر دعائیں کیا کرتے تھے، اس کی ہیبت کے سامنے انکساری کا اظہار فرماتے اور اس کی عظمت کے سامنے اپنی بے بسی کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً. (الاعراف، آیت/۲۰۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی یاد اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ کیا کرو۔
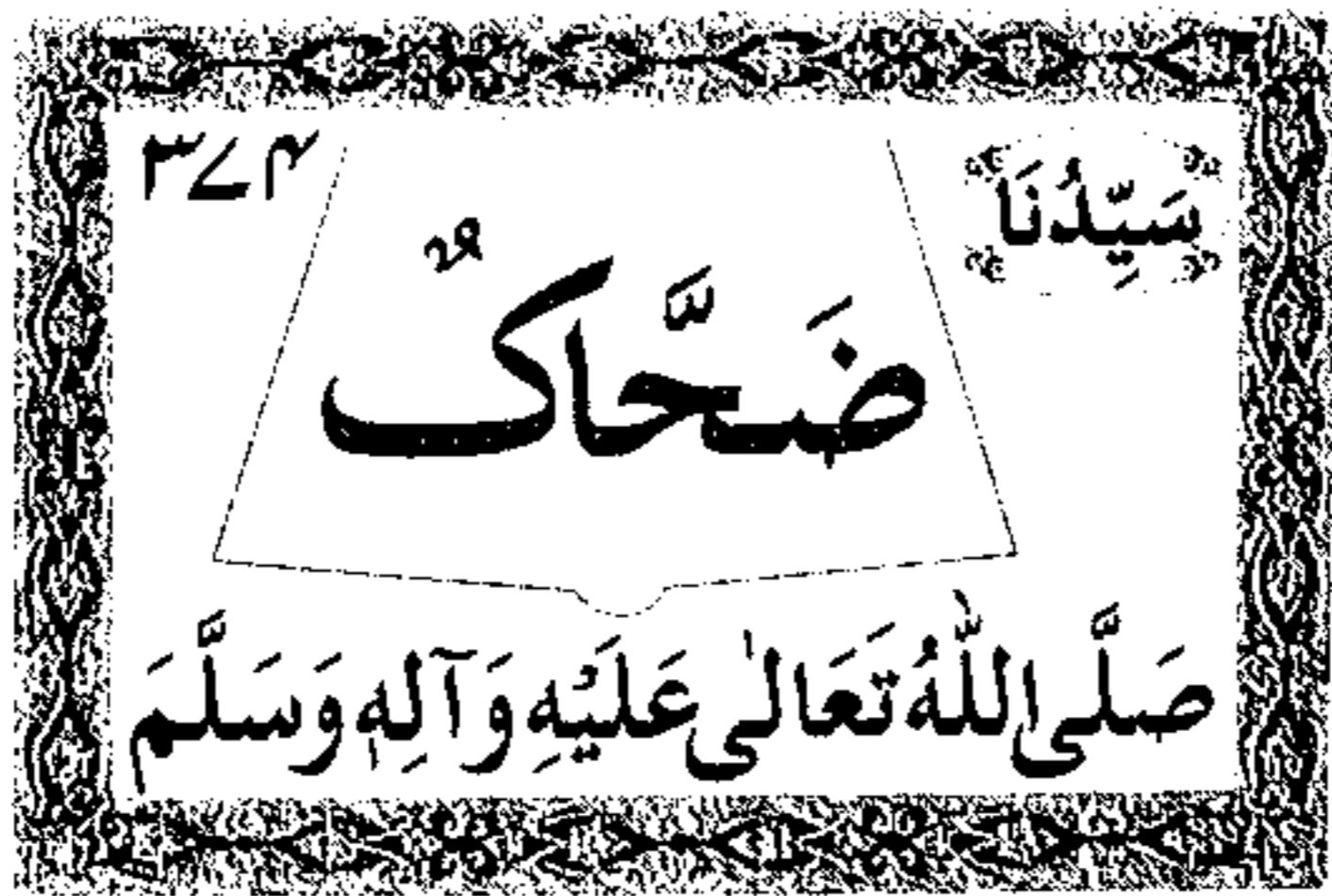
اس کا معنی ہے وہ ذات جو اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے جنگ میں دشمن کا خون بہائے۔

حضرت ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ تورات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی یوں ہے:۔

وہ ضَحُوک یعنی کثرت سے جنگ کرنے والے ہوں گے، اونٹ پر سوار ہوں گے، جسم کو ڈھانپے والی چوڑی چادر زیب تن فرمائیں گے، کسی عضو یا ہڈی سمیت گوشت کے تلف ہونے پر بدلہ کا مطالبہ کریں گے اور ان کی تلوار ان کے کندھے پر ہوگی۔

علامہ ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ ضَحُوک نام سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خوش مزاج تھے باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یکے بعد دیگرے عرب کے جفا پیشہ اور دیہاتی لوگ وفود کی صورت میں آتے رہتے تھے پھر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ گفتگو میں مہربانی، مطالبہ میں نرمی کا رویہ اپناتے تھے۔

ضحکِ نبوی اور تبسم نبوی کے باب میں اس کی مزید وضاحت ہوگی۔

یہ اسم فَعِیْلٌ کے وزن پر اور اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ ضمانت کا معنی کفالت ہے۔ اور یہاں پر مراد حفاظت اور رعایت ہے۔ اس نام سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی شفاعت فرما کر ان کی حفاظت اور رعایت کا باعث بنیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ یَّضْمَنْ لِیْ مَابَیْنَ لِحْیَیْہِ وَمَابَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنْ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ الْجَنَّۃَ. [1]

ترجمہ: جو شخص میرے لئے اپنی دو جبڑوں میں موجود شے اور اپنی دو ٹانگوں کے درمیان شے کا ضامن ہو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

دو جبڑوں کے درمیان چیز سے مراد زبان اور دو ٹانگوں کے درمیان شے سے مراد شرمگاہ ہے۔
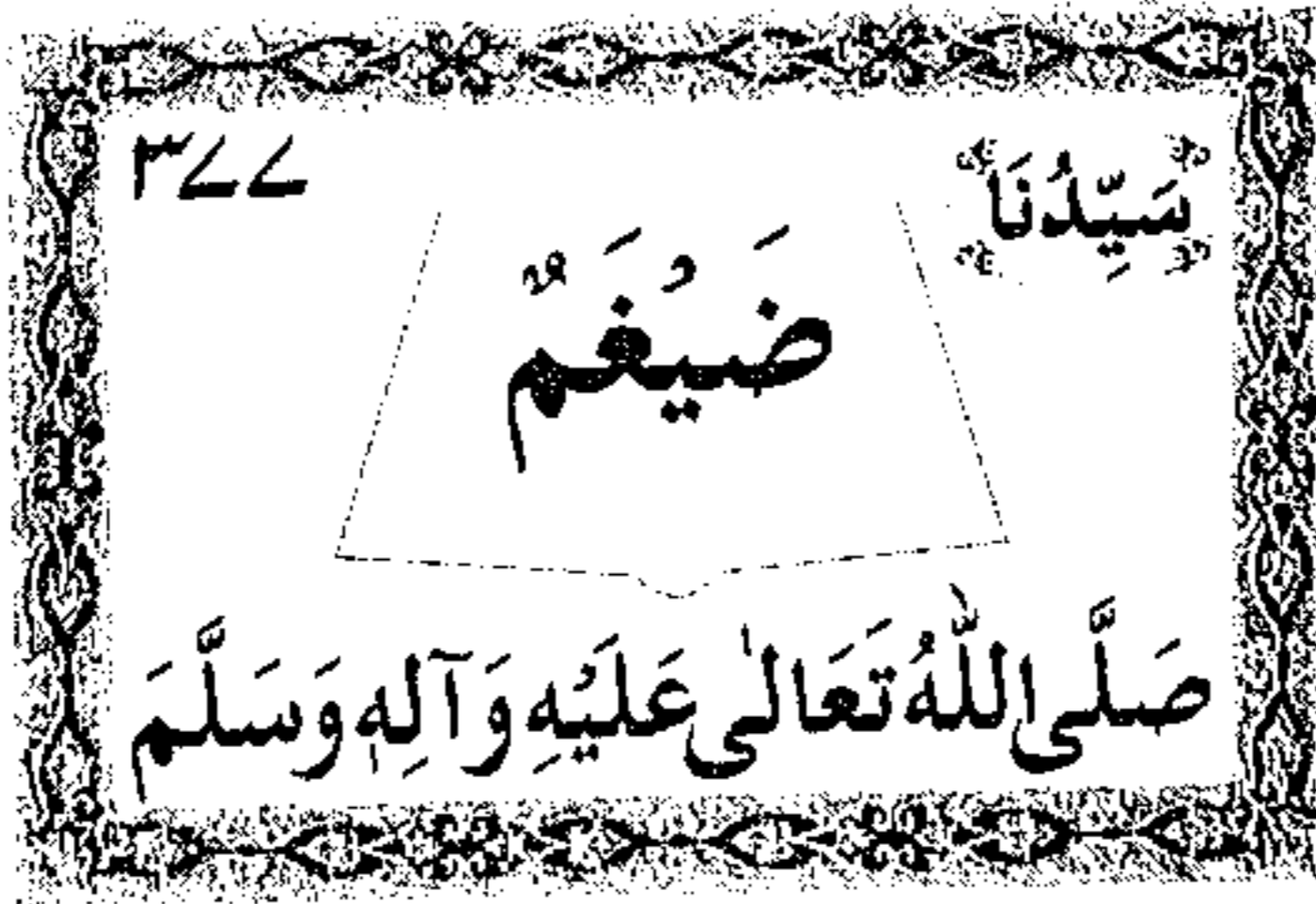
یہ اسم ضاد اور غین کے اوپر زبر اور یاء کے سکون کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے بہادر، شجاع، سردار، اور وہ شخص جس کی اطاعت کی جائے۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۱۱/۳۰۸ کتاب الرقاق (۶۴۷۴)

یہ اسم آخر میں الف ممدودہ کے ساتھ ہے۔ جس کا معنی ہے ''شدید اور بڑی روشنی''۔
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کو اس نام سے موسوم کیا گیا کیوں کہ ان دونوں سے اہلِ عقل اور دانش مند افراد ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح کہ تاریک رات کی ظلمتوں سے روشنی کی مدد سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔
حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں فرمایا:۔

حِکۡمَةٌ بَعۡدَ حِکۡمَةٍ وَضِیَاءٌ   قَدۡ هُدِیۡنَا بِنُوۡرِهَا مِنۡ عَمَانَا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات حِکۡمَتٌ عَلٰی حِکۡمَت اور نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡر ہے، ہم کو ہمارے اندھے پن میں ان کے نور کی بدولت ہدایت عطا کی گئی۔

حرف ☆☆☆ طاء
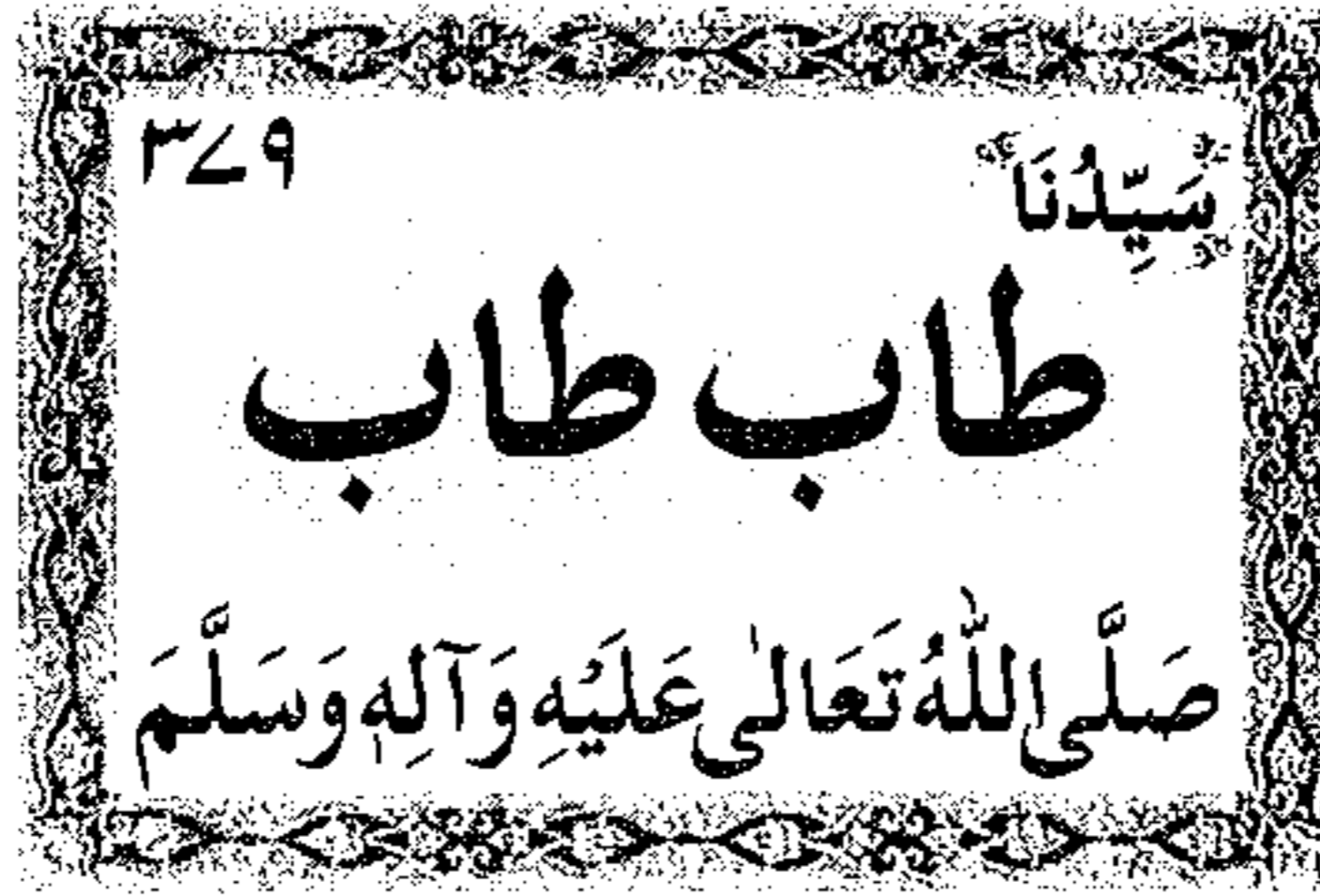
یہ اسم مبارک طاب کے تکرار کے ساتھ ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ تورات میں وارد ہونے والے اسماء میں سے ہے۔

اس کا معنی ہے پاکیزہ۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ:۔

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جس قوم میں بھی کیا جائے اچھا لگتا ہے۔''

اس اسم کا لغوی معنی ہے ''میل کچیل سے صاف ستھرا اور ناپاکیوں سے مبرا'' طہارت سے یہ اسمِ فاعل ہے۔

اس کی بعض علماء کے نزدیک دو قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ طہارتِ حسیہ ﴿۲﴾ طہارتِ معنویہ۔

پہلی قسم کا مفہوم ہے ظاہری میل کچیل سے صاف ہونا۔

اور دوسری طہارت کا معنی ہے باطنی ناپاکیوں مثلاً مذموم اخلاق سے اپنے آپ کو خالی کر لینا، اور قابلِ تعریف عادات سے اپنے آپ کو مزین کرنا۔

امام نیشاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طہارت کی دس اقسام ہیں:۔

﴿۱﴾ دل کی طہارت: دل کی توجہ ماسوی اللہ سے پھیر دینا۔

﴿۲﴾ سر کی طہارت: مشاہدہ کے انداز میں دیدار کرنا۔

﴿۳﴾ سینہ کی طہارت: امید اور قناعت کرنا۔

﴿۴﴾ روح کی طہارت: حیا اور ہیبت کا نام ہے۔

﴿۵﴾ پیٹ کی طہارت: حلال روزی کھانا اور پاک دامنی اختیار کرنا۔

﴿۶﴾ بدن کی طہارت: شہوات کو ترک کر دینا۔

﴿۷﴾ دونوں ہاتھوں کی طہارت: گناہوں سے بچنا اور کوشش کرنا۔

﴿۸﴾ گناہ سے طہارت: حسرت اور ندامت اختیار کرنا۔

﴿۹﴾ زبان کی طہارت: ذکر اور استغفار میں مصروف رہنا۔

﴿۱۰﴾ کوتاہی سے طہارت: برے انجام کا خوف رکھنا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام اقسامِ طہارت کے جامع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باطن وظاہر کو پاک اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اندر اور باہر کو صاف ستھرا بنایا تھا۔

خصائص میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات مبارکہ کی طہارت کے بارے میں گفتگو آئے گی۔

اس اسم مبارک کو حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا وزن فعیل ہے اور فاعل کے معنوں میں ہے۔ اس کا مادہ طِبٌّ ہے۔

جس کا معنی ہے ''جسم اور نفس کا ایسا علاج جس سے بیماریاں دور ہو جائیں''۔

تو طبیب کا معنی ہے وہ ہستی جو بیماریوں سے شفاء دیتی ہے اور جس کی برکت سے آلام و مصائب ختم ہوتے ہوں۔

یعنی وہ مشہور جھنڈا جس سے ہدایت حاصل کی جائے۔

طِرَازٌ دراصل طاء کے نیچے زیر اور آخر میں زاء کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے کپڑے کا نشان، یہ فارسی لفظ ہے اور عربی زبان میں بھی مستعمل ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت امت کو شرف حاصل ہوا۔ جس طرح کہ کپڑے کو نقش و نگار سے عظمت مل جاتی ہے۔

مُعْلَم اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے نشان شدہ۔ یہ عَلَامَۃ سے مشتق ہے۔ اور علامت اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی شے کو دوسروں سے امتیاز حاصل ہو جائے۔ ترکیب میں یہ طِرَازٌ کی صفت واقع ہے۔
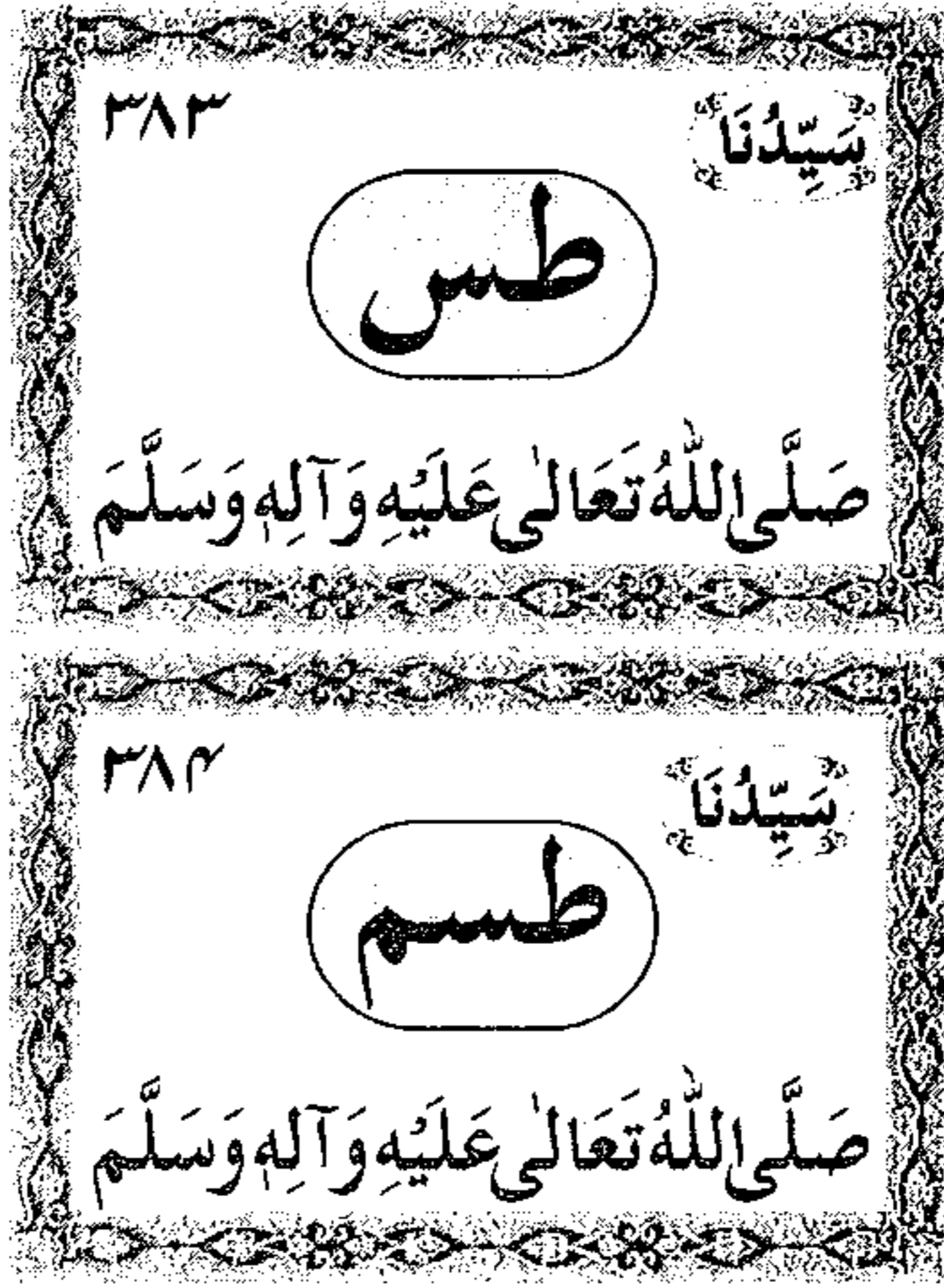
یہ دونوں اسماء حضرت علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ سے ذکر فرمائے ہیں۔ جب کہ علماء کی ایک جماعت نے ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں ذکر کیا ہے۔اس قسم کے اسماء کی دو قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ وہ اسماء جن پر کوئی اعراب نہیں آتا جیسے کھیعص ﴿۲﴾ جن پر اعراب آتا ہے۔

اس کی پھر دو قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ وہ جو مفرد اسماء ہوتے ہیں جیسے ص، ق،ان پر صرف حکایتی اعراب آتا ہے۔

﴿۲﴾ وہ اسم جو چند اسماء کا مجموعہ ہو اور اس کا کوئی مفرد اسم کا سا وزن بن جائے۔جیسا کہ حم، طس، یس ان کا وزن قابیل اور ہابیل کا سا ہے۔

ایسے اسماء میں موقع کا اعراب اور حکایتی اعراب دونوں درست ہیں۔طسم بھی اسی طرح کا ہے اس میں گنجائش ہے کہ سین کے نون کو فتح دی جائے اور میم کو اس کے ساتھ ملا کر ایک اسم بنالیا جائے جو کہ مرکب ہوگا، جس طرح کہ "دارابجرد" ہے کہ یہ اسم دو اسموں سے مرکب ہے پہلا اسم "دارا" ہے جو ایک بادشاہ کا نام ہے اور دوسرا اسم "بجرد" ہے جو ایک شہر کا نام ہے۔

بہت سے لوگوں نے اسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء سے شمار کیا ہے۔

یہ ایک حدیث میں بھی وارد ہے جس کو امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں طاء سے مراد:۔

یَاطَاهِرُ مِنَ الْعُیُوْبِ وَالذُّنُوْبِ (اے عیبوں اور گناہوں سے پاک ہستی)۔

اور ھاء سے مراد:۔ یَاهَادِیْ اِلٰی کُلِّ خَیْرٍ (اے ہر بھلائی کی طرف رہنمائی فرمانے والی ذات) ہے۔

اسے علامہ واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ اسمائے باری تعالیٰ سے ہے۔ سورتوں کے اوائل میں واقع ہونے والے تمام اسماء کے بارے میں میں نے مفصل گفتگو اپنی کتاب ''اَلْقَوْلُ الْجَامِعُ الْوَجِیْزُ الْخَادِمُ لِلْقُرْآنِ الْعَزِیْزِ'' میں کی ہے۔

طَهُوْرٌ بروزن صَبُوْرٌ ہے اس کا معنی ہے ''خود پاک اور اوروں کو پاک کرنے والا'' نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود گناہوں سے بچے ہوئے اور عیبوں سے پاک ہیں اور اپنی امت کو ناپاکیوں سے پاک فرمانے والے اور نجاستوں سے صاف ستھرا بنانے والے ہیں۔
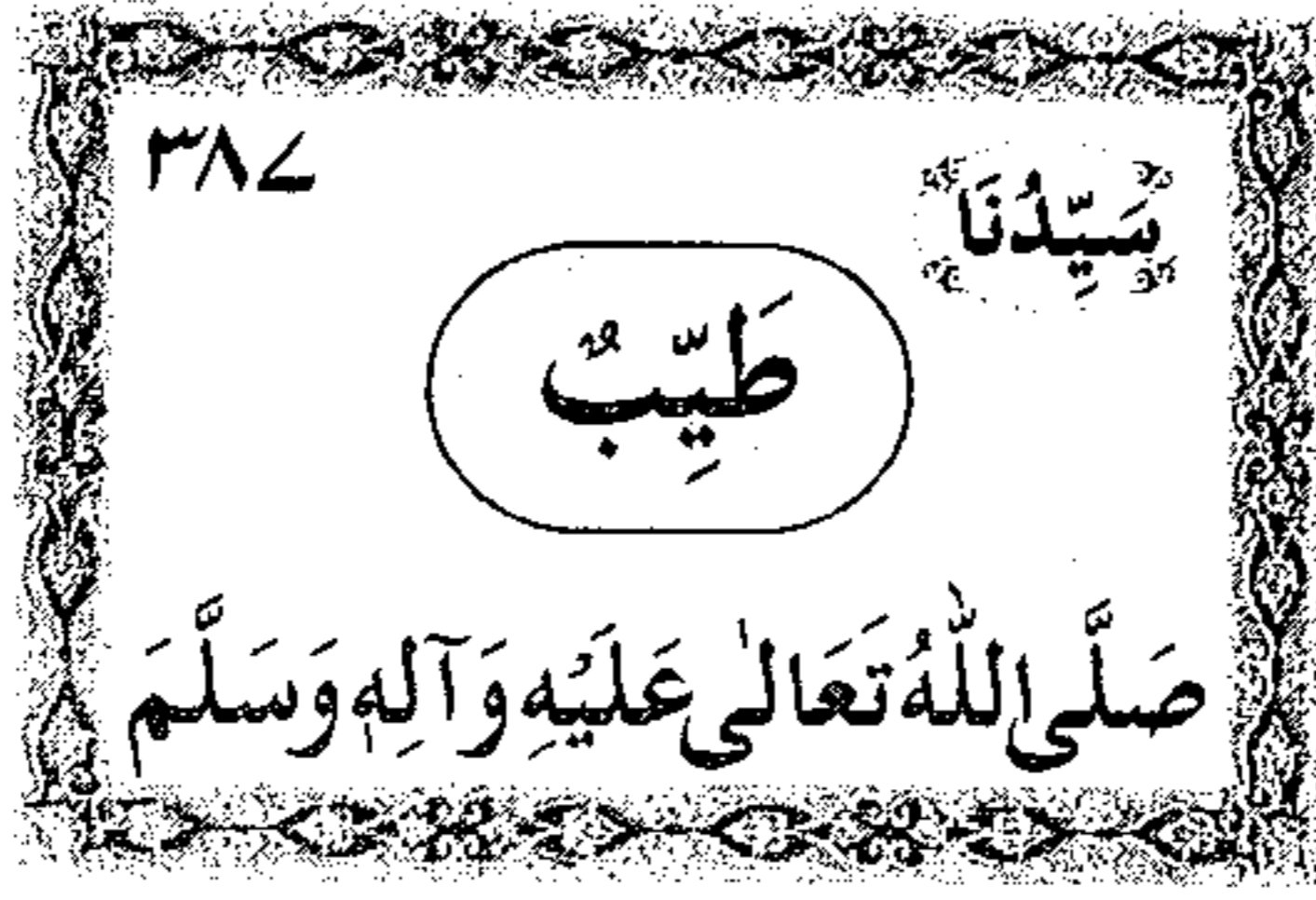
یہ نام گرامی علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابوالفتح بن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ طَیِّبٌ بروزن سَیِّدٌ ہے۔ جس کا معنی ہے ''پاک، صاف ستھرا'' کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ایسی ہے کہ ان سے زیادہ پاکیزہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس حد تک پاک ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قلب اطہر سے لوتھڑا بھی زائل فرمادیا تھا۔ اور جسم کے اعتبار سے یہ حالت ہے کہ جسد اطہر سراپا طاعت و بندگی ہے (اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا میں نے کوئی کستوری اور کوئی عطر اپنے آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک سے بڑھ کر خوشبودار نہیں سونگھا ہے۔

اس کا مزید بیان سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو اور پسینہ مبارک کے باب میں آئے گا۔

حدیث مبارکہ میں لفظ طَیِّبٌ کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر بھی وارد ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں:۔

اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَایَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔

اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حرف ☆☆☆ ظاء
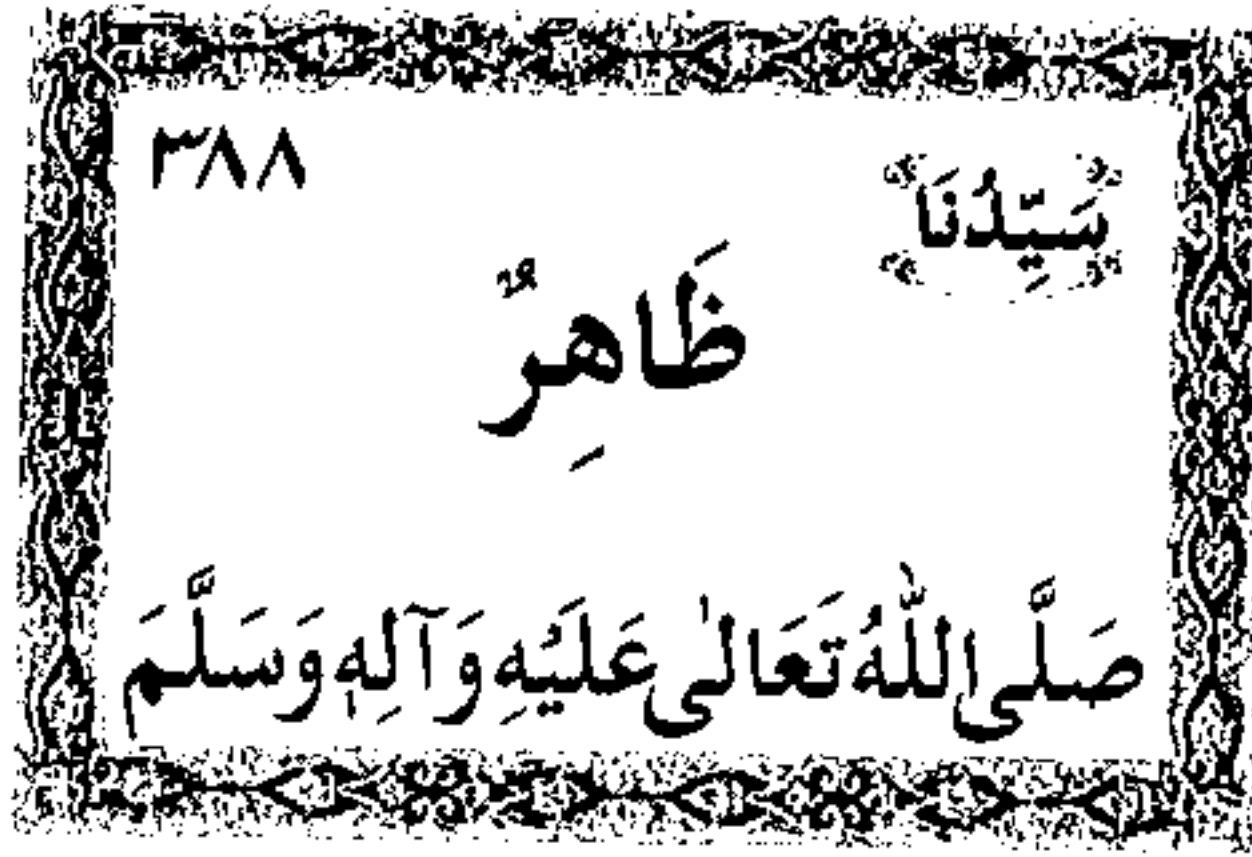
اس اسم مبارک کو علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کے دو معنی ہیں:۔﴿۱﴾ واضح اور جلی ﴿۲﴾ قاہر۔

یہ معنی عربی کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے ظَھَرَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ ۔

یعنی فلاں آدمی فلاں پر قاہر و غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔

ترجمہ: وہ وہ ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب فرمادے۔

ظہور کا معنی برتری اور غلبہ ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔

اس صورت میں اس کا معنی ہے واضح آیات اور ظاہر قدرت کے ساتھ موجود اور جلی ذات۔
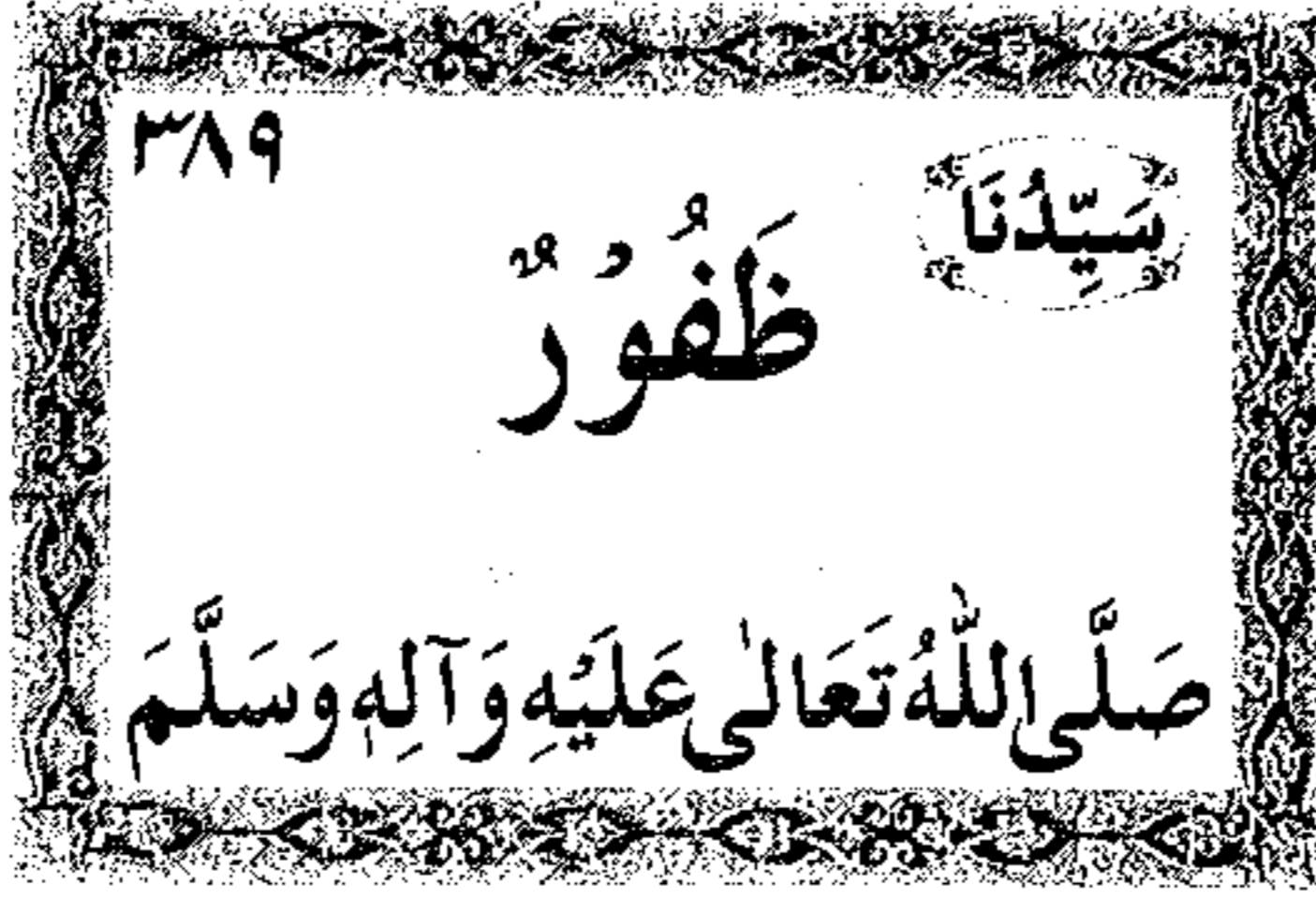
اسے علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ ظَفَرَ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے "گہری چیز میں ناخن گاڑ دینا"۔

یا یہ فعول کے وزن پر ظَفَرَ بمعنی کامیابی سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَاب.

حرف ☆☆☆ عین

۳۹۰

سَیِّدُنَا

عَابِدٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم کو علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ عَبَدَ بمعنی "اس نے اطاعت کی" سے اسمِ فاعل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔ (الحجر، آیت/ ۹۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہو یہاں تک یقینی امر (موت) تجھے آجائے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت پر مُوَاظَبت مشہور ہے اس بارے میں تواتر سے احادیث وارد ہیں۔

٣٩١

سَیِّدُنَا

عَادِلٌ

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے ایسی مستقیم ذات جس میں نہ ظلم ہو اور نہ ہی خیانت پائی جاتی ہو۔

یہ عَدْلٌ سے مشتق ہے جو جور (ظلم) کی ضد ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں یوں کہا:۔

حَلِیْمٌ، رَشِیْدٌ، عَادِلٌ غَیْرُ طَائِشٍ　　　　یُوَالِیْ اِلٰھًا لَیْسَ عَنْہُ بِغَافِلِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نرم خو، ہدایت یافتہ، انصاف کرنے والے اور غصہ میں نہ آنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے معبود سے محبت کرتے ہیں اور اس سے غفلت نہیں برتتے۔

سَیِّدُنَا عَارِفٌ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

عَارِف کا معنی ہے صبر کرنے والا۔ صحاح میں فرمایا عربی محاورہ ہے:۔

اُصِیبَ فُلَانٌ فَوُجِدَ عَارِفًا۔ (فلاں کو تکلیف پہنچی اسے صابر پایا گیا)۔

یا اس کا معنی ہے عالم، امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علماء کی زبان پر معرفت کا معنی علم ہی ہے۔ لہٰذا ہر عارف باللہ عالم ہوتا ہے اور اسی طرح اس کا عکس بھی ہے۔ لیکن ان صوفیہ کے نزدیک معرفت اس شخص کی صفت ہوتی ہے جس نے حق تعالیٰ کو اپنے معاملات میں پہچان لیا پھر وہ ردی اخلاق سے پاک ہو گیا اور انکار پر اکسانے والے نفسانی خیالات سے وہ منقطع ہو گیا اس حد تک کہ مخلوق اس کے لئے اجنبی بن گئی وہ نفسانی آفات سے بری ہو گیا اس وقت اس شخص کو عارف کہتے ہیں، اور اس کی اس حالت کو معرفت کہا جاتا ہے، اور اس کی نشانی یہ ہے کہ عارف کو حق تعالیٰ کی ہیبت حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کو جس قدر زیادہ معرفت حاصل ہوگی اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ سے ہیبت ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی ہیبت معرفت کے لئے شرط ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ.

ترجمہ: اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔

جس طرح کہ خوف ایمان کے لئے شرط ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ: اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

اور خشیت علم کے لئے شرط ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے صرف علم والے ہی ڈرتے ہیں۔

معرفت کے نتیجے میں سکینہ نصیب ہوتا ہے اور علم سے سکون نصیب ہوتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عارف کا کسی کے ساتھ تعلق نہیں۔ مُحِبّ کے لئے شکایت نہیں، امید رکھنے والے کو قرار نصیب نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے فرار ممکن نہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا معرفت کے میدان میں انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح نے حرکت کی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح وصال کے باغ تک سب سے سبقت لے گئی۔

اگر کوئی پوچھے کہ عارف باللہ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاننے والے میں سے کون سا افضل ہے۔ تو اس کے جواب میں حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عارف افضل ہے، کیوں کہ علم کی عظمت اپنے معلوم کی بزرگی اور عظمت کے مطابق ہوتی ہے، معرفت صفاتِ باری تعالیٰ کا علم ہے اور ان کا علم اس کے سوا تمام کے علم سے افضل ہے کیوں کہ اس کا تعلق تمام معلومات سے افضل واشرف کے ساتھ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندوں سے صرف علماء ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

اس آیت میں علماء سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی صفات کے عارف افراد ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ عارف لوگوں کے علاوہ اوروں پر اس کو محمول کرنا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ ان میں اکثر کو خشیت نصیب ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کی خبر تو بالکل درست ہے۔ لہٰذا اس کو صرف اس گروہ پر محمول کیا جاسکتا ہے جسے معرفت اور خشیت ہر دو حاصل ہوں۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ عمل متعدی (جس کا فائدہ ایک سے دوسرے کو پہنچے) عمل قاصر (جس کا فائدہ کسی اور کو نہ پہنچے) سے افضل ہوتا ہے۔ اس کی تردید "اَلْاِیْمَانُ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ" (ایمان تمام اعمال سے فضیلت والا ہے) کرتا ہے حالاں کہ ایمان متعدی عمل نہیں بلکہ قاصر عمل ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نمازوں کے بعد تسبیحات کو مقدم رکھا اور ضرورت سے زائد اموال کے صدقہ سے اسے افضل قرار دیا حالاں کہ صدقہ کا فائدہ فقراء کو ہوتا ہے۔

۳۹۳

سَیِّدُنَا

عَاضِدٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم گرامی کو علامہ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔اس کا معنی ہے مددگار۔
یہ عَضَدَہٗ بمعنی ''اس نے اس کی مدد کی'' سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔اس کا حقیقی معنی ہے ''بازو سے پکڑنا''۔
عَضُدٌ (بازو) کہنی اور کندھے کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔پھر مجازاً امداد کرنے والے کے لئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔
عربی محاورہ ہے:۔عَضَدْتُہٗ بمعنی میں نے اس کو بازو سے پکڑا اور اسے تقویت پہنچائی۔

۳۹۴

سَیِّدُنَا

عَافِی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا ہے۔
اس کا معنی ہے گناہوں سے درگزر کرنے والا،غلطیوں اور لغزشوں کو مٹا دینے والا۔

۳۹۵

سَیِّدُنَا

عَالِمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سَیِّدُنَا

عَلِیْمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ ابن دِحْیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں اسماء کو یک جا بیان کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پہلا اسم، عَلِمَ (اس نے جانا) سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے دنیوی اخروی حقائق کو جاننے والا۔ دوسرا بھی مبالغہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

یہ دونوں اسمائے باری تعالیٰ میں بھی داخل ہیں۔ اس صورت میں عَالِمٌ کا معنی ہے "دنیوی اور اُخروی حقائق کا ادراک رکھنے والی ذات" اور عَلِیْمٌ کا معنی ہے "وہ ذات جسے علم میں کمال اور ثبات حاصل ہو"۔ کامل اور ثابت علم اسی ذات کو حاصل ہے کسی اور کو حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اسماء سے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس علیم ذات نے علم سے بہت سا علم جمع فرما دیا۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کے علوم کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مالک بنا دیا۔ غیب کے معاملات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف فرما دیئے۔ اولین وآخرین کے علوم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیئے۔ کتب سابقہ انجیل اور تورات، حکماء کی حکمت گزشتہ تمام امتوں کے حالات پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو محیط فرما دیا۔ لغت عرب اس کے مشکل الفاظ، فصاحت کی مختلف اقسام کا علم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطاء فرما دیا۔ عربوں کی جنگوں کے حالات، ان کی ضرب الامثال، ان کے احکام، ان کے اشعار کے معانی اور قسم قسم کے علوم میں گفتگو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دسترس میں کر دی۔

جس طرح کہ ان سب کا بیان عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ.

سَیِّدُنَا

عَامِلٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کو علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شاید یہ اسم مبارک درج ذیل آیت مبارکہ سے ماخوذ ہے:۔

قُلْ یَا قَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ.

ترجمہ: فرمادیجئے اے میری قوم! تم عمل کرتے رہو میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بعض دنوں کو کسی مخصوص عمل کے لئے خاص فرمایا کرتے تھے؟ تو وہ فرمانے لگیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دوامی ہوا کرتا تھا۔ تم میں سے کسی میں اتنی طاقت ہے جو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو طاقت تھی۔

۳۹۸

سَیِّدُنَا

عَائِلٌ

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حضرت علامہ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے حاجت مند۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی۔

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی فرما دیا۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ضرورت مند پایا تو غنیمت کے اموال عطاء فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غنا سے نواز دیا۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو غنی کر دیا۔

غنی کے عطا فرما دینے کے بعد بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عائل نام سے یاد کرنا محلِ نظر ہے۔

۳۹۹

سَیِّدُنَا

عَبْدٌ

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں اس لفظ پر گفتگو ہو چکی ہے، معراج کے ابواب میں اس پر مزید کلام ہوگا۔

سَیِّدُنَا عَبْدُاللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ.

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ کے بندے نے قیام کیا۔

اس پر بھی گفتگو وہی ہے جو اس سے ماقبل اسم پر ہے۔

میں نے اس اسم گرامی پر "اَلْقَوْلُ الْجَامِعُ" میں بھرپور گفتگو کی ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَحَبُّ الْاَسْمَآءِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

امام حسین بن محمد دمغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شَوْقُ الْعُرُوْسِ وَاُنْسُ النُّفُوْس" میں حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام:۔

اہل عرش کے ہاں: عَبْدُالْحَمِیْد.

باقی فرشتوں کے ہاں: عَبْدُالْمَجِیْد .

انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاں: عَبْدُالْوَهَّاب.

شیطانوں کے نزدیک: عَبْدُالْقَهَّار.

---

[1] (۱) السنن ابوداؤد (۴۹۴۹) (۲) التاریخ الخطیب (۱۰/۳۲۳)

جنوں کے نزدیک: عَبْدُالرَّحِیم .

پہاڑوں میں: عَبْدُالْخَالِق.

خشکی میں: عَبْدُالْقَادِر.

سمندر میں: عَبْدُالْمُهَیْمِن.

مچھلیوں کے نزدیک: عَبْدُالْقُدُّوْس.

حشرات الارض کے ہاں: عَبْدُالْغِیاث.

وُحوش کے نزدیک: عَبْدُالرَّزَّاق.

درندوں کے ہاں: عَبْدُالسَّلَام.

چوپایوں کے ہاں: عَبْدُالْمُؤْمِن .

پرندوں کے نزدیک: عَبْدُالْغَفَّار۔

اَلْقَوْلُ الْبَدِیْع میں بھی ایسے ہی مروی ہے لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''تَبْصِرَہ'' میں اسے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۴۰۱

سَیِّدُنَا

عُدَّةٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم عین پر پیش کے ساتھ ہے۔اس کا معنی ہے ''ایسا خزانہ جو آزمائشوں اور تکالیف کو دور کرنے اور مشکلات اور تکالیف کو ہٹانے کے لئے تیار اور مہیا کیا گیا ہو''۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی پونجی اور اس کے لئے نجات اور سلامتی کے لئے کفیل ہیں۔

۴۰۲

سَیِّدُنَا

عَدْلٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے بدلہ لینے والا، شہادت میں کفایت کرنے والا، اصل میں دل کا سیدھا آدمی۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ میں بھی شامل ہے۔اس کا معنی ہے ''عدل، جو کہ جور (ظلم) کی ضد ہے میں انتہاء کو پہنچا ہوا، یا استقامت کی انتہاء کو پہنچا ہوا، یا وہ جو چاہے کرے، اور جس کا حکم بندوں میں نافذ ہو''۔

سَیِّدُنَا عَرَبِیٌّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

معراج کی حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا عربی نبی کو خوش آمدید۔

اس حدیث کو امام حسن بن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جزء میں روایت کیا ہے۔

عَرَبِیٌّ ،عرب کی طرف اسم منسوب ہے یہ عجم کا متضاد لفظ ہے۔

عربوں کی کئی اقسام ہیں:۔

﴿۱﴾ عَارِبہ اور عرب۔یہی خالص عربی ہیں۔

یہ اِرَم اور سام بن نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد سے ہیں یہ نو قبائل ہیں:۔

﴿۱﴾ عَاد ﴿۲﴾ ثَمُوْد ﴿۳﴾ اُمَیم ﴿۴﴾ عبَیْد.

﴿۵﴾ طَسْم، یہ طاء پر زبر اور سین پر سکون کے ساتھ ہے۔

﴿۶﴾ جَدِیْس یہ جیم،دال یا اور سین کے ساتھ اَمِیْر کے وزن پر ہے۔

﴿۷﴾ عِمْلِیْق، عین کے نیچے زیر، میم ساکن، لام پھر یاء اور آخر میں قاف کے ساتھ ہے۔

﴿۸﴾ جُرْھم جیم پر پیش اور راء پر سکون ہے۔

﴿۹﴾ وبارِ، یہ باء اور راء کے ساتھ مبنی علی الکسرہ اسم ہے۔

حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے ان ہی سے عربی زبان سیکھی تھی۔

حضرت عبدالملک بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے زبان جو جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ نازل ہوئی،عربی تھی،ایک لمبا عرصہ بیت جانے کے بعد اس میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور یہ سریانی بن گئی۔یہ لفظ

سورنة کی جانب اسم منسوب ہے جو کہ جزیرہ کا علاقہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم غرق ہونے سے پہلے یہیں تھے۔ انہوں نے فرمایا یہ عربی زبان سے ملتی جلتی تھی لیکن یہ عربی سے تحریف شدہ تھی۔ کشتی نوح علیہ السلام میں سوار ہونے والے تمام افراد کی بجز ایک کے یہی زبان تھی۔ اس ایک آدمی کا نام جُرْهُم تھا، اس کی زبان اوائل میں عربی لوگوں کی زبان تھی، جب وہ وہاں سے نکلے تو ارم بن نوح علیہ السلام نے اس کی ایک لڑکی سے نکاح کر لیا تو یہ عوص بن عاد، عبید، جاثر (یہ اسم جیم اور ثا کے ساتھ) ثمُود اور جَدِیْس کی زبان قرار پائی یہ سب ارم بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے، عاد کو جُرْهُم کہا جانے لگا کیوں کہ یہ ان کے ماں کی جانب سے جدامجد تھے۔ سریانی زبان اَرفخشد بن سام کی اولاد میں باقی رہی یہ سلسلہ ان کی اولاد سے قحطان تک پہنچا جو یمن میں قیام پذیر تھا، بنو اسماعیل یہاں آئے تو بنو قحطان نے ان سے عربی زبان سیکھی۔

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحاح کے قول کہ "یعرب بن قحطان سب سے پہلا آدمی ہے جس نے عربی میں کلام کیا۔" کو اس پر محمول کیا جائے کہ سریانی زبان بولنے والوں میں سب سے پہلے اس نے عربی میں گفتگو کی۔

﴿۲﴾ عربوں کی دوسری قسم بنو قحطان ہیں ان کو متعرِّبہ بھی کہا جاتا ہے۔

صحاح میں فرمایا کہ یہ خالص عربی لوگ نہیں ہیں۔

﴿۳﴾ مستعربہ یہ بھی خالص عربی باشندے نہیں ہیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔

علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ بنو اسماعیل اور حضرت معد بن عدنان رضی اللہ عنہما کی اولاد ہیں۔

علامہ نحاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عربی وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔

حمیر اور جُرْهُم قبیلہ کے باقی لوگوں کی عربی اس عربی سے جدا ہے وہ عربی فصیح بھی نہیں۔

حضرت زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا کِتَابُ النَّسَب میں اسی جانب رجحان ہے۔ اور اسی پر انہوں نے دلائل قائم کیے ہیں اور اس کے علاوہ باقی کسی قول کو قابل اعتبار نہیں گردانا۔

حضرت ابوبکر بن اَشته نے کِتَابُ الْمَصَاحِف میں ایسا ہی لکھا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حالات میں یہ باتیں گزر چکی ہیں۔ ان کی مزید وضاحت آگے بھی آئے گی۔
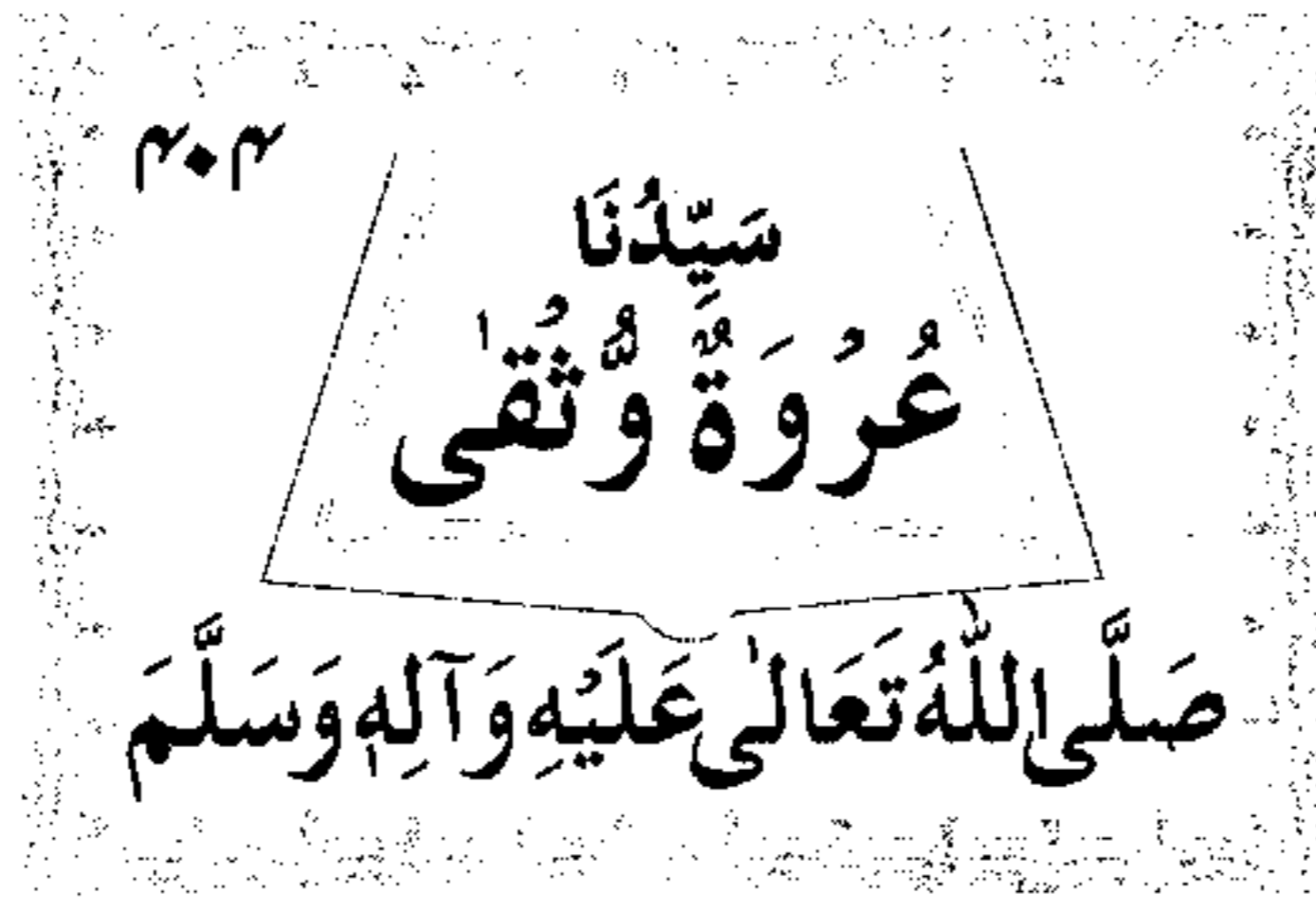
اس کا معنی ہے ”دین میں مضبوط اور پختہ گرہ“۔

یا اس کا معنی ہے ”اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تک پہنچانے والا ذریعہ“۔

حضرت شیخ اَبُوْعَبْدُ الرَّحْمٰن سُلَمی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں نقل کیا:۔

فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی۔

ترجمہ: اس نے مضبوط حلقہ کو تھام لیا۔

کہ اس آیت میں عُرْوَۃٌ وُّثْقٰی سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد دینِ اسلام ہے۔

سَیِّدُنَا

عَزِیْزٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کے معنوں میں درج ذیل اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ قَوِیٌّ: یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے اور اسم فاعل کے معنوں میں ہے۔ اور عَزَّ یَعِزُّ عِزًّا وَعِزَّۃً وَعَزَازَۃً سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے ''ایسی حالت جو انسان کو مغلوب اور مقہور ہونے سے بچائے''۔

یہ اَرْضٌ عَزَازٌ سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے ''سخت اور ناممکن الوصول زمین''۔

یعنی ''وہ باعظمت انسان جو نادر الوجود ہو اور اس سے فائدہ اور جود کثرت سے ہو''۔

﴿۲﴾ غالب: یہ معنی عربی محاورہ ''مَنْ عَزَّ بَزَّ'' بمعنی جو غالب آیا اس نے چھین لیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ.

ترجمہ: عزت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔

عزت سے مراد غلبہ اور عظمتِ شان ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا۔

ترجمہ: ساری عزت بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اس آیت میں عزت سے مراد، عزتِ کاملہ ہے جس میں معبود ہونے، پیدا کرنے، زندہ کرنے، مارنے، ہمیشہ باقی رہنے کی عزت اور ان کی مشابہ عزتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنٰی سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کا معنی یہ ہے: ''جس کی شان تک رسائی ناممکن ہو اور غالب'' یا جس کی کوئی ''مثال نہ ہو'' یا ''دوسروں کو عزت عطاء کرنے والا'' یہ معانی سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں درست ہیں۔

۴۰۶

سَیِّدُنَا

عِصْمَتٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم کوذکر کیا ہے۔ یہ عین کے نیچے زیر اور صاد کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے ''وہ ہستی کہ دوست، اس کی عزت وکرامت کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں اور گناہگار اس کی شفاعت کے حمایت میں آئیں''۔ اس سے معلوم ہوا کہ عِصْمَت بمعنی عَاصِم (بچانے والا) ہے۔

جس طرح عربی لوگ کہتے ہیں: رَجُلٌ عَدْلٌ بمعنی رَجُلٌ عَادِلٌ (عدل کرنے والا آدمی)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور امام طَبَرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے زمانہ میں مسلسل کئی سال قحط رہا، لوگ اس کی بدولت ہلاک ہونے لگے۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی۔ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر جَبَلِ اَبُوقُبَیْس پر آئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے اقدس کے طفیل بارش کا سوال کیا تو لوگوں کو سیرابی نصیب ہوگئی، انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں یہ شعر کہا:۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسقَی الغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ثِمَالُ الیَتَامَی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

ترجمہ: ان کی رنگت سفید ہے، ان کے چہرہ کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ یتیموں کی فریاد کو پہنچنے والے اور بیوہ عورتوں کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عِصْمَتٌ بمعنی مَعْصُوْمٌ کے ہو۔ جیسا کہ لُقْمَةٌ بمعنی مَلْقُوْمٌ ہے، اس کا حقیقی معنی وہ شے ہے جو کنگن کی مانند کلائی میں ڈالی جاتی ہے۔ اور عِصْمَت کی حقیقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں جیسا کہ المواقف میں ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی گناہ پیدا ہی نہیں کرتا۔

۴۰۷

سَیِّدُنَا

عِصْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

مُسْنَدُ الْفِرْدَوْسِ میں سند کے بغیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:۔

اَنَا عِصْمَۃُ اللّٰہِ وَاَنَا حُجَّۃُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معصوم ہوں میں اللہ تعالیٰ کی دلیل ہوں۔

۴۰۸

سَیِّدُنَا

عَطُوْفٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم مبارک کو علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔اس کا معنی ہے ''شفقت فرمانے والی ہستی'' یہ عطف مصدر سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔جس کا معنی ہے دوہرا ہونا۔عربی محاورہ ہے عَطَفَ الْغُصْنُ یعنی ٹہنی جھکی۔''عِطْفَا الْاِنْسَانِ'' کا معنی ہے سر سے لے کر کولہے تک آدمی کی دو طرفیں۔پھر مجازی طور پر نرمی اور شفقت کے معنوں میں آتا ہے، یہ سب کچھ اس وقت ہے جب عَلٰی سے متعدی ہو، اور جب عَنْ کے ساتھ متعدی ہو تو معنی اس کی ضد ہوتا ہے۔نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور رافت کے باعث ہے۔جیسا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابت نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مرثیہ کہتے ہوئے کہا:

عَطُوْفٌ عَلَیْہِمْ لَا یُثْنِیْ جَنَاحَہٗ   اِلٰی کَنَفٍ یَحْنُوْ عَلَیْہِمْ وَیَمْھَدُ

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امت پر شفیق تھے اپنی شفقت کے بازوؤں کو کسی جانب نہیں سمیٹتے تھے، ان پر مہربانی فرمایا کرتے تھے اور ان کے لئے بھلائی کرتے رہتے تھے۔

سَیِّدُنَا

عَظِیْمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے بزرگ اور عظمت والا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کسی شے کی عظمت کا معنی یہ ہے کہ وہ شے اپنی ذات کے اعتبار سے کامل ہو اور غیر سے مستغنی ہو۔ جلیل اور عظیم کا فرق پہلے گزر چکا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سِفرِ تَوْرَات کے اوائل میں ہے:۔

عنقریب ایک عظیم امت کے لئے عظیم ہستی پیدا ہوگی۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عظیم ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق بھی عظیم ہے۔

یہ ان اسمائے الٰہیہ سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا ہے۔

ذاتِ باری تعالیٰ کے حق میں اس اسم کا معنی یہ ہے:۔

''جلیل الشان، یا وہ ذات کہ ہر شے اس سے کم تر ہو''۔

یا: ''عظمت کے انتہائی مراتب تک پہنچی ہوئی ہستی اس طرح کہ عقلیں اس کا تصور نہیں کر سکتیں اور وہم اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے''۔

یا: ''وہ ذات جس کی عظمت کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ ہی اس کی کوئی انتہاء ہے''۔

سَیِّدُنَا

عَفُوٌّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ذکر فرمایا۔ اس کا معنی پہلے گزرے ہوئے اسم عَافِی کی طرح ہی ہے ہاں یہ اس سے زیادہ بلیغ ہے۔ عربی محاورہ ہے:۔ عَفَاعَنِ الذَّنْبِ فَهُوَ عَافٍ وَعَفُوٌّ۔ پہلا اسم (عَافٍ) صرف عفو پر دلالت کرتا ہے جب کہ دوسرا اسم (عَفُوٌّ) کثرتِ عفو، تکرارِ عفو کے ساتھ ساتھ کثرت گناہ اور تکرار گناہ پر دلالت کرتا ہے، اس میں مبالغہ کا یہ عالم ہے کہ جو شخص گناہوں میں سے کسی ایک نوع کے سوا کسی اور گناہ کو بھی معاف نہ کرے اسے پہلے نام یعنی ''عَافٍ'' سے موسوم کرتے ہیں دوسرے نام ''عَفُوٌّ'' سے نہیں۔

عَفو ، حِلم اور اِحتِمَال میں فرق جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا یہ ہے کہ عفو کا معنی ہے مواخذہ کو ترک کر دینا۔ حلم ایسی حالت کا نام ہے جو مواخذہ پر اکسانے والے اسباب کی موجودگی میں بھی وقار اور ثبات کا باعث بنتی ہے۔ اور احتمال کا معنی ہے ایذا رساں اشیاء کی تکالیف کے باوجود نفس کو روکے رکھنا۔ صبر بھی اس کی مانند ہے۔

عَفوٌّ اور صَفحٌ کا فرق پیچھے بیان ہو چکا ہے، عَفوٌّ اور غَفُورٌ کے مابین فرق عنقریب آئے گا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسم سے موسوم کی وجہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کی ہے:۔

عَفُوٌّ عَنِ الزَّلَّاتِ يَقْبَلُ عُذْرَهُمْ　　　وَاِنْ اَحْسَنُوْا فَاللّٰهُ بِالْخَيْرِ أَجْوَدُ

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لغزشوں کو معاف فرمانے والے، لوگوں کی معذرتوں کو قبول فرمانے والے ہیں اور اگر وہ نیکی کے کام کریں تو اللہ تعالیٰ نیکی کے کام پر بہت جود و کرم فرمانے والا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے بڑھ کر معاف فرمانے والے اور درگزر فرمانے والے تھے۔

عَفوِ نبوی کے باب میں اس کی وضاحت آئے گی۔

اسے علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا اس کا معنیٰ ہے ''وہ ذات جو ناپسندیدہ افعال سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے، مشتبہ چیزوں میں گھسنے سے محفوظ رکھے''۔

یہ عِفّت سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ نفس کی وہ حالت ہے جو اس پر شہوت کے غلبہ کو روکتی ہے۔

عربی محاورہ ہے عَفَّ وَ کَفَّ وہ ناپسندیدہ اعمال سے بچا۔ اس نے اپنے آپ کو روکا۔

اس سے صفت مشبہ عَفٌّ اور عَفِیْفٌ ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں یوں کہا ہے:۔

لَنَا حُرْمَۃٌ لَا تُسْتَطَاعُ یَقُوْدُھَا　　　نَبِیٌّ أَتَی بِالْحَقِّ عَفٌّ مُصَدَّقٗ

ترجمہ: ہماری ایک عزت ہے جس میں کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا، وہ یہ کہ ایک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حق لے کر آئے، وہ ناپسندیدہ افعال سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور ان کی تصدیق کی جاتی ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سابقہ کتابوں میں بھی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسی صفت سے موصوف قرار دیئے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے بڑھ کر پاک دامن تھے۔ کوئی عابد ایسا نہیں گذرا جس کی جوانی میں بچپنے کا سا عمل نہ ہو۔ اور اس کے آغاز کار میں لغزش نہ ہو۔ انسان کی فطرت و جبلت ہی یہی ہے۔ ہاں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے باب میں آئے گا۔

۴۱۲

سَیِّدُنَا

عَلَامَةٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم مبارک کو علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
اس کا معنی ہے ''گواہ، وہ جھنڈا جس کے ذریعہ سے ہدایت اور رستہ پر راہنمائی حاصل کی جائے''۔
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم راہِ ہدیٰ کے راہنما ہیں۔

۴۱۳

سَیِّدُنَا

عَلَمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا۔ یہ اسم پہلے اور دوسرے حرف پر زبر کے ساتھ ہے۔
اس کا معنی ہے:۔ ﴿۱﴾ وہ علامت جس سے راہنمائی حاصل کی جائے۔
﴿۲﴾ مشہور جھنڈا ﴿۳﴾ وہ سردار جس کا ذکر کیا جاتا ہو۔

۴۱۴

سَیِّدُنَا

عَلَمُ الْاِیْمَانِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۴۱۵

سَیِّدُنَا عَلَمُ الْیَقِیْنِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

۴۱۶

سَیِّدُنَا

عَلِیٌّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے ”بڑا الیسا رفیع المرتبت جس کا درجہ سب مراتب سے بڑھ کر ہو، جس کی شان شک وشبہ سے بالا ہو“۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ سے بھی ہے۔

تو اس کا معنی ہے ”جس کی ذات ادراک سے برتر ہو اور جس کی صفات تصور سے بالا ہوں“۔

یا ”جس کی عظمت میں عقلیں سرگرداں ہوں اور جس کے حسن کے بیان سے زبانیں گنگ ہوں“۔

۴۱۷

سیّدنا

عِمَادٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
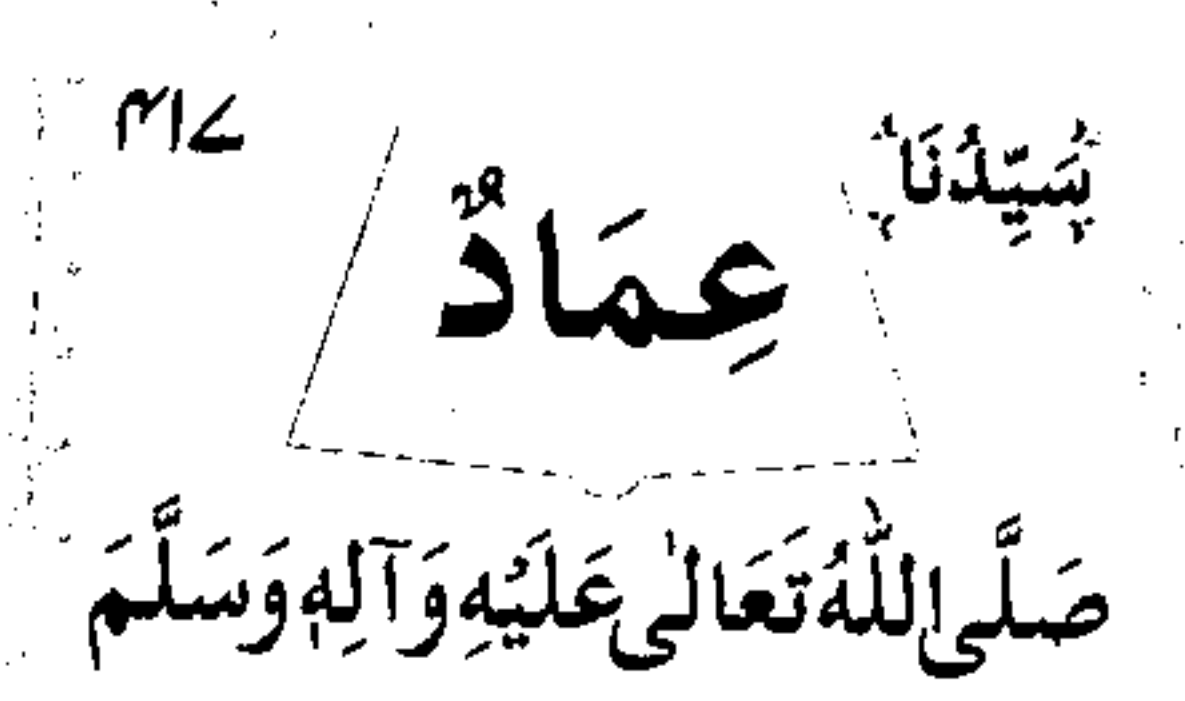
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے ''قابلِ اعتماد سردار، سختیوں میں جس کی طرف بھاگ کر لوگ آئیں''۔

۴۱۸

سیّدنا

عُمْدَةٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
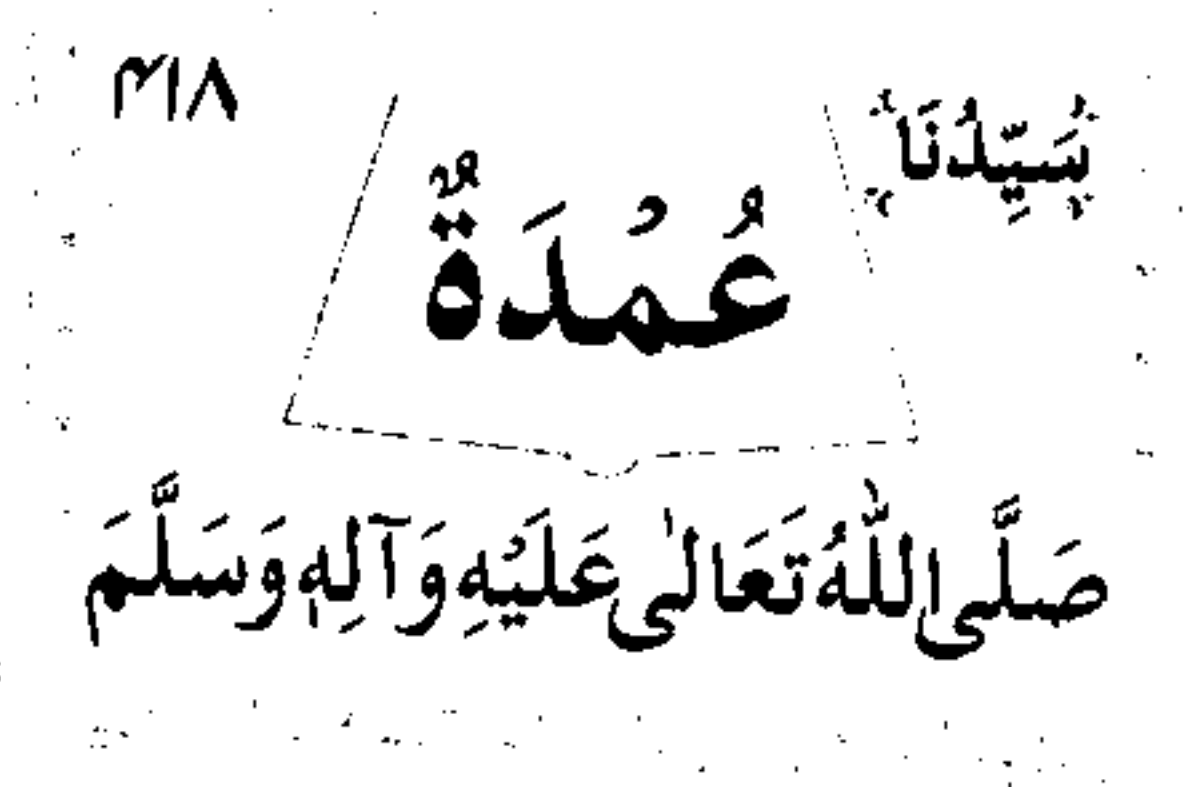
اسے بھی قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''سردار، بہادر، ایسا دلیر جس کی اطاعت کی جائے، ایسا سردار جس پر بھروسہ کیا جائے اور مشکلات میں لوگ اس کی طرف بھاگ کر آئیں''۔

اسے بھی قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ دراصل یہ متعدد معنوں میں مشترک لفظ ہے:۔

﴿۱﴾ آنکھ اور دیکھنے کی حس:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایت کے رستے دکھائے اور ہلاکت کے رستوں سے ان کو بچایا جس طرح کہ دیکھنے کی حس سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اس میں نفع یا نقصان ہے۔ یا اس امت کی باقی امتوں پر بزرگی کے باعث یہ اسم مبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

جس طرح کہ باقی جسم پر سر کی برتری آنکھ کی وجہ سے ہوتی ہے اسی طرح اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ باقی انبیائے کرام علیہم السلام پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی افضیلت پر دلیل موجود ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی افضیلت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے کمال کے باعث ہے۔ اور یہ ان کے نبی کے کمال کے باعث ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ سونا اور ہر شے کا بہتر حصہ:

چوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیائے کرام سے افضل اور اشرف ہیں اس وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

عربی محاورہ ہے:۔ فُلَانٌ عَيْنُ النَّاسِ یعنی فلاں آدمی لوگوں میں سے بہتر ہے۔

﴿۳﴾ سردار: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ تمام لوگوں کے سردار ہیں اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

﴿۴﴾ **قوم میں سے بڑا:**

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام ہونے کا سبب یہ ہے کہ تمام لوگوں سے بزرگ اور بڑے ہیں۔

﴿۵﴾ **انسان:** یہ عربی محاورہ انہی معنوں میں ہے۔ مَابِهَا مِنْ عَيْنٍ (یہاں کوئی انسان نہیں ہے)

یعنی یہاں کوئی نہیں۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام تَسْمِيَةُ الْخَاصِ بِاسْمِ الْعَامِ کے قبیل سے ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے افضل ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

﴿۶﴾ **جاری پانی:** کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود پاک ہیں اوروں کو طاہر بناتے ہیں۔

﴿۷﴾ **لوگوں کی ایک جماعت:** حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رعب، شدید جلالت کے باعث ہے دیکھنے والا گمان کرتا تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک جماعت ہے جس کے حملہ کا خدشہ اور جس کی شوکت خوفزدہ کرنے والی ہے۔ جیسا کہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

كَـأَنَّــهُ وَهْـوَ فَـرْدٌ فِـيْ جَلَالَتِـهٖ فِـيْ عَسْـكَـرٍ حِيـنَ تَـلْـقَـاهُ وَفِـيْ حَشَـمٖ

ترجمہ: جب تم ان سے ملو تو اکیلا ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت اتنی بڑھ کر تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لشکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ہے یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے خدام میں جلوہ افروز ہیں۔

﴿۸﴾ **پانی کا چشمہ:** آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکمت کے سرچشمہ اور رحمت کی کان تھے۔

﴿۹﴾ سورج: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم برتر، صاحب شرف وعظمت اور کثیر النفع ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

۴۲۰

سَیِّدُنَا

عَیْنُ الْعِزِّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حرف☆☆☆غین

غَالِب کا معنی ہے ''قاہر''۔ یہ غَلَبَة بمعنی قہر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

عربی محاورہ ہے: غَالَبْتُہٗ غَلَبًا فَاَنَا غَالِبٌ۔

میں نے غالب آنے میں اس سے مقابلہ کیا تو میں غالب ہوں۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ سے بھی ہے اس کے حق میں اس کا معنی ہوگا:۔

''مخلوق سے اپنی مراد اور مقصد حاصل کر لینے والا خواہ وہ پسند کریں یا ناپسند کریں''۔

یہ دونوں جگہ پر طاء کے ساتھ زَبَرْجَدْ کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے ''واسع الاخلاق، اخلاقِ حسنہ کی ریاضت کرنے والا، بردبار''۔

توراۃ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفت یوں مذکور ہے:۔

لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معاف فرمادینے والے اور پردہ پوشی فرمانے والے ہوں گے۔

یہ اسمائے الٰہیہ میں بھی شامل ہے۔ یہ غَفَّارٌ کے معنوں میں ہے یعنی اپنے بندوں میں سے جس کے گناہوں پر چاہے پردہ پوشی فرمانے والا سزا کے طور پر ان کو ظاہر نہیں فرماتا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لفظ غَفُوْرٌ میں مبالغہ کی ایک ایسی نوع موجود ہے جو کہ لفظ غَفَّارٌ میں نہیں، لفظ غَفَّارٌ تکرار اور کثرتِ مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ غَفُوْرٌ مغفرت کے وجود اور اس کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا معنی ہے "مکمل اور کامل طور پر بخشنے والا اس حد تک کہ مغفرت کے آخری درجات تک پہنچ جائے"۔

نحویوں میں سے ابوبکر بن طلحہ کا کہنا ہے کہ مبالغہ کے صیغے مختلف ہیں:۔

ان میں فَعُوْلٌ کا وزن اس ذات پر دلالت کے لئے ہے کہ فعل اس کے لئے پیشہ کی مانند ہو جائے۔

مِفْعَالٌ کا وزن اس ذات پر دلالت کرتا ہے کہ فعل اس کیلئے آلہ کی مانند ہو جائے۔

اور فَعِیْلٌ اس ذات پر دلالت کے لئے ہے کہ فعل اس کی طبیعت کی مانند ہو جائے۔

اور فَعِلٌ اس ذات کے لئے کہ فعل اس کے لئے عادت کی طرح ہو جائے۔

غَفُوْرٌ کا معنی عَفُوٌّ سے اَخص مطلق ہوتا ہے، کیوں کہ غَفُوْرٌ کا معنی ستر پوشی کے ساتھ ساتھ تجاوز کرنے والا، اس لئے کہ یہ غَفَرَ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ڈھانپنا۔ اور تجاوز اس کے لوازم سے ہے۔ کیوں کہ عدمِ تجاوز مواخذہ شمار ہوتا ہے۔ اور عَفُوٌّ کا معنی ہے تجاوز کرنے والا، وہ کبھی ستر پوشی نہیں کرتا۔ کیوں کہ یہ عَفُوٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے

مٹا دینا۔ یہ اس صورت پر بھی صادق آتا ہے جس میں گناہ پر مواخذہ ترک ہوا گرچہ پردہ پوشی نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عَفُوٌّ غَفُوْر ہوتا ہے لیکن اس کا عکس نہیں ہوتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ ہو۔ کیوں کہ جو شخص گناہ پر پردہ پوشی کرے اور اسے مٹا بھی دے اور مواخذہ نہ کرے۔ اس میں دونوں وصف مشترکہ طور پر پائے گئے۔ اسے غَفُوْرٌ اور عَفُوٌّ کہا جائے گا۔

اور دونوں صفات ایک دوسرے سے الگ الگ صورت میں پائی جائیں گی۔ جب کہ کوئی شخص پردہ پوشی تو نہ کرے لیکن گناہ کو محو کر دے تو ایسا شخص عَفُوٌّ ہو گا۔

یا گناہ پر پردہ پوشی تو کرے لیکن پوشیدہ طور پر اس گناہ پر مواخذہ کرے تو یہ شخص غَفُوْرٌ کہلائے گا۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔ وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی.

ترجمہ: ہم نے آپ کو عیال دار پایا تو غنی کر دیا۔

یہ لفظ غنٰی سے ہے جو الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔غنٰی کی تین قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ ضرورتوں کا ختم ہو جانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔

﴿۲﴾ ضرورتوں کا کم ہو جانا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشادِ مبارک میں اسی قسم کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔[1]

ترجمہ: حقیقی غنا تو دل کی غنا ہوتی ہے۔

﴿۳﴾ مال کی کثرت، قرآن مجید میں اس آیت میں یہی معنی مراد ہے۔۔

وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ.

ترجمہ: اور جو مال دار ہو اسے چاہیے کہ وہ بچے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں بھی داخل ہے۔

اس کا معنی اس صورت میں یہ ہے کہ ''وہ ہستی جو کسی چیز کی محتاج نہ ہو لیکن تمام اشیاء اس کی محتاج ہوں''۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ لفظ اگر مخلوق کی صفت میں آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے وہ ذات جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی محتاج نہ ہو، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی حال تھا۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۲۷۱/۱۱ کتاب الرقاق (۶۴۴۶)
(۲) الصحیح مسلم ۷۲۶/۲ کتاب الزکوۃ (۱۰۵۱.۱۲۰)
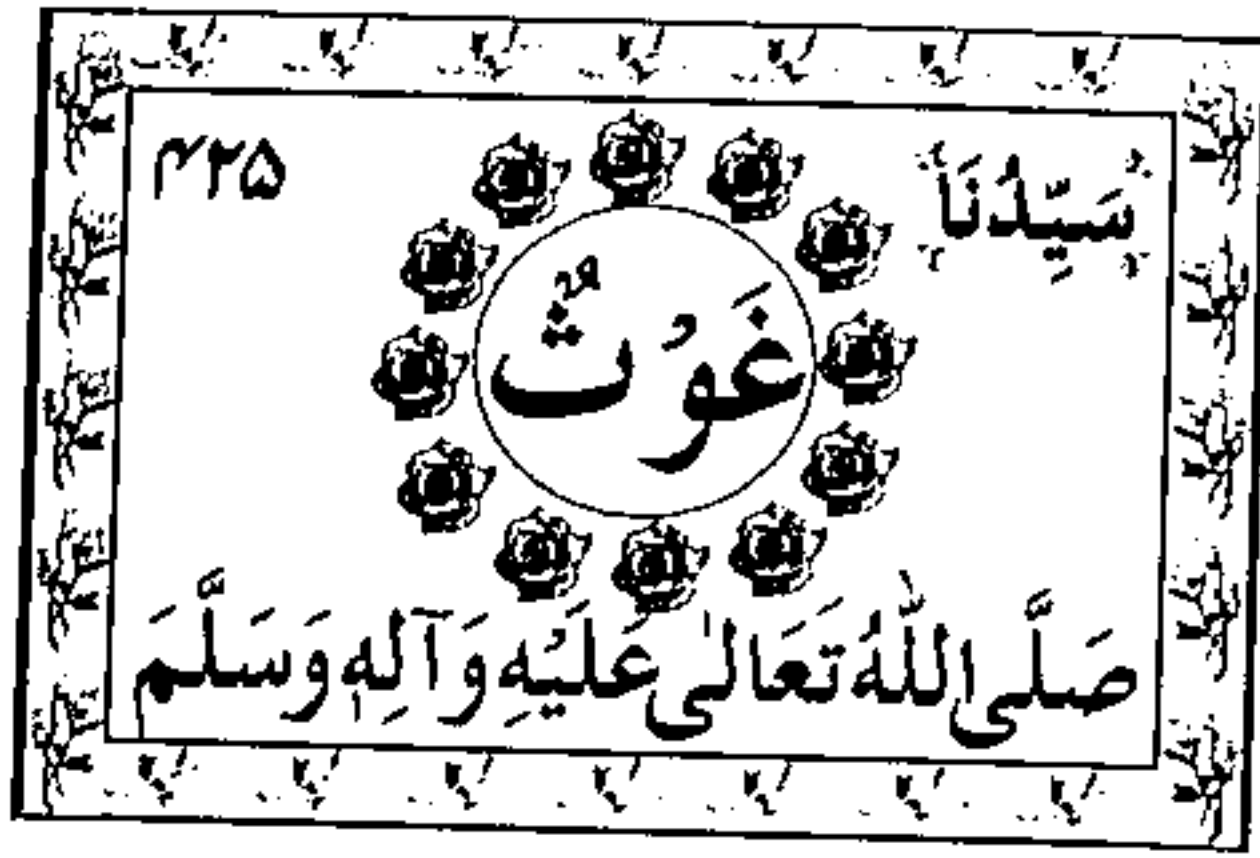
غوث کا معنی ہے ''مدد کرنے والا''۔
وہ ذات جس سے سختیوں اور مہمات میں مدد طلب کی جائے اور مصائب وحادثات میں اعانت کی درخواست کی جائے۔
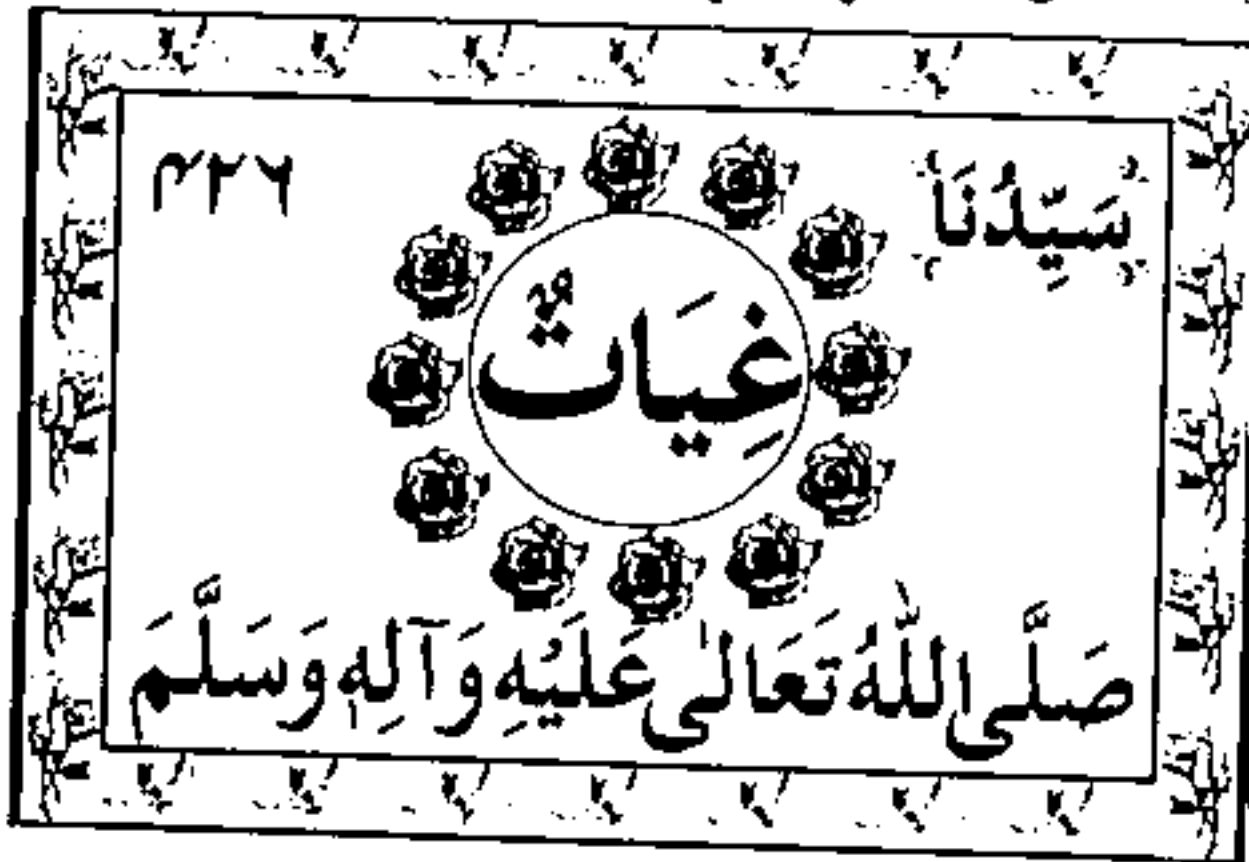
غِیَاث کا معنی ہے ''کثیر بارش''۔
چوں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چلنے والی ہوا سے بڑھ کر نیکی کرنے میں سخی تھے، نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارش کی دعا مانگی تو اسی وقت عام اور بھرپور کثیر بارش اللہ تعالیٰ نے بندوں کو فی الفور عطاء فرمائی اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب نے یوں کہا ہے:۔

وَاَبۡیَضُ یُسۡتَسۡقَی الۡغَمَامُ بِوَجۡهِهٖ ثِمَالُ الۡیَتَامٰی عِصۡمَةٌ لِلۡاَرَامِلِ

ترجمہ: آپ سفید رنگت والے ہیں۔ آپ کے چہرے کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے یتیموں کی مدد کو پہنچنے والے ہیں اور بیواؤں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کی مزید وضاحت ''مَثَلُهٗ وَمَثَلُ مَابَعَثَهُ اللّٰهُ بِهٖ'' کے باب میں آئے گی وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ

حرف☆☆☆فاء

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس اسم کا ذکر ہو چکا ہے۔

حدیث معراج میں بھی اس کا ذکر آگے آئے گا۔جس کے الفاظ یوں ہیں:۔

وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا.

ترجمہ: اور اس نے مجھے شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں حضرت معمر رحمہ اللہ سے انہوں نے حضرت ایوب رحمہ اللہ سے اور انہوں نے حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّمَابُعِثْتُ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا وَاُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَفَوَاتِحَهٗ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے آغاز کرنے والا اور ختم کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھے جامع کلمات اور فواتح الکلمات عطاء فرمائے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ ان اسمائے الٰہیہ سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم فرمایا کیوں کہ یہ اسمائے حسنٰی میں شامل ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے تو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ۔

ترجمہ: پھر وہ ہمارے درمیان حق سے فیصلہ فرمادے گا وہ بڑا فیصلہ فرمانے والا اور علم والا ہے۔

اس کا معنی ہے ''بندوں میں حکم اور فیصلہ فرمانے والا کیوں کہ فتح کا معنی قضا (فیصلہ کرنا) ہے''۔

یا اس کا معنی ہے ''رحمت، رزق، اور ان کے الجھے ہوئے معاملات کے دروازوں کو کھولنے والا''۔

یا معنی یہ ہے ''ان کے دلوں اور آنکھوں کو حق کے لئے کھولنے والا۔ یا معنی یہ ہے مدد کرنے والا''۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ اسم گرامی ہونے کی وجہ میں مختلف اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ سے گفتگو کا آغاز فرمائیں گے۔

﴿۲﴾ اس امت کی ہدایت کا آغاز فرمانے والے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔

﴿۳﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر علم کا وہ دروازہ کھول دیا جو ان پر بند تھا۔

چناں چہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ چیز جو بند تھی اس کو کھولنے والے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

یہ حدیث اسم رافع کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام فَاتِحْ ہونا درست ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رسولوں کا آغاز کیا یعنی پیدائش میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے رسول تھے یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کرنے والوں میں سب سے پہلے ہوں گے۔

ان معانی کا قرینہ یہ ہے کہ یہ اسم دوسرے اسم خاتم کے ساتھ ملا ہوا (حدیث میں) وارد ہے۔ تو ان کے معانی بھی اسمائے مبارکہ اوّل اور آخر کی مانند ہوں گے۔

میں کہتا ہوں یہ تمام صفات سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک میں مجتمع ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا زبور میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام مبارک مذکور ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو حق وباطل میں امتیاز کردے'' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔[1]

فَارِق، فَرْق سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''جدا کرنا، الگ کرنا''۔

حرف بـاء کے ذیل میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ سابقہ کتابوں میں یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں شامل ہے۔

امام ثعلب نے اس کا تلفظ شروع میں فاء کے ساتھ کیا ہے۔ اور کہا اس کا معنی ہے:۔

''حق اور باطل کے درمیان فرق وامتیاز کرنے والا''۔

حضرت محمد بن حمزہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''غَرِیْبُ التَّفْسِیْر'' میں لکھا اس کا معنی ہے ''وہ ہستی جو مذموم نہ ہو''۔

امام ابوعبید بکری نے اسے باء جو صاف نہ ہو کے ساتھ ضبط کیا ہے اور کہا بار قلیط اس کا معنی ہے روح الحق۔

---

[1] شاید عنوان میں یہ اسم فاروق ہے غلطی سے فَارِق لکھا گیا ہے، کیوں کہ فاروق مبالغہ کا صیغہ ہے۔ واللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

اس کا معنیٰ ہے حسین، کامل علم والا۔ کیوں کہ فضل، علم کے معنوں میں آتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا.

ترجمہ: ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضل عطاء فرمایا۔

یہاں فضل کا معنیٰ ''علم'' ہے۔

یا اس اسم کا معنیٰ ہے ''کثیر فضیلت والا'' یہ فضیلت میں بلند مرتبہ ہے، جو کہ نقص کی ضد ہے۔

یہ اسم قَـائِدٌ اور صَـائِنٌ کی مانند ہمزہ کے ساتھ ہے اس میں وہی تعلیل جاری ہوئی ہے جو ان دو اسما میں جاری ہوتی ہے۔ اس کا اصل فَـاوِق تھا۔ واو کو الف سے تبدیل کر دیا گیا جیسا کہ اس کے فعل ماضی میں تبدیل ہوئی تھی، جس سے یہ اسمِ فاعل مشتق ہے تو اعلال میں بھی یہ اسی پر محمول ہے۔ کیوں کہ یہ خود متحرک ہے اور ما قبل اس کا مفتوح ہے۔ پھر الف کو ہمزہ سے بدل دیا گیا کیوں کہ یہ اس کے قریب ہے۔ ماضی کے صیغہ کے ساتھ التباس کے پیش نظر اس الف کو اِلْتِقَاءِ سَاکِنَیْن کی بدولت حذف نہیں کیا گیا۔ ایسا ہمزہ یاء کی صورت میں لکھا جاتا ہے اور اس پر ہمزہ ڈالا جاتا ہے علمائے رسم الخط کے نزدیک یاء کے نقطے لگانا قبیح غلطی ہے۔ اس کو بین بین ہی پڑھا جاتا ہے۔

اس کا معنی ہے ''ہر شے سے بہتر''۔

صِحَاح میں ہے:۔ فَاقَ الرَّجُلُ اَقْرَانَہٗ۔

''مرد اپنے ہم سروں سے بزرگی اور فضیلت کے باعث برتر ہو گیا''۔

اس کا مضارع یَفُوْقُ آتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے بہتر اور ان سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

یا اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نسب کے اعتبار سے اَفْضَلُ الْخَلْق ہیں، ادب اور بزرگی کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہیں۔

اس کا معنی ہے "فاتح یعنی کھولنے والا"۔ لیکن فتّاح میں فاتح سے مبالغہ پایا جاتا ہے۔

یا اس کا معنی ہے "مددگار" قرآن مجید کی ذیل کی آیت کریمہ میں یہ مادہ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے:۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَ كُمُ الْفَتْحُ.

ترجمہ: اگر تم نصرت کے طلبگار تھے تو نصرت تمہارے پاس آ چکی ہے۔

اس آیت میں فتح، نصرت کے معنی میں ہے۔

فتّاح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے۔ تو اس صورت میں اس کا معنی ہے:۔

"وہ ذات جو نعمتوں کی اقسام گناہوں کے باعث بند نہیں کرتی، اور رحمت کا نزول نسیان کے باعث ختم نہیں کرتی"۔

یا اس کا معنی ہے:۔

"وہ ذات جو نفوس پر توفیق کا دروازہ کھولتی ہے اور قلوب پر تحقیق کا باب وا رکھتی ہے"۔

یا پھر معنی یوں ہے:۔

"وہ ہستی جو اپنی عنایت سے ہر مقفل کو کھول دیتی ہے اور اپنی راہنمائی سے ہر مشکل کو واضح فرما دیتی ہے"۔

دراصل یہ مصدر ہے۔ صبح کو فجر کہتے ہیں کیوں کہ یہ رات کو شق کر دیتی ہے۔

فَجْرٌ کا اصل معنی ہے ''کسی شے کو واضح اور کھلے طور پر شق کر دینا''۔

عربی محاورہ ہے:۔

فَجَرْتُہٗ فَانْفَجَرَ یا فَجَّرْتُہٗ فَتَفَجَّرَ۔

(میں نے اس کو شق کیا وہ شق ہو گیا)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر میں نقل کیا

وَالْفَجْرِ۔

ترجمہ: قسم ہے فجر کی۔

اس میں فجر سے مراد حضرت سرکارِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات سے ایمان کے چشمے پھوٹے۔

یہ لفظ خاء کے ساتھ ہے۔اس کا معنی ہے ''عظمت والی ذات، بزرگی والی ذات''۔

یہ اسم مبارک بھی خاء کے ساتھ ہے اس کا معنی بھی ''باعظمت ہستی اور صاحب جلالت ذات ہے''۔

یہ اسم مبارک دال اور غین کے ساتھ جَعْفَرٌ کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے ''حسین، جمیل، باعظمت اور باجلالت''۔

یعنی اپنی صفاتِ جمیلہ کے باعث منفرد اور اپنی صورت جلیلہ کی وجہ سے یکتا۔

اس کا مفہوم واحد سے اَخَصّ اور واحد کا مفہوم وِتْر سے اَخَصّ ہے۔ کیوں کہ فرد وہ ہوتا ہے جو غیر سے مُخْتَلِط نہیں ہوتا اس کی جمع فُرَادیٰ ہے۔

اس کی راء پر زبر ہے۔صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے:۔

اَنَا فَرَطُکُمْ وَاَنَاشَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ۔[1]

ترجمہ: میں تمہارا فرط ہوں میں تم پر گواہ ہوں۔

فَرَطٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو پانی کی جانب قافلہ سے پہلے پہنچے اوران کے لئے حوض تیار کرے، اوران کے لئے پانی جمع کرے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے ایسی مثال بیان فرمائی جو اپنے ساتھیوں سے آگے آگے جائے اوران کے لئے ضرورت کی اشیا مہیا کرے۔

امام ابوعبید نے اس لفظ کی تفسیر اسی طرح کی اور صحیح مسلم کی یہ روایت بھی اس کی موافقت کرتی ہے:۔

اَنَاالْفَرَطُ عَلَی الْحَوْضِ۔[2]

ترجمہ: میں حوضِ کوثر پر تمہارا فرط ہوں گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں تمہارے آگے آگے ہوں گا اور تم میرے پیچھے ہوگے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کرنے کیلئے اپنی امت سے آگے ہوں گے۔

---

[1] الصحیح البخاری ۸۳/۹ کتاب الفتن (۷۰۴۹)

[2] الصحیح مسلم ۱۸۰۲/۴ کتاب الفضائل (۴۵۔۲۳۰۵)

یہ فصاحت سے فعیل کے وزن پر اسم ہے۔ لغت میں اس کا معنی ہے ''وضاحت''۔

اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے ''کلام کا ضعف تالیف، تنافرِ کلمات اور تعقید سے خالی ہونا''۔

یہ معنی کے لحاظ سے اس کی تفسیر ہے۔

لفظ کے اعتبار سے وہ کلمہ فصیح ہوتا ہے جو ان فصیح لوگوں کی زبان پر ہو جن کی عربیت قابلِ اعتماد ہو۔

اس کے متعلقات کا بیان فصاحت نبوی کے بیان میں آئے گا۔

فضل کا معنی ہے احسان۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہیں اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے علاوہ تمام مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں۔

یا یہ فاضل کے معنوں میں ہے جو ''صاحبِ شرافت وصاحبِ کمال'' کے معنوں میں ہے۔

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل آیت مبارکہ کی تفسیر میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں:۔

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ لَا تَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطَانَ اِلَّا قَلِیۡلًا۔

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب شیطان کی پیروی کرتے۔

ان اقوال میں ایک قول یہ ہے کہ:۔

فَضۡلُ اللّٰہِ سے مراد حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

امام عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم مبارک کو ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے ”حاذق، ماہر، ہوشیار“۔

یہ لفظ فِطۡنَۃ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی جیسا کہ بعض علما نے فرمایا:۔

”فیض کے انداز سے سمجھنا یا بغیر کوشش کے سمجھ جانا ہے“۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک زبور میں مذکور ہے۔

اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے باطل کو مٹا دے گا۔''

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسم غیر عربی ہے۔ کیوں کہ عربی زبان میں تو فلاح کا معنی کامیابی کامرانی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی شرح میں فرمایا کہ عربی زبان میں فلاح سے بڑھ کر بھلائی کا جامع کوئی اور کلمہ نہیں ہے اور بعید نہیں کہ یہ لفظ عربی ہی ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جتنی نیکی کی خصلتیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک میں مجتمع ہیں کسی اور میں جمع نہیں ہیں۔

یا وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب کامیابیوں کے باعث ہیں۔

امام عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

یہ اسم کَتِفٌ کے وزن پر ہے، جس کا معنی ہے سَرِیْعُ الْفَهْمِ.

فہم کا معنی ہے ''کسی شے کا علم اور عرفان قلب کے ذریعہ حاصل کر لینا''۔

یہ تو اس کا لغوی معنی ہے اس کا اصطلاحی معنی جیسا کہ کِتَاب ''اَلْبَصَائِر'' مؤلفہ ابن سَهلان سے منقول ہے یہ ہے کہ:۔

''فہم انسانی نفس کی وہ قوت جو آراء کے اکتساب کے لئے اسے ودیعت کی گئی ہے جس کا نام ذہن کا عمدگی سے تیار ہونا تا کہ غیر کی طرف سے وارد ہونے والی چیزوں کا تصور کر لے۔

اسی طرح فکر، ذہن کی مبادی میں ایسی حرکت جس سے وہ مطالب تک رسائی حاصل کر لے''۔

حدس: ''نفس کی جانب سے حد اوسط کو گرفت میں لانے کے لئے اس کی حرکت کی عمدگی کو کہتے ہیں''۔

اور ذَکَاءٌ ''اسی کام کے لئے اس قوت کی استعداد میں شدت کا نام ہے''۔

یا فہم ایسی قوت کا نام ہے جو معانی کی باریکیوں کا ادراک کرتی ہے اور معانی جو کامیابی کے دروازوں کو وا کرنے والے ہوتے ہیں کے چہروں سے مشکلات کے پردوں کو زائل کرنے والی قوت ہوتی ہے۔

ہمارے شیخ (حضرت امام جلال الدین سیوطی) رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا اور اس کے بعد خالی جگہ چھوڑ دی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ اسم مبارک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اخذ کیا ہے۔ کہ آپ ایک مہم میں تھے اور فرمایا لوگ بھاگ کھڑے ہوئے میں بھی بھاگنے والوں میں تھا، جب ہم میدان کی طرف نکلے تو ہم نے کہا ہم کیا کریں؟ ہم تو حملہ کرنے والے لشکر سے بھاگے ہیں۔ اور غضب خداوندی کے ساتھ لوٹے ہیں۔ ہم نے کہا اگر ہم اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کردیں تو بہتر ہے۔ اگر ہمارے لئے توبہ ہے تو ہم ٹھہریں گے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو چلے جائیں گے۔ نمازِ فجر سے پہلے ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گئے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور پھر عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وآلک وسلم ہم بھاگنے والے ہیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

بَلْ اَنْتُمُ الْعَکَّارُوْنَ .

ترجمہ: بلکہ تم تو پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔

ہم نے عرض کی یارسول اللہ! ہم لشکر سے بھاگے ہیں۔تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَنَا فِئَۃُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ: میں مسلمانوں کی ایک جماعت ہوں۔

اسے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

عکَّارُوْنَ کا معنی ہے ''جنگ کی طرف پلٹ کر آنے والے، اس کی طرف متوجہ ہونے والے''۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ سے ان کا عذر قبول فرمالیا۔قرآنِ مجید کی اس آیت مبارکہ کا بھی یہی مفہوم ہے:۔

اَوْمُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ.

ترجمہ: یا جماعت سے ملنے کے لئے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے۔

حرف☆☆☆قاف
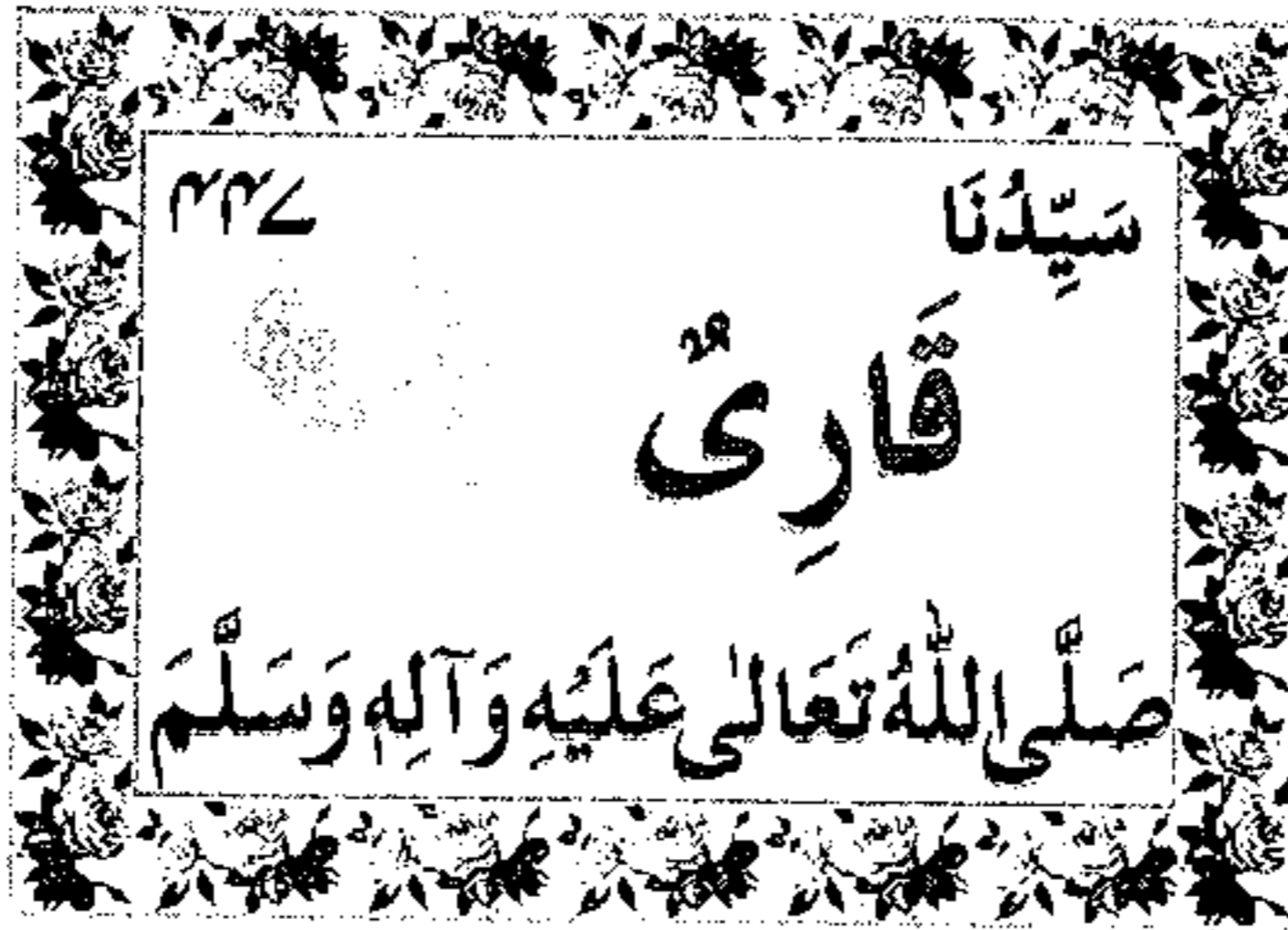
امام عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم مبارک کا ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے ''کرم کرنے والا، سخاوت کرنے والا''۔

قِریٰ سے یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جو قاف کی زیر، اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ اس کا تلفّظ قاف پر زبر اور الف ممدودہ کے ساتھ بھی درست ہے (قَرَاءٌ)۔ جس کا معنی ہے ''مہمانوں کے لئے خرچ کرنا''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے آغازِ وحی کی حدیث میں ان الفاظ کو روایت کیا ہے:۔

كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ.

ترجمہ: خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلمکو ہرگز رسوانہ فرمائے گا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ یتیموں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں اور خالی ہاتھ کو کما کر دیتے ہیں۔

اس کا مفہوم جیسا کہ علماء نے فرمایا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلمکو کوئی ناپسندیدہ معاملہ پیش نہ آئے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلمکی ذات میں ان قابلِ تعریف صفات کو جمع فرمادیا ہے جو اچھے اخلاق وعادات پر دلالت کرتی ہیں۔
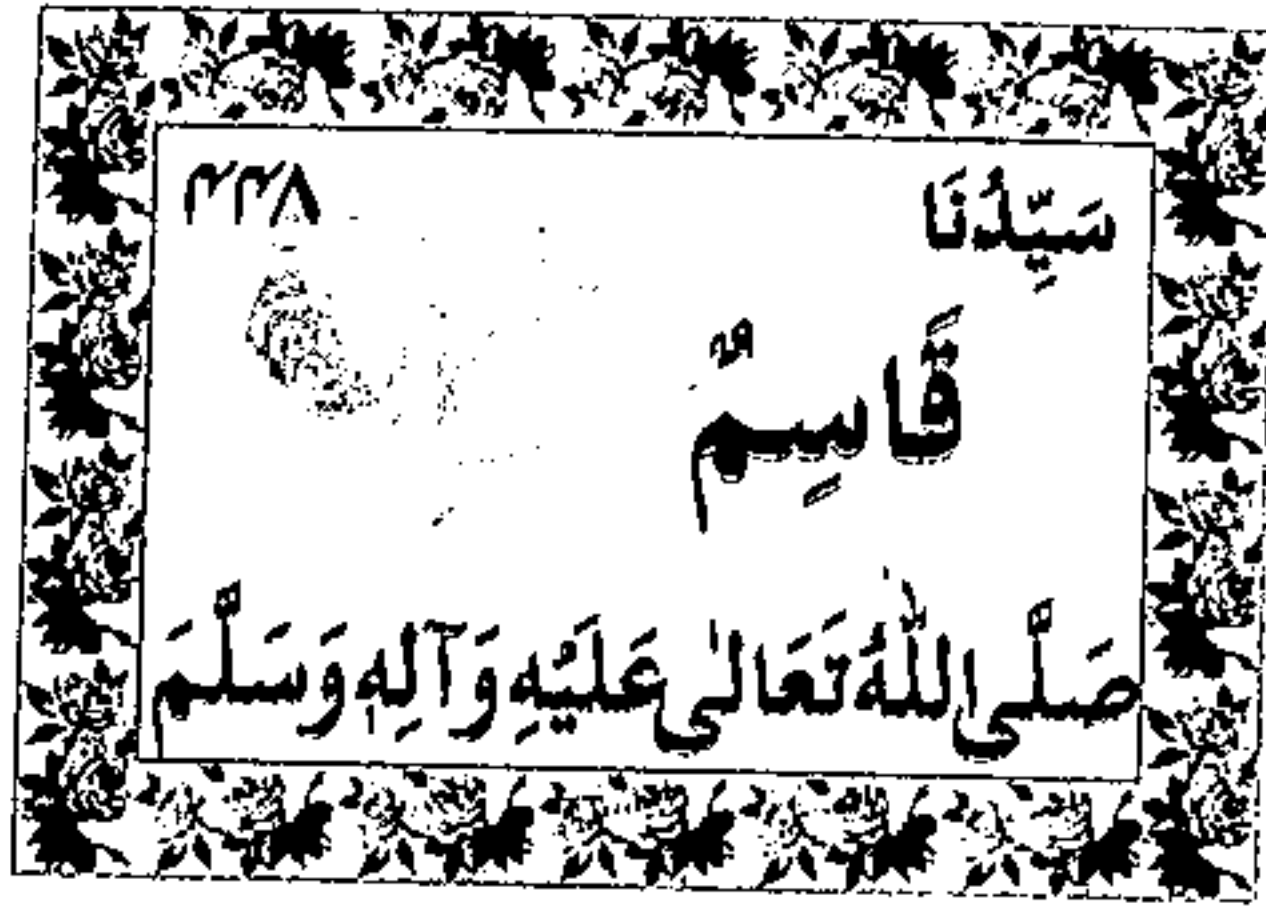
حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو مختلف معاملات کو ان کی مناسب جہات میں تقسیم کرتی ہو، عطا فرمانے والی ہستی''۔

یہ قَسْمٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''عطاء کرنا''۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث روایت کی:۔

اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ الْمُعْطِیْ.

ترجمہ: میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے۔
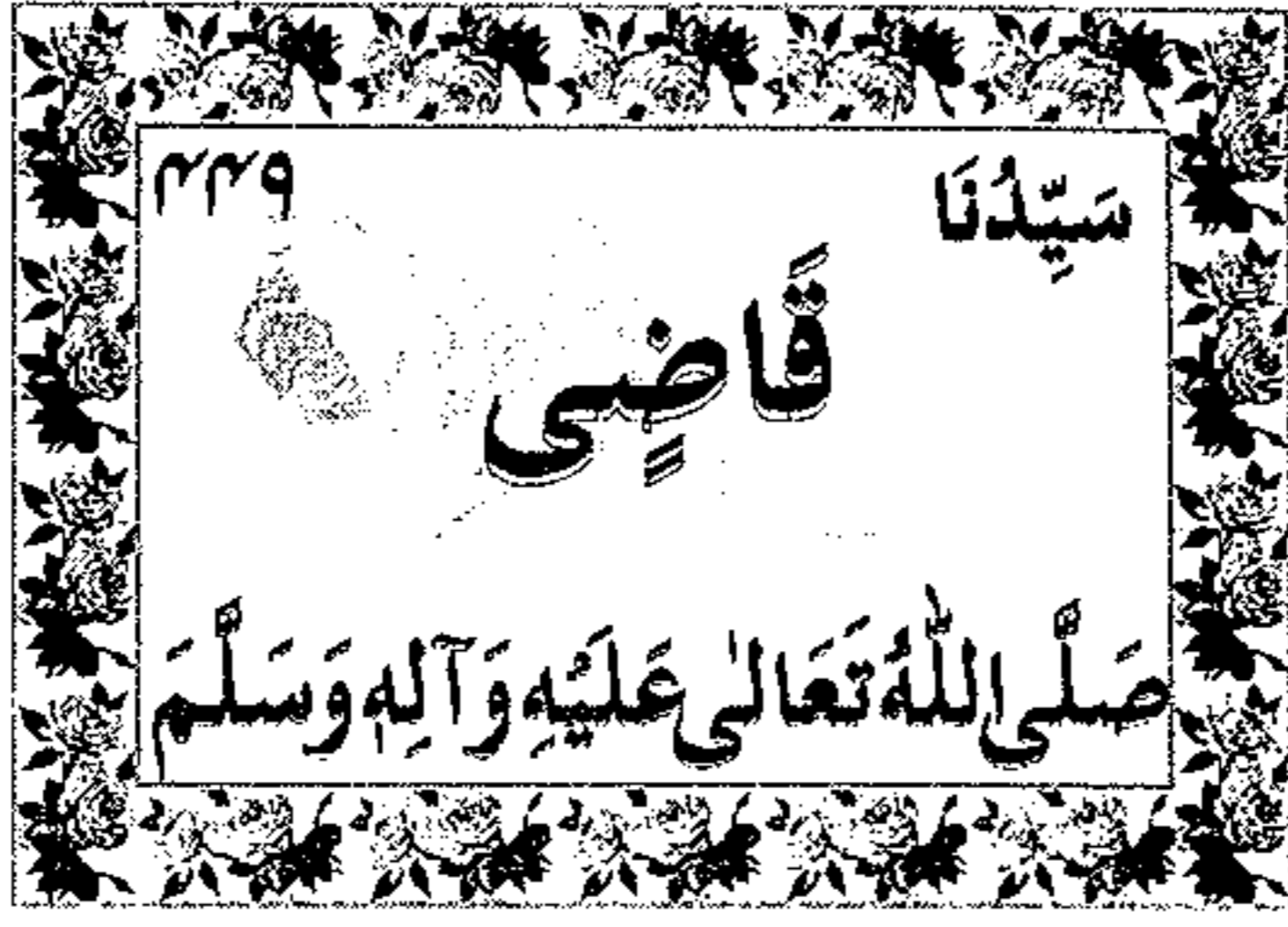
اس کا معنی ہے ''حاکم'' قَضَاءٌ مصدر سے اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے ''حکم کا فیصلہ کرنا اور اسے نافذ کرنا''۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کیا گیا ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات سے یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر دعوی اور شہادت کے فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لئے کوئی حکم لگا سکتے تھے اور جو اس بارے میں گواہی دے اس کی شہادت قبول فرما سکتے تھے جیسا کہ حضرت خُزَیمہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں ہے۔ حالتِ غضب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فیصلہ کرنا فتویٰ دینا مکروہ نہ تھا۔ کیوں کہ حالتِ غضب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اوروں کی طرح غلطی کا خوف نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شیطان کے وار سے معصوم تھے۔
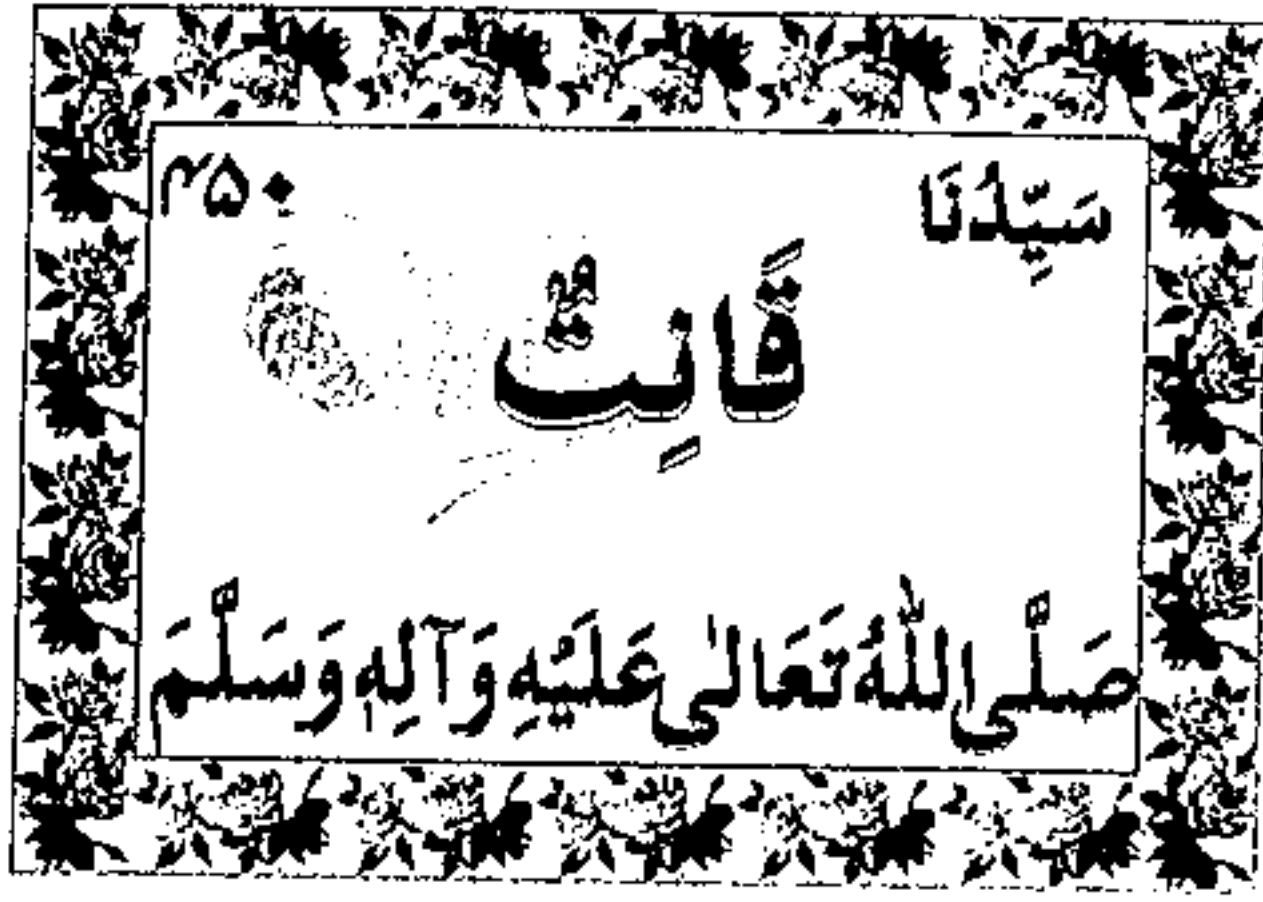
علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم مبارک کو ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے ''اطاعت گزار''۔

یہ قُنُوت سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''خضوع کے ساتھ مسلسل اطاعت کرتے رہنا''۔

یا اس کا معنی ہے ''خشوع کرنے والی ذات''۔ یا ''نماز میں لمبا قیام کرنے والی ہستی''۔
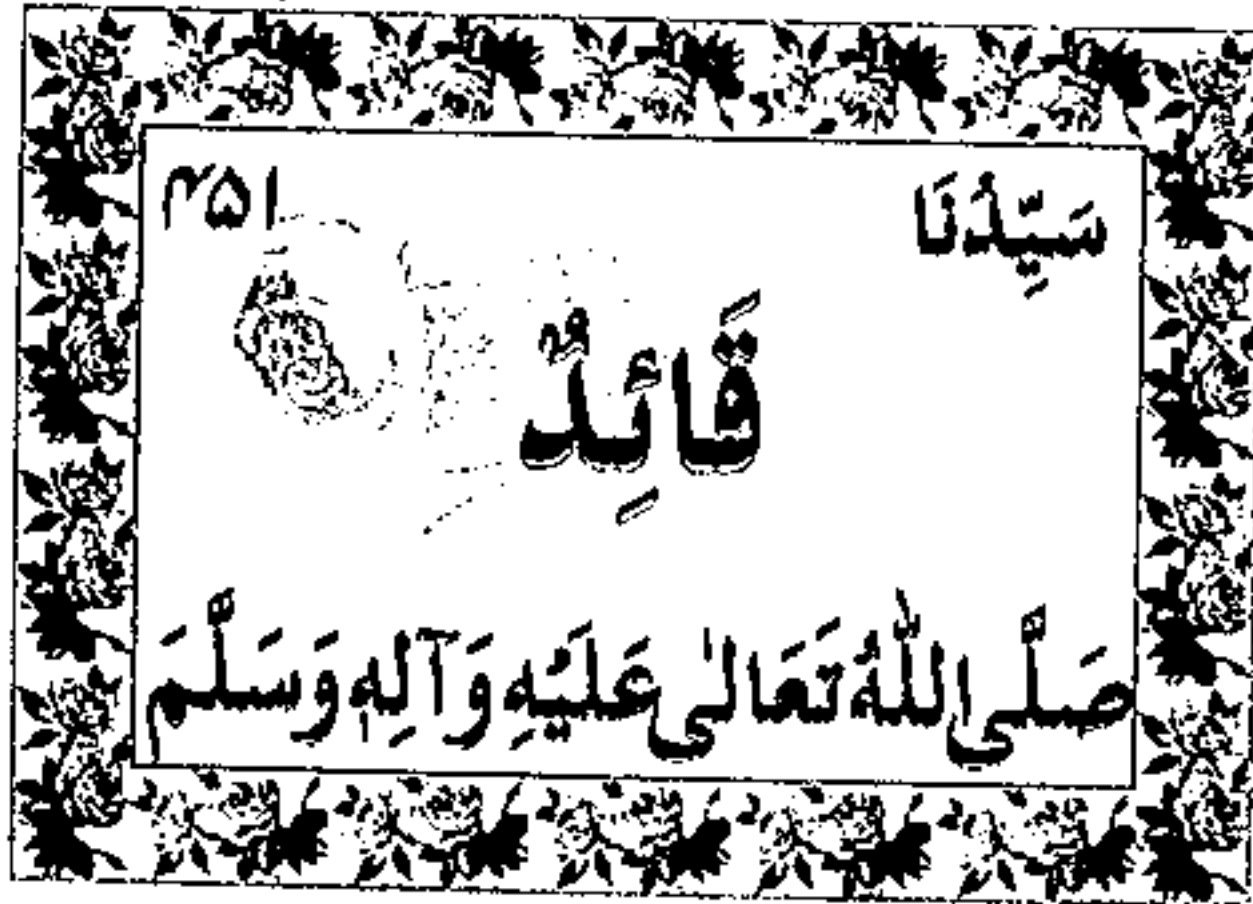
اسے بھی علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ لفظ قَائِدٌ ہمزہ کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو لوگوں کی قیادت کرے ان کے آگے آگے چلے ان کو ساتھ لے کر ہدایت کی راہ پر چلے۔ اور ان کو لے کر ہلاکت کی راہ سے الگ رہے''۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:۔

اَنَا قَائِدُ ھُمْ اِذَا فُزِعُوْا.

ترجمہ: میں ان کی رہنمائی کروں گا جب وہ خوف زدہ ہوں گے۔
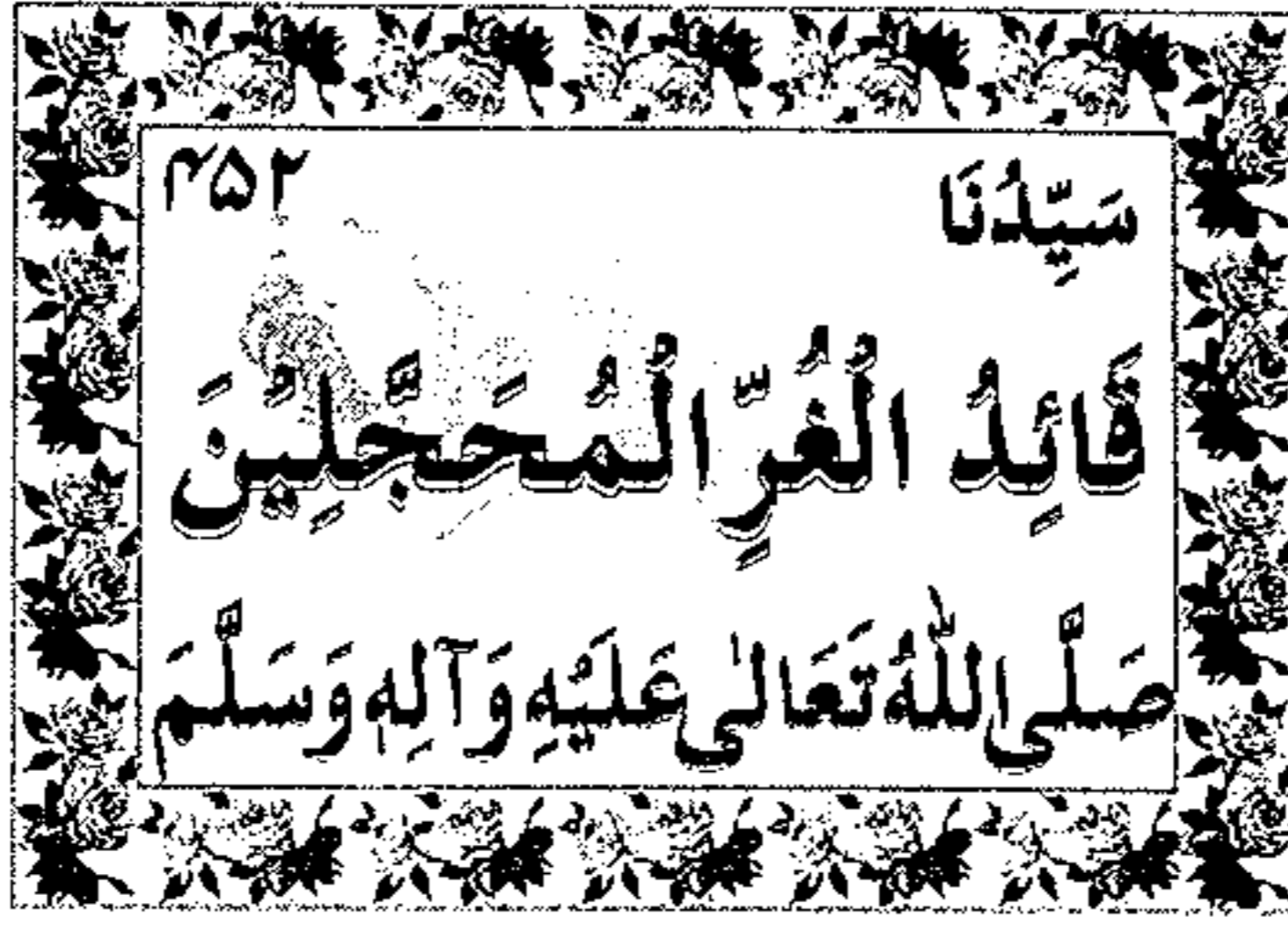
اسے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

غُرٌّ، اَغَرُّ کی جمع ہے اس کا معنی ہے ''ایسا گھوڑا جس کی پیشانی میں سفیدی ہو''۔ اور مُحَجَّل کا معنی ہے ''جس کے پاؤں میں سفیدی ہو''۔ اور اَلْغُرُّ الْمُحَجَّلِیْنَ سے مراد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنت کی طرف جانے میں ان کی قیادت فرما رہے ہوں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث روایت کی ہے:۔

اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ.

ترجمہ: میری امت کو قیامت کے دن بلایا جائے گا ان کے ماتھے اور پیشانیاں وضو کے نشانات کے باعث روشن اور تاباں ہوں گے۔
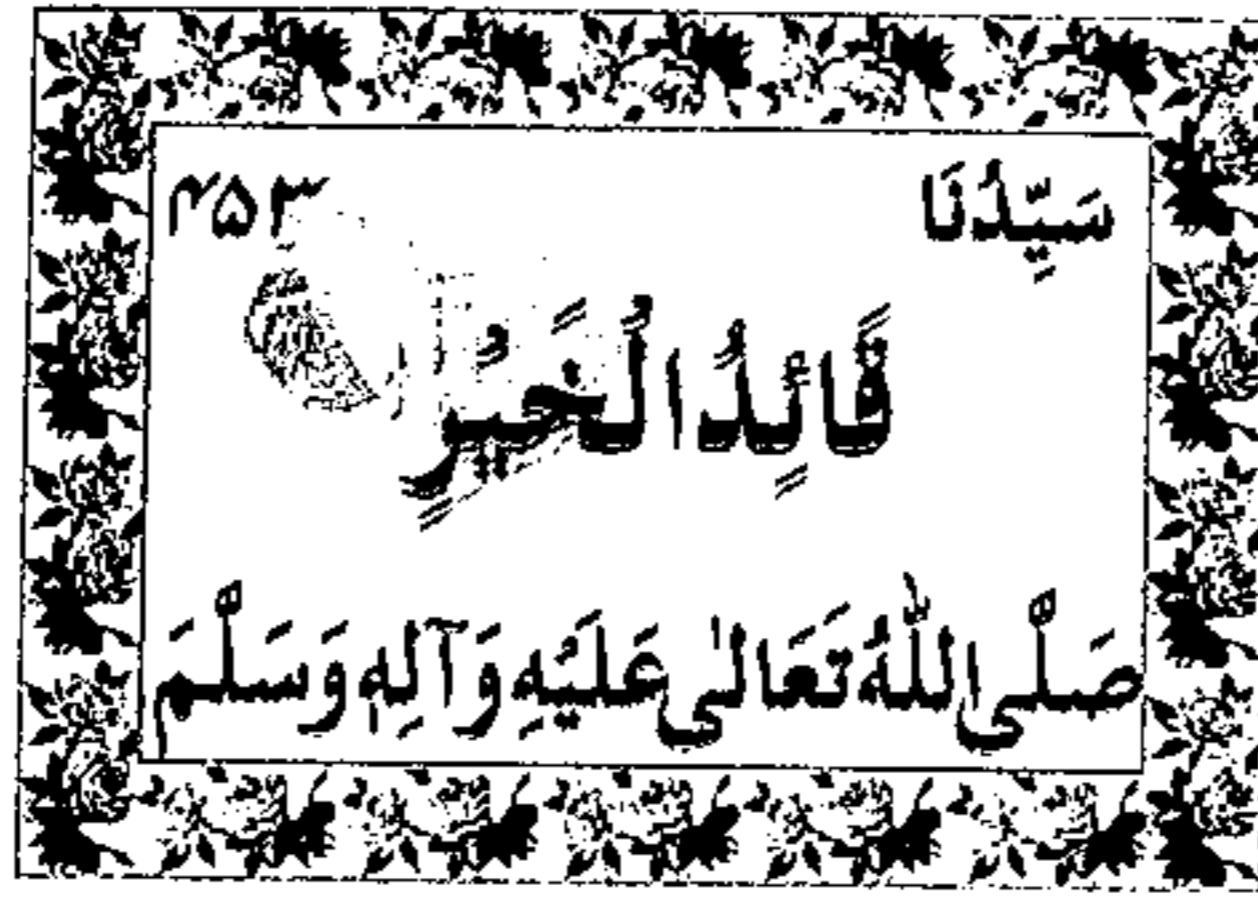
امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسمِ گرامی سنن ابن ماجہ کی اس حدیث سے اخذ کیا ہے جو لفظ اسم مبارک امام کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ اس اسم مبارک کا معنی ہے کہ ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھلائی کے راہنما ہیں اسے کھینچ کر اپنی امت کی طرف لاتے ہیں۔ اور اس کی طرف پہنچنے کے لئے ان کی قیادت فرماتے ہیں اور رہنمائی کرتے ہیں''۔
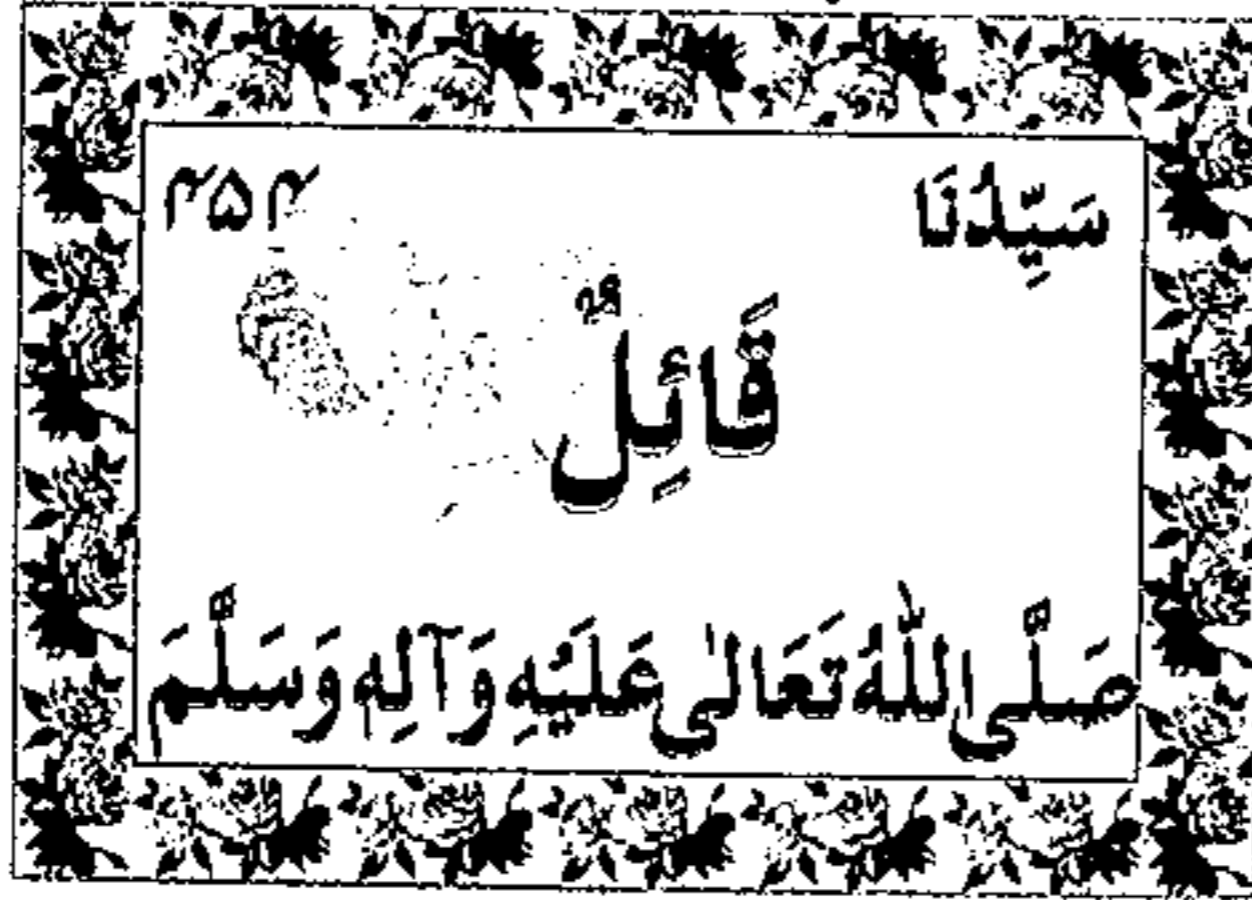
یہ اسم مبارک حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے حاکم کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول نافذ ہو کر رہتا ہے۔

یا اس کا معنی ہے ''محبت کرنے والی ذات''۔

یہ قَالَ بِالشَّیْئِ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''اس نے اس سے محبت کی اور اس کے ساتھ مخصوص ہوا''۔
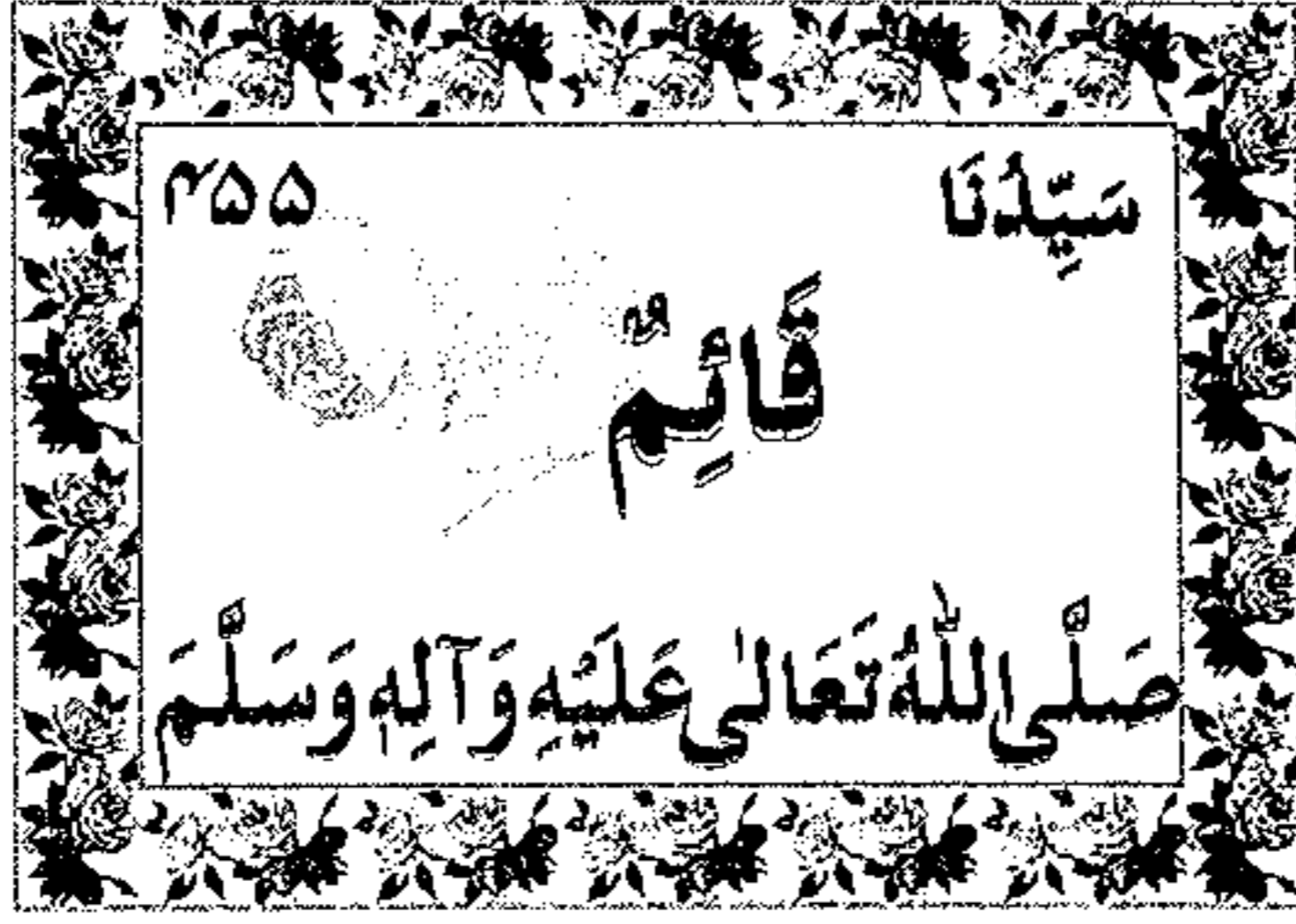
اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اس کی وضاحت قَیِّمٌ اسم مبارک کے تحت آئے گی۔
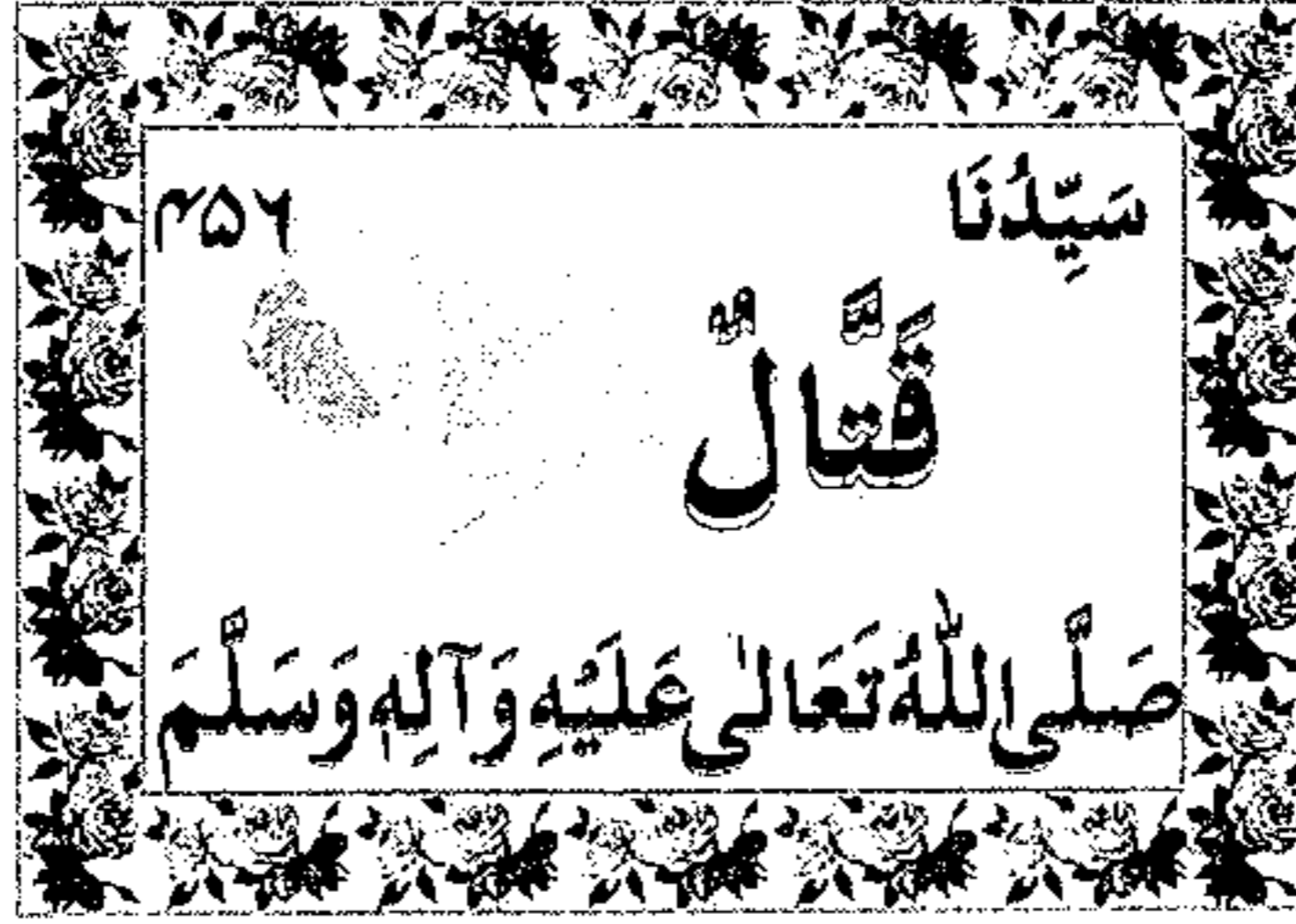
حضرت ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا:۔

تورات میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی یوں مذکور ہے:۔

''احمد، مسکرانے والے، جنگ کرنے والے''۔

شوق جہاد، تلواروں کی جھنکار کی جانب جلدی سے پیش قدمی کرنے اور نہ رکنے کے باعث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔
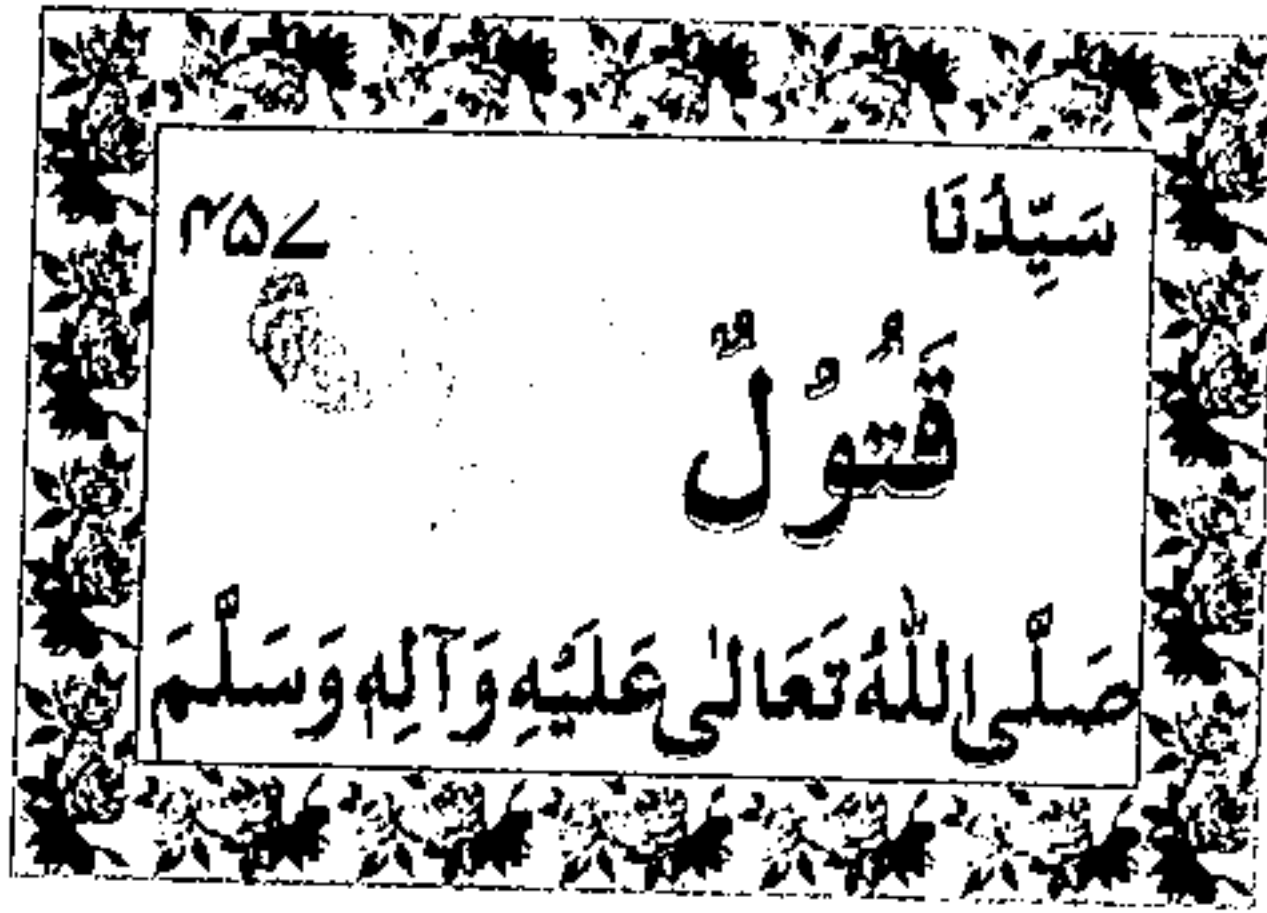
اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
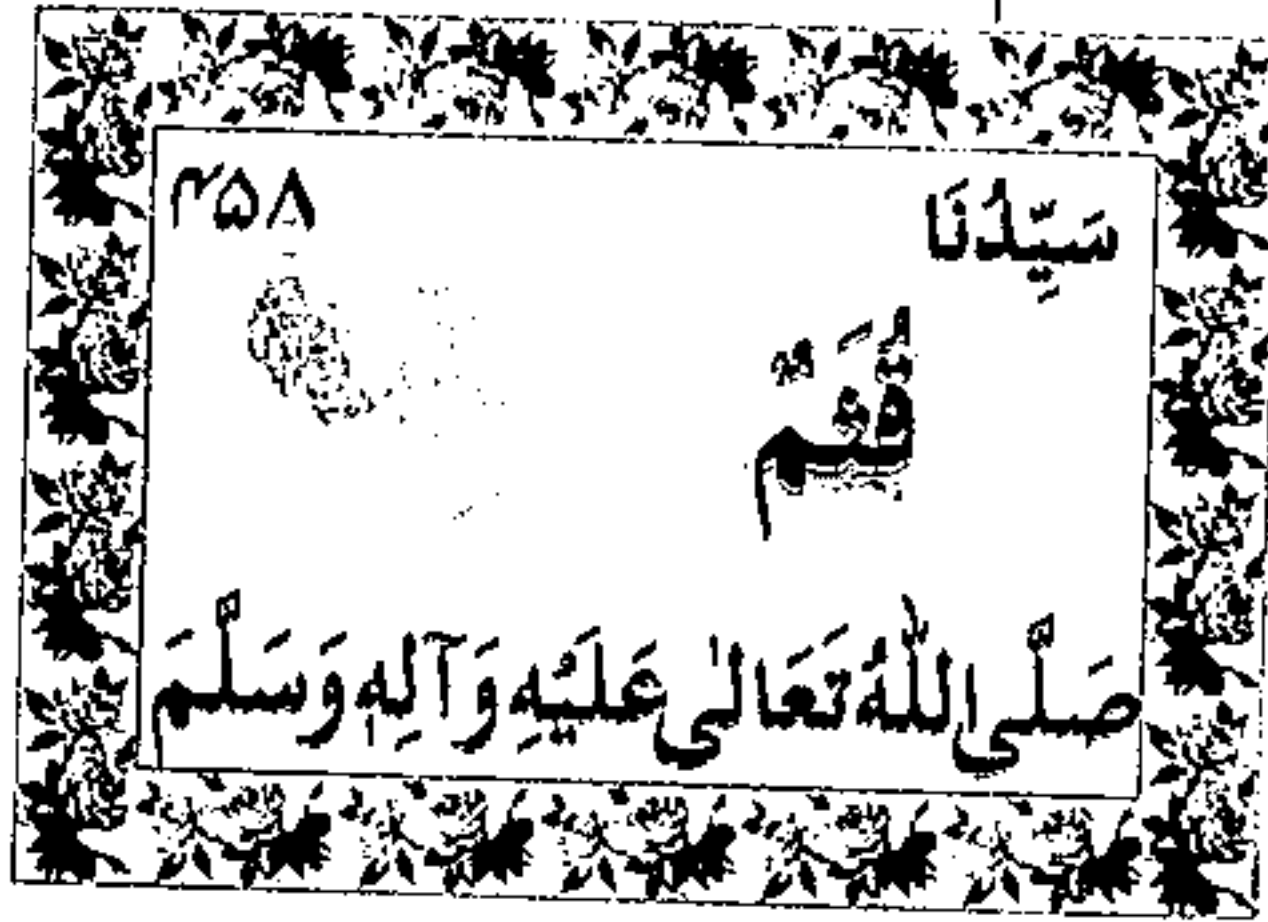
یہ اسم گرامی قاف کی پیش اور ثاء کی زبر کے ساتھ ہے۔

امام ابواسحاق حربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اَتَانِیْ مَلَکٌ فَقَالَ اَنْتَ قُثَمٌ وَخُلُقُکَ قَیِّمٌ وَنَفْسُکَ مُطْمَئِنَّۃٌ ۔

ترجمہ: میرے پاس ایک فرشتہ آیا اس نے کہا تم قُثَم ہو۔ تمہارے اخلاق مضبوط اور تمہارا نفس مطمئن ہے۔

علامہ ابنِ دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اشتِقاق کی رو سے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:۔

﴿۱﴾ یہ قَثَمٌ بمعنی ''عطاء کرنا'' سے مشتق ہے عربی محاورہ ہے: قَثَمَ لَہٗ مِنَ الْعَطَاءِ ''اسے عطیہ دیا''۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جود وعطاء کی بنا پر قُثَم کہا جاتا ہے۔

﴿۲﴾ یہ قَثَمٌ بمعنی اکٹھا کرنا سے ماخوذ ہے وہ شخص جس نے کثرت سے بھلائیاں جمع کر رکھی ہوں اسے قَثُوْمٌ اور قُثَمٌ کہتے ہیں۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام فضائل اور نیک عادات کے جامع تھے۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے۔

اس کے معنی کی وضاحت اس سے پہلے اسم مبارک کے ذیل میں ہو چکی ہے۔
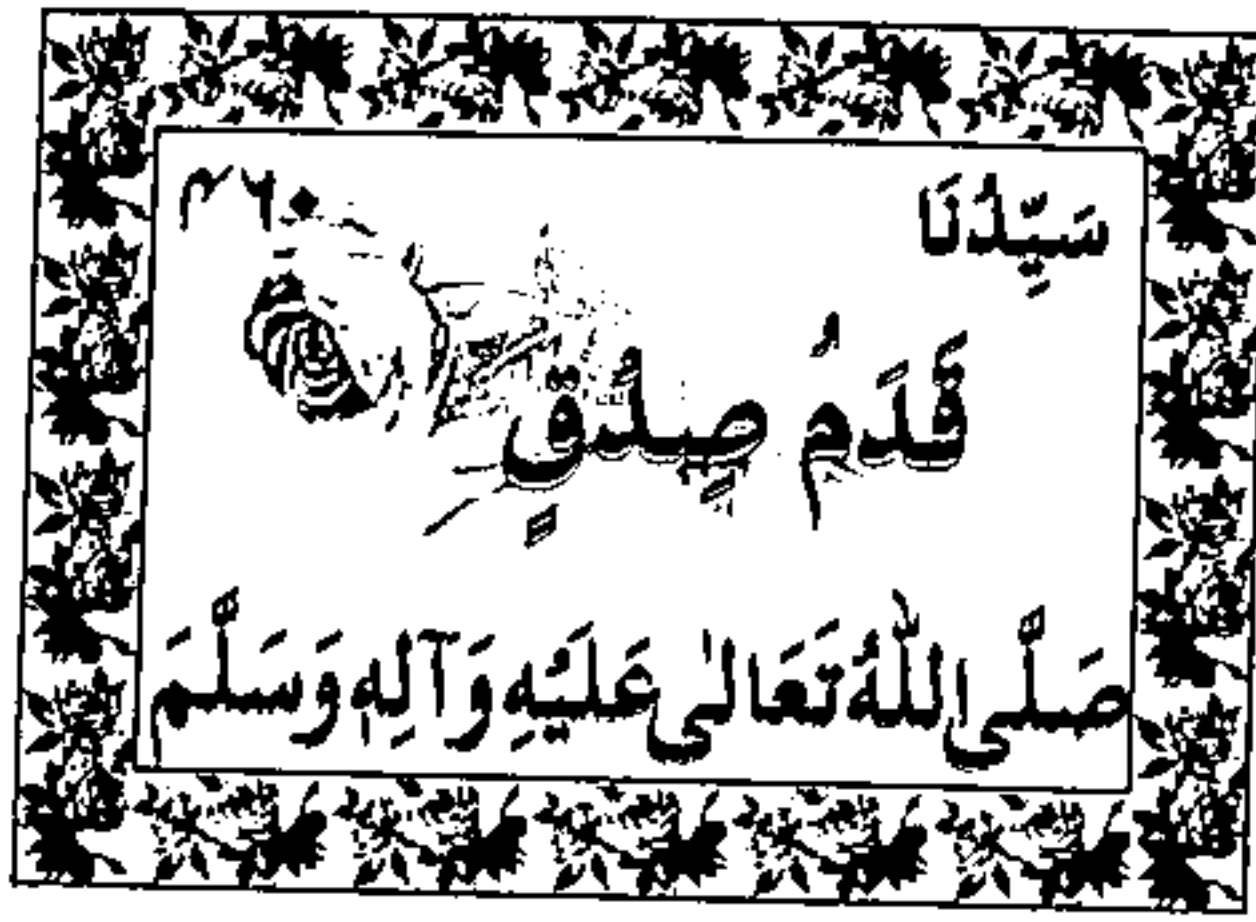
صحیح (بخاری) میں حضرت زید بن اسلم سے درج ذیل آیت کی تفسیر میں مروی ہے:۔

اَنَّ لَھُمْ قَدَمُ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ.

ترجمہ: ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں قدم صدق ہے۔

کہ قَدَمُ صِدْق سے مراد یہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں یوں روایت کی کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے۔

آپ ہی نے حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کی حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی نقل کیا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد پیشگی رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں ودیعت فرمادی ہے۔

قدم جسم کا ایک عضو (پاؤں) ہے اس کو مذکر و مونث دونوں طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بھلائی، بزرگی اور بلند مرتبہ محل میں سبقت ہے۔ قدم کی صدق کی طرف اضافت میں فضل اور بزرگی میں زیادتی پر دلالت پائی جاتی ہے۔ نیز یہ دلالت بھی کہ یہ عظیم سبقتوں میں سے ہے۔ سبقت کو قدم سے تعبیر کیا کیوں کہ اس عضو کے ذریعہ سے بھلائی کی طرف سبقت اور سعی کی جاتی ہے۔

جس طرح کہ نعمت کو یَدْ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ اسی کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔
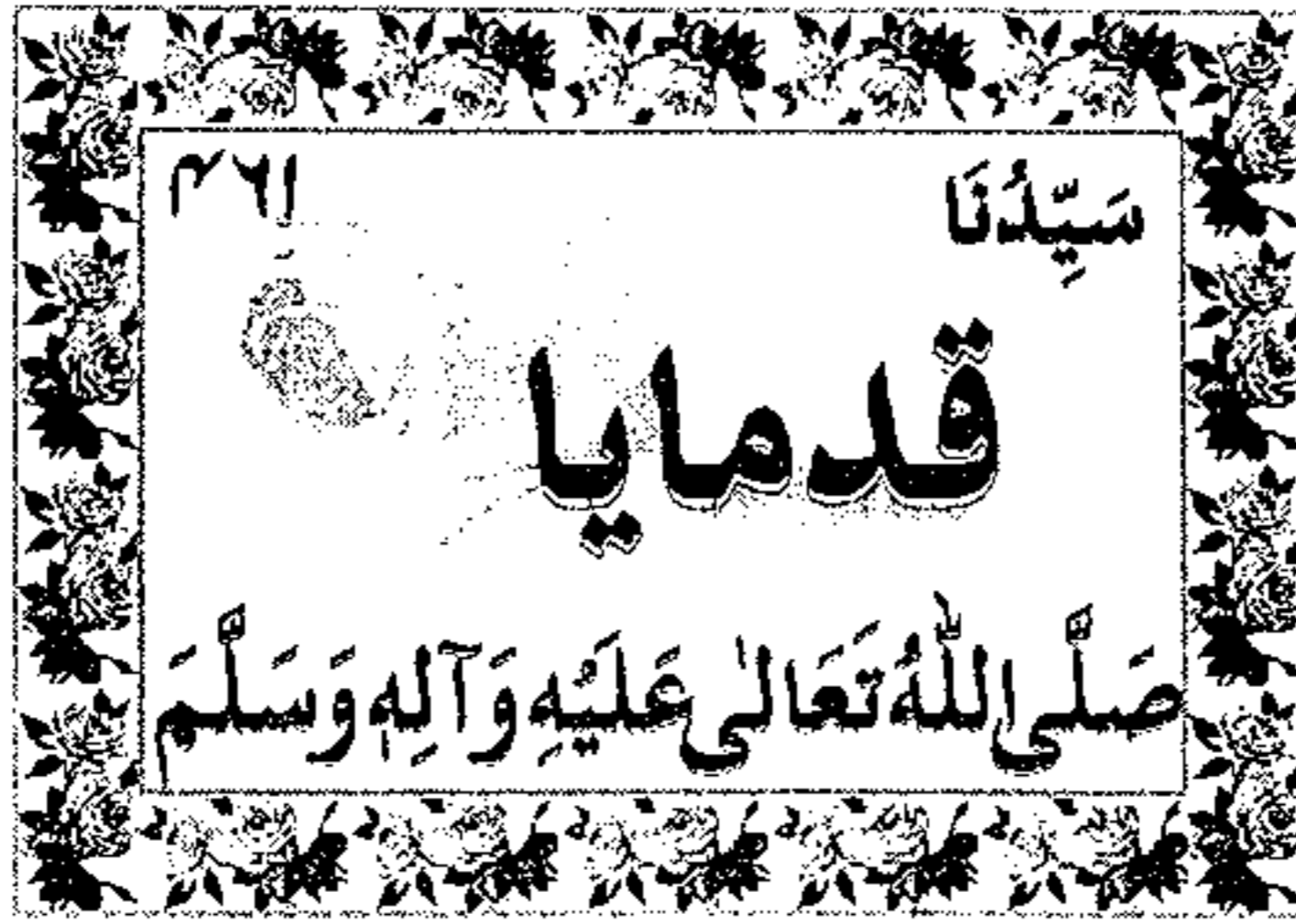
نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک تورات میں مذکور ہے۔

جس طرح کہ ''اخرایا'' اسم مبارک کے ذیل میں گزر چکا ہے اس کا معنی ہے ''پہلا، سبقت لے جانے والا''۔
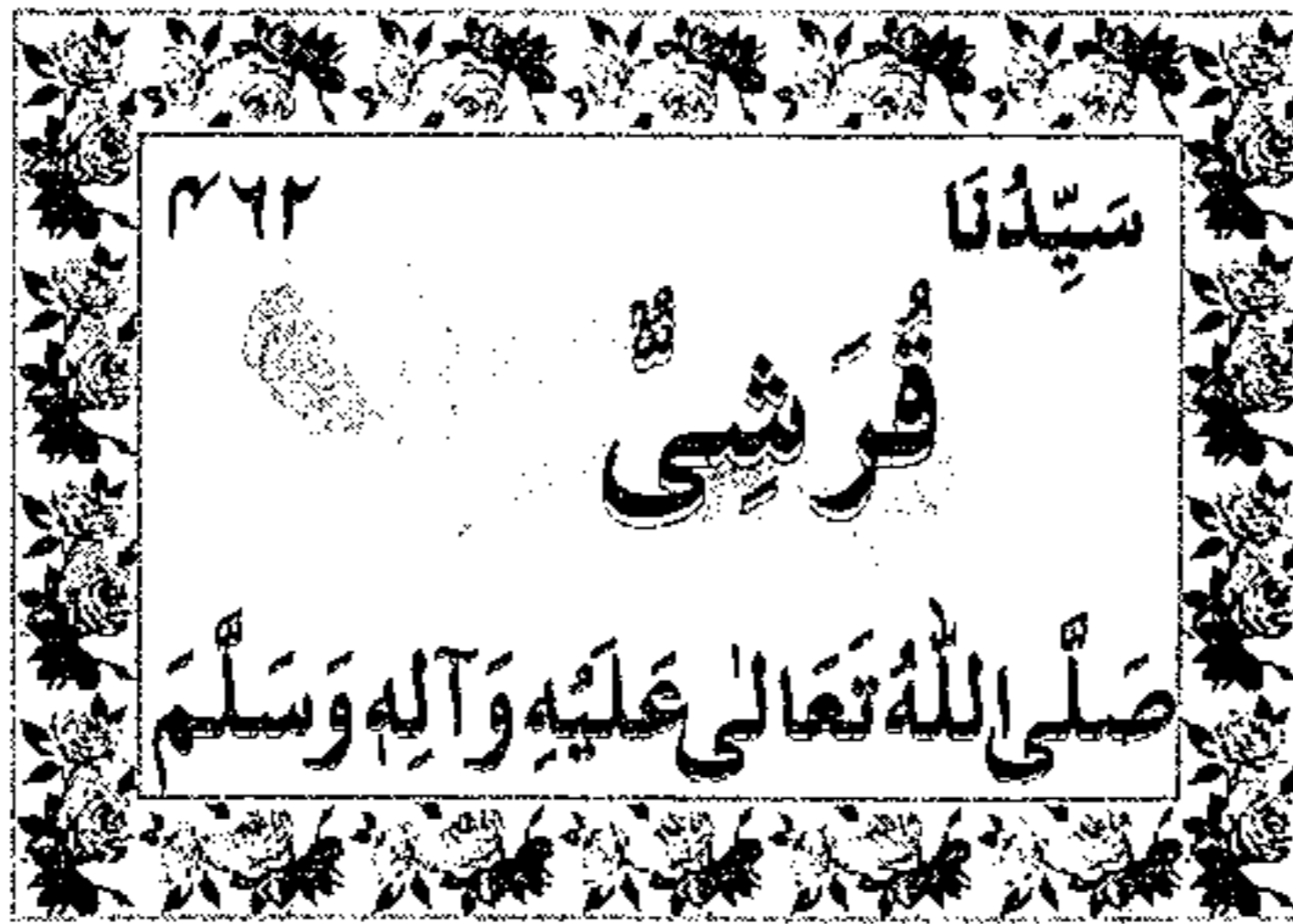
امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ یہ قریش کی جانب منسوب اسم ہے۔

اس پر گفتگو نسب شریف کے ضمن میں گزر چکی ہے۔
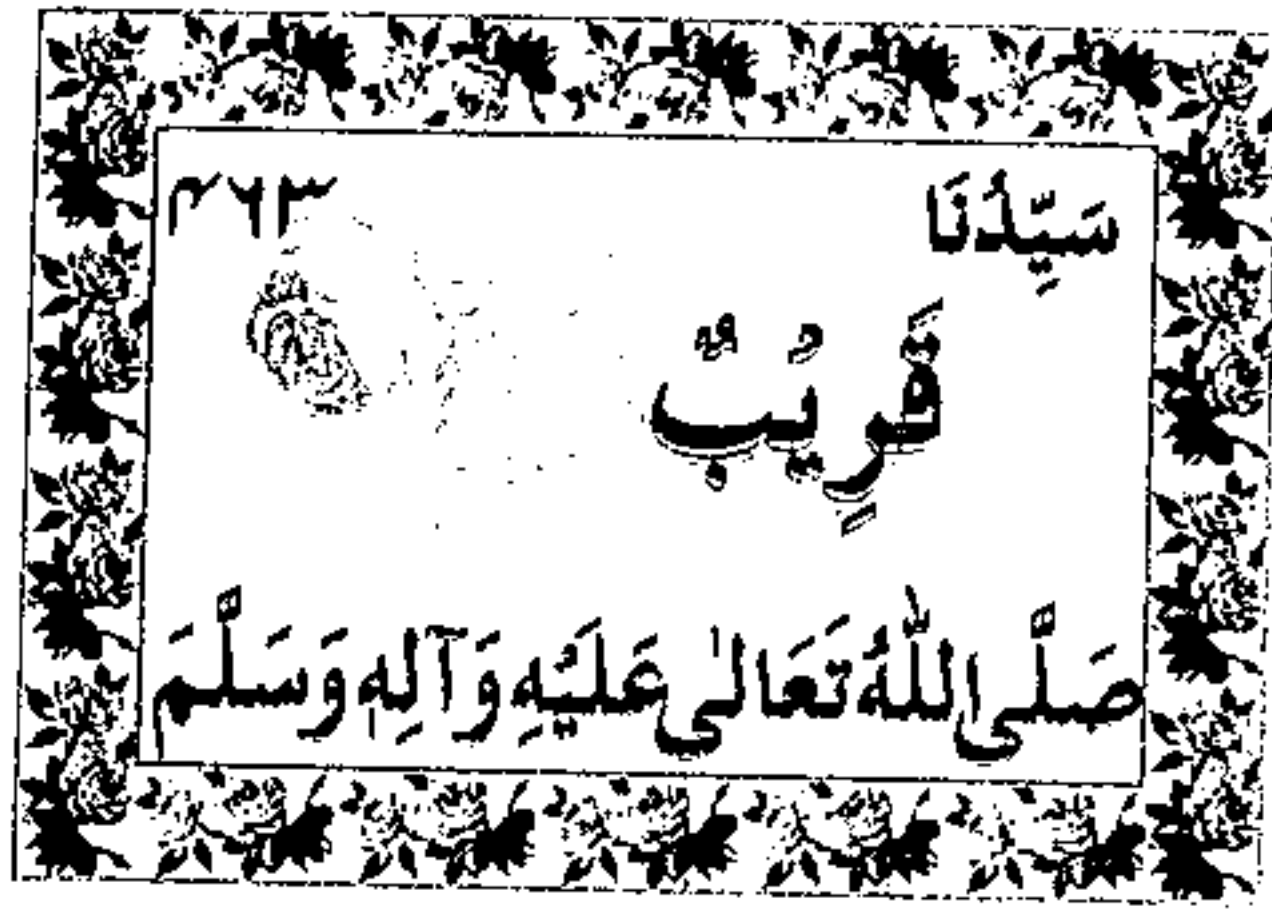
امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہستی'' قرآن مجید میں ہے۔:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

ترجمہ: پھر وہ قریب ہوا پھر اور قریب ہوا یہاں تک دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی تھوڑا۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے پروردگار سے قریب ہوئے اور اتنا قرب میں بڑھ گئے کہ ایک کا دوسرے سے قرب دو کمانوں کی مقدار یا اس سے بھی کم تر رہ گیا۔ ورنہ رب تعالیٰ تو مکان سے منزہ ہے۔ اس آیت پر مزید گفتگو بابِ معراج میں آئے گی۔

یا اس کا معنی ہے اپنی تواضع اور انکساری کے باعث لوگوں کے قریب۔

قرب کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

﴿۱﴾ بندے کا اپنے پروردگار سے قرب۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی طاعت اور ہمہ وقتی عبادت سے متصف رہ کر اس کے قرب کا متلاشی ہونا۔

ایک قول یہ ہے کہ بندے کا اس پر ایمان اور اس کی تصدیق کے ساتھ پھر اس کے احسان اور اس کی تحقیق کے ساتھ قرب۔

﴿۲﴾ حق تعالیٰ کا مخلوق سے قرب۔

اس کا معنی ہے کہ دنیا میں انہیں عرفان اور آخرت میں انہیں اپنے مشاہدہ اور دیدار کے ساتھ خاص فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ سے قرب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ذاتِ باری سے تیرا قرب یہ ہے کہ تو اس کے موافقات کو لازم پکڑے اور ذاتِ باری تعالیٰ کا تجھ سے قرب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ تجھے توفیق سے نوازتا رہے۔

قَرِیْبٌ اسمائے الٰہیہ سے بھی ہے چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ.

ترجمہ: جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں۔

یعنی علم کے اعتبار سے ان کے قریب ہوں ان کے احوال سے کوئی شے اس پر پوشیدہ نہیں ہے۔
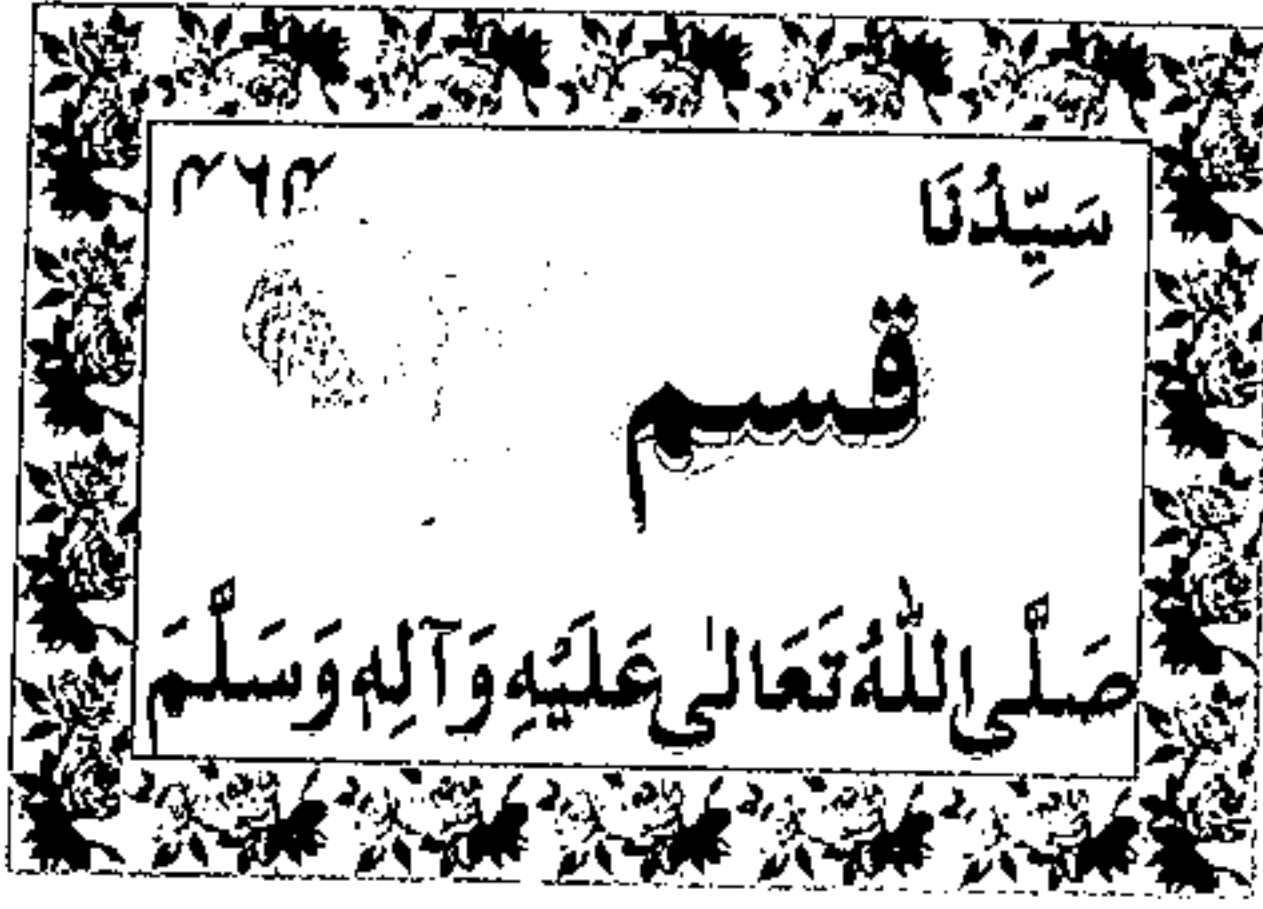
اس اسم مبارک کو علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
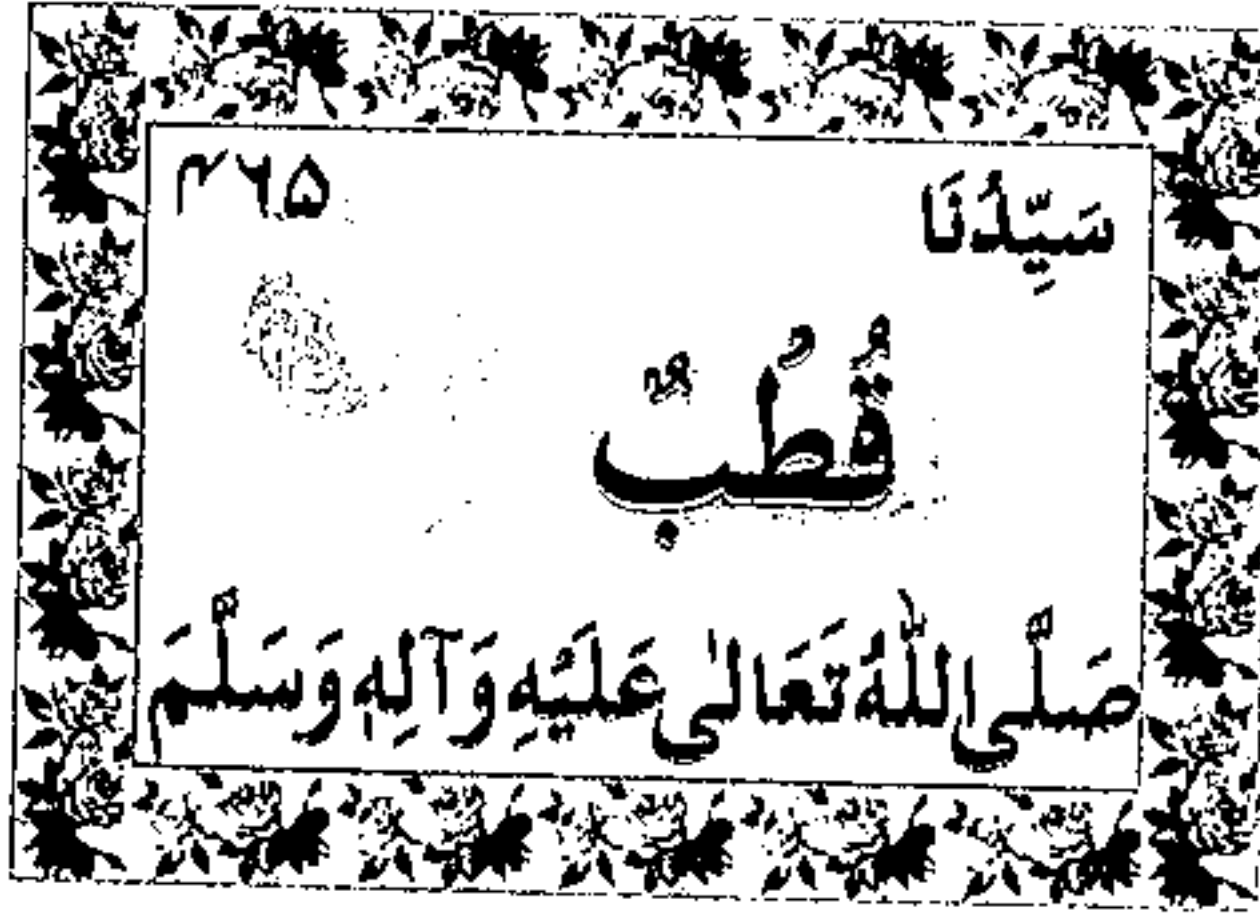
اسے بھی حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اسم مبارک قاف پر پیش کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے قوم کا سردار، جس شخص پر ان کے معاملات اور ضرورتوں کا دارومدار ہو۔

اس کی جمع اَقْطَاب ،قُطُوب اور عِنَبَۃ کے وزن پر قِطَبَۃ آتی ہے۔

اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا لغوی معنی ''معروف آسمانی سیارہ یعنی چاند'' ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نورِ ہدایت کے ساتھ کفر کی تاریکی کو کافور فرمادیا۔ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کی قصص الانبیاء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عظیم سمندر اور روشن ماہتاب ہیں۔
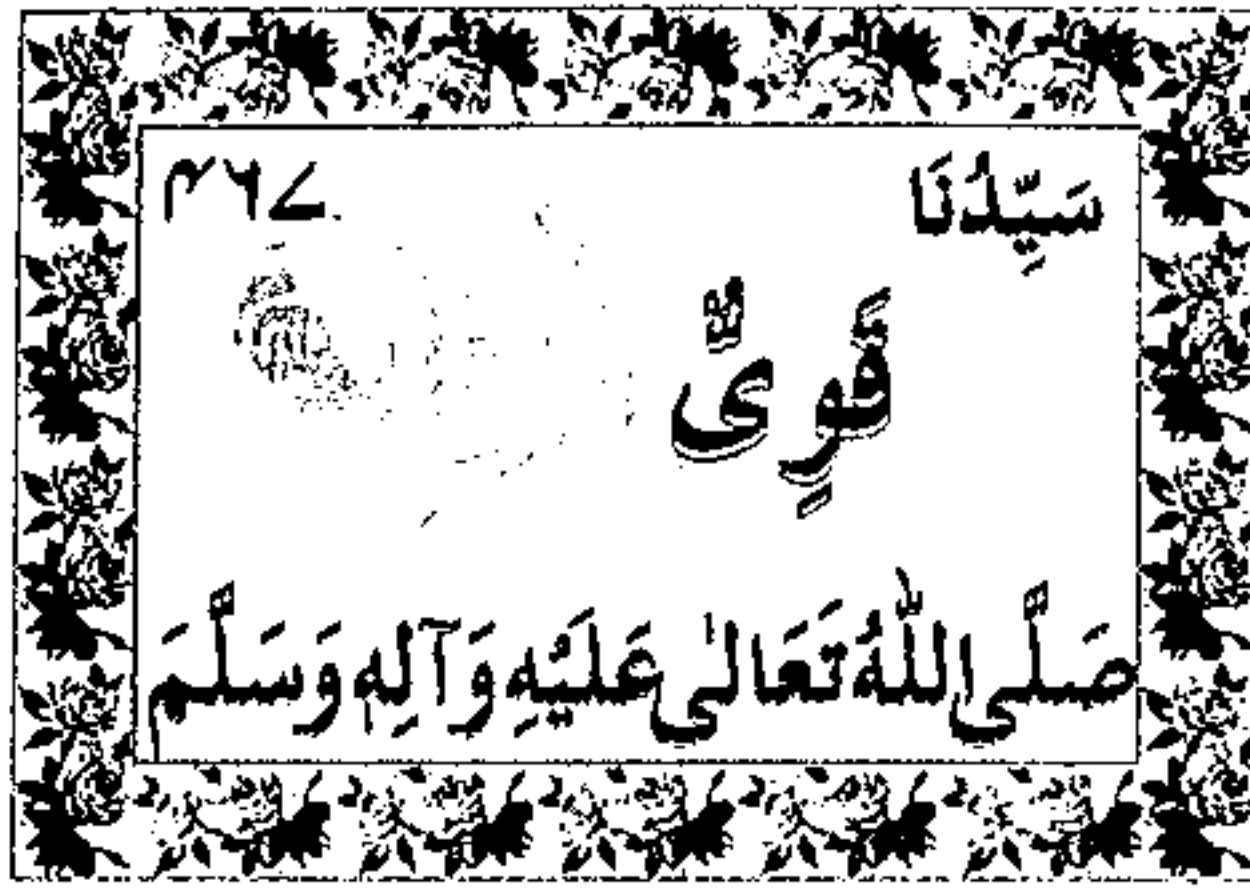
یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے سخت قوت والا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ۔

ترجمہ: وہ قوت والا اور عرش والے کے نزدیک مرتبہ والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ذِیْ قُوَّۃ سے مراد حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام مراد ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے۔

اَنْوَارُ التَّنْزِیْل میں ہے کہ قوت کا اطلاق درجہ بدرجہ کئی معانی پر ہوتا ہے ان میں سب سے کم تر ممکن ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر کامل قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ قدرت والا ہے اس کو ساری قدرت حاصل ہے۔
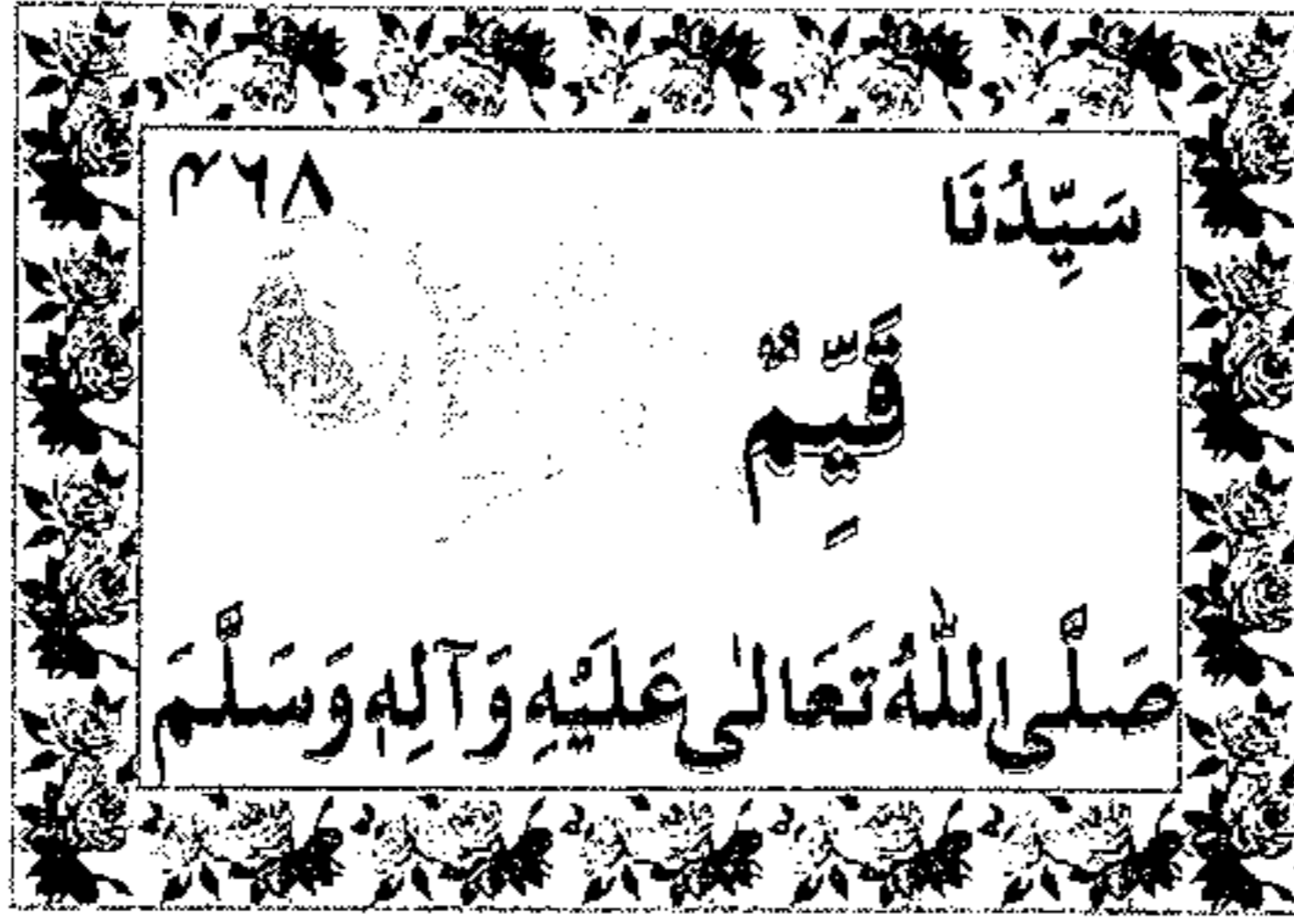
یہ اسم مبارک یاء کے ساتھ ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک حدیث میں یوں مروی ہے:

اَنَا قَیِّمٌ.

ترجمہ: میں قائم کرنے والا ہوں۔

اس کا معنی ہے "جامع اور کامل"۔

میں نے ایسے ہی پایا ہے لیکن اس کی روایت نہیں کی میرے خیال میں اس روایت کا درست لفظ "قُثَمٌ" ہے۔

جو کہ ثاء کے ساتھ ہے۔ تفسیر کے زیادہ مشابہ یہی تلفظ ہے۔

لیکن کُتُبُ الْاَنْبِیَاء میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی:۔

اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لئے مبعوث فرما، جو کمزوری کے بعد سنت کو قائم فرمادے۔

قَیِّمٌ کبھی ان معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے۔

عَلَّامہ آمِدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت جُرَیْبَۃ بن لَئِیم أَسَدی رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے ایمان قبول کیا اور یہ اشعار عرض کئے:۔

بَدَّلْتُ دِینًا غَیْرَ دِینٍ قَدْ یُذَمُّ   کُنْتُ مِنَ الذَّنْبِ کَأَنِّی فِی ظُلَمْ

ترجمہ: میں نے اپنے اس دین کے بدلے میں نیا دین اختیار کرلیا جس کی مذمت کی جاتی تھی، اور میں گناہوں کی بدولت

اپنے آپ کو تاریکیوں میں پاتا تھا۔

یَاقَیِّمَ الدِّیْنِ اَقِمْنَا نَسْتَقِمْ　　فَاِنْ اُصَادِفْ مَاْ ثَمَّا فَلَنْ اٰثِمْ

ترجمہ: اے دین کو قائم فرمانے والے! ہمیں سیدھا کیجئے تا کہ ہم سیدھے ہو جائیں، اگر چہ میں پہلے گناہ کرتا رہا ہوں لیکن آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا۔

﴿وضاحت﴾ جُرَیْبَہ۔ جیم پر پیش، راء پر زبر، یاء کے سکون اور باء کی زبر کے ساتھ تصغیر کا صیغہ ہے۔

باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے قَیِّمٌ بھی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے:۔

اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْهِنَّ.

ترجمہ: یا اللہ! تو زمین، آسمانوں اور ان کے درمیان تمام مخلوق کو قائم فرمانے والا ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قائم کے معنی میں ہے۔

علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قَیِّمٌ میں قائم سے زیادہ مبالغہ ہے۔

قَیِّمٌ نیز قَیُّوْمٌ اور قَیَّام میں فرق یہ ہے کہ قَیُّوْم اور قَیَّام ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں کیوں کہ ان میں بہت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اور مدح کے سوا کسی اور غرض کے لئے استعمال نہیں ہوتے جب کہ قَیِّمٌ ایسا اسم نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَم

حرف☆☆☆کاف

یہ اسم گرامی فاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کی گئی ہو''۔ لیکن یہ درست نہیں کیوں کہ ''کـــافۃ'' سے کوئی فعل مشتق نہیں ہوتا کہ اس کا اسم فاعل بن سکے۔ اس کا معنی صرف یہ ہے کہ ''وہ ذات جو لوگوں کو گناہوں سے روکے''۔

اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی ہے ''جامع، احاطہ کرنے والا''۔

ھا اس کے آخر میں مبالغہ کے لئے ہے۔ دراصل یہ کَفٌّ مصدر سے اسمِ فاعل ہے۔ جس کا معنی ہے ''روکنا''۔

ایک قول یہ بھی کہ یہ ''عَاقِبَۃٌ'' کی مانند مصدر ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ.

ترجمہ: اور نہیں ہم نے آپ کو بھیجا مگر سب لوگوں کے لئے۔

علامہ زمخشری نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ:۔

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عام ہے اور سب لوگوں کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے''۔

کیوں کہ جب یہ ان تمام کو شامل ہے تو اس نے روک دیا کہ کوئی ایک اس سے خارج ہو سکے۔

خصائص نبویہ میں اس کا مزید بیان آئے گا۔

اسے بھی حضرت علامہ عبدالباسط بُلقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ کِفَایَۃ مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے "ضرورت کو پورا کرنا اور معاملہ میں مراد تک پہنچ جانا"۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت فرما کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی ضرورت کو پورا فرمائیں گے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین وکافرین کی جماعتوں کے خلاف ان کی مدد کے ذریعہ ان کو ان کی مراد تک پہنچا دیا۔

یا اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں یعنی مشرکوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کفایت کی۔ چناں چہ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنَّا کَفَیۡنَاکَ الۡمُسۡتَھۡزِئِیۡنَ۔

ترجمہ: ہم ٹھٹھا کرنے والوں سے آپ کی کفایت فرمائیں گے۔

اس صورت میں کَافِی، مَکۡفِیٌّ (بروزن مَرۡمِیٌّ) کے معنوں میں ہوگا۔ اور یہ جائز ہے کیوں کہ اسمِ فاعل کبھی اسمِ مفعول کے معنوں میں آتا ہے جیسا کہ:۔

مَاءٍ دَافِقٍ (زور سے گرایا ہوا پانی) اور عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃ (پسندیدہ زندگی)۔

اگر چہ بعض علماء کے نزدیک نسبت پر محمول کر کے اس کی تاویل کر لی جاتی ہے۔ تو رَاضِیَۃ کا معنی ہے "رضا کی طرف منسوب، یعنی رضا والی"۔ اس کی مثال:۔ زَارِعٌ اور نَابِلٌ (زراعت والا اور تیر والا) ہے۔ مطلب یہ کہ ان کی فعل کی طرف اسناد مجازی طور پر کر دی جاتی ہے۔ یعنی عِیۡشَۃٍ رَاضِیَۃٍ کا معنی ہے "ایسی زندگی جس کا اہل راضی ہے"۔

اس کا معنی ہے:۔ خَلق اور خُلق کے اعتبار سے کامل۔

حضرت شیخ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

یعنی ''ایسا کلام کم کرنے والا جس میں فائدہ نہ ہو''۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفاتِ معنویہ میں اس کا بیان آئے گا۔

اسے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کے معانی میں یہ اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ سخاوت کرنے والا عطاء فرمانے والا ﴿۲﴾ اقسام خیر وشرف کا جامع۔

﴿۳﴾ جس نے اپنے آپ کو معزز کر لیا یعنی مخالفات میں کسی کے ساتھ آلودگی سے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔

پہلے گزر چکا کہ اس آیت مبارکہ:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ.

ترجمہ: یہ معزز رسول (کی زبان سے سنائی دینے والا اللہ) کا کلام ہے۔

میں ایک قول کی رو سے لفظ رسول سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں۔ اس صورت میں اس کے ساتھ اس آیت مبارکہ:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ.

ترجمہ: تمہارے ساتھی پاگل نہیں ہیں۔

ہونے کا تقاضا ہرگز نہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ حضرت جبریل امین علیہ السلام سے کم ہے۔

عَلّامہ زمخشری علیہ الرحمہ نے اس کے خلاف گمان کر لیا ہے۔ کیوں کہ یہاں اس سے مراد جنون کا سلب ہے۔ یہ ان مخالفین ومعاندین کا رد ہے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس کا اِثبات کرتے تھے، یہاں مراتب کے درمیان تفاوت کا بیان تو ہے ہی نہیں۔

یہ اسم مبارک باری تعالیٰ کے ناموں میں بھی شامل ہے جس کے معنی میں درج ذیل اقوال علماء ہیں:۔

﴿۱﴾ احسان فرمانے والا ﴿۲﴾ معاف فرمانے والا ﴿۳﴾ برتر، بالا ﴿۴﴾ خیر کثیر۔

یہ سب معانی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی درست ہیں۔

اس کا معنی ہے ''سردار، قوم کے معاملات اور ان کے حالات کی اصلاح کی کفالت کرنے والا''۔

كَفَالَةٌ مصدر سے یہ فَعِيلٌ کے وزن پر ہے۔

سرکارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم مبارک سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی کامیابی اور نجات کے ضامن ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے اپنی شفاعت آخرت کا ذخیرہ بنا کر رکھی ہوئی ہے۔

یا یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسا کہ۔

:جَرِيْحٌ بمعنی: مَجْرُوْح (زخمی) اور كَحِيْل بمعنی: مَكْحُوْل (سرمہ لگایا ہوا) ہے۔

اس معنی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد اور فتح کی کفالت اٹھا رکھی ہے۔

یا كَفِيْلٌ كِفْلٌ بروزن طِفْلٌ کے معنی میں ہے۔ جس کا معنی ہے ''رحمت اور نعمت''۔ چوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سراپا برکات مخلوق کے لئے رحمت اور حق تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے اس لئے اس اسم سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیا گیا۔
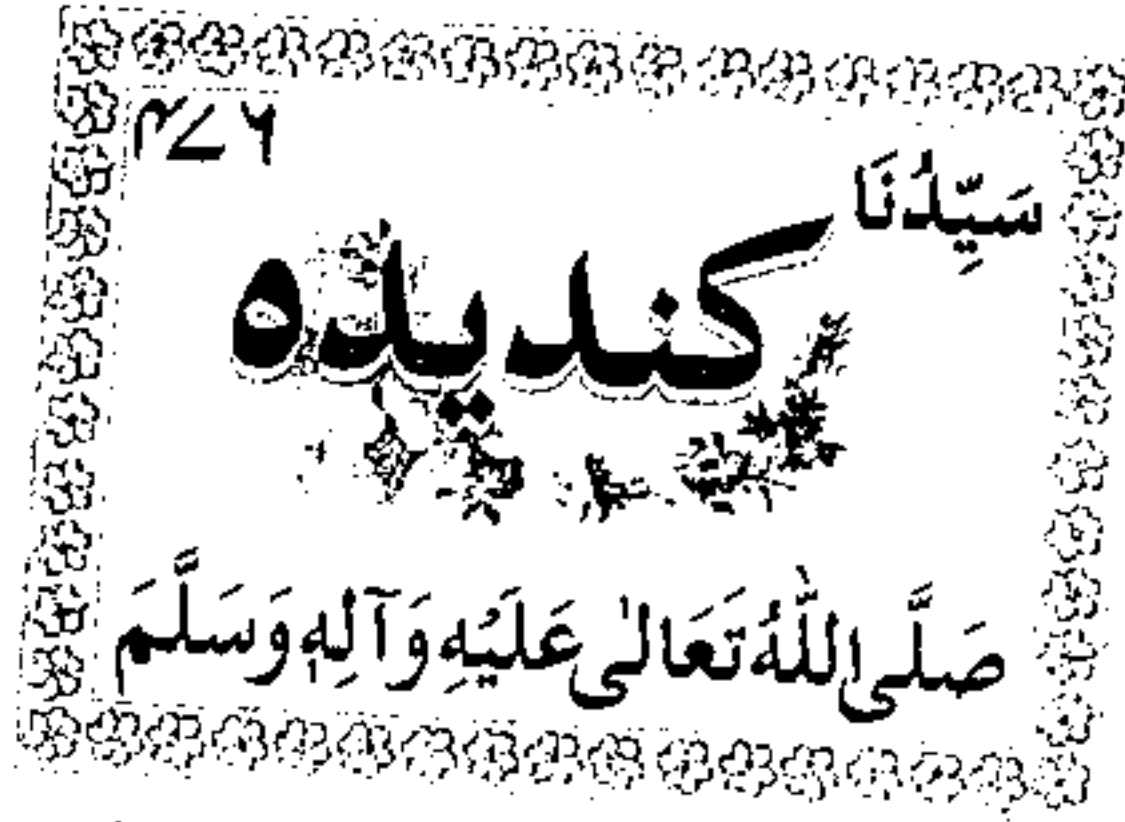
علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام زبور میں مرقوم ہے۔
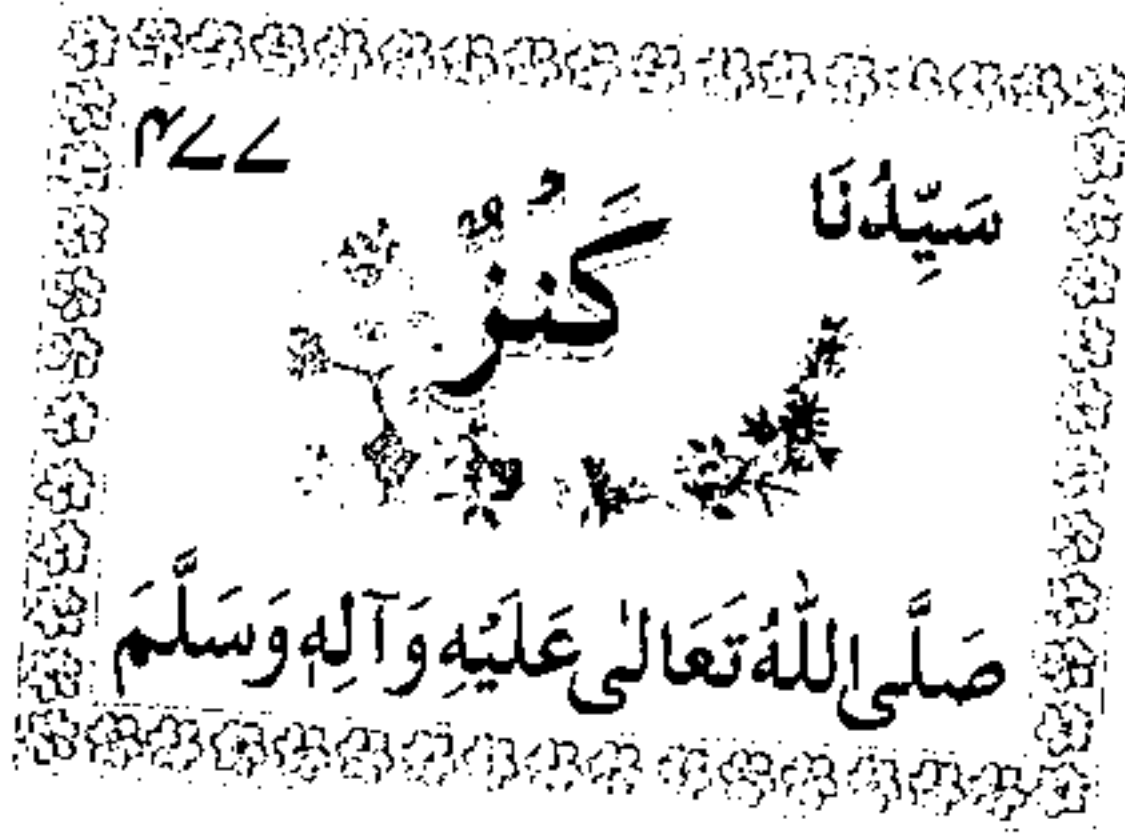
دراصل مال اور نفاست والی شے کو کَنْزٌ کہتے ہیں۔
نفاست کے باعث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔
یا اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔
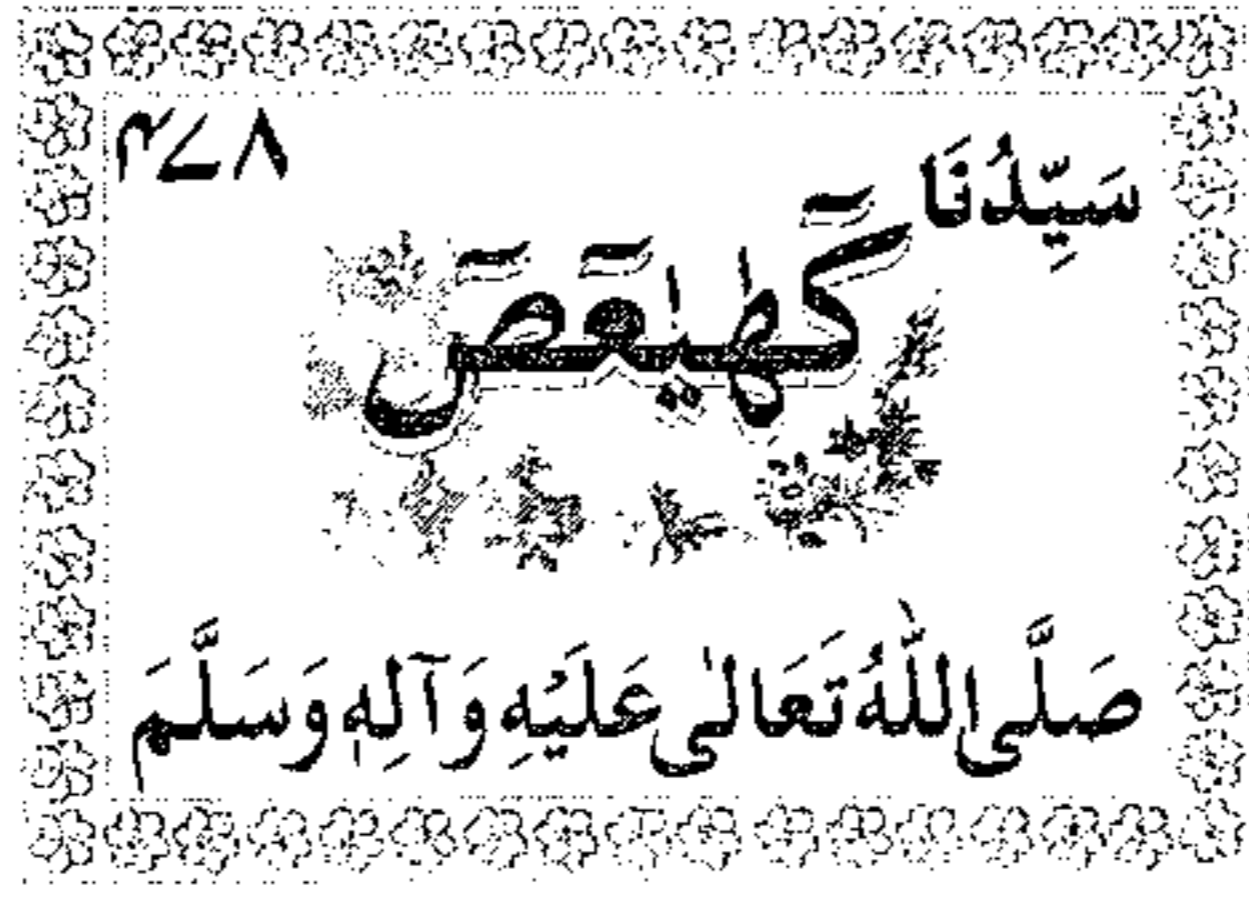
علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں ذکر کیا ہے۔
باقی علماء نے اسے اسمائے الٰہیہ میں شامل گردانا ہے۔ میں نے اَلْقَوْلُ الْجَامِع میں اس پر مبسوط کلام کیا ہے۔

اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
اس کا معنی ہے ''قوم کا سردار، قوم کا شہ سوار، ستارہ جو کہ اس کا معروف معنی ہے''۔
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی وضاحت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی برتری کے لئے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

حرف☆☆☆لام

۴۸۰

سَیِّدُنَا

لَبِیْبٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
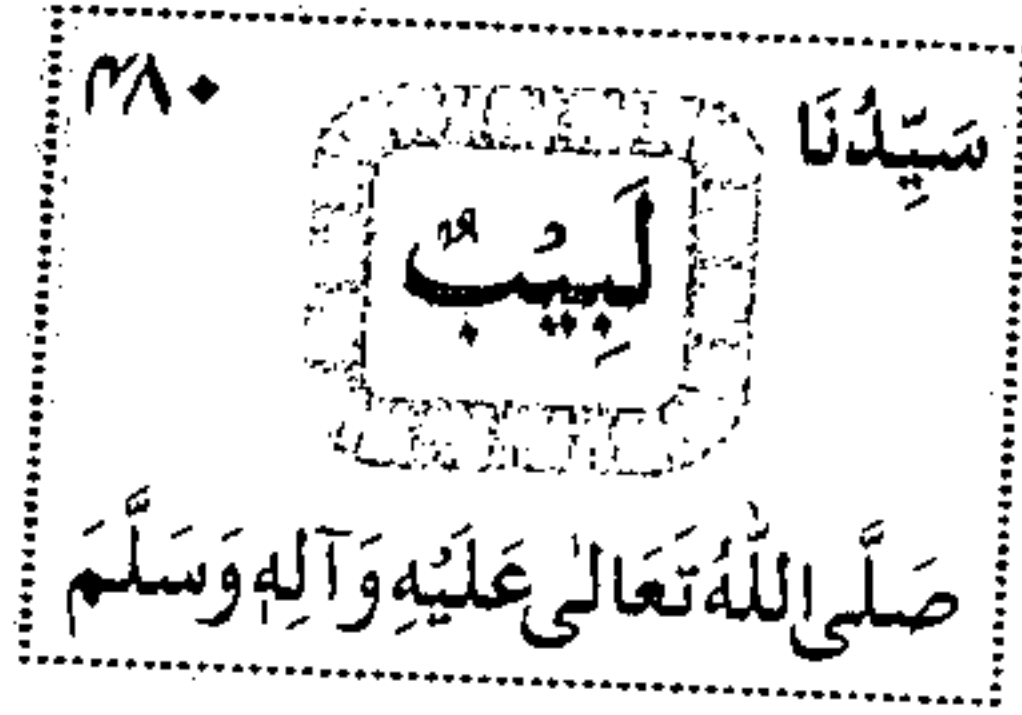
اسے حضرت علامہ عبدالباسط بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ اسم مبارک لَبَبٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''ادراک کر لینا، سمجھ لینا''۔

لَبِیْبٌ کا معنی ہے ''عاقل، سمجھ بوجھ والا، ذہین اور سمجھ دار''۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عَبۡدُالۡبَاسِط بُلۡقِیۡنِیۡ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا ہے۔

دراصل یہ گفتگو کا آلہ یعنی زبان ہے۔ اس کا اطلاق پیغام، کسی کی گفتگو میں نمائندہ پر بھی ہوتا ہے اور یہی یہاں پر مراد ہے، اسے مذکر اور مونث دونوں طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کی جمع:۔ اَلۡسِنَۃٌ، اَلۡسُنٌ، لُسُنٌ، لام اور سین دونوں پر پیش کے ساتھ، اور لَسَنٌ دونوں حروف پر زبر کے ساتھ آتی ہے۔ اس کا معنی ''فصاحت اور بلاغت'' بھی ہے۔

نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شدت فصاحت و بلاغت کے باعث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کیا گیا ہے۔ گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجسم زبان تھے۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں لسان سے مراد حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے، جسے قرآن مجید میں نقل کیا ہے:۔

وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ.

ترجمہ: میرے لئے بعد میں آنے والوں کے اندر لسانِ صدق بنا۔

اس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ آپ کی اولاد سے ایک ایسی ہستی پیدا فرما جو حق کو تھام کر کھڑی ہو اور حق کی طرف لوگوں کی رہبری کرے۔ اس پر آپ علیہ السلام کی یہ دعا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں قبول کرلی گئی۔

اس اسم کو حضرت امام عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ کَتِفٌ کے وزن پر ''فصیح، بلیغ اور جھیر الصوت (بلند آواز والے)'' کے معنی میں ہے۔

اسے بھی امام عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ اسم مبارک ذال کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے ''ذہین، فصیح، سریع الفھم'' ۔ گویا کہ وہ اپنی ذہانت کی تیزی کے باعث معاملہ کو اس طرح سرعت سے سمجھ لیتا ہے جس طرح آگ تیزی سے جلا ڈالتی ہے۔ یہ اسم مبارک ''حُلَاحل'' کے ضمن میں پہلے آچکا ہے۔

لَیْثٌ، ثا، کے ساتھ ہے۔ اس کے معانی یہ ہیں::

﴿۱﴾ سخت، طاقتور ﴿۲﴾ بہادر سردار ﴿۳﴾ بلیغ زبان آور۔

واللہ اعلم بالصواب
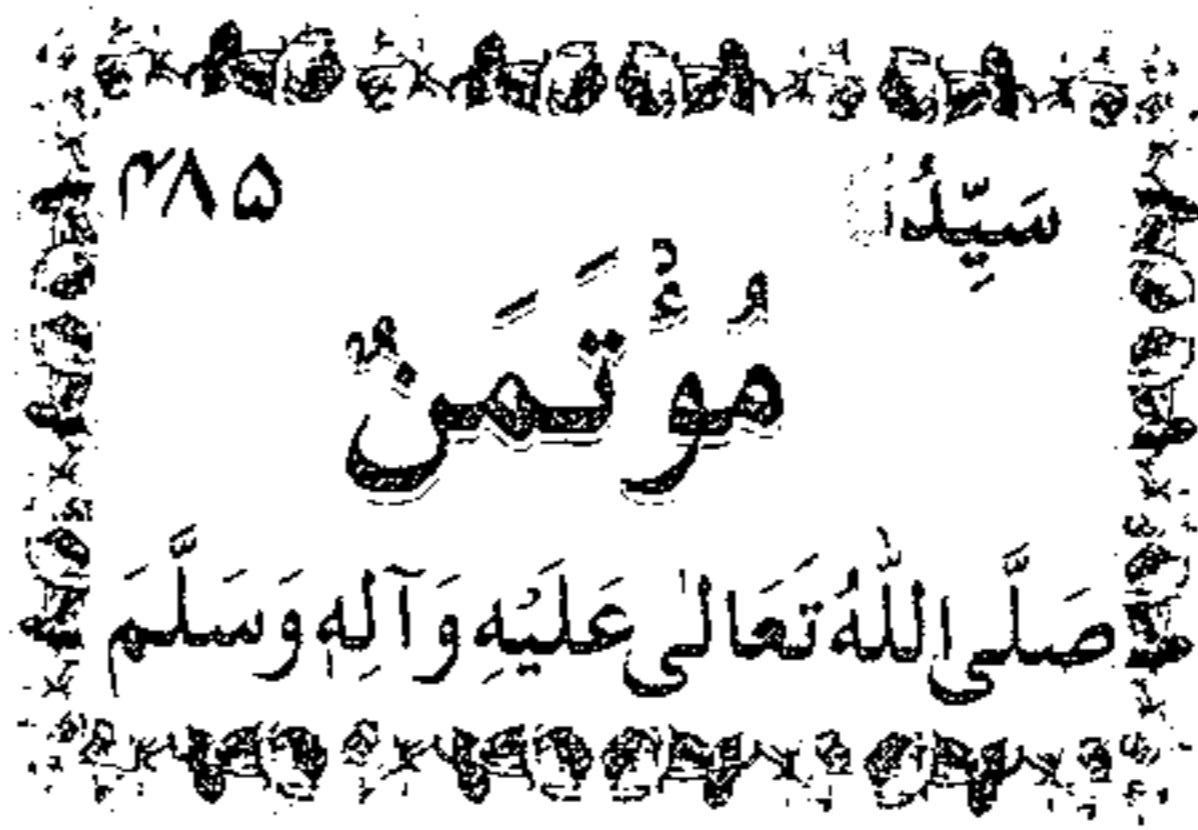
یہ اسم مبارک دوسری میم کی زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ شخص جس کو اس کی امانت داری کے باعث امین بنایا گیا ہو۔ جس کی دیانت کی طرف لوگ رغبت کرتے ہوں''۔

اِئْتِمَانٌ (از باب اِفْتِعَال) سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے ''کسی سے حفاظت چاہنا''۔

حضور سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ وحی کے محافظ ہیں اس کی حفاظت ان کے سپرد کی گئی ہے۔ یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس امت پر محافظ یعنی ان پر شاہد ہیں اس بنا پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کیا گیا ہے۔

۴۸۶
سَیِّدُنَا
مُؤَمَّلٌ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
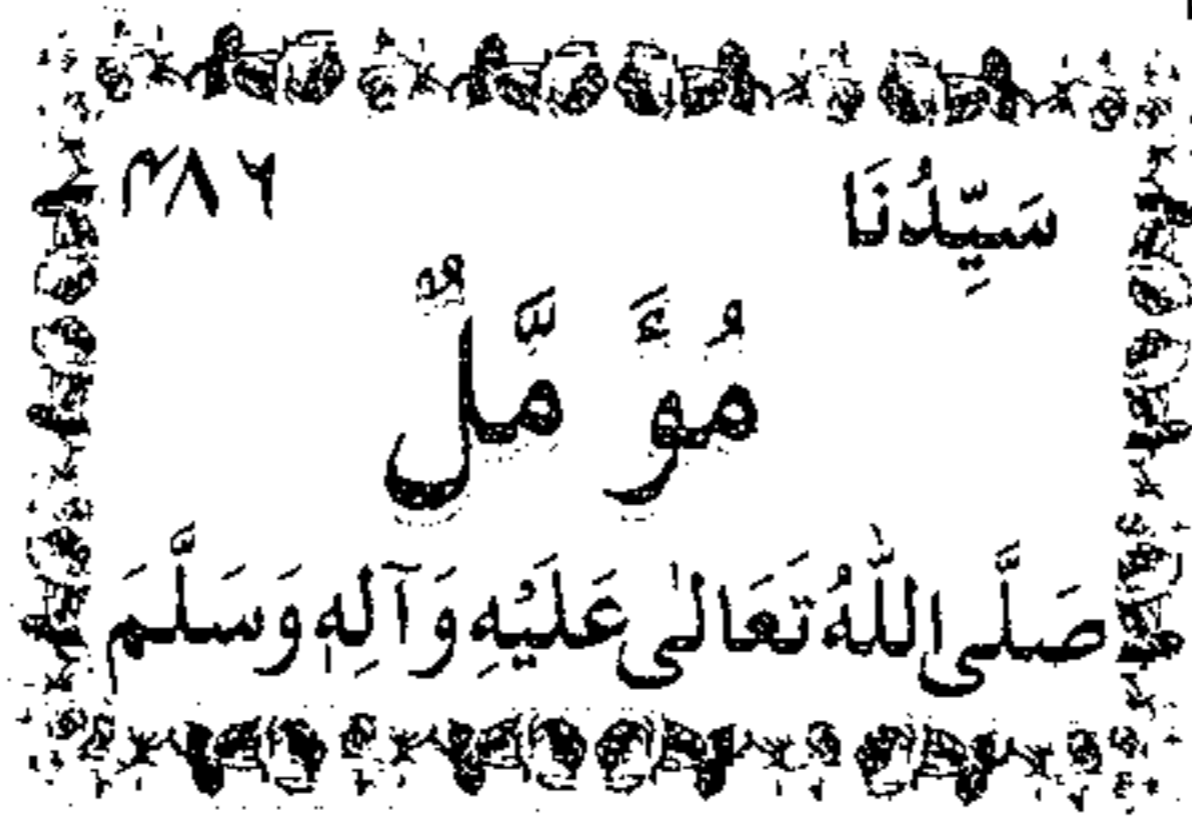
یہ اسم دوسرے میم کی زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جس سے نیکی اور بھلائی کی توقع کی جائے''۔
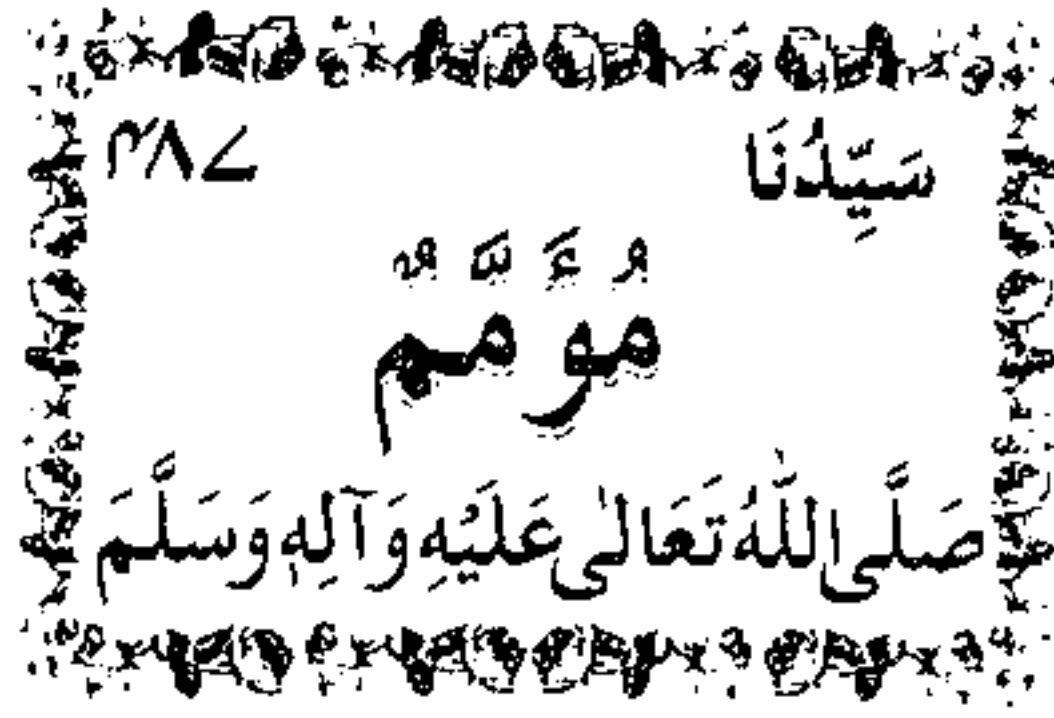
اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے یہ اسم ہمزہ کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ’’وہ ذات جس کا قصد کیا جائے اور ہر امید رکھنے والا اس کی حمایت حاصل کرنے کا ارادہ رکھے‘‘۔

میم ،یا، کے ساتھ اسم کا ایک تلفظ یوں بھی ہے:۔مُیَمَّمٌ۔

سَیِّدُنَا ۴۸۸

مُؤَیَّدٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
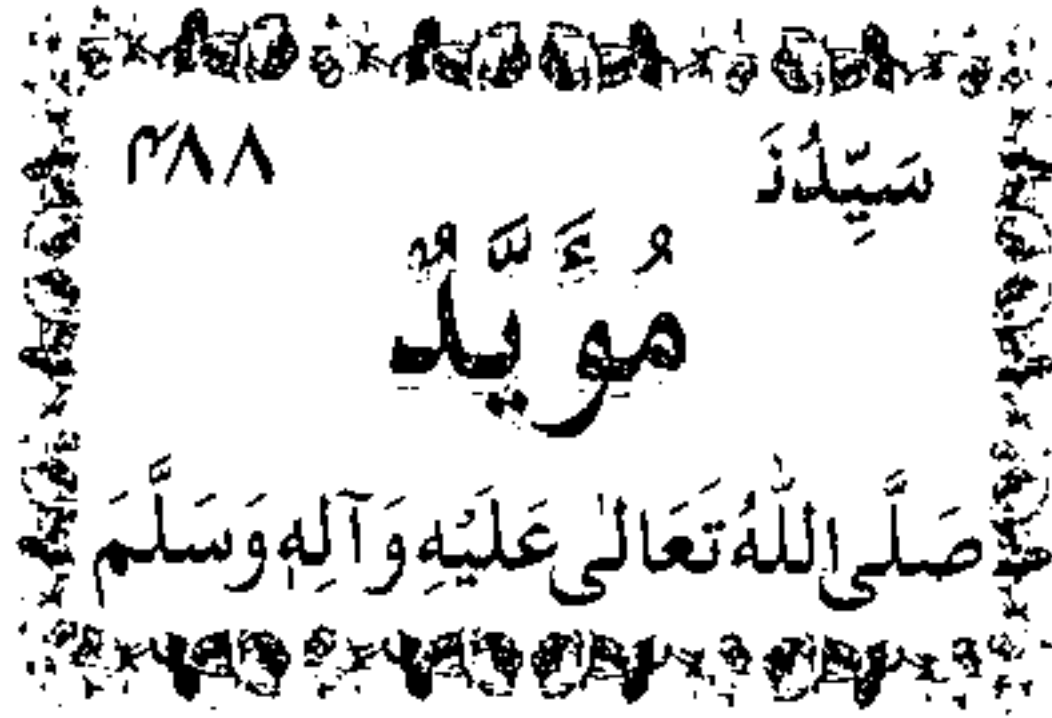
یہ اسم گرامی یاء پر زبر کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے منصور۔

اَیَّدْتُہٗ تَائِیْدًا سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔جس کا معنی ہے ’’قوت پہنچانا، مدد کرنا‘‘۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

هُوَ الَّذِىٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ. الأنفال: آیت/۶۲.

ترجمہ: وہ ذات ایسی ہے جس نے تمہیں اپنی مدد اور مومنین کے ذریعہ سے اعانت عطاء کی۔
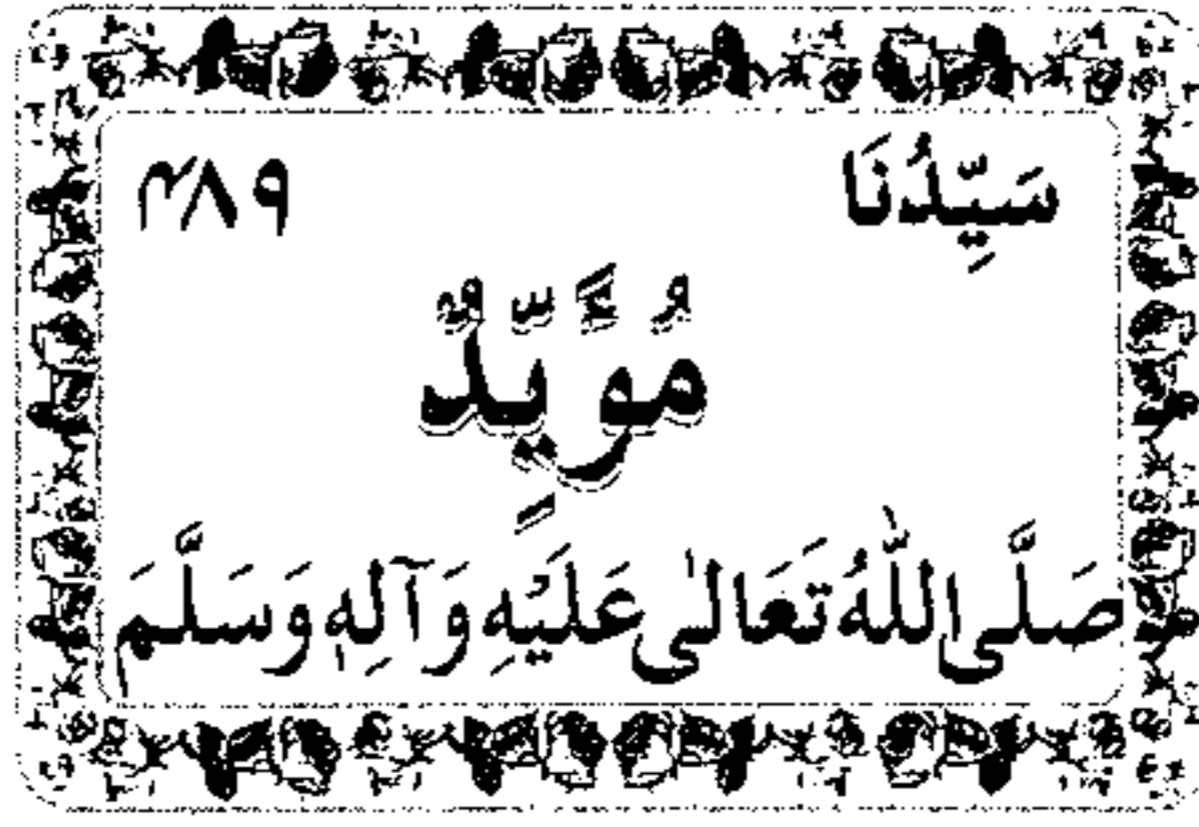
یہ اسم مبارک یاء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔اس کا معنی ہے ”مدد کرنے والا، طاقت ور، سخت“۔
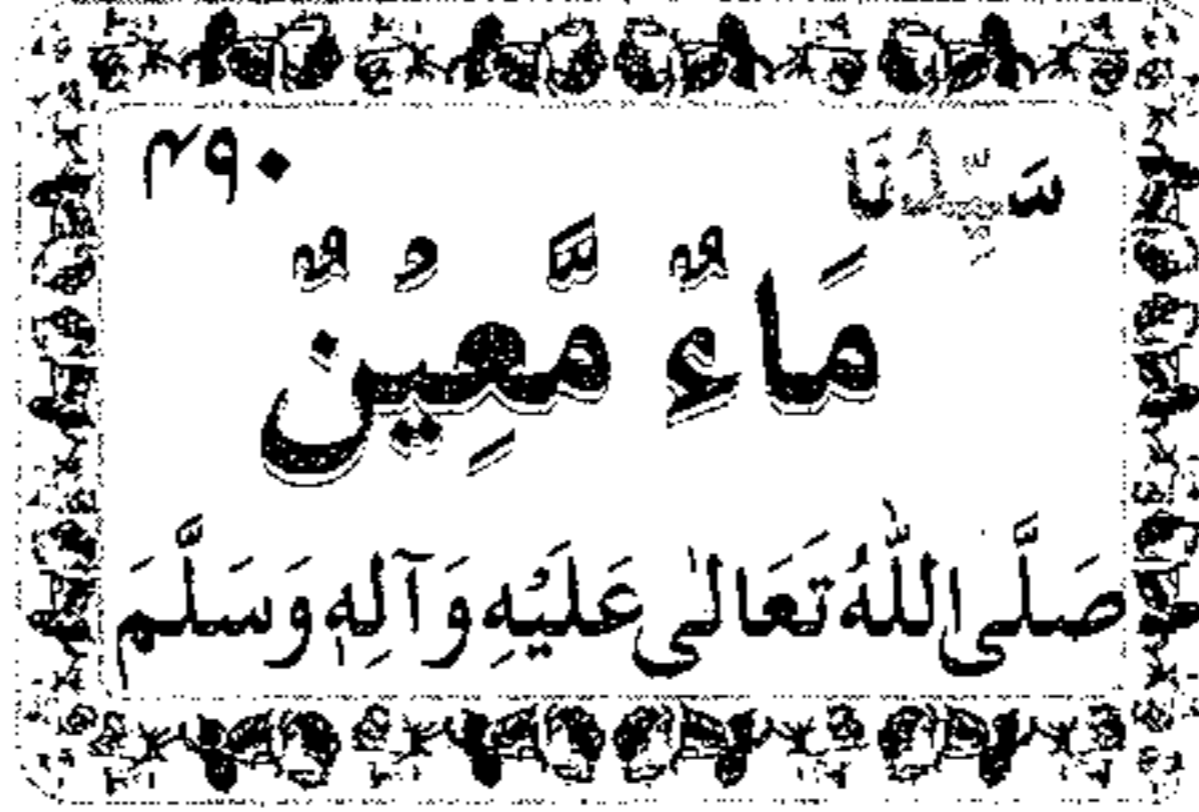
یہ مَعِیْنٌ میں میم پرزبر کے ساتھ ہے۔ مَاءٌ مَّعِیْنٌ کا معنی ہے پاک اور زمین پر چلنے والا پانی۔

یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر اسمِ فَاعِل کے معنی میں ہے۔
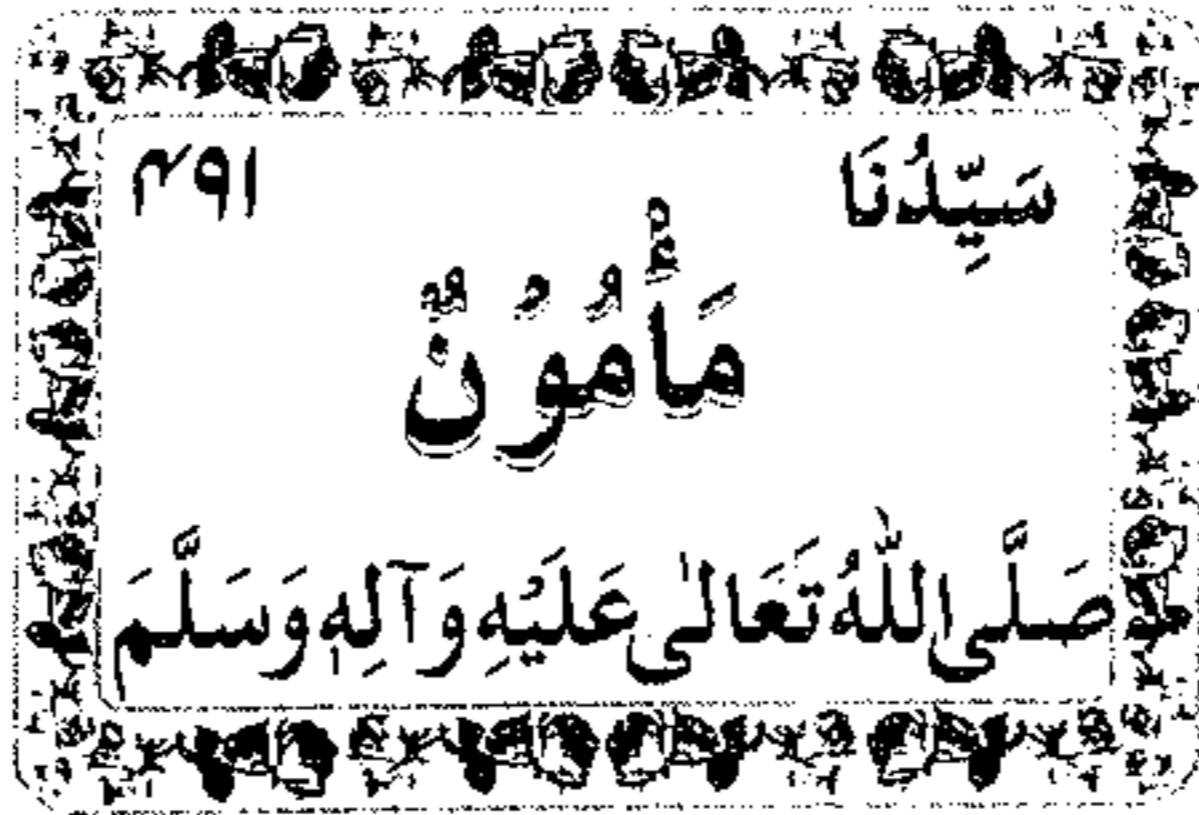
اسے علامہ عبد الباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ اسم ہمزہ کے ساتھ (امن بمعنی) اِئْتِمَان سے اسم مفعول ہے۔جس کا معنی ہے کسی سے حفاظت طلب کرنا۔

مَامُوْنٌ کا معنی ہے ”جس کی دیانت داری کے باعث اس کے پاس امانت پر وثوق کیا جائے“۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کسی شر کا کوئی خوف وخطرہ نہیں اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کیا گیا ہے۔
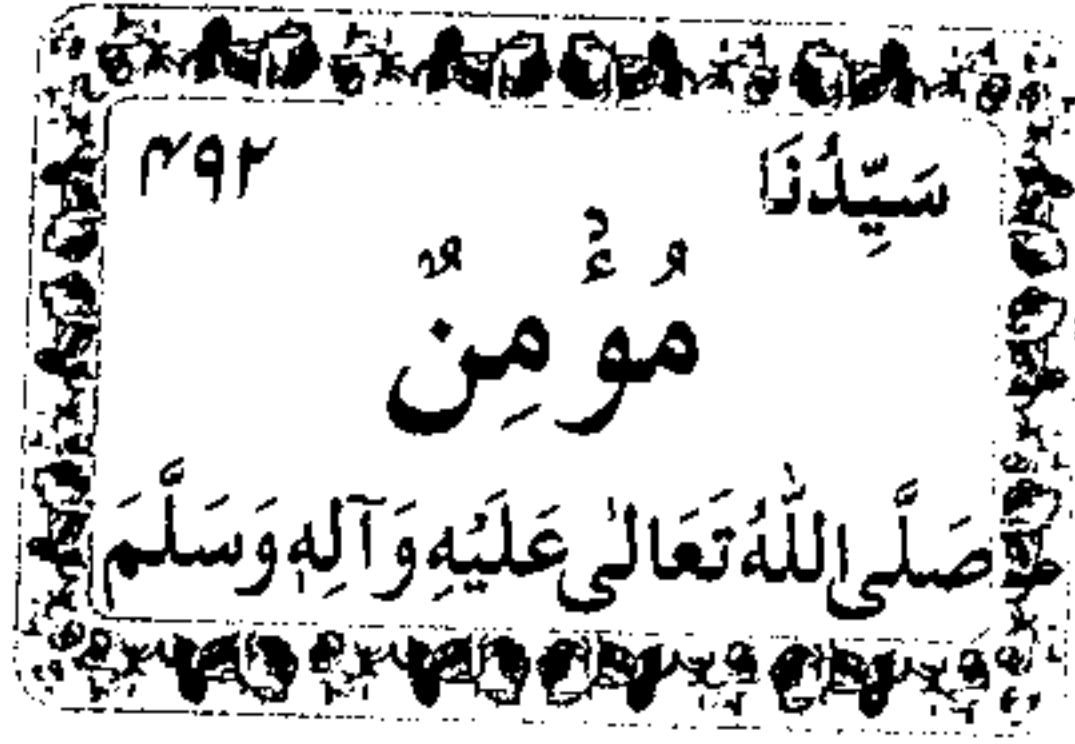
اس کا تلفظ دو طرح سے ہے:۔

﴿۱﴾ ہمزہ کے ساتھ مُؤْمِنٌ۔

﴿۲﴾ تخفیف حاصل کرنے کی غرض سے ہمزہ کو واو سے تبدیل کرنے کے ساتھ مُوْمِنٌ۔

اہلِ حجاز کی یہی لغت ہے۔ امام ورش رحمۃ اللہ علیہ اور امام سُوْسِی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو عمرو سے نقل کر کے اسی طرح پڑھا ہے اور ہمزہ کے ساتھ پڑھنا بنی تمیم کی لغت ہے۔

اس کا معنی ہے "وہ ذات جو ایمان کی صفت سے متصف ہو"۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمَاتِہٖ۔ الاعراف، آیت/۱۵۸۔

ترجمہ: تو ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ اور اس پیغمبر پر جو کہ امی نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔

یعنی وہ نبی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات کی تصدیق کرتا ہے۔

ایمان، امن سے ماخوذ ہے۔

مومن چوں کہ دنیا میں سزا اور آخرت میں عذاب سے امن میں رہتا ہے اس لئے اس کو مومن کہا جاتا ہے۔
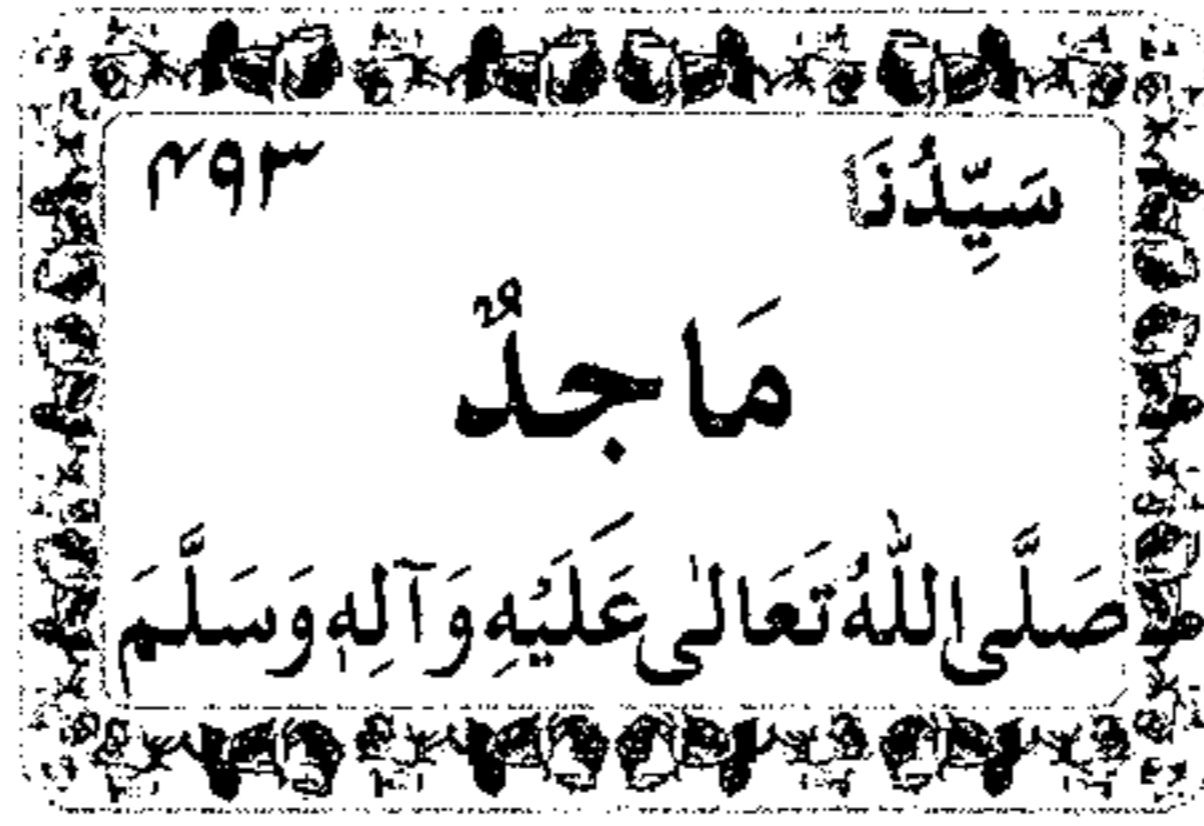
اس کا معنی ہے:۔

﴿۱﴾ کثیر سخاوت اور احسان کرنے والا ﴿۲﴾ فیاض، سخی اور اچھے اخلاق والا ﴿۳﴾ بزرگ، صاحب شرافت۔

مَجْدٌ سے یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''بزرگی کی وسعت اور فوائد کی کثرت''۔

دراصل یہ عربی کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے:۔

مَجَدَتِ الْاِبِلُ۔

یعنی اونٹ ایسے باغ میں پہنچے جو خوش منظر اور سرسبز و شاداب ہو۔

فَاَمْجَدَهَا الرَّاعِیْ.

یعنی چرواہے نے ان کو خوب سیر کروایا۔

حضرت اِیاس بن سلمه بن اَکْوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

سَمْحُ الْخَلِیْقَةِ مَاجِدٌ وَکَلَامُهٗ حَقٌّ وَفِیْهِ رَحْمَةٌ وَنَکَالُ

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت فیاض ہے، کثیر احسان فرمانے والے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کلام حق ہے جس میں رحمت بھی ہے اور عبرت بھی۔

مَاجِدٌ اسمائے خداوندی سے بھی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ مَاجِدٌ اور مَجِیْدٌ کا معنی ہے:

''وہ ہستی جو اپنی ذات کے اعتبار سے شریف، افعال کے اعتبار سے قابلِ تعریف ہو اور جس کی عطاء بہت زیادہ ہو''۔

ان دونوں اسماء میں جلیل، وھّاب اور کریم کے معانی داخل ہیں۔

وصلِ ثانی میں حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں درج ذیل الفاظ میں یہ اسم گرامی گزر چکا ہے:۔

اَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِہِ الْکُفْرَ.

ترجمہ: میں وہ مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹادے گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ اس سے مراد مکہ مکرمہ، بلادِ عرب، اور وہ زمین جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سمیٹ دی گئی اور وعدہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی حکومت وہاں تک پہنچ جائے گی، ان تمام جگہوں سے کفر کو مٹانے والے۔

یہاں مَحْو کا معنیٰ ''ظہور اور غلبہ'' ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ. الفتح: آیت ۲۸.

ترجمہ: تاکہ اسے غالب فرمادے تمام دینوں پر۔

اور ایک دوسری سند کے ذریعہ سے حضرت جُبَیْر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے جس کی سند حسن ہے یہ روایت حضرت ابن دِحْیہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے مختلف ہے جو یوں ہے:۔

اَنَا مَاحِیْ.

ترجمہ: میں مٹانے والا ہوں۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مَـاحِـیْ کہنے کی ایک توجیہ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے پیروکاروں کے گناہوں کو مٹا ڈالتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسمِ گرامی سابقہ کتابوں میں مذکور ہے۔

اس کا معنی ہے ''پاکیزہ، ستھرا''۔

حضرت امام شُمُنِیّ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تلفظ یوں بیان کیا ہے:۔

میم پر زبر، الف کے ساتھ ھمزہ نہیں ہے اور آخر میں ذال ہے۔

اس کا معنی ہے ''عطاء فرمانے والا''۔

مَنَحَ فعل سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

مَنَحَ کا معنی ہے ''اس نے عظیم عطیہ عطاء کیا اور خوبصورت انداز سے کسی پر احسان کیا''۔

اس کا معنی ہے:۔

''وہ ذات جو اہلِ اطاعت کو دشمنوں سے بچائے ان کی حفاظت کرے اور ان کی مدد کرے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی میں بھی شامل ہے۔

اس کا معنی ہے:۔

''جو ادیان اور ابدان میں ہلاکت اور نقصان کے اسباب کو حفاظت کے لئے تیار کردہ اسباب کے ذریعہ سے روک دے''۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ ''وہ ذات جو غیر مستحق کو عطاء سے محروم رکھے''۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یوں ہے:۔

اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَامُعْطِيَ لِمَامَنَعْتَ۔

ترجمہ: اے اللہ! جب تو عطا فرمائے کوئی روکنے والا نہیں اور جب تو روک دے تو کوئی دینے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ مجدہ کا روکنا حکمت پرمبنی ہے اور عطاء فرمانا رحمت اور جود کی وجہ سے ہے۔

اس کا معنی ہے ''بڑی برکت والا''۔ برکت کا معنی ''زیادہ ہونا اور بڑھنا'' ہوتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ برکت ایسا لفظ ہے جو تمام انواعِ خیر کو جامع ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ انہی معنوں میں ہے:۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ. الدخان، آیت/۳۔

ترجمہ: ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا۔

برکت والی رات سے مراد ایسی رات ہے جو بھلائی کی تمام اقسام کی جامع ہے۔

حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یوں عرض کیا ہے:۔

صَلَّی الْاِلٰـہُ وَمَنْ یَحُفُّ بِعَرْشِہِ وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَکِ أَحْمَدِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ، اس کے عرش کو احاطہ کرنے والے فرشتے نیز پاک لوگ، برکت والے حضرت احمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت بھیجیں۔

حضرت عباس بن مِرداس رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا:۔

فَاٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الَّذِی اَنَا عَبْدُہٗ وَخَالَفْتُ مَنْ اَمْسَی یُرِیْدُ الْمَهَالِکَا

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جس کا میں بندہ ہوں اور ہر اس کی مخالفت کرتا ہوں جو ہلاکتوں کا ارادہ رکھتا ہے۔

وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ نَحْوَ مَکَّةَ قَاصِداً وَبَایَعْتُ بَیْنَ الْاَخْشَبَیْنِ الْمُبَارَکَا

ترجمہ: میں نے ارادہ کر کے مکہ معظمہ کا رخ کیا اور مکہ مکرمہ کے اَخشَب نامی دو پہاڑوں کے درمیان ایک بابرکت ہستی کی بیعت کی۔

نَبِیٌّ أَتَانَا بَعْدَ عِیْسٰی بِنَاطِقٍ　　　مِنَ الْحَقِّ فِیهِ الفَضْلُ مِنْهُ کَذٰلِکَا

ترجمہ: وہ ایک نبی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہمارے پاس تشریف لائے ایسے کلام کے ساتھ جو حق کی بات بتاتا ہے اس میں فضیلت ہے اور ان کی طرف سے بھی ایسا ہی کلام دنیا کو ملا تھا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حال میں برکت اور ثواب رکھا ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو اعمال کی فضیلتیں عطاء کی ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو دوسری امتوں سے زیادہ مرتبہ دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کا قول قرآن مجید میں یوں منقول ہے:۔

وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ. مریم، آیت/ ۳۱.

ترجمہ: اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے میں جہاں بھی ہوں۔

اس کی تفسیر میں یوں کہا گیا ہے کہ مجھے لوگوں کے لئے کثیر نفع پہنچانے والا بنایا ہے۔

اس کا معنی ہے ہر ''برے وصف سے دور اور منزہ''۔

اس کا مزید بیان سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک کی خوشبو میں آئے گا۔

یعنی عاجزی اور تواضع کرنے والا۔ اِبتِہَال مصدر سے یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

ارشادِ خداوند تعالیٰ مجدہ ہے:۔

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ کُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ۔

ترجمہ: اے محبوب فرمادیجئے آؤ ہم اپنے اور تم اپنے بیٹوں، عورتوں اور اپنے آپ کو بلائیں پھر عاجزی سے دعا مانگیں۔

اس کا معنی ہے ہم آپس میں مُبَاهَلَه کریں۔ اس طرح کہ یوں کہیں کہ تم میں سے جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

بُهْلَةٌ باء پر زبر اور پیش کے ساتھ ہے اس کا معنی ''لعنت'' ہے۔

بَهَلَهُ اللّٰهُ کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے''۔

یہ اَبْهَلَهٗ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''اس نے اسے چھوڑ دیا''۔

یہی اِبتِہَال یعنی عاجزی اور تواضع ہی ہر دعا میں اصل ہوتی ہے جس کی کوشش کی جاتی ہے اگرچہ اس میں لعنت نہ ہو۔

یہ بَشَارَت سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔اس کا معنی ہے ''مسرت بخش خبر''۔

قرآن مجید کی یہ آیت:۔

فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ التوبۃ: ۳۴.

ترجمہ: ان کو خوش خبری دیجئے دردناک عذاب کی۔

اس کا معنی ہے انہیں دردناک عذاب سے ڈرایئے۔لفظ بشارت کو ڈرانے والی خبر سے جو کہ اس کی ضد ہے کے مقام پر بطورِ استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔اِستِھْزَاء اور ٹھٹھا کے لئے اِنْذَار کو بشارت کی جنس میں داخل کر دیا گیا ہے۔

اسم مبارک ''بَشِیْر'' میں اس بارے میں کلام گزر چکا ہے۔

مَبْعُوْثٌ کا معنی ہے ''بھیجا ہوا''۔بَعْثٌ بمعنی ''اِرْسَال'' سے یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

اس کا اصلی معنی ہے کسی شی کو برانگیختہ کرنا اور متوجہ کرنا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ساری مخلوق کے لئے بھیجا گیا تھا، جیسا کہ خصائص نبویہ میں آئے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو پیغام کو اسی طرح پہنچائے جس طرح کہ اسے حکم دیا گیا ہو''۔

بَلَّغَ الرِّسَالَۃَ بمعنی ''اس نے پیغام پہنچا دیا'' سے اسمِ فاعل ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔

یَااَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ. المائدۃ، آیت/٦٧.

ترجمہ: اے رسول! جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا اسے پہنچا دیجئے۔

یعنی وہ ہستی جس نے اپنی امت کے لئے وہ چیزیں حلال ٹھہرائیں جو پہلی امتوں پر حرام تھیں۔

جیسا کہ خصائص نبویہ میں اس کا بیان آئے گا۔

یہ اسم مبارک یاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ تَبْیِیْن مصدر سے یہ اسم فاعل ہے۔

جس کا معنی ہے ''ظاہر کرنا''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ. النحل، آیت/۴۴.

ترجمہ: تا کہ آپ خوب بیان فرمادیں لوگوں کے لئے وہ احکام جو آپ کی طرف نازل کئے گئے ہیں۔

اسے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبد الباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے:۔

''اخلاص والا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے سب سے قطع تعلق کر کے اس کی جانب توجہ کرنے والا''۔

یہ تَبَتُّل مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے:۔

''اپنے آپ کو خالص بنانا اور منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف آ جانا''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا۔ المزمل، آیت/۸۔

ترجمہ: اور سب سے منقطع ہو کر اس کی طرف توجہ کیجئے۔

یعنی خالص اس کی عبادت کیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے:۔

لَا رَھْبَانِیَّۃَ وَلَا تَبَتُّلَ فِی الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ: اسلام میں رہبانیت اور تَبَتُّل نہیں ہے۔

اس سے مراد نکاح سے بے رغبتی اور اِنْقِطاع ہے۔

اسی مصدر سے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا نام بَتُول ہے۔

اس اسمِ گرامی کو علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ تَبَسُّم مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے "خندہ روئی"۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے خندہ روئی سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔

خندہ روئی اچھے رہن سہن کا ایک حصہ ہے۔

اس کا مزید بیان نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے اور مسکرانے کے باب میں آئے گا۔

اسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِیْ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اِتِّبَاعٌ مصدر سے اسمِ مفعول ہے۔

مُتَّبَعٌ کا معنی ہے وہ شخصیت جس کی کوئی اور پیروی کرے۔ یعنی اقوال اور افعال میں اس کی اقتداء کرے۔

اللہ تعالیٰ مجدہ کا ارشاد مبارک ہے:۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ۔

ترجمہ: پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر جو امی نبی ہیں، اللہ اور اس کے ارشادات پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ان کی پیروی کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اَقْوال اور اَفْعَال میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کا حکم دیا ہے۔ اس طرح ہم پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال میں پیروی واجب ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش سے گفتگو نہیں فرماتے اور اَفْعَال میں بھی اتباع واجب ہے کیوں کہ حرام کا ارتکاب تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا نہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں۔ اور نہ ہی مکروہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہو سکتا ہے کیوں دیگر اہلِ کمال سے یہ شاذ و نادر وقوع پذیر ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کیوں کر وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ ہمارے حق میں بھی مکروہ یا خِلافِ اَوْلٰی ہے باقی رہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک بار اعضاء کو دھو کر وضو کرنا وغیرہ قسم کے افعال مبارکہ تو یہ بیانِ جواز کے لئے ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء سے یہ ارشاد نقل فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس انداز پر وضو فرمانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں تین تین بار اعضاء کو دھو کر وضو کرنے سے افضل ہے۔

امام شمس الدین برماوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم مبارک کو دِجَالُ الْعُمْدَہ میں ذکر کیا ہے۔انہوں نے اسے اس آیت مبارکہ سے اخذ کیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے یوں فرمایا ہے:۔

تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ۔الطور، آیت/ ۳۱۔

ترجمہ: انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کررہا ہوں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم جس چیز کے حصول کی میرے بارے میں تمنا رکھتے ہو اس کا انتظار کرو میں بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا منتظر ہوں جس میں اس نے مجھ سے تمہارے خلاف مدد اور فتح کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

یہ تَرَحُّم سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے والے''۔

اس کا ذکر اسم مبارک ضَارِعٌ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔

یہ اِتْقَانٌ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے ''معاملات کو پختہ کرنا''۔ یا اس اسم کا معنی ہے ''عقل مند دانا، زیرک اور ماہر''۔

عربی محاورہ ہے:۔ اَتْقَنَ الشَّیْئَ۔ اس نے شے میں مہارت حاصل کی فَھُوَ مُتْقِنٌ تو وہ ماہر ہے۔

تَقِنٌ کا معنی ہے ''دانا، زیرک''۔

فعلِ ماضی اِتَّقٰی سے اسمِ فاعل ہے۔ اسم مبارک ''اَتْقٰی'' کی وضاحت میں تقوٰی پر گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

یہ تَلُوٌّ مصدر سے اسمِ مفعول ہے۔

تَلُوٌّ کا معنی ہے ''متابعت، پیروی کرنا''۔

چوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء اور پیروی کی جاتی ہے اس لئے اس نام کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیا گیا ہے۔

یہ تِلَاوَۃٌ مصدر سے ہے۔

چوں کہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام قرآن مجید کی تلاوت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس کا دور کیا کرتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

خانہ کعبہ کے پہلے دفعہ منہدم ہونے میں یہ نام ایک پتھر پر یوں لکھا پایا گیا:۔

عَبْدِی الْمُنْتَخَبُ الْمُتَمَکِّنُ الْمُنِیبُ الْمُخْتَارُ.

ترجمہ: میرا بندہ انتخاب شدہ، قدرت والا، رجوع کرنے والا اور پسندیدہ ہے۔

مُتَمَکِّنْ کا معنی ہے ''زمین میں قبضہ چاہنے والا اس طرح کہ لوگ اس کی اطاعت کریں اس کی پیروی کریں، اس کے دین کا غلبہ ہو اور اس کو شہرت ملے''۔

تَمَکُّنْ حقیقت تک رسائی حاصل کرنے والے اولیائے کرام کی صفت ہوتی ہے۔ اور تکوین صاحب احوال لوگوں کی صفت ہوتی ہے۔ جب تک بندہ سلوکِ طریقت میں مصروف رہتا ہے صاحبِ تکوین ہوتا ہے۔ کیوں کہ ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور جب واصل باللہ ہو جاتا ہے صاحبِ تَمَکُّن ہو جاتا ہے۔

حضرت استاذ ابوعلی دَقّاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ تکوین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام سن کر لوٹ آئے اور حال نے ان میں اثر کیا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ الاعراف، آیت/۱۴۳۔

ترجمہ: اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اور حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صاحب تمکین تھے اس لئے تو وصول کے بعد رجوع فرمایا اور جو کچھ مشاہدہ فرمایا اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں اثر نہ کیا۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی. النجم، آیت/۱۷.

ترجمہ: آنکھ نہ کج ہوئی اور نہ ہی سرکش ہوئی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ [1]

ترجمہ: اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مجھے مبعوث کیا گیا۔

مکارم اخلاق دین کا حصہ ہیں۔ مَکَارِمُ، مَکْرُمَۃٌ راء کی پیش کے ساتھ، کی جمع ہے۔

اور اَخْلَاق، خُلُقٌ، خاء اور لام دونوں پر پیش کے ساتھ، کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے ''عادت''۔

یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

یعنی وہ ذات سراپا برکات جس کی صورت اور سیرت دونوں کامل ہوں۔

---

[1] (۱) الموطاء مالک (۹۰۴) (۲) السنن البیھقی ۱۰/۱۹۲ اس میں ''صَالِحَ الْاَخْلَاقِ'' کے الفاظ ہیں۔
(۳) المستدرک الحاکم ۲/۶۱۳ (۴) کنز العمال المتقی (۳۱۹۶۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ۔ الاسراء، آیت/۷۹.

ترجمہ: اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد ادا کیا کریں۔

عباداتِ نبویہ کے باب میں اس پر گفتگو ہوگی۔

اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے:۔

''شفاعت کی غرض سے اللہ تعالیٰ اور اپنی امت کے درمیان آنے جانے والے''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ. الفرقان، آیت ۵۸.

ترجمہ: اور اس زندہ ہستی پر بھروسہ کیجئے جس کو موت نہ آئے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نامِ نامی تورات میں مندرج ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طہارت بیان فرمائی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو بلند فرمایا کیوں کہ توکل میں لوگوں کے حالات مختلف ہیں۔کوئی اپنی ذات پر، کوئی اپنے اہل وعیال پر، کوئی اپنے مرتبہ پر، کوئی اپنے غلبہ، پر کوئی اپنی صناعت پر، اور کوئی اپنی آمدنی پر توکل اور بھروسہ کرتا ہے۔ان میں سے ہر ایک ایسے زندہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں جو موت کا لقمہ بنے گا اور ایک دن وہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور ختم ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پاک کر دیا اور حکم دیا کہ مجھ پر بھروسہ کریں۔

حضرت نَخْشَبِیّ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

بدن کو عبودیت میں ڈال دینا، دل کا تعلق ربوبیت کے ساتھ قائم کر لینا، اللہ تعالیٰ سے مطمئن رہنا اس طرح سے کہ اگر وہ عطاء فرمائے تو شکر کرے اور اگر وہ روک لے تو صبر کرے اس کا نام توکل ہے۔

بعض علماء نے فرمایا خدا تعالیٰ پر بھروسہ، اس کی تقدیر پر یقین کو توکل کہا جاتا ہے لیکن اپنی ضروریات کے لئے کوشش کرنا جائز ہے کیوں کہ اس میں سنت کی اتباع ہے۔

استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔تَوَکُّل کا محل قلب ہے۔ظاہری اعضاء کی حرکت اس کے منافی نہیں جب کہ یہ یقین کرلے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اگر کوئی شی مشکل ہے تو اس کی اپنی تدبیر کے باعث ہے اور اگر کوئی شی آسان ہے تو اس کے آسان فرمانے کے باعث ہے۔

حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے معاملہ کے آغاز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے صحرا میں ایک پرندہ دیکھا جس کے دونوں پر ٹوٹے ہوئے تھے۔ایک تندرست پروں والا پرندہ آیا اپنی چونچ میں ایک مکڑی لایا اور اسے کھلا دی۔ میں نے دوڑ دھوپ چھوڑ دی اور عبادت میں مشغول ہوگیا۔اس پر حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم صحیح پروں والے پرندے کیوں نہیں بنتے جس نے بیمار پرندے کو کھلایا تا کہ تم اس سے بہتر بنو۔نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی۔ [1]

ترجمہ: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۲۹۴/۴ کتاب الزکاۃ(۱۴۲۹)
(۲) الصحیح مسلم ۷۱۷/۲ کتاب الزکاۃ (۱۰۳۳/۹۴)

اسے حضرت ابوالفتح ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے:۔ ''مضبوط، سخت''۔ اسی سے حَبْلٌ مَّتِیْنٌ ''مضبوط رسی'' ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے۔

اس کا معنی ہے ''طاقت ور، سلطنت کا مالک، قدرت اور امکان کے اعلیٰ مراتب تک رسائی والا''۔

اس کو حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِیْ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ ثُبات مصدر سے باء کی زبر کے ساتھ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے قابو پانا اور ثابت قدم رہنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ. الاسراء، آیت/۷۴.

ترجمہ: اگر ہم آپ کو ثبات قدمی عطا نہ کرتے۔

اس اسم مبارک سے موسوم ہونے کا باعث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دین پر ثابت قدمی عطاء کر رکھی تھی۔

امام بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ یاء کے نیچے زیر کے ساتھ یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے کہ "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ثابت قدم فرمانے والے ہیں اس کو جس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پسندیدہ دین کی اتباع کی"۔

اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے "وہ ذات جس کو اس کی طلب عطاء کی گئی ہو"۔

اس کا معنی ہے "معاملات کو محکم اور پختہ بنانے والا، یا جھگڑا کرنے والا"۔

یہ جِدَالٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے "دلیل کے اظہار کے لئے غالب آنے کے لئے مقابلہ کرنا، جھگڑا کے انداز میں گفتگو میں معارضہ پیش کرنا"۔

جِدَالٌ کا اصلی معنی "مضبوط کرنا" ہے۔ یہ عربی محاورہ انہی معنوں میں ہے:۔

جَدَلْتُ الْحَبْلَ وَالْبِنَاءَ. یعنی میں نے اسے مضبوط بنایا۔

قرآن مجید میں ہے:۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. النحل، آیت/۱۲۵.

ترجمہ: ان سے بہترین انداز سے جھگڑا کرو۔

یعنی جھگڑا کے بہترین سے انداز سے جو کہ سختی اور عتاب کے بغیر نرمی اور رفق ہے، ان کے ساتھ جھگڑا کرو۔

۵۲۶ سَیِّدُنَا
مُجَاھِدٌ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ جِھَادٌ سے اسمِ فاعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ۔ التوبۃ، آیت/۷۳۔

ترجمہ: اے نبی کافروں اور منافقین سے (دلائل قائم کرنے یا حدود قائم کرنے یا ان کے رازوں کو فاش کرنے سے) جہاد میں مصروف رہو۔

۵۲۷ سَیِّدُنَا
مُجْتَبٰی
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اِجْتِبَاء مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے "انتخاب کر لینا، چن لینا"۔

صِحَاح میں ہے اِجْتِبَاہ کا معنی ہے اس نے اسے برگزیدہ کر لیا۔

اس کا معنی ہے ''طاعت میں کوشش کرنے والا'' یا اس کا معنی ہے ''وہ ذات جس سے اجتہاد قائم ہو''۔ اور اجتہاد کا معنی ہے ''مقصودِ امر کی طلب کے لئے اپنی طاقت کو صرف کر دینا''۔ یہ جُھْدٌ بمعنی طاقت سے بابِ اِفْتِعَالٌ کا مصدر ہے۔

یہ اسم مبارک اَجَابَ بمعنی ''اس نے جواب دیا''، یا حاجت روائی کی'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

یہ اَجَارَ فعلِ ماضی سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے ''جس نے اس سے مدد چاہی اس کو اس نے بچا لیا''۔

یا ''جس نے اس سے فریاد کی اس نے اس کی فریاد رسی کی''۔

اس اسم مبارک کا تلفظ میم پر زبر اور جیم کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''بڑے مرتبے والا، بڑی برکت والا، یا احسان کرنے والا اور عظیم افعال والا''۔

یہ اسم، فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے جو اسمِ فاعل کے معنوں میں ہے۔ اس کا مادہ: مَجْدٌ ہے جس کا معنی ہے ''شرافت کو حاصل کر لینا'' اس کی ماضی: مَجَدَ بروزن نَصَرَ اور کَرُمَ، مصدر: مَجْدًا اور مَجَادَۃً۔

اسمِ فاعل: مَاجِدٌ اور صفت مُشَبَّہ: مَجِیْدٌ ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے اس کا معنی اس صورت میں یہ ہوتا ہے:۔

''احسان کرنے والا، اچھے افعال والا، کثرت سے مہربانیاں کرنے والا''۔

یا اس کا معنی ہے وہ ذات جس کے اوصافِ جمال میں شرکت نہ ہو سکے اور جس کی بلند شان کے مشابہ کوئی نہ ہو سکے۔

اس کا معنی ہے رستہ کا درمیان۔ حَجٌّ بمعنی ''قصد اور ارادہ'' سے مَفْعَلَۃٌ کے وزن پر اسم ہے۔

اس میں میم زائد ہے، اس کی جمع مَحَاجٌّ آتی ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کا قصد و ارادہ کر (کے آتے) ہیں۔

یہ اسم مبارک راء کی تشدید اور اس کے نیچے زیر کے ساتھ اور آخر میں ضاد کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''جہاد وقتال یا عبادت کا شوق دلانے والا، یعنی ان پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والا''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ. الأنفال. آیت/۶۵.

ترجمہ: اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلایئے۔

ظُلْمٌ کا معنی ہے ''حق سے تجاوز کرنا''۔

(اسم مبارک کا معنی ہے ظلم کو حرام قرار دینے والی ذات)۔

اس کا مزید بیان آرہا ہے۔

۵۳۵ سَیِّدُنَا

مَحفُوظ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ حِفظ مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ شیطان سے حفاظت میں ہیں اس لئے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور پھر فرمایا:۔

اِنَّ الشَّیطَانَ عَرَضَ لِیْ فَشَدَّ عَلَیَّ لِیَقْطَعَ الصَّلَاۃَ عَلَیَّ فَاَمْکَنَنِی اللّٰہُ مِنْہُ۔[1]

ترجمہ: شیطان میرے سامنے آیا اس نے مجھ پر سختی کی تا کہ میری نماز توڑ ڈالے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو عطاء فرما دیا۔

اس میں دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شیطان سے محفوظ تھے۔

اگر کوئی پوچھے کہ شیطان کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر پہلے کیوں مُسَلَّط کیا گیا؟ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی رستہ پر چلتے تو شیطان اس سے بھاگ جاتا۔ جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے لئے ایسی صورت وقوع پذیر ہوتی تھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:۔

مَالَقِیَکَ الشَّیْطَانُ قَطُّ سَالِکًا فَجًّا اِلَّاسَلَکَ فَجًّا غَیْرَہٗ۔ [2]

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۱۴۳/۲ کتاب العمل فی الصلوۃ (۱۲۱۰)

[2] (۱) الصحیح البخاری ۲۵۶/۴ کتاب بدء الخلق (۳۲۹۴)
(۲) الصحیح مسلم ۱۸۶۴/۴ کتاب الفضائل (۲۲-۲۳۹۶)

ترجمہ: شیطان جب کبھی بھی تمہیں راستہ چلتے ہوئے ملے گا تو اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے رستے پر چلنے لگے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور سیدِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ شیطان اور اس کے مکر سے معصوم، اس کے دھوکے اور فریب سے محفوظ، اس کی شرارت اور وسوسہ سے مامون ہیں لہٰذا اس کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمع ہونا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بھاگ جانا برابر ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چوں کہ اس بلند مرتبہ اور عالی درجہ تک نہیں پہنچے تھے۔ تو شیطان کا آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سے بھاگ جانا آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں بہتر، آپ کی حفاظت کے لئے یقینی صورت اور اس کے آپ سے شر کے دفعیہ کے لئے زیادہ مضبوط ذریعہ تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ممکن ہے کہ وہ شیطان جو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے بھاگتا تھا آپ کے ہمزاد کے علاوہ کوئی اور ہو آپ رضی اللہ عنہ کا ہمزاد تو آپ سے نہ بھاگتا تھا بلکہ وہ تو آپ سے جدا بھی نہ ہوتا تھا اور وہ آپ پر اوروں کی طرح موکل تھا۔

سَیِّدُنَا ۵۳۶

مُحَکَّمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اسم مبارک کاف کی تشدید اوراس پر زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''حاکم، فیصلہ کرنے والا''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ۔ النساء، آیت/ ۶۵۔

ترجمہ: آپ کے پروردگار کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو ان معاملات میں فیصل نہ مان لیں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔

یعنی وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر راضی ہوجائیں وہ فیصلہ خواہ ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف ہو۔

اس کا معنی ہے حرام کو بیان اور واضح کرنے والی ذات۔

اور حرام وہ شی ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہو اور اس کی اجازت نہ دی ہو۔

اس کا معنیٰ ہے ''حلال کو بیان کرنے والی ہستی''۔

اور حلال وہ شے جس کو شریعت میں حاصل کرنے کی اجازت ہو۔

اس اسم مبارک کو حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ عَزَفی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے ''وہ ذات جو اپنی کثیر عاداتِ حمیدہ کے باعث تعریف کی مستحق ہو''۔

حضرت حَسَّان بن ثَابِت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

فَأَصْبَحَ مَحْمُوْدًا اِلَی اللّٰہِ رَاجِعًا　　　يُبَكِّيْهِ حَقُّ الْمُرْسَلَاتِ وَيُحْمَدُ

ترجمہ: حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم محمود اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ حق تعالیٰ کی ارسال کردہ آیات لوگوں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر رلاتی ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی جاتی ہے۔

محمود اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ یوں فرماتے ہیں:۔

وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهُ　　　فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

ترجمہ: اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نکالا، صاحبِ عرش ذات محمود ہے اور یہ (نبی) حضرت محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

یہ اسم گرامی: حَادَ عَنِ الشَّیْئِ عربی محاورہ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ''اس نے شے سے اِعْراض کرلیا''۔
چوں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باطل سے اِعْراض فرمایا اور حق کی پیروی فرمائی اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

یا یہ اسم: اَحَادَ (بمعنی ہٹا دینا) سے ماخوذ ہے۔
چوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امت کو ہٹا کر طریق مستقیم پر لے آئے اور دینِ قویم کی راہ پر انہیں چلا دیا اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس اسم سے موسوم ہوئے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم کو ذکر کیا ہے۔
یہ اسم مبارک ''اَوَّاہٌ'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔
صحاح میں ہے اِخْبات کا معنی ہے ''خشوع اور تواضع''۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا۔

اس کا معنی ہے ''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے وحی کی اسے تبلیغ کرنے والی ذات''۔

اِخْتِیَارٌ بمعنی اِصْطِفَاءٌ (چن لینا، منتخب کر لینا) سے اسمِ مفعول ہے جیسا کہ صحاح میں مذکور ہے۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ سِفْرِ اوّل میں ہے:۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، وہ میرے منتخب بندے ہیں، نہ تندخو ہیں نہ درشت مزاج، بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔

اِخْتِصَاصٌ بِالشَّیْئِ سے اسمِ مفعول ہے جس کا معنی ہے ''اس شے کو ترجیح دینا''۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسم کا باعث یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات کے لئے خاص فرمالیا ہے۔ اور ساری مخلوق سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح بخشی ہے۔

اسمِ فاعل کا صیغہ مراد لینا بھی درست ہے۔

اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کو لازم پکڑ لیا ہے اور اس کی محبت اور قرب کی زیادتی کو ترجیح دی ہے۔

اس اسم مبارک کو علامہ عبد الباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یعنی "غیروں سے اسے ترجیح دینے والے"۔

عربی محاورہ ہے:۔ اِخْتَصَّہُ اللّٰہُ بِکَذَا (اللہ تعالیٰ نے اسے اس چیز کے ساتھ خاص کرلیا)۔

اس سے اسمِ مفعول مُخْتَصٌّ آتا ہے۔قُرْآن اصل میں کُفْرَان اور رُجْحَان کی مانند مصدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتابوں میں سے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں کے خلاصے کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ سارے کا سارا تمام علوم کا خلاصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا:۔

وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْئٍ. الأنعام، آیت/۱۵۴.

ترجمہ: اور تفصیل ہے ہر شے کی۔

نیز فرمایا:۔

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْئٍ. النحل، آیت/۸۹.

ترجمہ: یہ وضاحت ہے ہر شے کے لئے۔

یہ نام (قرآن) اس کتاب کے لئے مخصوص ہے جو حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔اور یہ اس کتاب کے لئے عَلَم کی مانند ہے، جس طرح کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کا عَلَم ہے۔

قرآن کا لغوی معنی ہے "بعض حروف کو دوسرے بعض حروف اور بعض کلمات کو دوسرے بعض کلمات کے ساتھ ترتیل میں ملانا"۔

ہر جمع کرنے کو قرآن نہیں کہتے مثلاً لوگوں کو جمع کرو تو یوں نہیں کہہ سکتے:۔قَرَأْتُ الْقَوْمَ.

۵۴۶ سَیِّدُنَا
مُخْتَصٌّ بِآیٍ لَّا تَنْقَطِعُ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

آی، آیۃ کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے "علامت"۔
اس سے مراد معجزہ ہے، قرآن مجید بھی ان میں شامل ہے۔
اس اسم مبارک کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ختم نہ ہوں گے، وہ منقطع نہ ہوں گے، بلکہ قیامت تک مسلسل جاری رہیں گے، ان میں کمی نہ آئے گی کیوں کہ ان میں قرآن مجید بھی شامل ہے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا، باقی انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کا یہ حال نہیں ہے، کیوں کہ ان کی عمروں کے ختم ہونے کے ساتھ وہ بھی ختم ہو گئے۔ اس موضوع پر مبسوط کلام معجزات میں آئے گا۔

۵۴۷ سَیِّدُنَا
مُخَتَّمٌ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ تَخَتَّمَ فعل سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے "اس نے مہر بنوائی"۔
ابوابِ زینت میں اس کا مزید بیان آئے گا۔
یا اس کا معنی ہے "وہ ذات جس پر خاتمِ نبوت کی مہر لگا دی گئی"۔
جیسا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کی صفات میں آئے گا۔

سَیِّدُنَا ۵۴۸

مَخصُوصٌ بِالعِزِّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سَیِّدُنَا ۵۴۹

مَخصُوصٌ بِالمَجدِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سَیِّدُنَا ۵۵۰

مِخضَمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم گرامی کو علامہ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ ضاد کے ساتھ مِنبَر کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے:۔ ''سردار، شرافت والا، صاحبِ عظمت اور بلند مرتبہ والا''۔

اس اسم مبارک کو بھی علامہ عبد الباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے ''عبادت میں ایسا سچا جس نے طاعتِ خداوندی میں ریا اور دکھاوے کو ترک کر دیا ہو''۔

یہ اِخلَاص سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے ''سچ، دکھاوے کو چھوڑ دینا''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلِ اللّٰہَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّہٗ دِیۡنِیۡ. الزمر، آیت/۱۴.

ترجمہ: آپ فرما دیجئے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔

حضرت استاذ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

''اِخلاص کا معنی ہے ارادہ کے ساتھ عبادت میں اللہ تعالیٰ کو یکتا کر لینا۔

یا مخلوق کے دیکھنے کے خیال سے اپنے فعل کو پاک کر لینا''۔

صدق اور اخلاص کے درمیان فرق یہ ہے کہ:۔

صدق یہ ہوتا ہے کہ عمل سے نفس کے دیکھنے کے خیال کی نفی کر دی جائے۔

اور اخلاص یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دیکھنے کے خیال کی نفی کر دی جائے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ صاحبِ اخلاص کے دل میں ریا اور دکھاوا نہیں ہوتا۔

اور صادق کے دل میں عمل پر عجب وغرور نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں ہے:۔

یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ.

ترجمہ: اے کمبل اوڑھنے والے!

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کے وقفہ کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

بَیْنَا اَنَا اَمْشِیْ اِذَا سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِیْ فَاِذَا الْمَلَکُ الَّذِیْ جَاءَ نِیْ بِحِرَاءَ جَالِسٌ عَلٰی کُرْسِیٍّ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ ۔[1]

ترجمہ: میں چل رہا تھا کہ اچانک آسمان سے میں نے ایک آواز سنی میں نے اپنی نظر اوپر کو اٹھائی تو وہی فرشتہ موجود تھا جو میرے پاس غارِ حراء میں آیا تھا، وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، اس سے میں مرعوب ہو کر لوٹا، میں نے کہا:۔ مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ.

ترجمہ: مجھے چادر اوڑھاؤ مجھے چادر اوڑھاؤ۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں:۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۲۸۴/۶ کتاب التفسیر (۴۹۲۵)

(۲) الصحیح مسلم ۱۹۳/۱ کتاب الایمان (۲۵۵۔۱۶۱)

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُo قُمْ فَاَنْذِرْ.

ترجمہ: اے کمبل اوڑھنے والے! اٹھیئے اور ڈرایئے۔

مُدَّثِّر ایسا اسم ہے جو اس حالت سے مشتق ہے جس حالت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان آیات کے نزول کے وقت تھے۔

مُدَّثِّر کا معنی ہے: دِثَار: یعنی کپڑوں میں لپٹے ہوئے۔

یہ لفظ دراصل مُتَدَثِّرٌ تھا کیوں کہ یہ تَدَثَّرَ سے مشتق ہے، تاء کو دال سے بدل کر دال کو دال میں مدغم کرنے سے یہ لفظ بن گیا ہے۔

حضرت ابوالقاسم بن ورد نے کہا:۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے:۔

زَمِّلُوْنِیْ (مجھے چادر اوڑھاؤ) ارشاد فرمانے کے بعد اللہ رب العزت نے:۔

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ .

ترجمہ: اے کمبل اوڑھنے والے!

آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس: تَزَمُّل (چادر اوڑھانے) سے مراد سردی سے بچنے کے لئے کمبل پہنانا ہے، جو خوف کے باعث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لاحق ہوگئی تھی کیوں کہ اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حالت بخار والے انسان کی سی ہوگئی تھی گویا: تَزَمُّل (چادر اوڑھانے) سے جو معنی (کمبل اوڑھانا) مراد ہے، اس سے خطاب کیا گیا ہے۔

یعنی اے چادر یعنی کمبل اوڑھنے والے محبوب! اس کمبل کو اتار دیجئے۔ لوگوں کو ڈرانے میں مصروف ہو جایئے۔ خوف سے دور ہٹ جایئے۔ اور جو حکم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا ہے اس کے بجالانے پر چست ہو جایئے۔

جیسے تم اس آدمی کو کہتے ہو جسے تم کسی کام کے لئے بھیجو وہ خوف زدہ ہو جائے اور اپنے گھر میں جا بیٹھے۔ اے خوف زدہ ہونے والے! جاؤ جدھر میں نے تمہیں بھیجا تھا۔ اگر تم کہو:۔ ارے اپنے گھر میں بیٹھنے والے! تو یہ بھی درست ہے لیکن آغازِ کلام اس وجہ سے کرنا جس کے باعث وہ گھر میں جا بیٹھا ہے اس کے لئے زیادہ انس دلانے والا، خوف سے زیادہ نڈر کرنے والا اور اسے چست کرنے کے لئے زیادہ بلیغ ہے۔

یہ مدینہ منورہ کی جانب منسوب اسم مبارک ہے۔

مدینہ طیبہ کے فضائل کے باب میں اس پر گفتگو آئے گی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے مرفوعاً روایت کی:۔

اَنَامَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ [1]

ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ حافظ علائی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

حضرت امام شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر "تَھْذِیْبُ الْمَوْضُوْعَاتِ" اور "النکت" میں مفصل کلام کیا ہے۔

---

[1] (۱) المستدرک الحاکم ۱۲۶/۳ (۲) التذکرہ الفتن ۹۵
(۳) لسان المیزان الذھبی ۴۲۹ (۴) کتاب الضعفاء العقیلی ۱۵۰/۳
(۵) الکبیر الطبرانی ۶۶/۱۱ (۶) البدایہ النھایہ ابن کثیر ۳۵۹/۷
(۷) مجمع الزوائد الھیثمی ۱۱۷/۹۔

اس کا معنی ہے "تبلیغ کرنے والے، وعظ کہنے والا"۔

تَذْکِرَۃٌ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے "نصیحت کرنا اور تبلیغ کرنا"۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ.

ترجمہ: نصیحت کیجئے آپ صرف نصیحت فرمانے والے ہیں۔

یعنی بندوں کو نصیحت کیجئے، میرے دلائل سے ان کو وعظ کیجئے اور انہیں میرے پیغامات پہنچایئے۔

اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

سابقہ کتابوں میں یہ اسم مذکور ہے۔

میم پر تینوں حرکات درست ہیں۔اس کا معنی ہے ''کامل مروت والا مرد''۔

مُرُوْءَۃٌ ہمزہ اور ہمزہ کے (مُرُوَّۃٌ) بغیر دونوں طرح سے درست ہے۔اس کا معنی ہے ''انسانیت''۔

امام جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک شخص نے حضرت اَحنف سے پوچھا مُرُوَّت کیا ہوتی ہے؟

توانہوں نے فرمایا: وسیع اخلاق کو اپنا لو اور قبیح اعمال سے رک جاؤ۔

بعض علماء نے فرمایا:۔مُرُوَّت یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو گندے اخلاق سے بچاؤ اور لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو عیب دار نہ بناؤ۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

اس کا معنی یہ ہے کہ تم طمع نہ کرو ورنہ ذلیل ہو گے۔لوگوں سے نہ مانگو ورنہ تم ان پر بوجھ بن جاؤ گے، بخل نہ کرو ورنہ لوگ تمہیں برا بھلا کہیں گے اور سخت کلامی نہ کرو ورنہ تم سے جھگڑا کیا جائے گا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ چھپ کر ایسا عمل نہ کرنا جس سے تم علانیہ کرنے میں حیا محسوس کرو مُرُوَّت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام محاسن کے مجموعہ کا نام ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مُرُوَّت کی دو قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ ظاہری: ظاہری مروت حکومت اور ریاست ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ باطنی: باطنی مروت پاک دامنی ہوتی ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعا روایت کی:۔

اَقِیْلُوْا ذُوِی الْھَیْئَاتِ عَثَرَاتِھِمْ اِلَّافِی الْحُدُوْدِ

ترجمہ: حدود کے علاوہ معزز لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو باین الفاظ روایت کیا ہے:۔

اَقِیْلُوْا ذُوِی الْھَیْئَاتِ زَلَّاتِھِمْ۔

ترجمہ: معزز لوگوں کی لغزشوں کو معاف کردو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

معزز لوگ جن کی لغزشوں سے درگزر کی جاتی ہے وہ لوگ ہوتے ہیں جو برائی کے ساتھ لوگوں میں معروف نہ ہوں لیکن ان میں کسی سے لغزش ہو جائے۔

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لغزشوں کے معنی میں دو قول ہیں:۔

﴿۱﴾ صغیرہ گناہ ﴿۲﴾ پہلا گناہ جس میں اطاعت گزار لغزش سے مبتلا ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مُرُوَّت کے ایسے مقام پر پر فائز تھے کہ حضرت زُھَیر بن صُرَد رضی اللہ عنہ پکار اٹھے:۔

اُمْنُنْ عَلَیَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ فِی کَرَمٍ فَاِنَّکَ الْمَرْءُ نَرْجُوْہُ وَنَدَّخِرُ

ترجمہ: یارسول اللہ! مجھ پر احسان دراحسان کیجئے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسی ذات ہیں جن سے ہم اس کی امید رکھتے ہیں اور جن کو ضرورت کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ رَجَاءٌ بمعنی امید سے جیم کی زبر کے ساتھ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات سے لوگ اپنی بے چینیوں کو دور کرنے اور اپنے مصائب سے نجات کے لئے امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑھ کر قیامت کا دن ہوگا جب کہ فیصلے ہوں گے۔

علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

یا یہ جیم کے نیچے زیر کے ساتھ (مُرْتَجِیْ) اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے اپنی امت کے حق میں شفاعت کی قبولیت کی امید رکھنے والے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَۃٌ مُّسْتَجَابَۃٌ فَتَعَجَّلَ کُلُّ نَبِیٍّ دَعْوَتَہٗ وَاِنِّیْ اَخْتَارُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَۃً لِّاُمَّتِیْ فَھِیَ نَائِلَۃٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ مَاتَ لَایُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا۔

ترجمہ: ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کر لی۔ میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے منتخب کر رکھا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ہر اس شخص کو پہنچے گی جو اس حال میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

اس کا معنی ہے ''وہ ہستی جس پر اس کا مولیٰ راضی ہو چکا ہو''۔

یعنی اس سے محبت کرے اور اسے منتخب کر لیا ہو۔

یہ اسم مبارک تاء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے یہ رَتَّلَ باب تَفْعِیْل سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

یعنی وہ ہستی جو قرآن مجید کی تلاوت حروف اور حرکات واضح کر کے آہستہ آہستہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔

ترجمہ: اور قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر خوش اسلوبی سے پڑھا کرو۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی سورۃ کی تلاوت فرماتے اسے ترتیل سے پڑھتے تو یہ سورۃ لمبی سے لمبی سورۃ سے بھی طویل تر ہو جاتی۔

قراءت نبوی کے باب میں اس کا مزید بیان آئے گا۔

رَحْمٌ سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے رحمت کا معنی پہلے بیان ہو چکا ہے۔

سَیِّدُنَا ۵۶۲

مَرْحَمَۃٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حِلْیَۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت نقل کی:۔

بُعِثْتُ مَرْحَمَۃً وَّمَلْحَمَۃً وَّلَمْ اُبْعَثْ تَاجِرًا وَّ لَازَارِعًا.

ترجمہ: مجھے رحمت والا اور معرکوں والا بنا کر بھیجا گیا ہے مجھے تاجر اور کسان بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

یعنی مجھ کو ایمان والوں کے لئے رحمت اور کافروں کے لئے شدت بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا ہے:۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ. الفتح، آیت/ ۲۹.

ترجمہ: یہ لوگ کافروں پر سختی کرنے والے اور آپس میں مہربانی کرنے والے ہیں۔

اسے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد مبارک ہے:۔

یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا م بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ.
الرعد، آیت ۴۳.

ترجمہ: کافر کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو، فرمادیجئے اللہ تعالیٰ اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے وہ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے۔

یہ رِسَالَۃٌ مصدر سے بابِ افعال کا اسمِ مفعول ہے۔

مُرْسَلٌ اور رَسُوْلٌ کے درمیان فرق یہ ہے کہ: مُرْسَلٌ میں پے بہ پے اِرسال کا تقاضا نہیں ہوتا بلکہ کبھی تو ایک دفعہ ہی اِرسال ہوتا ہے اور رسول میں اس کا تقاضا ہوتا ہے۔

اس کا معنی ہے ہدایت دینے والا۔

یہ اَرْشَدَ بمعنی اس نے ''ہدایت کی راہ کی طرف راہ نمائی کی'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اسے علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

صحاح میں یہ حدیث وارد ہے:۔

بُعِثْتُ مَرْغَمَۃً.

اس کا معنی ہے مجھے کفر کو ذلیل کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے یہاں تک کہ وہ رَغامٌ یعنی مٹی سے آلودہ ہو جائے۔

رَغَامٌ راء کی زبر کے ساتھ ہے اس کا معنی مٹی ہے۔ پھر اس کا استعمال ذلت اور عاجزی کے معنوں میں ہوتا ہے۔

اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ رَغَّبَ یعنی بابِ تفعیل سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا شوق دلاتے ہیں اور اس کے ہاں جو بھلائیاں ہیں ان کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت مبارکہ کو یوں پڑھا ہے:۔

وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ.

ترجمہ: اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت دلایئے۔

یعنی لوگوں کو اس کی بخشش کی طلب اور اس کی جزاء کی محبت کی جانب رغبت دلایئے۔

٥٦٧ سَيِّدُنَا

مُزَكِّی

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَيُزَكِّيهِمْ.

ترجمہ: وہ ان کو پاک فرماتے ہیں۔

یعنی ان کو شرک اور بتوں کی غلاظت سے پاک فرماتے ہیں۔

٥٦٨ سَيِّدُنَا

مُزَّمِّلٌ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

یہ لفظ دراصل مُتَزَمِّلٌ تھا۔ تا کو زاء سے بدل کر ادغام کیا گیا ہے کیوں کہ یہ باب تَفَعُّل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ٥ قُمِ الَّيْلَ ٥

ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے! رات کو قیام فرمایئے۔

اس کا مزید بیان سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے باب میں آئے گا۔

اسے حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ اسم مبارک پہلی میم پر پیش اور دوسری زاء پر زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے وہ ہستی جس کا قلب اطہر زمزم شریف کے پانی کے ساتھ دھویا گیا۔

جسمِ اطہر کی صفت کے باب اور شق صدر کی وصل میں اس پر گفتگو آئے گی۔

مُزِیْلٌ: اِزَالَۃٌ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے ''کھول دینا، ہٹا دینا''۔

غُمَّۃٌ، غَمٌّ سے ہے جس کا معنی ''بے چینی اور سختی'' ہے۔

اس کا اصلی معنی ہے ''ستر چھپا دینا''۔

غَمَامٌ بھی اسی سے ہے جس کا معنی بادل ہے کیوں کہ وہ سورج کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یقین کے نور کے ساتھ شک کی تاریکی کو کھول دیا، دینِ متین سے شرک کے پردہ کو ہٹا دیا اور اصحابِ تقویٰ کے دلوں سے غفلت کے حجابات اٹھا دیئے۔

اسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام عَبۡدُ الۡبَاسِط بُلۡقِیۡنِیۡ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اسم سین اور باء کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے ''تہلیل کرنے والا، تمجید کرنے والا''۔

تَسۡبِیۡح سے یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''مخلوق کی صفات سے حق تعالیٰ کو پاک گردانا''۔

اصل میں اس کا معنی ہے ''پانی میں جلدی کے ساتھ گزر جانا''۔

علامہ عبد الباسط رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تَسۡبِیۡح، تَقۡدِیۡس اور تَنۡزِیۡہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ:۔

تَقۡدِیۡس کا معنی ہے ''رب تعالیٰ کو ان اوصاف سے دور قرار دینا ہے جو ربوبیت کے لائق نہ ہوں''۔

تَنۡزِیۡہ کا معنی ہے ''بشری اوصاف سے اسے دور قرار دینا''۔

اور تَسۡبِیۡح کا مفہوم ہے ''تمام مخلوق کے اوصاف سے اسے دور قرار دینا''۔

اسے علامہ عبد الباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے "اطاعت کرنے والا" یہ اِسْتَجَابَ بمعنیٰ "اس نے اطاعت کی" سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

یہاں پر سین طلب کے معنوں کے لئے نہیں ہے یہ اِسْتَفْعَلَ بمعنیٰ اَفْعَلَ ہے۔

کعب غنوی کا ایک شعر یوں ہے:۔

وَدَاعٍ دَعَا یَا مَنْ یُجِیْبُ اِلَی النِّدَا فَلَمْ یَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَاکَ مُجِیْبُ

ترجمہ: اے وہ ہستی جو پکار کا جواب دیتی ہے! کئی پکارنے والوں نے تجھے پکارا لیکن کسی جواب دینے والے نے اس وقت جواب نہ دیا۔

قرآنِ مجید میں ہے:۔

یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ. الاسراء، آیت/۵۲.

ترجمہ: جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کے ساتھ اس کا جواب دو گے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ:۔ مُسْتَجِیْب، مُسْتَجَابٌ کے معنی میں ہو جس طرح کہ فعیل مفعول کے معنوں میں ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں پکاریں ہمارے لئے جواب دینا لازم ہے اگرچہ ہم نماز میں مصروف ہوں۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ندا کا جواب دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ خصائص میں آئے گا۔

اسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

عَوْذٌ مصدر سے یہ اسمِ فاعل ہے۔

اور عَوْذٌ کا معنٰی ''اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں التجا کرنا، پناہ کی درخواست کرنا، پلٹ کر جانا، اور مدد طلب کرنا ہے''۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:۔

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ النحل، آیت/۹۸۔

ترجمہ: اور جب تم قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگو تو اللہ تعالٰی کی پناہ مانگو۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ فصلت، آیت/۳۶۔

ترجمہ: اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ تعالٰی کی پناہ مانگا کرو۔

قرآن مجید کی تلاوت اور تمام اوقات میں شیطان، اس کے وسوسے اور اس کے دل میں کسی بات کے القاء سے نیز تمام مخلوق اور سفر میں منزلوں پر اترتے وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا رب تعالٰی سے اِسْتِعَاذَہ کا طریق معلوم ہے۔ اس کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ اِسْتِعَاذَہ صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھا۔

پھر ہم نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ مجدہ نے ارشاد فرمایا:۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ. النصر، آیت/۳.

ترجمہ: اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس سے مغفرت طلب کیجئے۔

امام ابن سُنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ہم ایک ایک مجلس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ کہنے سے قبل درج ذیل کلمہ کہنے کا شمار ایک سو کیا کرتے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، میری توبہ قبول فرما، تو ہی توبہ قبول فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم مبارک کو ذکر فرمایا ہے۔

اسم غَنِیٌّ کے ضمن میں یہ اسم گزر چکا ہے۔

یہ اِستِقَامَت سے اسمِ فاعل ہے۔س پر بحث آئندہ بھی آئے گی۔

اصل میں یہ لفظ مُستَقوِمٌ تھا۔ واو کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی اور واو کو یاء سے تبدیل کر دیا۔

مُستَقِیمٌ کا معنی ہے ''ایسی ذات جس میں کوئی کجی نہ ہو جو اسے نقص میں مبتلا کر سکے''۔

یا اس کا معنی ہے ''سیدھے رستہ پر چلنے والا'' اور یہ حق کا رستہ ہے اس سے اِدھر اُدھر نہ ہو''۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ:۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ.

ترجمہ: ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔

میں صراطِ مستقیم سے مراد حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ. ھود، آیت ۱۱۲.

ترجمہ: سیدھا رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

یعنی سیدھی راہ سے کسی عدول کے بغیر استقامت اختیار کیجیے، جس کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔یعنی اس پر مداومت اختیار کیجیے۔

استاذ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا استقامت وہ مقام ہے جس سے تمام امور کا کمال اور تکمیل وابستہ ہے، اس پر پہنچنے سے منظم انداز سے نیکیاں حاصل ہو جاتی ہیں اس کا پہلا مقام تَقوِیم ہے جس کا معنی ہے:۔ ''نفس کی تادیب'' اس کے بعد اِستقامت کا درجہ ہے اور استقامت سے انسان اسرار کے قریب تر ہو جاتا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اسم مبارک حضرت شعیا علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے اخذ کیا ہے

جسے امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے:۔

أُسَدِّدُهٗ لِكُلِّ جَمِيْلٍ۔

ترجمہ: میں ہر نیکی کے لئے اسے مضبوطی عطاء کروں گا۔

یہ اسم میم پر پیش اور سین کے سکون کے ساتھ اِسْرَآء مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

معراج کے باب میں اس کا بیان آئے گا۔

اسے امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اَسْعَدَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے:۔

''اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا اور اس کی شقاوت کو دور کر دیا''۔

اس باب سے اسم مفعول مَسْعُوْدٌ ہے مُسْعَدٌ نہ کہنا چاہیے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جائز ہے کہ یہ لفظ اسمِ فاعل کے معنی میں ہو جس طرح مَحْبُوْب کا معنی مُحَبِّبٌ یعنی محبت حاصل کرنے والا آتا ہے۔

یہ سَعِدَ بروزن عَلِمَ اور غَنِیَ سے ہے اس کا مصدر سَعَادَۃٌ، صفت مشبہ سَعِیْدٌ، اسمِ مفعول مَسْعُوْدٌ ہے۔

جس کا معنی ہے اسے یُمن اور برکت حاصل ہوئی۔

اسے امام عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ اسم لام کی تشدید اور اس کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے:۔

''کسی اعتراض کے بغیر معاملات کو سونپ دینے والا۔ تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا۔

یونانی زبان میں اس کا معنی ''بابرکت'' ہے۔

یا یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور فَعِیۡلٌ کے وزن پر فاعل کے معنوں میں ہے۔

اس کا معنی ہے ''جو بیماری کے مقامات کو چھوئے اور انہیں تندرست کر دے''۔

یا اس کا معنی ہے ''وہ شخص جس کے قدموں کے تلووں میں کوئی جگہ زمین سے اٹھی ہوئی نہ ہو''۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدم شریف کے بیان میں آئے گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہموار قدموں والے تھے۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تلووں میں ایسی جگہ نہ تھی جو زمین سے نہ لگتی ہو، قدم کا پورا تلوا مبارک زمین سے مس ہوتا تھا۔

اور اَخۡمَصُ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کا تلوا زمین سے مس نہ ہوتا ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

اس لفظ کے معنوں میں بہت سے اقوال منقول ہیں لیکن ان میں سے دس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کے مناسب ہیں:۔

﴿۱﴾ جس بیمار کو چھوتے تھے وہ تندرست ہو جاتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہی حال تھا جیسا کہ معجزات نبویہ میں آئیگا۔

﴿۲﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ اقدس کے حسن و جمال کے باعث آپ علیہ السلام کو مسیح کہا جاتا ہے۔ مسیح کا لغوی معنی ''جمیل'' بھی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کے کمال کا یہ عالم تھا کہ کوئی اور اس درجے کے قریب بھی نہ تھا۔

حسن نبوی میں اس کا بیان آئے گا۔

﴿۳﴾ اس کا معنی ہے: کَثِیْرُ الْجِمَاع ۔

عربی میں کہتے ہیں: ۔مَسَحَهَا اس کا معنی ہے ''اس نے اس عورت سے جماع کیا''۔

اسے امام ابن فارس نے بیان کیا ہے۔

﴿۴﴾ دوست، اسے امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

﴿۵﴾ مسیح کا معنی ہے ''چاندی کا ٹکڑا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے اس نام سے موسوم کیا گیا کہ آپ علیہ السلام کی رنگت سفید سرخی مائل تھی۔
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت کے باب میں آئے گا۔

﴿۶﴾ مسیح کا معنی ہے ''تلوار'' اسے علامہ مطرّز نے بیان کیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تلوار تھے اس لئے اس معنی کی مناسبت واضح ہے۔
جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

﴿۷﴾ اس کا معنی ہے ''زمین پر سفر کرنے والا، اسے قطع کرنے والا''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی شام میں ہوتے تو کبھی مصر میں تشریف لاتے اور ان دونوں کے علاوہ کسی اور جگہ تشریف لے جاتے۔

اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ساتوں آسمانوں کی مسافت کو قطع کر لیا۔

(۸) اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے گناہوں کو مٹا دیتا تھا۔

(۹) حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برکت کے لیے چھوا تھا۔

ان دو وجوہات کو امام اَبُوْ نُعَیْم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

(۱۰) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس پر تیل

ملا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت اس حال میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ناف بریدہ اور ختنہ شدہ تھے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش فرمانے والی خاتون حضرت اُمّ اَیْمَن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صبح کو اٹھتے تو بالوں میں تیل لگا ہوا ہوتا اور کنگھی کی ہوئی ہوتی اور دوسرے بچوں کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میرا گمان یہ ہے کہ مَسِیْح دراصل مَشِیْح شین کے ساتھ تھا جب اس کو عربی میں منتقل کیا تو یہ صورت بن گئی۔

اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے یہ مُشَاوَرَت مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے ''مختلف آراء کو بیان کرنے کی فرمائش کرنا'' تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اہلِ رائے کی آراء کیا ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ. آل عمران، آیت/۱۵۹.

ترجمہ: معاملہ میں ان سے مشورہ کیا کرو۔

حضرت امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے کسی شخص کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے باب میں اس کا مزید بیان آئے گا۔
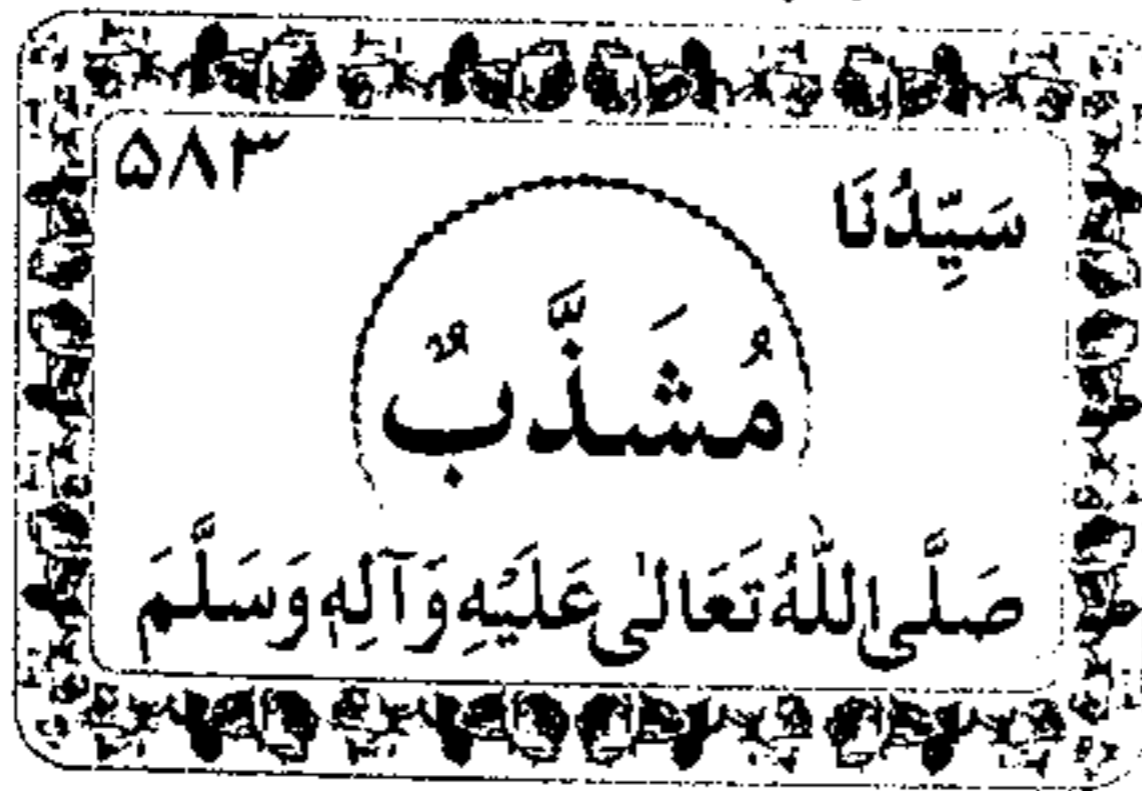
اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

یہ اسم شین اور ذال اور آخر میں باء کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''لمبا معتدل قد والا''۔

اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

یہ تَشْرِیْدٌ بِالْعَدُوّ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے ''اسے اس کے عیب سنوانا، اسے عبرت دلانا'' ہے۔

اس کے آخر میں ذال پڑھنا بھی درست ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت مبارکہ کو ذال سے پڑھا ہے:۔

فَشَرِّذْبِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ. الانفال، آیت/۵۷.

ترجمہ: ان کے ذریعہ ان کے پیچھے آنے والے دشمنوں کو بھگا دیجئے۔

یعنی ان کو اپنے ساتھ جنگ کرنے سے بھگا دیجئے اس طرح سے کہ جو سامنے آ گئے ان کو بری طرح قتل کیجئے اور انہیں ان لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیجئے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے برائی کے ساتھ پیش آنے والے ہیں۔ تا کہ ان کے حال سے نصیحت حاصل کر کے اور ان پر قیاس کرتے ہوئے کسی کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جسارت کی جرأت نہ ہو۔

فاء کی زبر کے ساتھ اس کا تلفظ ہے۔

اس کا معنی ہے ''جس کی شفاعت مان لی جائے''۔

اور شفاعت کا معنی ہے ''گنہ گاروں سے درگزر کی طلب کا سوال''۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا بیان اپنے باب میں آئے گا۔

اسے علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

حضرت شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ کہ اس کا معنی مجھے معلوم نہ ہوسکا۔

کیوں کہ شفاعت مصدر سے اس کا ہونا درست نہیں، کیوں کہ شَفَّعَ سے اسمِ مفعول مُشفَّعٌ ہے۔

اسے علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت علامہ شُمُنّی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا تلفظ میم کی پیش، شین پر زبر قاف کی تشدید اور آخر میں حاء کے ساتھ ہے۔ علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ اسم مُحَمَّد کے وزن پر ہے اور اسی کا ہم معنی ہے کیوں کہ شَقْحٌ کا لغوی معنی حَمْدٌ ہے۔

علامہ ابن ظفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اسم حضرت شعیا علیہ السلام کے صحیفے میں درج ہے۔

اس کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ "میرا بندہ جس پر میں راضی ہوں، اس پر میری وحی اتاری گئی، وہ لوگوں کی جماعتوں میں میرے عدل کو ظاہر کرے گا، انہیں وصیتیں کرے گا، بازاروں میں نہ وہ ہنسے گا اور نہ ہی اس کی آواز بلند ہوگی وہ نابینا آنکھوں، بہرے کانوں، غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دے گا، جو کچھ میں اسے عطاء کروں گا کسی کو عطاء نہ کروں گا، مُشَقَّحٌ بِحَمْدِ اللّٰہِ حَمْدًا جَدِیْدًا" وہ جدید انداز سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے" وہ دور کی سرزمین سے آئے گا، مخلوق کو فرحت بخشے گا، جہاں کے رہنے والے ہر بے چینی میں اللہ تعالیٰ کی تہلیل اور تکبیر پکاریں گے، وہ کمزور نہ ہوگا نہ مغلوب ہوگا، نہ ہی خواہش کی طرف اس کا میلان ہوگا، وہ نیکوکاروں کو جو کہ کمزور جماعت کی مانند ہیں رسوا نہ کرے گا بلکہ سچوں کو طاقتور بنائے گا وہ عاجزوں کا سہارا ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نور ہوگا جس کو بجھایا نہ جا سکے گا، اس کے غلبہ کی نشانی اس کے کندھے پر ہوگی"۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے علامہ ابن ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خَیْرُ الْبَشَرِ" کے بہت سے نسخوں کی جانب مراجعت کی مجھے نظر نہ آیا کہ انہوں نے مُشَقَّحٌ کو فاء کے ساتھ بیان فرمایا ہو۔ بلکہ حرف فاء پر دو نقطے ہیں۔

اس سے تو حضرت علامہ شُمُنّی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا ہے۔ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ ہستی جو اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی پر گواہ بنائے اور لوگوں کو حاضر کرے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:،

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ. البروج، آیت ۳/

ترجمہ: قسم ہے شاہد اور مشہود کی۔

امام قُرْطُبِیؔ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ شاہد سے مراد انبیائے کرام علیہم السلام اور مشہود سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ نیز فرمایا اس کی وضاحت:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ سے لے کر وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِیْنَ آیت مبارکہ میں ہے۔

یہ اسم مبارک میم پر پیش، شین کے نیچے زیر، یاء پر سکون اور آخر میں حاء کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے: مُشِیْحُ الصَّدْرِ یعنی ''ظاہر سینہ والی ہستی جس کا سینہ نہ تو بہت آگے کو نکلا ہوا اور نہ ہی بہت پیچھے کی طرف پچکا ہوا'' بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک اور پیٹ مبارک برابر تھے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شاید یہ اسم میم کی زبر کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے ''چوڑے سینے والے''۔

دوسری روایت میں یوں بھی وارد ہے۔

یہ اَشَارَ عَلَیہِ بمعنیٰ ''اس نے اس کو نصیحت کی اور اس کے لئے درستی کو واضح کیا'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسم سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نصیحت فرمانے والے تھے اور اپنی نصیحتوں میں مخلص بھی تھے۔

حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے یہ مُصَافَحَۃٌ سے اسمِ فاعل ہے۔

جس کا معنیٰ ہے ہاتھ سے پکڑنا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مصافحہ ملاقات کے وقت اجماعی سنت ہے، اس کے ساتھ کشادہ روئی اور مغفرت کی دعا مستحب ہے۔

مصافحہ ءنبوی کے باب میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

اسے حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو اپنی قوت کے باعث لوگوں کو گرا دے''۔

یہ صَرْعٌ بمعنی ''گرا دینے سے'' ماخوذ ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اَبُو الْاَشَدّ جُمَحِیّ سے کشتی کی اور اسے گرا دیا۔

اَبُو الْاَشَدّ کا نام کلدہ تھا اَبُو الْاَشَدّ اتنی قوت کا مالک تھا کہ وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا دس آدمی اس کو اس کے قدموں کے نیچے سے کھینچتے چمڑہ اس کے نیچے پھٹ جاتا لیکن وہ پیچھے نہ ہٹتا تھا۔

اس کا مزید بیان نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت اور قوت میں آئے گا۔

اس کا معنی ہے ''دیا، چراغ''۔ نیز ''ستاروں کا ایک نام ہے''۔

سرکارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے باعث آفاق منور ہو گئے۔
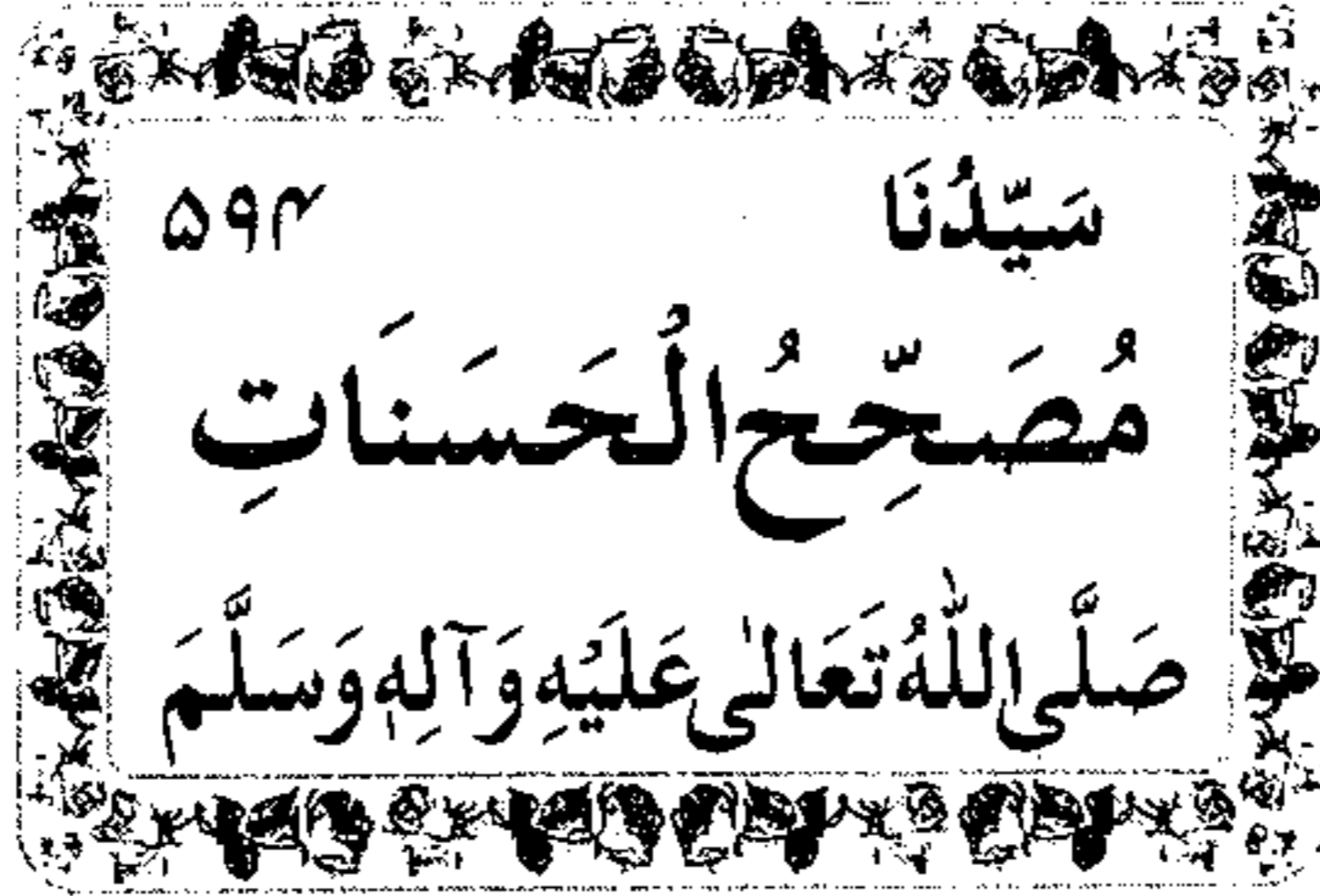
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس نام مبارک کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا نیکیوں کے درست ہونے کی شرط ہے۔

حضرت علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے یہ اسم دال کی زیر کے ساتھ ہے۔

یہ صَدَّقَ بابِ تَفْعِیْل سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے ''اس نے اس بات کا یقین کرلیا، اور اس کی اطاعت کر لی جس کا اس کو حکم دیا گیا تھا''۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس نام مبارک کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی کی خبریں لائے ان کی تصدیق فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بَالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ. الزمر، آیت/۳۳.

ترجمہ: اور وہ جو سچ لے کر آیا اور اس کی تصدیق کی۔

ایک قول کی رو سے اس سے مراد حضرت سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سچ لے کر آئے اور اس کی تصدیق بھی فرمائی۔

اور جب اس آیت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت مراد لی جائے تو پھر جمع کی ضمیر لانا جائز ہے اس کا اشارہ آیت کریمہ میں بھی ہے چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:۔

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.

ترجمہ: وہی لوگ متقی ہیں۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ میں ''اَلَّذِیْ'' ایک محذوف کی صفت ہے جو معنوی طور پر اسمِ جمع ہے، تقدیرِ عبارت یوں ہے:۔

اَلْفَرِيْقُ يا اَلْفَوْجُ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

یعنی وہ جماعت یا وہ فوج جو صدق لے کر آئی اور اس کی تصدیق بھی کی وہی لوگ متقی ہیں۔

یا پھر: مُصَدِّقٌ نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کی تصدیق فرمائی، جیسا کہ اللہ کا ارشاد مبارک ہے:۔

ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَامَعَکُمْ. آل عمران، آیت/ ۸۱.

ترجمہ: پھر آئے تمہارے پاس رسول جو تمہارے پاس موجود کتابوں کی تصدیق کرتا ہو۔

یہ اسم مبارک دال پر زبر کے ساتھ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت نے ان تمام اخبار کی تصدیق کی جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہنچائیں۔

اس اسم مبارک کا معنی وہی قرار پاتا ہے جو درج بالا آیت کا معنی اس صورت میں ہے جب کہ لفظِ "صُدِّقَ" کے صاد پر پیش پڑھی جائے۔ یعنی اسے ماضی مجہول کے طور پر پڑھا جائے۔

اسم مبارک صادق کے تحت یہ اسم بھی گزر چکا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور ترین ناموں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

دراصل یہ مُصْتَفَوٌ تھا۔ کیوں کہ صَفْوَۃٌ سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے "خالص کرنا"۔

واؤ پر حرکت اور ماقبل زبر ہونے کے باعث اس کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے۔ تاءِ اِفْتِعَال کو طاء سے تبدیل کردیا گیا کیوں کہ صاد کے بعد واقع ہے جو حروفِ اِطْبَاق میں سے ایک ہے۔

فَضْلُ الْعَرَبِ اور نسب مبارک کی طہارت کی وصلوں میں کئی احادیث گزر چکی ہیں جن میں مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ساری مخلوق سے برگزیدہ فرمالیا ہے۔
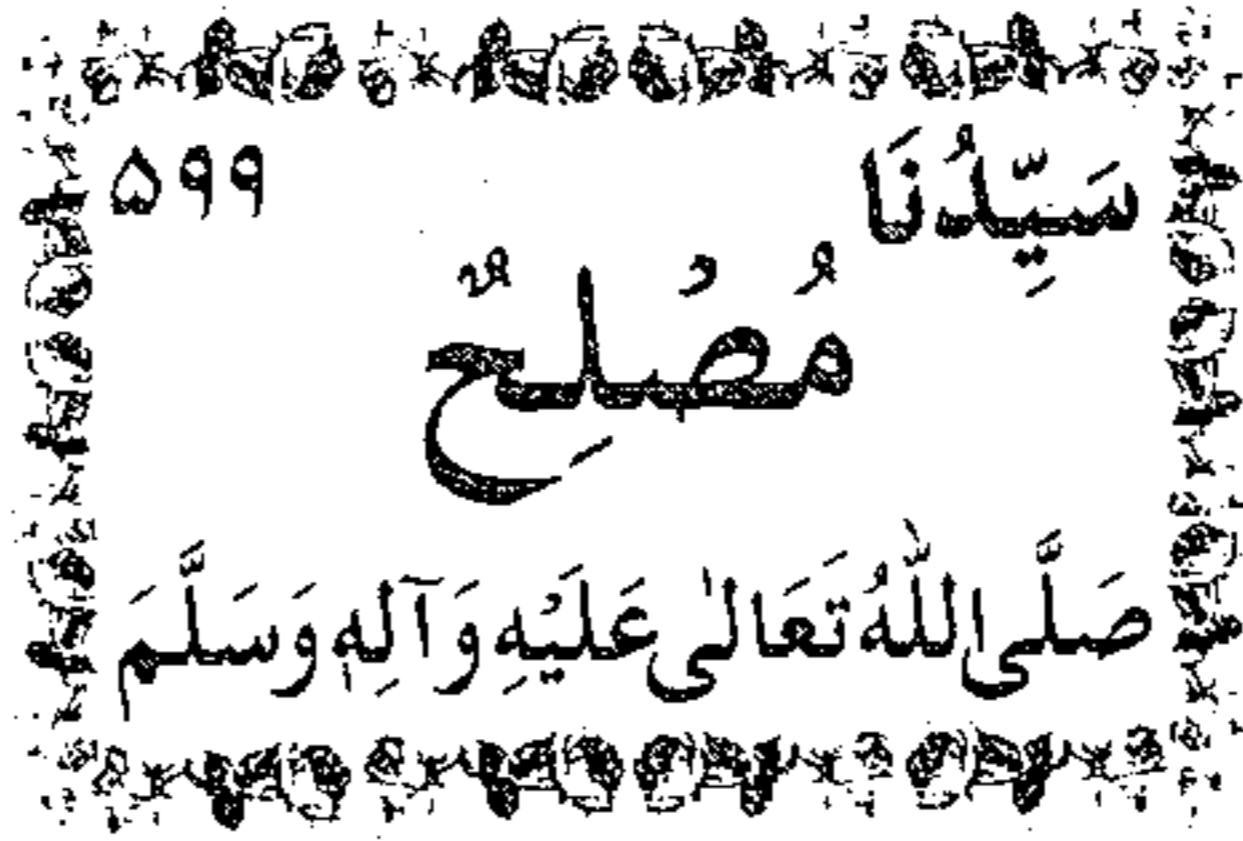
یہ اَصْلَحَ فعل ماضی سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے "اس نے فساد زائل کردیا اور ہدایت کی راہ واضح کردی"۔

حرف تاء کے تحت بھی یہ گزر چکا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شرک اور سرکشی کو زائل فرما کر دین کی اور ہدایت کے ساتھ مخلوق کی اصلاح فرمانے والے ہیں۔

۶۰۰

سَیِّدُنَا

مُصَلّٰی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک لام کی زبر کے ساتھ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔
جس کا معنی ہے ''وہ ذات جن پر درود پاک پڑھا گیا ہو''۔

۶۰۱

سَیِّدُنَا

مَصُوْنٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے ''بچایا ہوا'' یہ اسم بھی پہلے گزر چکا ہے۔

یہ اسم مبارک ضاد اور خاء کے ساتھ مِنبر کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے ''سردار، صاحب شرافت، صاحب عظمت اور بلند مرتبہ والا''۔

علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم مبارک کو ذکر فرمایا ہے۔

یہ ضاد کے ساتھ مُضَر کی جانب اسم منسوب ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد کرام میں سے تھے۔

ان کے بارے میں گفتگو نسب نبوی کے ابواب میں گزر چکی ہے۔

﴿فائدہ﴾ عربی لوگ ہمیشہ ''رَبِیْعَةٌ وَّمُضَرٌ'' بولتے ہیں۔اس کے برعکس یعنی ''مُضَرٌوَّ رَبِیْعَةٌ'' نہیں بولتے۔حالاں کہ حضرت مُضَر رضی اللہ عنہ حضرت رَبِیْعَہ سے افضل تھے۔

اس کی وجہ خفت کا چاہنا ہے۔کیوں کہ اگر اس کے برعکس مُضَر کو مقدم بولا جائے تو متواتر کئی حرکات لازم آئیں گی اسی لئے اس کو مُؤَخَّر کردیا گیا تا کہ اس کے آخر میں سکون کے ساتھ وقف کردیا جائے۔

اسے بھی علامہ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے یہ ضاد اور آخر میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔

اَضَاءَ بمعنیٰ ''وہ روشن ہوا'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا جس طرح کہ ضیاء کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کیا گیا ہے۔

نور اور ضیاء کے درمیان فرق اور مزید اضافے پر مشتمل کلام پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت سرائی کرتے ہوئے کہا ہے:۔

نُوْرٌ یُضِیْئُ لَہٗ فَضْلٌ عَلَی الشُّھُبِ

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نور ہیں جن کو شہابوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اس کا معنی ہے ''ایسی ہستی جس کی پیروی اطاعت اور فرماں برداری کی جاتی ہو''۔

اِطَاعَۃٌ سے یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ النور، آیت/ ۵۴.

ترجمہ: اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کرو۔

نیز فرمانِ خدا تعالٰی ہے:۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ. التکویر، آیت/ ۲۱.

ترجمہ: ان کی اطاعت کی جاتی ہے پھر وہ امانت دار بھی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ:۔

اس سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات مراد ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۰۶

مُطَھَّر

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ ابنِ دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسمِ مبارک کو حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کے تلفظ میں ھاء کے نیچے زیر کے ساتھ بھی احتمال ہے۔

اس صورت میں یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہوگا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرک کی غلاظت سے پاک ہیں۔

اور ہا پر زبر کے ساتھ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر اور باطن کو پاک بنا دیا گیا ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۰۷

مُطِیْعٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسم مبارک ''اَوَّاہٌ'' کی وضاحت میں درج ابن ماجہ کی حدیث میں یہ اسم واقع ہے۔

اس کا معنی ہے اپنے پروردگار کی اطاعت کرنے والا۔

یہ طَوْعٌ اور طَاعَۃٌ سے (بابِ اِفْعَال کا) اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''حکم بجالانا''۔

ثلاثی مجرد کے ماضی اور مضارع:۔ طَاعَ یَطُوْعُ اور باب اِفْعَال کے ماضی اور مضارع:۔ اَطَاعَ یُطِیْعُ ہیں،

اسمِ فاعل بالترتیب طَائِعٌ اور مُطِیْعٌ ہیں۔ اور باب اِفْعَال سے اسمِ مفعول: مُطَاعٌ ہے۔

اس اسم مبارک کو امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

''اس کا معنی ہے وہ ہستی جس کو اپنے دشمنوں پر فتح عطاء کی گئی ہو''۔
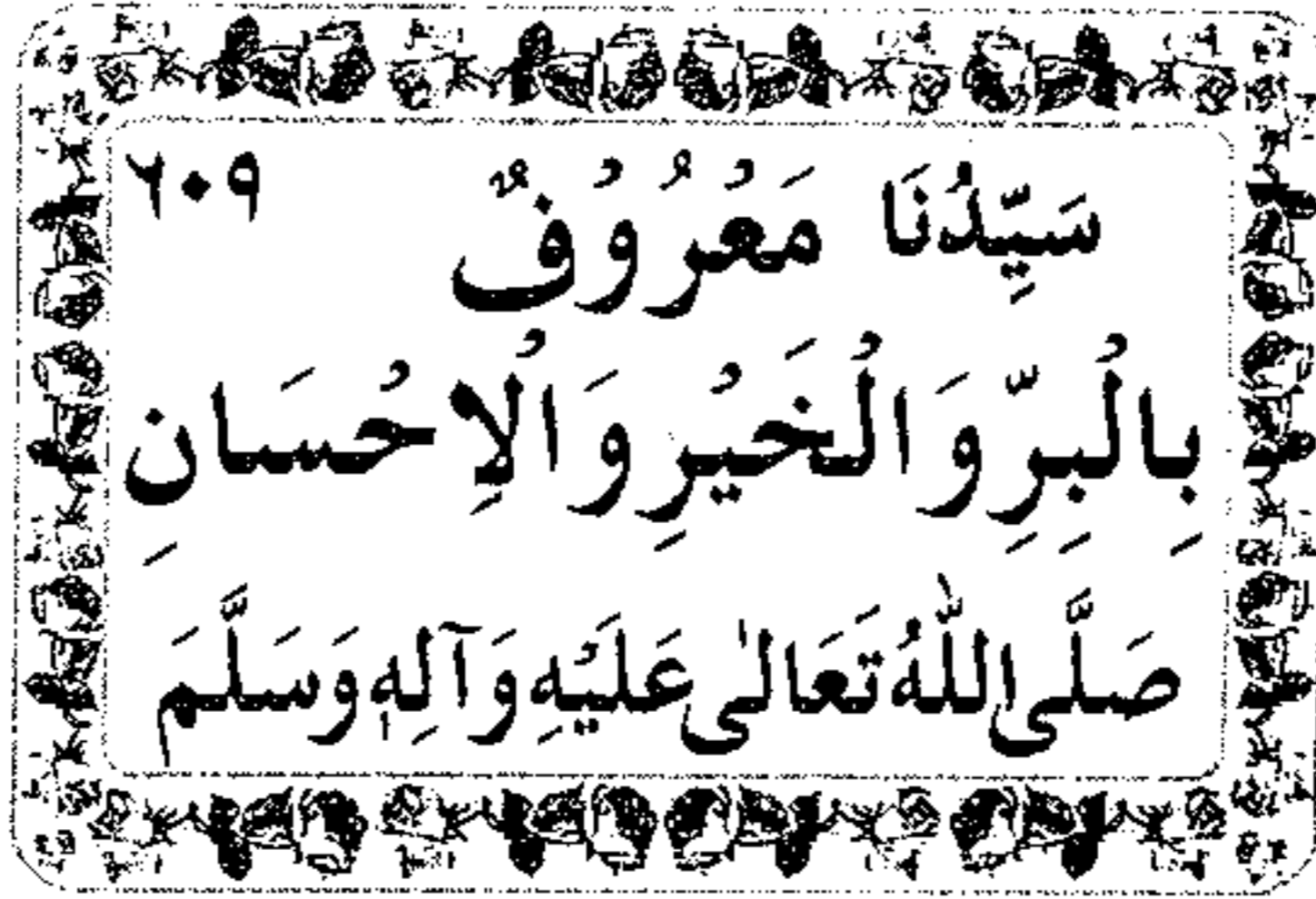
حضرت امام عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے بندوں پر اپنی نیکی اور احسان کی بدولت معروف''۔

یا اس کا معنی ہے ''نیکی کرنے والی ذات''۔

ان دونوں اسماء کو علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ. الفتح، آیت/۹.

ترجمہ: اوران کی عزت کرو اور ان کی توقیر کرو۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ. الاعراف، آیت/۱۵۷.

ترجمہ: جولوگ آپ پر ایمان لائے ان کی تعظیم کی اور ان کی توقیر کی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور اعزاز کو واجب ٹھہرایا ہے۔

"تُعَزِّرُوْهُ" کے معنی میں مختلف اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلیل مانو۔

﴿۲﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں مبالغہ کرو۔

لے یہ اسم مبارک اپنے مقام پر ٦٩٢ نمبر پر دوبارہ آرہا ہے لہٰذا یہاں اس پر نمبر نہیں لگایا گیا۔

﴿۴﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد واعانت کرو۔

"تُعَزِّرُوْہُ" ایک قرأت میں دو زاء کے ساتھ (تُعَزِّزُوْہُ) ہے۔ اس صورت میں اس کا مادہ "عزّ" ہے۔

اور "تُوَقِّرُوْہُ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرو۔

اسی تعظیم کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آواز کو پست رکھنا واجب قرار دیا ہے:۔

لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ. الحجرات، آیت/ ۲.

ترجمہ: اپنی آوازوں کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو۔

وجوبِ تعظیم وتوقیرِ نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ. المائدۃ، آیت/۶۷.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

عصمتِ نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے باب میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

اس اسم کو علّامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''عطاء فرمانے والی ہستی'' ''احسان کرنے والی ذات''۔

عَطَاءٌ سے یہ اسمِ فاعل ہے جس کا معنی ہے ''کسی کو دینا''۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی میں بھی شامل ہے۔

یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے ''عظیم''۔

اس کے معنوں میں مختلف اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ جلیل شان والا اور بڑے غلبہ والا۔ ﴿۲﴾ وہ ہستی کہ ہر شے اس سے کم تر ہو۔

﴿۳﴾ وہ ذات جو عظمت و بزرگی کے انتہائی مراتب تک پہنچی ہوئی ہو کہ اَفْہَام اس کا تصور نہ کر سکیں۔ اور نہ ہی اَوْہَام اس کی حقیقت کی کُنہ تک پہنچ سکیں۔

اسے علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسم مبارک عین کی زبر اور قاف کی تشدید اور زیر کے ساتھ ہے۔ جس کا معنی ہے ''بعد میں آنے والا''۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیائے کرام علیہم السلام کے عقب یعنی بعد میں آئے اس لئے اس نام سے موسوم کئے گئے۔

امام عَبْدُالبَاسِط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کسی کے بعد میں ہو وہ عَاقِب کے معنوں میں ہوتا ہے۔

عربی میں کسی ستارہ کے بعد طلوع ہونے والے ستارے کو ''نَجْمٌ مُعَقِّبٌ'' کہتے ہیں۔

یا یہ اسم اَعْقَب سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''اس نے اپنے پیچھے کسی کو چھوڑا''۔

کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ اطہار حضرت فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاء رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے تا قیامِ قیامت باقی رہے گی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص مبارکہ سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔

لام کے نیچے زیر اور اس کی تشدید کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''نیکی کی طرف رہنمائی فرمانے والے اس پر دلالت فرمانے والے''۔

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا.

ترجمہ: مجھے مُعَلِّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

نیز حضرت حَسَّان بن ثَابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

مُعَلِّمُ صِدْقٍ اِنْ یُّطِیْعُوْہُ یَھْتَدُوْا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ سکھاتے ہیں اگر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اختیار کرلیں تو وہ ہدایت حاصل کرلیں۔

لفظ مُعَظَّمٌ کی مانند یہ اسمِ مفعول ہے۔اور تَعْلِیمٌ سے مشتق ہے۔

تَعْلِیمٌ کا معنیٰ ہے ''نفس کو معانی کے تصور کے لئے بیدار کرنا اور اسے مبانی میں تَدَبُّر سے واقف کرانا''۔

اور تَعَلُّم کا معنیٰ ہے ''نفس کا اس کے لئے بیدار ہو جانا''۔

عربی میں کہا جاتا ہے:۔

عَلَّمْتُهُ تَعْلِيمًا نیز کہا جاتا ہے:۔ اَعْلَمْتُهُ اِعْلَامًا۔ دراصل دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے۔

زاں بعد جیسا کہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ ''اِعْلَام'' جلدی سے خبردار کرنے کے معنوں میں آنے لگا اور ''تَعْلِیم'' تکرار اور بار بار خبردار کرنے جس سے نفس میں اثر پیدا ہو جائے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ. النساء، آیت/ ١١٣.

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے۔

ہم نے ان واقعات، دلوں کی پوشیدہ باتوں، غیب کے رازوں، دین کے معاملات، اسلام کے مسائل اور احکام کے بارے میں آپ کی راہنمائی فرمائی، ہدایت دی اور دلالت کی جن کے بارے میں آپ کو اس سے قبل نہ علم تھا نہ ہی پہچان تھی۔

اسے حضرت سیدنا ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے "علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک کی کیفیت کے بیان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں الفاظ یوں ہیں:۔

اَلْمُعْلِنُ الْحَقَّ بِالْحَقِّ۔

ترجمہ: حق کو حق سے ظاہر فرمانے والے۔

۶۱۹ سَیِّدُنَا

مُعَلّٰی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جس کو اوروں پر برتری دی گئی ہو''۔

یہ تَعۡلِیَۃٌ مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''رفعت، بلندی، برتری''۔

۶۲۰ سَیِّدُنَا

مُعَمَّمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

عَلّامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''صاحبِ عمامہ، دستار والے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک سابقہ کتابوں میں موجود ہے۔

اسے بھی علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''مددگار''۔ یا اس کا معنی ہے ''کثرت سے تقویت اور اعانت پہنچانے والی ذات''۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تھا:۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیکی کی عادات پر اعانت اور مدد فرماتے ہیں۔

اس اسم مبارک کا تلفظ میم پر پیش اور غین کے سکون کے ساتھ ہے۔

اور اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ کی محبوب ہستی''۔

یہ غَرَامٌ سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے ''کسی چیز پر فریفتہ ہو جانا اور اس کے فکر میں لگے رہنا''۔

یہ اسم مبارک غین اور نون کے ساتھ جَعْفَر کے وزن پر ہے اس کا معنی ہے ''غنیمت، ہر شی میں سے بہتر''۔

۶۲۴

سَیِّدُنَا

مُغنِی

صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے ''فضل واحسان فرمانے والی ذات''۔

اِغْنَاءٌ مصدر سے یہ اسمِ فاعل ہے۔

اس کا معنی ہے ایسی چیز بطورِ احسان عطاء کرنا جس سے ضرورت پوری ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَانَقَمُوْٓا اِلَّآاَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ. التوبۃ، آیت ۷۴/۔

ترجمہ: اوران کو یہی بات بُری لگی کہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول نے ان کو اپنے فضل واحسان سے غنی فرمادیا تھا۔

اس آیتِ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعزاز واکرام ہے اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عُلُوِّ مرتبت اور عظمتِ شان پر تنبیہ ہے کیوں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمانے میں اپنے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ذکر فرمایا ہے۔اور اللہ تعالیٰ مجدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والے غنیمت کے اموال سے اپنے بندوں کو غنی بنانے والا ٹھہرایا ہے۔

اس کا معنی ہے وہ ذاتِ اقدس جس کے طفیل مشکلات حل ہوتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب سے پہلی شخصیت ہوں گے جن کے لئے جنت کو کھولا جائے گا۔

یہ اسم مبارک علامہ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ مُعَظَّمٌ کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے ''وقار والی ذات، سینوں میں جس کی تعظیم ہو، آنکھوں میں ہیبت ہو''۔

اس سے مراد فخامتِ جسم نہیں ہے جس کا معنی ہے جسم کا عظیم ہونا۔

امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اسم مبارک کو ذکر فرمایا ہے۔

یہ اِفْضَال مصدر سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے ''جود وکرم''۔

سَیِّدُنَا ۶۲۹

مُفَضَّلٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے بھی علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ احتمال ہے کہ یہ اسم فَضَّل یُفَضِّلُ سے مُکَرَّمٌ کے وزن پر ہو۔

اس صورت میں یہ ماقبل اسم کا ہم معنی ہوگا۔ یعنی ''وہ ہستی جس کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی ہو''۔

امام عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

''اس کا معنی ہے وہ ہستی جس کو اپنے علاوہ ہر چیز پر فضیلت دی گئی ہو''۔

یہ تَفْضِیْلٌ سے اسمِ مفعول ہے۔ جس کا معنی ہے ''تعظیم اور تکریم''۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ مجدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کو تمام مخلوق سے فضیلت عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واضح مراتب سے مخصوص فرمایا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کیا گیا ہے۔

یہ اسم مبارک جیم کے ساتھ ہے۔ مُعَظَّمٌ کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے وہ شخصیت جس کے دانتوں میں فراخی ہو۔

اگر اس اسمِ مفعول کو اَفْعَلَ سے مشتق مانا جائے تو پھر دانتوں کا ذکر ساتھ ضروری ہے۔

تو پھر یوں کہا جائے گا:۔ جیسا کہ قاموس میں ہے اَفْلَجُ الثَّنَایَا۔ جس کے سامنے کے دانتوں میں فراخی ہو۔

اسے بھی علامہ عبدالباسط بُلْقِینِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ فَلَاحٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے کامیابی اور باقی رہنا۔

صاد کے نیچے زیر کے ساتھ یہ اِقْتِصَاد مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اس کا مادہ قَصْدٌ ہے۔

جس کا معنی ''راستہ کا سیدھا ہونا،، اور عدل'' ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۳۴

مُقتَفِی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس اسم میں پہلے قاف اور بعد میں فاء ہے۔ اس کا معنی ہے ''انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد میں آنے والا''۔
اسے ہمارے شیخ حضرت ابوالفضل ابن خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۳۵

مُقَدَّس

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن دِحیَہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے کئی انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے ذکر فرمایا ہے۔
اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو گناہوں سے پاک اور عیوب سے بری ہو''۔
یا اس کا معنی ہے ''وہ ہستی جو برے اَخلاق اور مذموم اوصاف سے پاک ہو''۔
تَقْدِیس کا اصل معنی ''پاک کرنا یا دوری ہے''۔
عربی محاورہ ہے:۔ قَدَّسَ فِی الْاَرْضِ۔ وہ زمین میں گیا۔
اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ایک قُدُّوْس بھی ہے جس کا معنی ہے:۔
''وہ ذات جو نقائص اور حدوث کے علامات جیسی نامناسب چیزوں سے پاک ہو''۔

یہ اسم مبارک دال کی زیر کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی ہے''وہ ذاتِ مقدسہ جو اپنی پیروی کرنے والوں کو شرک کی نجاستوں سے پاک فرمادے''۔

یہ اسم مبارک دال پر زبر کے ساتھ ہے یہ مُؤَخَّر کی ضد اور قَدَّمَ (باب تَفْعِیل) سے اسمِ مفعول ہے۔

اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے پیدائش، رتبہ اور بزرگی میں تقدیم عطاء فرما رکھی ہے۔

واقعۂ معراج نظم کرتے ہوئے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:۔

وَقَدَّمَتْکَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ بِھَا   وَالرُّسُلِ تَقْدِیْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمٖ

ترجمہ: وہاں پر تمام انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام نے آپ کو اس طرح اپنے آگے کرلیا جس طرح مخدوم خادموں سے آگے ہوتا ہے۔

۶۳۸ سَیِّدُنَا

مُقَدِّم

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک دال کے نیچے زیر کے ساتھ متعدی فعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

چوں کہ ازل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل دوسری امتوں سے مقدم یعنی عظمت والی اور شرافت والی قرار پائی اس لئے اس نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موسوم کیا گیا۔

۶۳۹ سَیِّدُنَا

مُقْرِئ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے حضرت علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو اوروں کو قرآن مجید پڑھائے''۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَأَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ۔ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن مجید پڑھوں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید پڑھاؤں، جس طرح کہ استاذ طالب علم کے سامنے تلاوت کرتا ہے تا کہ اسے فائدہ پہنچائے، اس لئے وہ تلاوت نہیں کرتا کہ اس سے مستفید ہو۔

اس حدیث میں حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے۔

---

[1] الصحيح مسلم ۱۹۱۵/۴ كتاب فضائل الصحابة (۱۲۱. ۷۹۹)

یہ اَقْسَطَ بمعنیٰ ''اس نے انصاف کیا'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

باری تعالیٰ مجدہ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی یہ شامل ہے۔

اس کا معنی ہے ''اپنے حکم میں انصاف کرنے والا، ظالم سے مظلوم کے لئے انصاف لینے والا''۔

قرآن مجید میں ہے:۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ. یوسف، آیت/۳.

ترجمہ: ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کریں گے۔

یہ اسم مبارک میم پر پیش، قاف پر زبر اور فاء کی تشدید اور زیر کے ساتھ ہے۔

وصلِ ثانی میں یہ اسم مبارک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

اس کا معنی وہی ہے جو عاقب کا ہے یعنی "وہ جس کے بعد کوئی نیا نبی نہ ہو"۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے "اپنے سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے آثار کی اتباع فرمانے والے"۔

اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے، یہ واوَ پر زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے سیدھا، یہ تَقْدِیْمٌ مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے "استقامت یعنی سیدھا ہونا"۔

یا یہ مُقِیْمٌ (سیدھا کرنے والا یا اقامت اختیار کرنے والا) کے معنوں میں ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک تورات اور زبور میں مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:۔

اللہ تعالیٰ اس (آخرالزمان نبی) کو دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ ٹیڑھا دین سیدھا نہ ہو جائے اس طرح کہ لوگ ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' نہ کہنے لگ جائیں۔

ایک اور روایت میں ہے:۔ جب تک کہ ٹیڑھا طریقہ سیدھا نہ ہو جائے۔

زبور میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے لئے بھیج تا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت سے خالی زمانہ کے بعد وہ طریقہ کو ہمارے لئے درست کر دیں۔

سنت کا لغوی معنی طریقہ اور ملت کا معنی دین ہوتا ہے۔ مراد دونوں سے ایک ہی ہے۔

اور طریقہ کو سیدھا کرنے سے مراد اسلام کا اظہار ہے۔

مولدِ نبوی سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل کے باب کی تیسری وصل میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔

اسے علّامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''وہ ذات جس نے اپنے تمام معاملات اس کے سپرد فرما دیئے ہوں اور ہر حال میں اسی پر بھروسہ کرتی ہو''۔

اسے بھی امام عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے اس کا تلفظ راء کی تشدید سے ہے۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہم مجلسوں میں سب سے زیادہ تکریم وتعظیم والے ہوتے تھے۔

لام کی زبر اور تشدید کے ساتھ یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے جس سے کلام کی جائے۔

حدیث معراج میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، اس لئے اس نام سے موسوم ہوئے۔

﴿سوال﴾ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہیں اور آپ اس صفت سے موصوف ہیں تو پھر کلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اسم "کَلِیْمٌ" مشتق نہیں کیا گیا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے مشتق کیا گیا ہے۔

﴿جواب﴾ معنی کا اعتبار کبھی اشتقاق کے صحیح کرنے کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ اسمِ فاعل ہے۔ تو اسمِ فاعل کا معنی وجوبی طور پر ایسی ذات ہوگی جس کے ساتھ وہ وصف قائم ہو جس سے اس کو مشتق کیا گیا ہے۔

اور کبھی کبھی معنی کا اعتبار ترجیح کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ:۔

کَلِیْمٌ (کلام کرنے والا یا جس سے کلام کی گئی ہو) اور قَارُوْرَةٌ (پینے کی چیز رکھنے کا برتن، آنکھ کا حلقہ وغیرہ)

تو ایسی صورت میں ہر وہ ذات جس کے ساتھ وہ وصف قائم ہو اس کے لئے اس وصف سے اسم کا اشتقاق ضروری نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علامہ قاضی عَضُدُ الدِّیْن رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تحقیق کی ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۵۱

مَکِّیٌّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اللہ تعالیٰ کی آباد فرمودہ آبادیوں میں سب سے افضل شہر مکہ مکرمہ کی طرف منسوب اسم ہے۔

مکہ معظمہ کے اسماء کے باب میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۵۲

مَکِیْنٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علمائے کرام کی ایک جماعت نے یہ اسم درج ذیل آیت مبارکہ سے اخذ فرمایا ہے:۔

ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ۔ التکویر، آیت/۲۰۔

ترجمہ: وہ قوت والے ہیں عرش کے مالک رب تعالیٰ کے ہاں عزت والے ہیں۔

یہ مَکَانٌ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم ہے۔

جس کا معنی ہے "اپنے خالق کے ہاں بڑے مرتبہ والے۔"

یہ اسم :مَلَاحِمُ کی جانب نسبت سے بنا ہے۔اس کا بیان آ رہا ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۵۴

مَلَاذٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ اسم آخر میں ذال کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی ہے ''پناہ دینے والا ،فریاد رسی کرنے والا''۔

ابوطالب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے یوں کہا ہے:۔

یَلُوْذُ بِہِ الْھُلَّاکُ مِنْ آلِ ھَاشِمٍ فَھُمْ عِنْدَہٗ فِیْ نِعْمَۃٍ وَّفَوَاضِلٖ

ترجمہ: حضرت ہاشم رضی اللہ عنہ کی اولاد سے اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں پناہ حاصل کرتے ہیں۔اس طرح یہ سارا قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعام اور احسان کے زیرِ بار ہیں۔

سَیِّدُنَا ۶۵۵

مُلَبِّی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
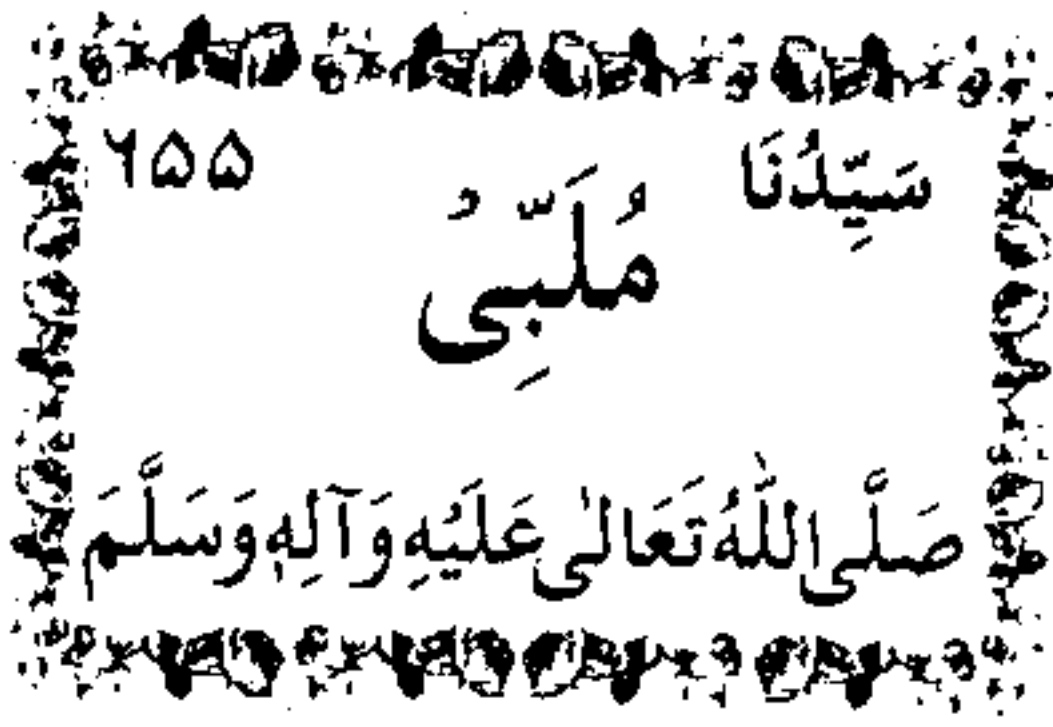
اس اسم کا تلفظ یوں ہے میم پر پیش، لام پر زبر، پھر باء کی زیر اور تشدید اور آخر میں یاء ہے۔

اس کے معانی یہ ہیں:۔

﴿۱﴾ اطاعت کرنے والا ﴿۲﴾ اخلاص والا ﴿۳﴾ قبول کرنے والا ﴿۴﴾ محبت کرنے والا۔

یہ اسم لَبّٰی یُلَبِّیْ، تَلْبِیَۃً بمعنیٰ ''اپنے پروردگار کی اطاعت پر یکے بعد دیگرے قیام کرنا'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

یا اس کا معنیٰ ہے اپنے رب کی اطاعت میں اخلاص برتنا۔ اس صورت میں یہ حَسَبٌ لُبَابٌ بروزن غُرَابٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے ''خالص نسب''۔

یا اس کا معنیٰ ''یکے بعد دیگرے اپنے رب کی اطاعت کے حکم کو مان لینا'' ہے۔

یا اس کا معنیٰ ''پسند کرنا'' ہے اس صورت میں یہ اِمْرَاَۃٌ مُلِبَّۃٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے:۔

''اپنے خاوند سے محبت کرنے والی عورت''۔

یا اس کا معنیٰ ہے ''سامنے ہونا یا قصد کرنا''۔ اس معنیٰ کی صورت میں یہ اسم اس محاورہ سے ماخوذ ہوگا:۔

دَارِیْ تُلِبُّ دَارَہٗ۔

اس کا معنیٰ ہے ''میرا گھر اس کے گھر کے سامنے ہے''۔

یہ اسم آخر میں جیم اور اس کے بعد ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی وہی ہے جو لفظ ''مَلاذٌ'' کا ہے۔
یہ اسم گزر چکا ہے۔
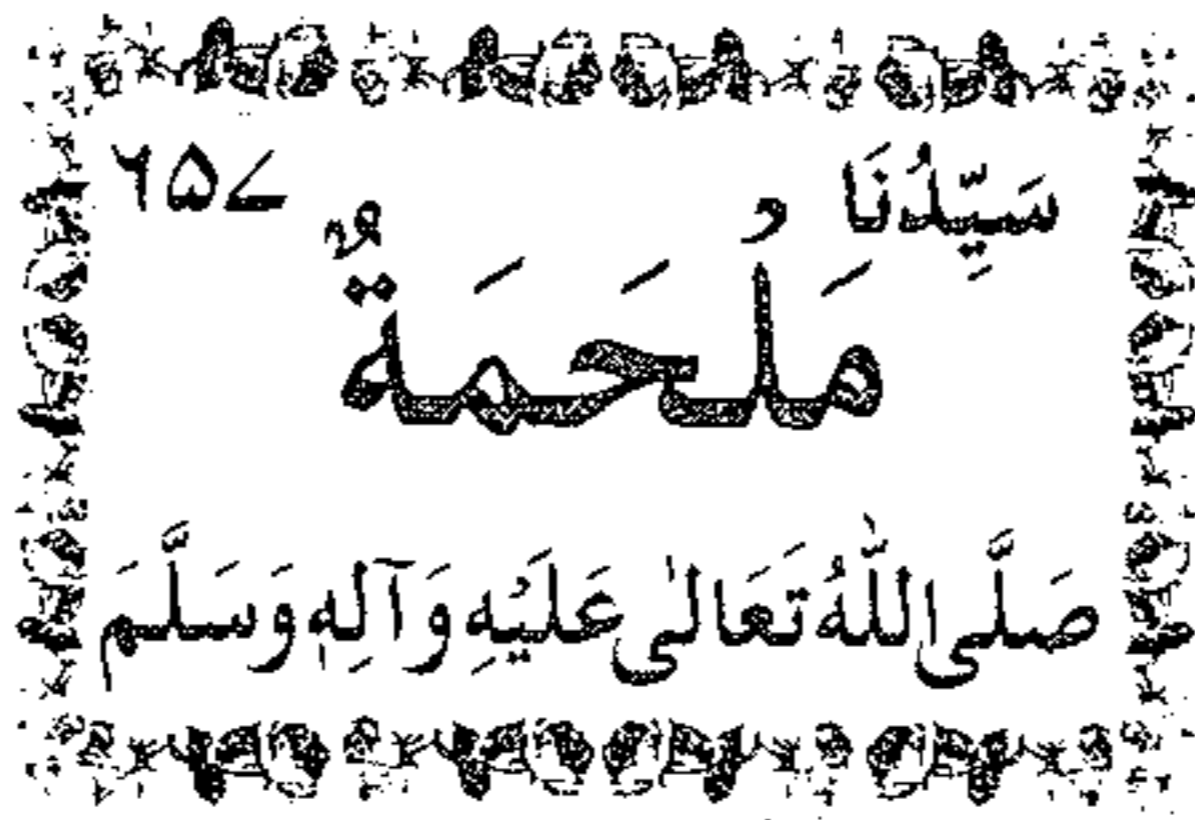
یہ اسم مبارک میم کی زبر کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے ''معرکہ گھمسان کی جنگ کا مقام''۔ اس کی جمع مَلاحِمُ ہے۔
یہ لُحْمَۃُ الثَّوْبِ (کپڑے کا بانا) سے ماخوذ ہے۔ چوں کہ جنگ کے معرکہ میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہوتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح کپڑے کا بانا اس کے تانے کے ساتھ الجھا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے جنگ کے معرکہ کو ''مَلْحَمَۃٌ'' کہتے ہیں۔
بعض علمائے لغت نے فرمایا یہ لَحْمٌ (گوشت) سے ماخوذ ہے معرکہ میں مقتول لوگوں کے گوشت کی کثرت ہوتی ہے اس لئے اسے مَلْحَمَۃٌ نام دیا گیا ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تلوار اور جہاد کے ساتھ ہوئی ہے۔

یعنی قرآن مجید کو حاصل کرنے والے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید اور دیگر احکام کی وحی حضرت جبریل امین علیہ السلام کی زبان سے حاصل کی اور امت تک پہنچائی س لئے اس اسم سے موسوم ہوئے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چیزیں ان تک پہنچائیں۔

یا اس کا معنی ہے:۔ مُتَلَقِّی یعنی استقبال فرمانے والے۔

جب قرآن مجید نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا قصد اور ارادہ فرماتے اور اس کی جانب توجہ فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ۔ النمل، آیت/۶۔

ترجمہ: آپ علم وحکمت والے رب سے قرآن مجید حاصل کرتے ہیں۔

اسے امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ مُلکٌ سے میم پر پیش یا نیچے زیر سے فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم ہے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے کہ الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ میں بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں اس لفظ کا معنی ہوگا:۔

''وہ ذات جو ایجاد اور اختراع پر قادر ہے''۔

یا وہ ذات جو معاملات کو درست رکھنے والی اور تمام امور میں تصرف فرمانے والی ہے۔
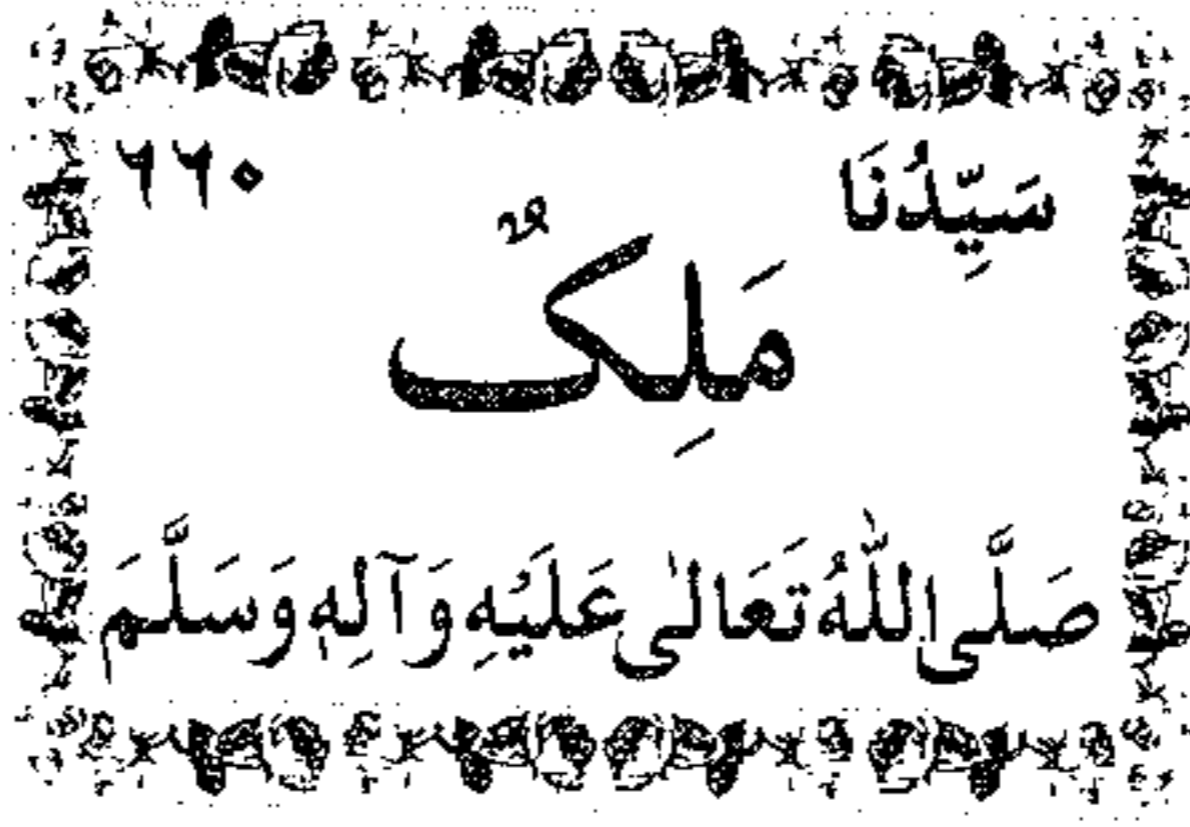
یہ اسم گرامی لام کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔اس کا معنی ہے:۔

''وہ ہستی جو لوگوں کی دیکھ بھال اور ان کے معاملات کا انتظام کرتی ہے''۔

یا اس کا معنی ہے ''عزت اور غلبہ والا''.

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے۔

اس کی مخلوقات میں کوئی بھی اس کے جودوکرم سے مستغنی نہیں ہے.

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس کا معنی ہے:۔

''وہ جو ایجاد و اختراع کی قدرت رکھتا ہو اور عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہو''.
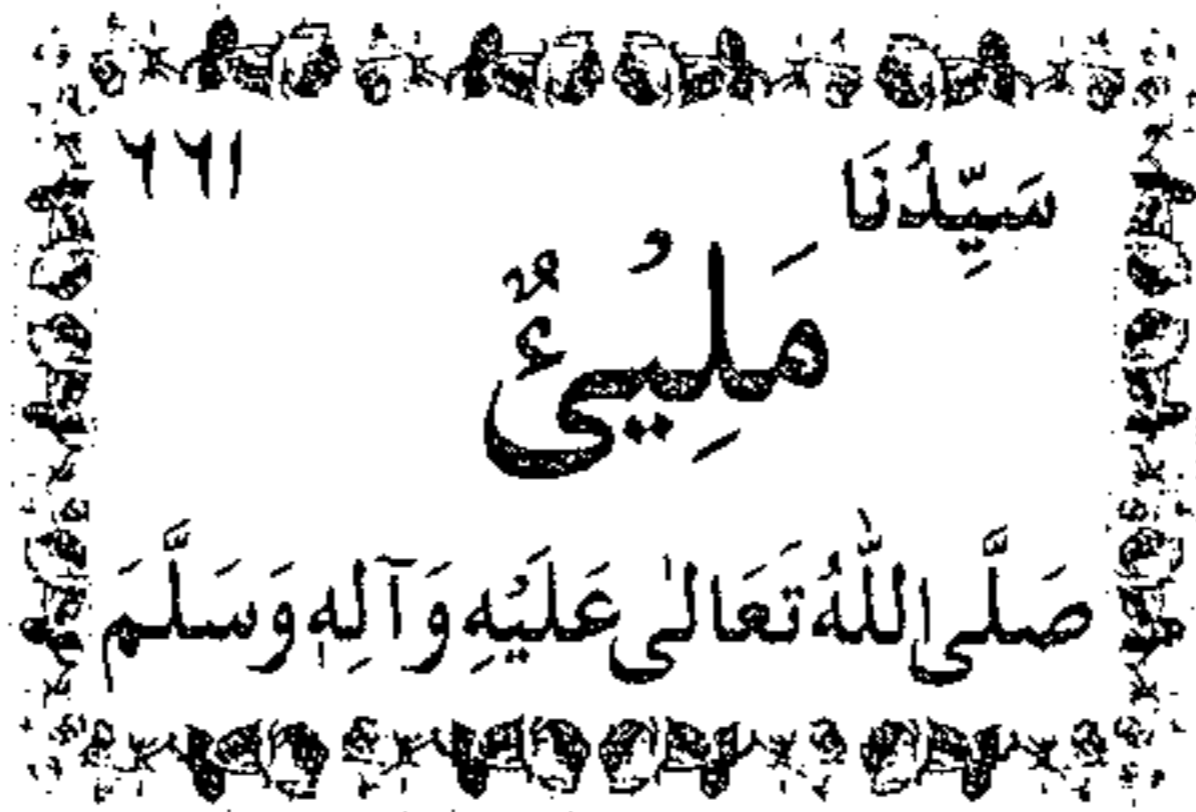
اسے علامہ عبدالباسط بُلْقِیْنِی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

یہ (میم کے بعد) لام اور آخر میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس کے ماسوا سے غنی''۔

یا اس کا معنی ہے ''وہ ذات جو اپنے حکم اور فیصلے میں اچھی ہو''۔

اس اسم مبارک کو بھی علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کے معانی میں یہ قول ہیں:۔

﴿۱﴾ وہ ہستی جسے اس کے پروردگار نے ہر دنیوی اور اخروی بھلائی عطاء کی ہو۔

﴿۲﴾ وہ ذات جسے امت کو عطاء کیا گیا ہو۔ اور عطیہ اور انعام کے طور پر اس کی طرف بھیجا گیا ہو۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطاء فرمایا ہے۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ہر دنیوی اور اُخروی بھلائی عطاء فرمائی ہے۔

اسے بھی علامہ بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ”وہ ذات جس کو طاقت اور قوت ہو جو شیطان کو اس سے روکے اور اعداء سے اس کو محفوظ رکھے“۔

یا وہ ہستی ”جسے اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے بچایا ہو اور برائی اور ہلاکت سے اس کی حفاظت فرمائی ہو“۔
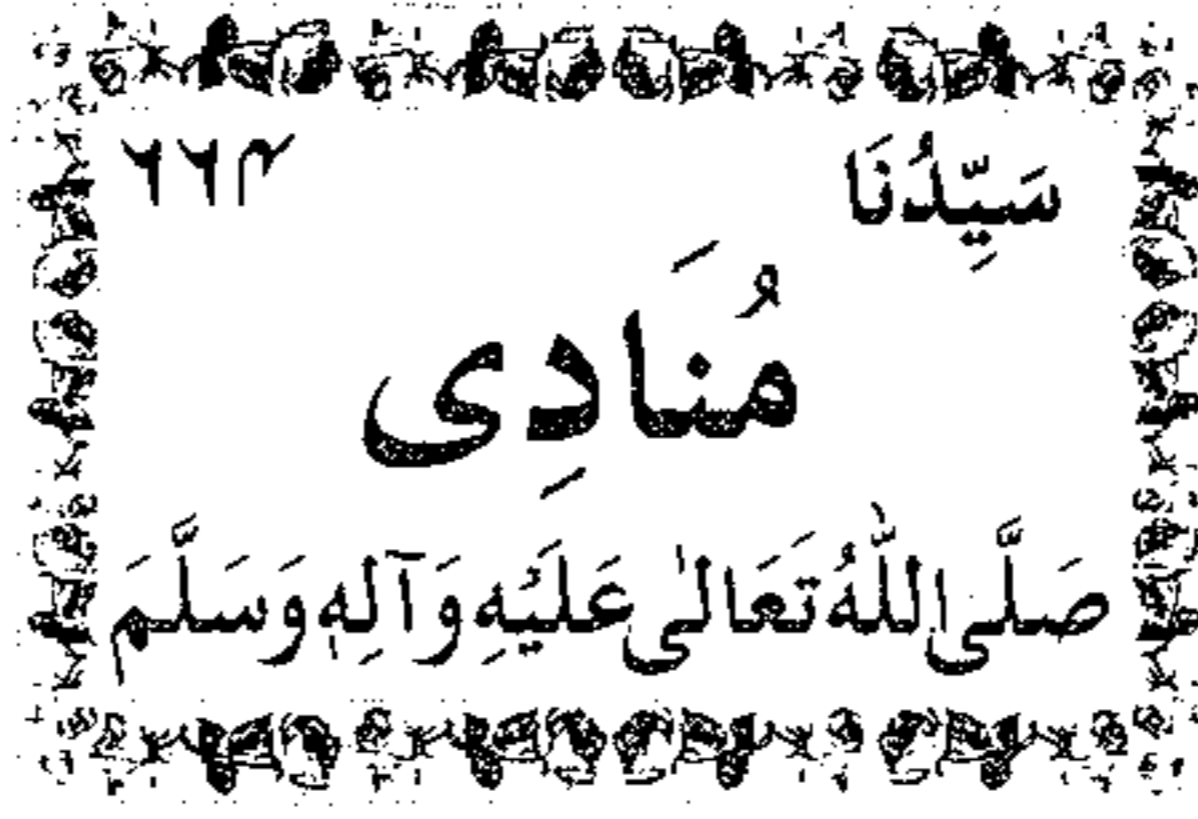
یہ اسم دال کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''اللہ تعالیٰ یا اس کی توحید کی طرف دعوت دینے والی ہستی''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ ۔آل عمران، آیت/۱۹۳۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک نداد ینے والے کی آواز سنی جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا۔

حضرت ابن جُرَیْج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اسے امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔
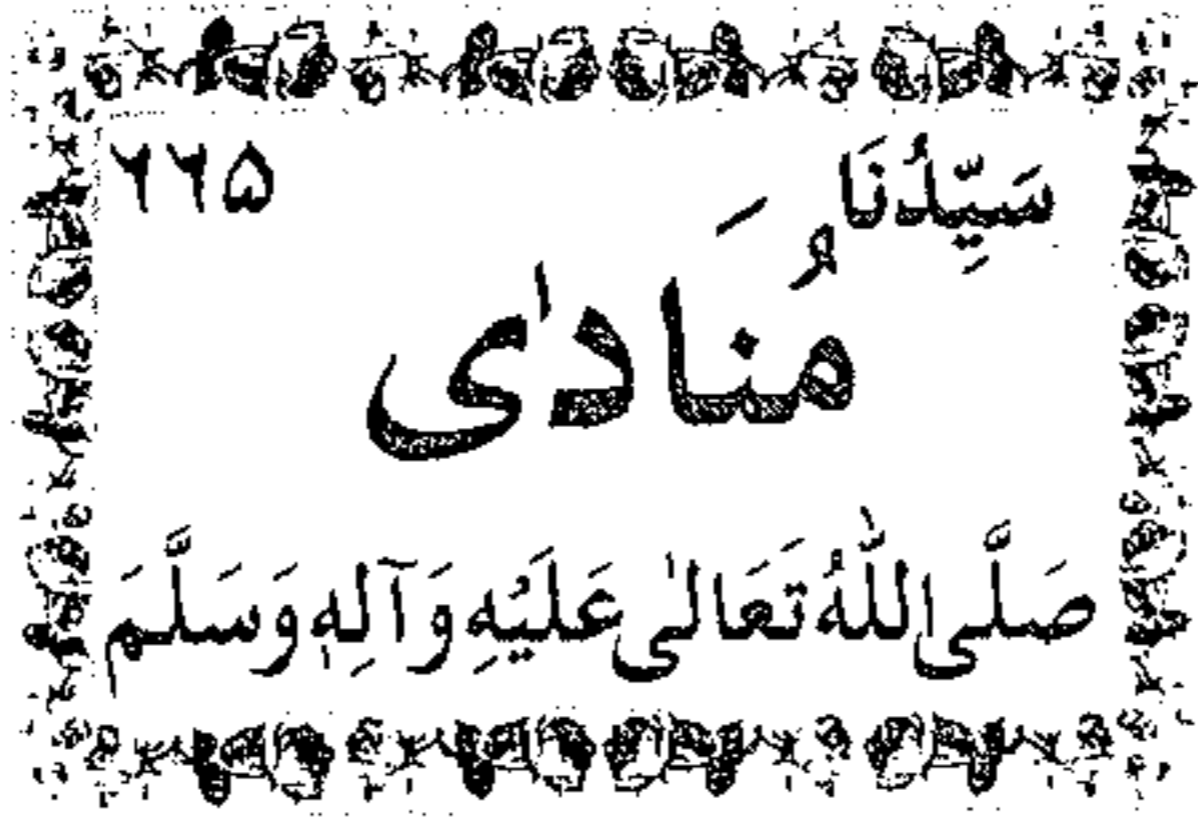
اس اسم مبارک کو علامہ عبدالباسط بُلْقِینی نے ذکر کیا ہے۔ یہ دال پر زبر کے ساتھ ہے۔

یعنی وہ ذات جس کو معراج کی رات حضرت جبریل امین علیہ السلام کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلایا گیا۔

۶۶۶ سَیِّدُنَا

مُنْتَجَبٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک جیم کے ساتھ ہے۔

۶۶۷ سَیِّدُنَا

مُنْتَخَبٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک خاء کے ساتھ ہے۔ ان دونوں اسماء کا معنی ہے "مختار، برگزیدہ، انتخاب کیے ہوئے"۔

۶۶۸ سَیِّدُنَا

مُنْتَصِرٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اس کا معنی ہے ''اعانت کرنے والی ذات، مدد کرنے والی ہستی''۔

یا اس کا معنی ہے ''بلند مرتبہ والی شخصیت''۔

یہ اَنْجَدَ بمعنی ''وہ بلند ہوا، یا اس نے اعانت کی'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نام انجیل میں مذکور ہے۔

یہ سریانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی زبان میں معنی ''محمد'' ہے۔

امام شُمُنِّی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تلفظ یوں بیان فرمایا ہے:۔

میم پر پیش، نون پر سکون، حاء پر زبر، میم کے نیچے زیر، اس کے بعد نون مشدد پر زبر اور آخر میں الف۔

علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دونوں میموں پر زبر ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۷۱

مُنْذِرٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ۔ الرعد، آیت/۷.

ترجمہ: آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔

یہ حصرِ خاص ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفار کی ہدایت پر از خود قادر نہیں۔

یہ حصرِ عام نہیں ہے۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اوصاف بھی تھے۔ مثلاً بشارت دینا۔

یہ اِنْذَارٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اِنْذَارٌ کا معنی ہے ''ابلاغ یعنی پہنچا دینا''

اور یہ خوف دلانے کے بغیر نہیں ہوسکتا۔
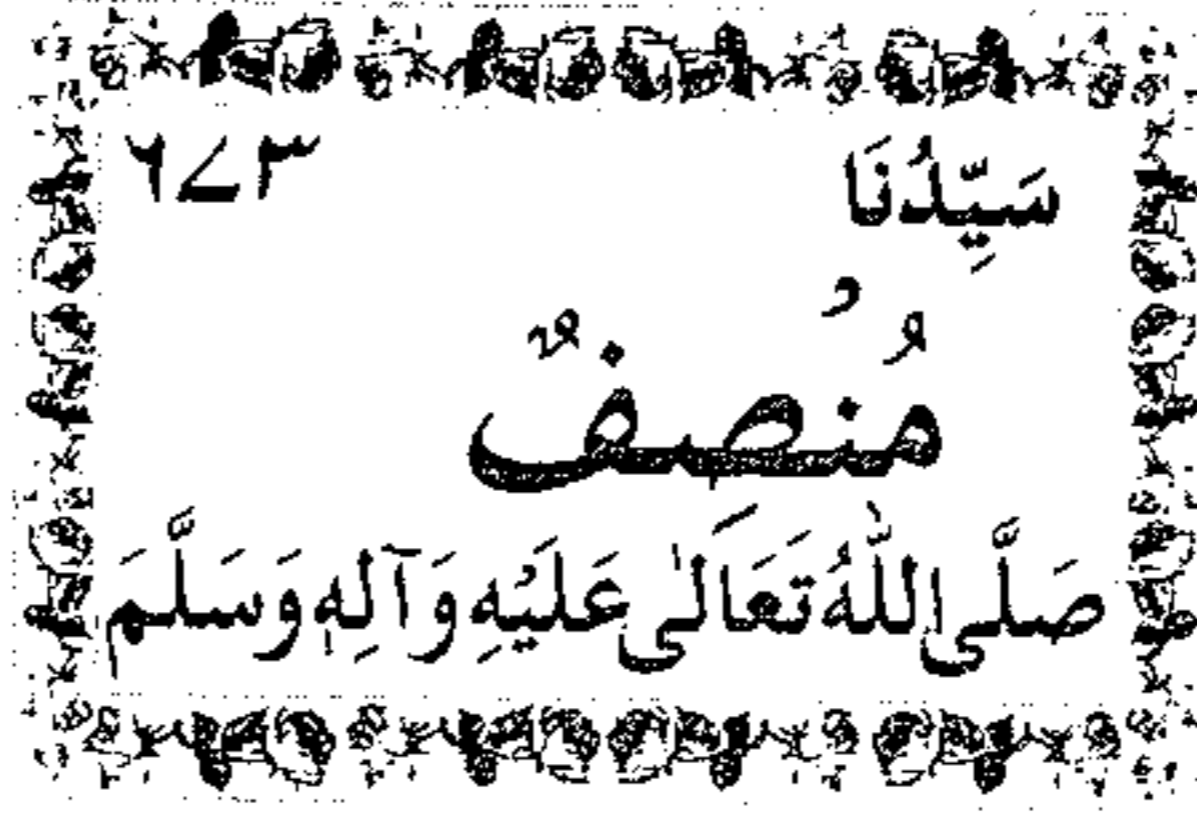
میم پر پیش، نون پر سکون، صاد کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''عدل کرنے والی ذات''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر عدل فرمانے والے تھے۔

۶۷۴
سَیِّدُنَا
مَنصُوۡر
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
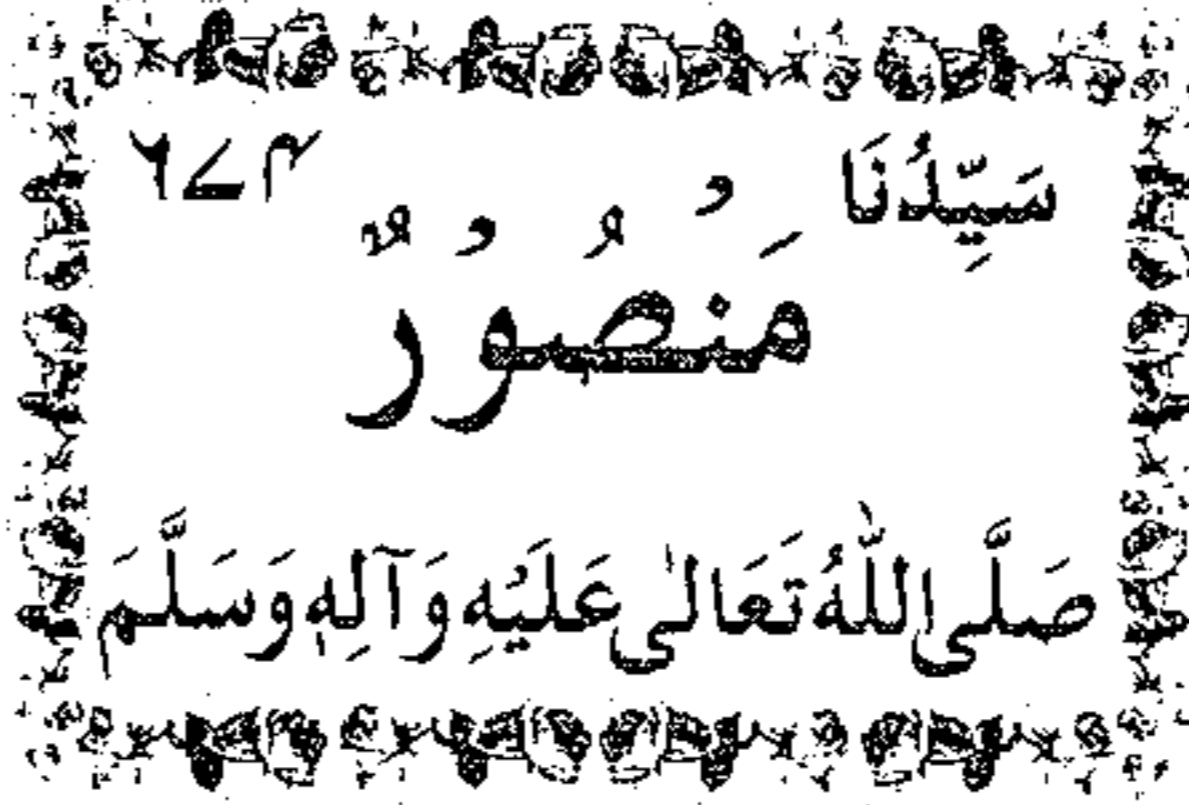
اس کا معنی ہے ''مدد یافتہ، نصرت یافتہ'' نُصۡرَۃٌ سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے نصرت کا معنی ''مدد کرنا'' ہے۔

سَیِّدُنَا ۶۷۵

مُنقِذٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ
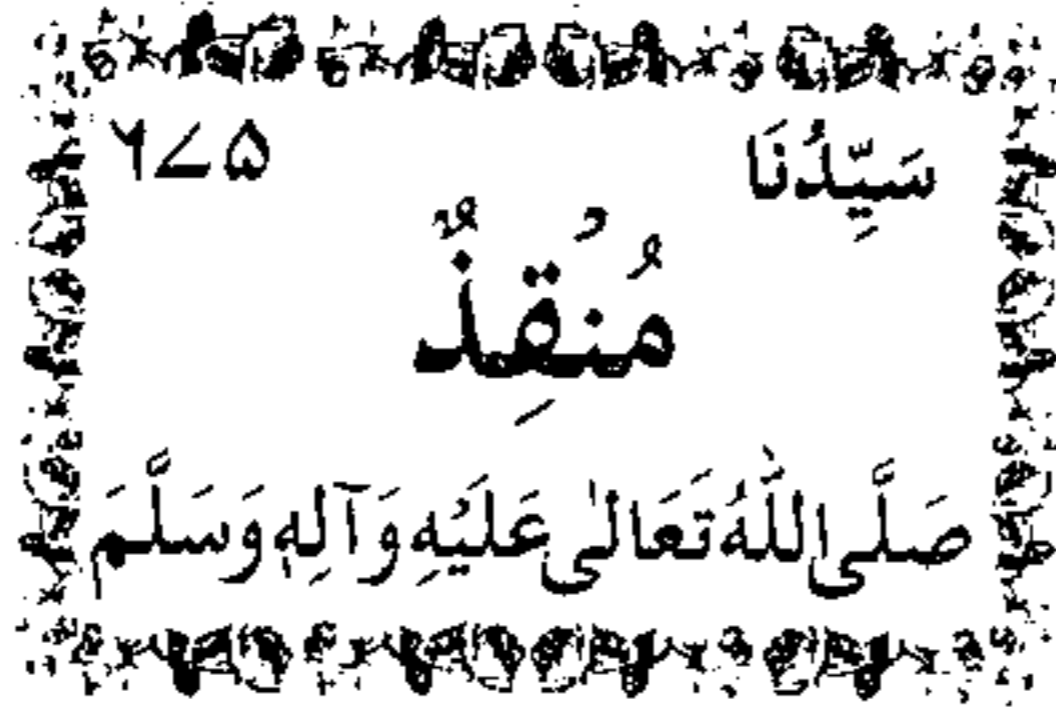
یہ اسمِ مبارک میم، نون، قاف اور ذال کے ساتھ ہے، اِنقَاذٌ مصدر سے یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

جس کا معنی ہے ''سختیوں کے بھنور سے نجات دینا''۔

اس اسمِ مبارک سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنی شفاعت سے بچالیں گے۔

حضرت حسّان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرثیہ میں یوں لکھا:۔

یَدُلُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ مَنْ یَّقْتَدِیْ بِهٖ   وَیُنْقِذُ مِنْ هَوْلِ الْخَزَایَا وَیُرْشِدُ

ترجمہ: جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرے آپ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور رسوائیوں کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچاتے ہیں اور راہِ ہدایت پر چلاتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی درج ذیل آیت مبارکہ:۔

اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ۔ الزمر، آیت/۱۹۔

ترجمہ: کیا آپ نجات دیں گے اس کو جو دوزخ میں ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص دوزخ کا مستحق ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے بچانے کی قدرت (ذاتی طور پر) نہیں رکھتے اگر چہ اسے ایمان کی طرف دعوت دینے کی پوری کوشش کرلیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْبَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. آل عمران، آیت ۱۶۴/۱.

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جب کہ انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے نفع اندوز ہونے والے وہی ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ان پر احسان کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو جو احکام ان پر واجب تھے ان کو حاصل کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آسان ہو گیا۔

سَیِّدُنَا ۶۷۷

مُنِیْبٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسم مبارک ''اَوَّاہٌ'' کی وضاحت کے ضمن میں اس اسم مبارک کا ذکر ہو چکا ہے۔

یہ اِنَابَۃٌ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''طاعت کی طرف رخ کرنا''۔

مُنِیْبٌ، تَائِبٌ اور اَوَّابٌ میں فرق یہ ہے کہ:۔

تَائِب وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے مخالفاتِ شرعیہ سے واپس لوٹ آئے۔

اور مُنِیْب وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے مخالفاتِ شرعیہ سے واپس آجائے۔

اور اَوَّاب وہ ہوتا ہے جو اوصافِ حمیدہ کی تعظیم کی خاطر واپس پلٹ آئے۔

علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے فرمایا کہ اِنَابَت اولیا اور مقرب لوگوں کی صفت ہوتی ہے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ۔ ق، آیت/۳۳.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ سے حیاء رکھنے والے دل کے ساتھ آیا۔

توبہ اہلِ ایمان کی صفت ہوتی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَتُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ۔ النور، ۳۱.

ترجمہ: اور اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

اور اَوْبَۃٌ انبیائے کرام اور رُسُلِ عظام علیہم السلام کی صفت ہوتی ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ. ص، آیت/۱۷.

ترجمہ: وہ بہت اچھے بندے ہیں بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

یہ اسم مبارک: اَنَارَ بمعنی ''اس نے روشن کیا'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے ''مومنوں کے دلوں کو نور عطاء فرمانے والے، اس شریعت کے ذریعہ سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے''۔

یہ اسم مبارک میم پر پیش کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی ہے ''وہ ذات جس کے عظیم غلبے اور شدید سزا کے باعث لوگ اس سے ہیبت زدہ اور خوف زدہ ہوں''.

یہ هَیْبَةٌ سے اسمِ مفعول ہے جس کا معنی ہے ''خوف اور ڈر''۔

اِحْیَاءُ الْعُلُوْمِ میں فرمایا:۔ ہیبت ایسے خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی تعظیم اور اسے بزرگ جاننے سے پیدا ہوتا ہے، یہ خوف سے زیادہ خاص ہے کیوں کہ خوف تعظیم کے بغیر بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ بچھو اور اس جیسی خسیس اشیاء کا خوف، اور هَیْبَة کا لفظ تعظیم کے بغیر صادق نہیں آتا، جیسے کہ باعظمت سلطان سے خوف پر هَیْبَة لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کیوں کہ ہیبت کا یہ عالم تھا کہ جب دشمنوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین ایک مہینے کی مسافت کا فاصلہ ہوتا تو بھی وہ ہیبت زدہ اور خوف زدہ ہو جاتے تھے۔

خصائص نبویہ میں اس کا مزید بیان آئے گا۔

۶۸۰

سَیِّدُنَا

مُهَاجِرٌ

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

اسے علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوالفتح بن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورتک ہجرت فرمائی اس لئے اس نام سے موسوم ہوئے.

اس بارے میں مزید وضاحت ہجرت کے باب میں آئے گی۔

۶۸۱

سَیِّدُنَا

مُهْدَاةٌ

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک میم پر پیش اور دال پر زبر کے ساتھ ہے۔

اَهْدَی الشَّیْئَ یُهْدِیْهِ فَهُوَ مُهْدِیٌ سے یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔

اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ.

ترجمہ: میں صرف وہ رحمت ہوں جو عطاء کی گئی ہے۔
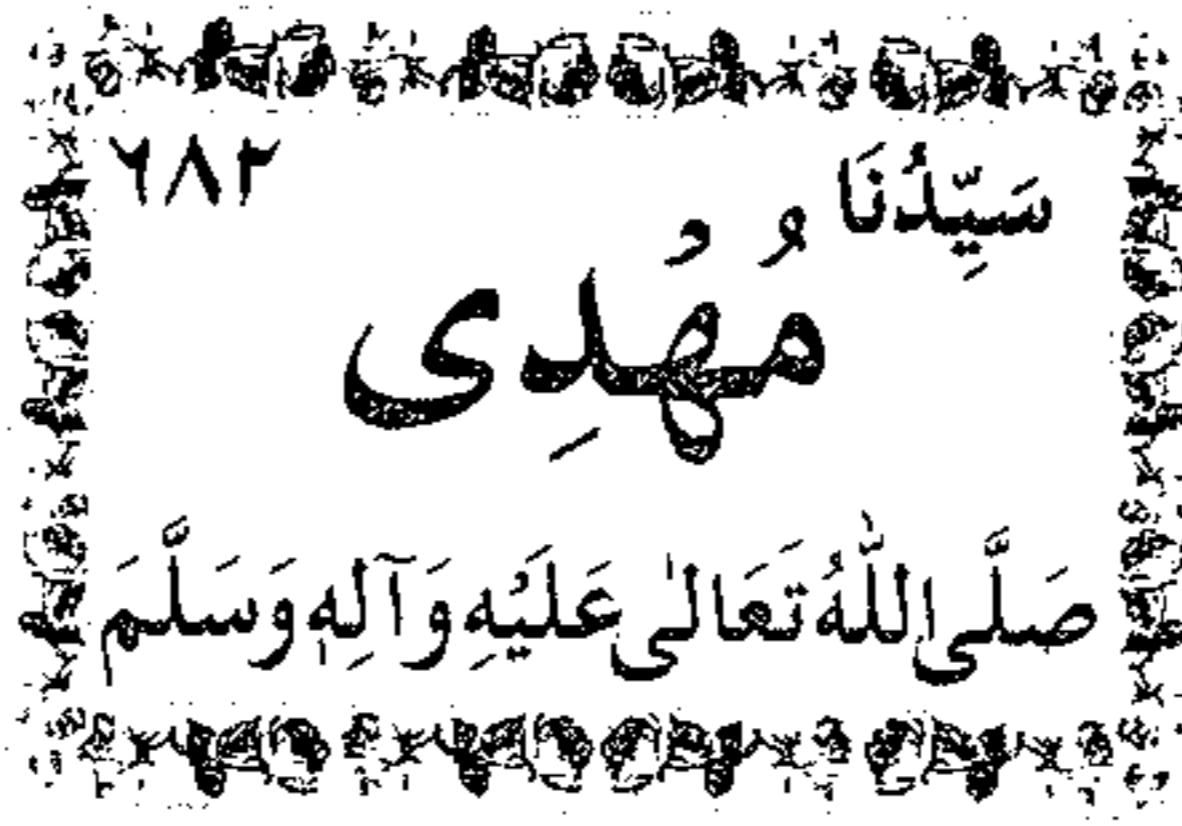
اس اسم میں میم پر پیش اور دال کے نیچے زیر ہے یہ: ۔اَھْدٰی بمعنیٰ ھَدٰی (اس نے رہنمائی کی) سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔اس کا معنی ہے ''ایسا مرشد جو نیکی کی راہ پر دلالت کرے''۔

اللہ رب العزۃ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔الفتح، آیت/۲.

ترجمہ: اور آپ کو سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔

حضرت حسَّان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرثیہ میں فرمایا:۔

جَزَعًا عَلَی الْمَھْدِیِّ اَصْبَحَ ثَاوِیًا   یَا خَیْرَ مَنْ وَطِیَٔ الحَصَا لاتَبْعَدِ

ترجمہ: ہم ہدایت یافتہ ہستی پر اظہارِ غم واندوہ کرتے ہیں جو وصال فرما گئے۔اے زمین پر چلنے والی بہترین ہستی! کاش آپ یہ دوری اختیار نہ فرماتے۔
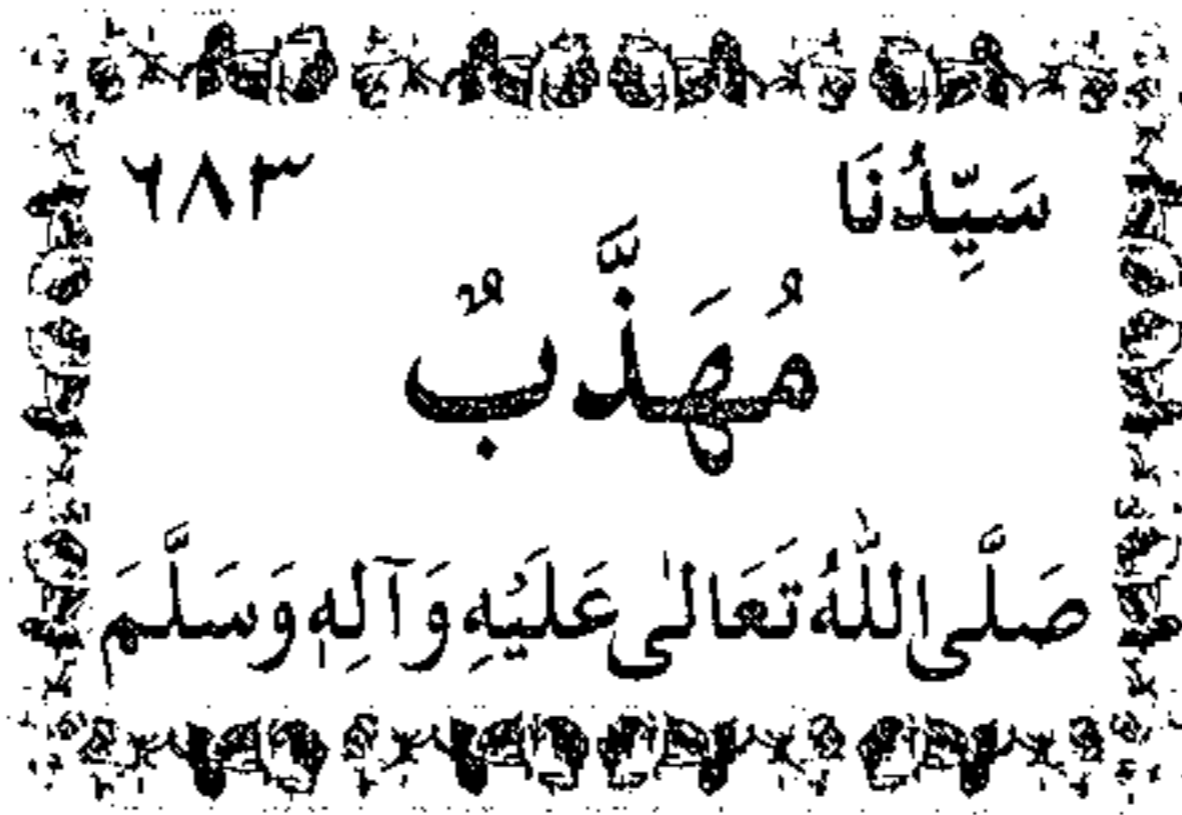
یہ اسم مبارک ذال کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی ہے ''پاکیزہ اخلاق والا، کدورتوں سے خالی''۔

تَھْذِیْبٌ سے یہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے تَھْذِیْبٌ کا معنی ''خالص ہونا'' ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کئی اشعار میں اس نام سے موسوم کیا ہے ان میں ایک شعر یہ ہے:

حَتّٰی احْتَوٰی بَیْتُکَ الْمُھَیْمِنُ مِنْ خِنْدِفٍ عَلْیَاءَ تَحْتَھَا النُّطُقُ

ترجمہ: اے نگہبانی فرمانے والے ہمارے نبی! حتی کہ آپ کی بزرگی نے خِنْدِف کے عالی مرتبت نسب کو بھی اپنی ذات میں جمع فرمالیا وہ عالی مرتبت نسب آپ کی عظمت پر کمر بند کی مانند ہے۔

علامہ ابن قتیبہ نے فرمایا:۔کہ ''حَتّٰی احْتَوٰی بَیْتُکَ الْمُھَیْمِنُ''میں ''اَلْمُھَیْمِنُ '' کا لفظ دراصل ''یَآاَیُّھَاالْمُھَیْمِنُ '' ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک درج ذیل آیت میں وارد ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ.

المائدۃ، آیت/۴۸.

ترجمہ: اور ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب حق کے ساتھ اس حال میں کہ تصدیق کرنے والے ہیں اس سے پہلی کتابوں کی اور اس پر امین ہیں۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول روایت کیا:۔

''مُھَیْمِنًا عَلَیْہِ'' سے مراد حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید پر امین ہیں۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس صورت میں آیت مبارکہ کا معنی یہ ہوگا:۔

اور ہم نے یہ کتاب اتاری اس حال میں کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی آپ کے ہاں تصدیق کرتی ہے اور آپ اس پر امین ہیں۔

یعنی "مُصَدِّقًا" کتاب سے حال اور "مُهَيْمِنًا" "اِلَيْکَ" کی کاف ضمیر سے حال ہے اور کاف ضمیر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔

علامہ عبدالباسط بُلْقینی رحمۃ اللہ علیہ نے (امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف) فرمایا کہ اس صورت میں اس آیت میں لَفّ وَنَشْر غیر مرتب ہے۔ لہٰذا مُصَدِّقًا جو کہ پہلا حال ہے وہ "اِلَيْکَ" کی کاف ضمیر کی طرف راجع ہے اور مُهَيْمِنًا دوسرا حال کتاب کی جانب راجع ہے جو کہ مفعولِ ثانی ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا گیا ہے کہ لفظ "مُهَيْمِنًا" کا عطف "مُصَدِّقًا" پر ہے جو کہ کتاب سے حال واقع ہے نہ کہ کاف ضمیر ہے ورنہ عبارت یوں ہوتی:۔ "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْکَ" اور یہ کہنا کہ یہ خطاب سے غیبت کی طرف التفات کے قبیل سے ہے، نظمِ قرآن سے بعید ہے جیسا کہ امام ابو حیّان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ لیکن امام ابن عطیہ نے "مُصَدِّقًا" اور "مُهَيْمِنًا" دونوں کا کاف ضمیر سے حال ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت سے خاص نہیں جیسا کہ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے گزر چکا ہے۔ بلکہ یہ جمہور کی قراءت کے مطابق بھی آ سکتا ہے۔

لفظ "مُهَيْمِنٌ" اکثر علماء کے نزدیک عربی زبان کا ہے۔ اور دوسری میم کی زیر کے ساتھ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ فَهُوَ مُهَيْمِنٌ اس کا معنی ہے "نگہبان"۔

جمہور قراء نے قرآن مجید کی آیت میں اسی طرح پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس کی ہا اصلیہ ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس کی ہا ہمزہ سے تبدیل شدہ ہے۔ دراصل یہ لفظ مُؤَأْمِنٌ دو ہمزوں کے ساتھ آمَنَ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ ایک کلمہ میں دو ہمزوں کا جمع ہونا نامناسب ہے لہٰذا دوسرے ہمزے کو یا سے بدل دیا اور پہلے ہمزہ کو ہا سے تبدیل کر دیا گیا کیوں کہ دونوں کا مخرج متحد ہے۔ لیکن اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ تکلف ہے۔ جس کی ضرورت نہیں، جب کہ کئی الفاظ سماع میں آتے ہیں جو اس سے ملحق ہیں۔

امام ثعلب نے فرمایا جس شخص نے کہا کہ اس کا اصل مُؤَیْمِنٌ ہے جو کہ مُؤْمِنٌ کی تصغیر ہے۔ مُؤْمِنٌ، آمَنَ بمعنی ''اس نے تصدیق کی'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ پھر ہمزہ کو ہا سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس شخص کی یہ رائے باطل ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ اور ان کے ہم معنی باعظمت اسماء میں تصغیر کا صیغہ مناسب نہیں کیوں کہ یہ تعظیم کے منافی ہے۔

مُهَيْمِنٌ کا تلفظ دوسری میم پر زبر کے ساتھ بھی ہے جو کہ اسمِ مفعول کا صیغہ ہے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مُحَيْصِن رحمۃ اللہ علیہ نے آیت قرآنی میں اسی طرح پڑھا ہے۔

یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے اس کا معنی ہے ''گواہ، حفاظت کرنے والا۔

دوسرے قول کی رو سے اس کا معنی ہے ''رقیب، نگہبان''۔

تیسرے قول کے مطابق اس کا معنی ہے ''اپنی مخلوق پر قائم اور برقرار''۔

چوتھے قول کی رو سے ''ایمان والا''

اور پانچویں قول کے مطابق اس کا معنی ہے ''امین، امانت دار''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے، چوتھے اور پانچویں معنی کی رو سے مُهَيْمِنٌ ہیں۔

یہ وُرُوْدٌ (آنا) سے اسمِ مفعول ہے۔

یعنی وہ ذاتِ بابرکات جس کے حوض پر قیامت کے روز لوگ آئیں گے۔

خصائص نبویہ، قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حشر ونشر کے باب میں اس پر گفتگو آئے گی۔

علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم مبارک تورات میں مذکور ہے اس کا معنی ہے:۔ ''مرحوم'' ''وہ ذات جس پر رحم کیا گیا ہو''۔

خصائص کے باب میں اس اسم پر کلام ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

۶۸۸ سَیِّدُنَا

مُوحٰی اِلَیْہِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ بعثت کے باب میں اس پر گفتگو ہو گی۔

۶۸۹ سَیِّدُنَا

مَوْلٰی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ. الاحزاب، آیت/۶.

ترجمہ: نبی مومنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰی بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَمَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِعُصْبَتِہٖ مَنْ کَانُوْا فَاِنْ تَرَکَ دَیْنًا اَوْضِیَاعًا فَلْیَاتِنِیْ فَاَنَا مَوْلَاہُ۔ [1]

ترجمہ: میں ہر ایک مومن سے دنیا اور آخرت میں اس کے زیادہ قریب ہوں۔ جس نے کچھ مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے جو بھی ہوں۔ اور جس کے ذمہ قرض یا کسی کے مال کو ضائع کرنا ہو۔ وہ میرے پاس آجائے میں اس کا مولی ہوں۔

---

[1] الصحیح البخاری ۵/۷۵ کتاب الاستقراض (۲۳۹۹)

امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ مَوْلٰی سولہ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے:۔

﴿۱﴾ اقرب (قریب تر) ﴿۲﴾ مالک ﴿۳﴾ سردار ﴿۴﴾ آزاد کرنے والا

﴿۵﴾ انعام کرنے والا ﴿۶﴾ مددگار ﴿۷﴾ محبت کرنے والا

﴿۸﴾ تابع ﴿۹﴾ خالو ﴿۱۰﴾ چچازاد بھائی

﴿۱۱﴾ حلیف ﴿۱۲﴾ عقل مند ﴿۱۳﴾ داماد، بہنوئی

﴿۱۴﴾ غلام ﴿۱۵﴾ جس پر انعام کیا گیا ہو

﴿۱۶﴾ ہر وہ شخص جو کسی معاملہ کا والی یا اس کا انتظام کرنے والا ہو وہ اس کا مولی اور ولی ہوتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان معانی میں اکثر احادیث میں وارد ہیں۔

ہر معنی کو اس کے مناسب محل کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

اور اس مقام کے مناسب معنی ''سَیِّد (سردار)، انعام کرنے والا، مددگار اور محبت کرنے والا ہے''۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ میں بھی شامل ہے۔ تو اس صورت میں ''مالک'' اضافی معنی ہوگا۔

سَیِّدُنا ۶۹۰

موذموذ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
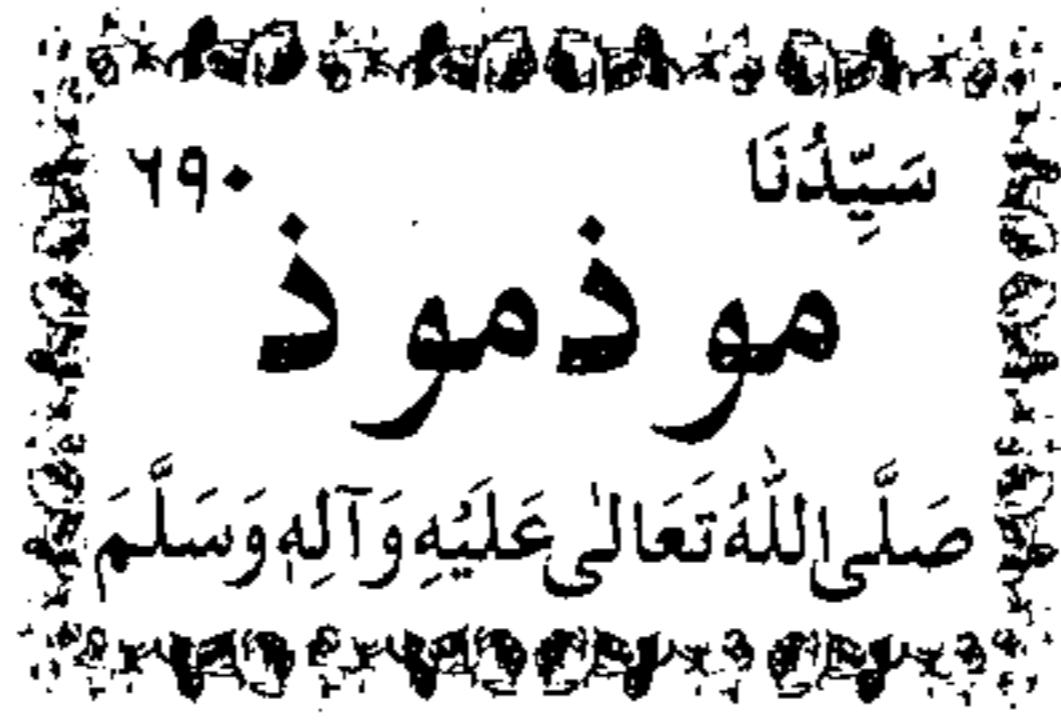
علامہ عَزَفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صُحُفِ ابراھیمی میں یہ نام وارد ہے۔
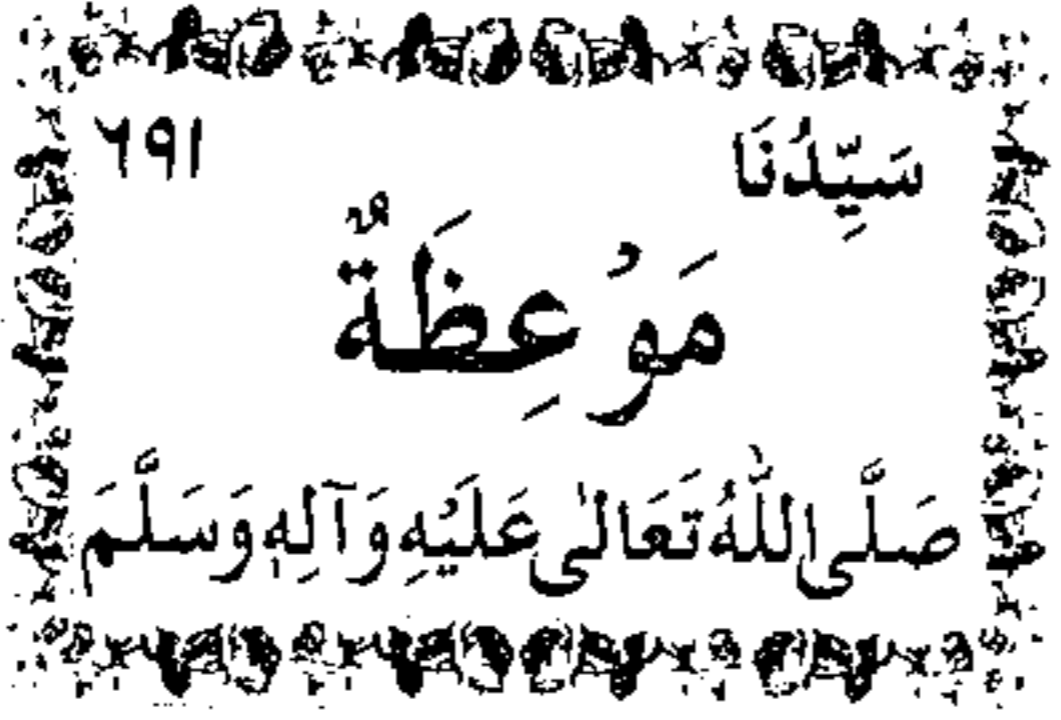
اس کا معنی ہے ''جس سے پند و نصیحت حاصل کی جائے''۔

وعظ کا معنی جیسا کہ امام خلیل سے پہلے نقل کیا جاچکا یہ ہے کہ ''نیکی کی ایسی نصیحت جس سے دل نرم ہوں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کیا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ نصیحت کی، اس طرح کہ بعثت نبوی کو روزِ قیامت کے قریب ہونے کی دلیل ٹھہرایا ہے۔
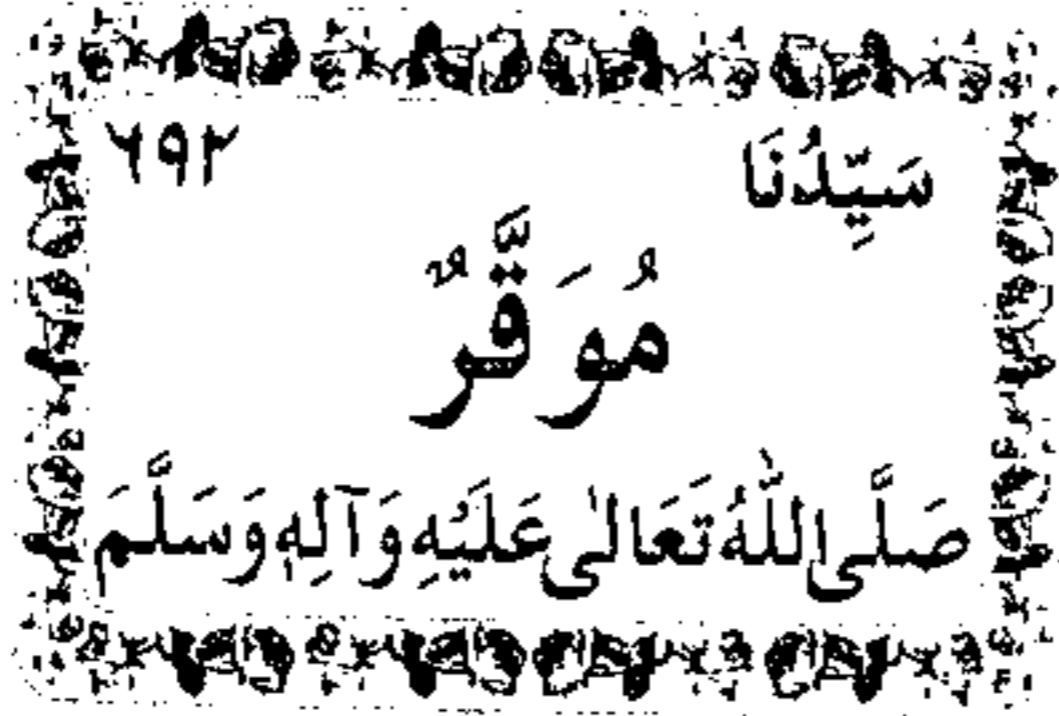
اس کا معنی ہے ''صاحبِ بردباری و سنجیدگی''۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار نظر آیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے کوئی چیز خارج نہ ہوسکتی۔ اسم مبارک مُعَزَّزٌ کے ساتھ بھی یہ اسم مذکور ہوچکا ہے۔

اَیْقَنَ الْاَمْرَ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ اَیْقَنَ الْاَمْرَ، تَیَقَّنَہٗ اور اِسْتَیْقَنَہٗ سب کے معنی ہیں:۔

''اس نے اسے سمجھ لیا، اس کے ذہن میں راسخ ہو گیا اور اس کے بارے میں شک ختم ہو گیا''۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لفظ معرفت اور درایت سے برتر ہے۔ کیوں کہ یقین علم کی صفات سے ہے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

عِلْمَ الْیَقِیْنِ. التکاثر، آیت/۵.

ترجمہ: یقینی علم۔

جب کہ معرفت اور درایت علم کی صفات سے نہیں ہیں لہٰذا: مَعْرِفَۃُ الْیَقِیْنِ اور دِرَایَۃُ الْیَقِیْنِ نہیں کہا جاتا۔

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس پر یقین اور اس کی صفات، ان تمام امور نیز جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی گئی تھی، اس پر نہایت واضح معرفت، یقین اور ایمان کے ساتھ اپنے دل میں گرہ جمالی تھی۔ اس طرح سے کہ ان تمام امور کے بارے میں ہر قسم کا شک وشبہ منتفی تھا، معرفت کی ہر ضد اور منافی امور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عصمت حاصل تھی۔

اس کی کیفیت وہی تھی جو حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی کہ اس پر تمام اہلِ اسلام کا اِجماع ہو چکا ہے۔

۶۹۴
سَیِّدُنَا
مِیذمِیذ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

علامہ عزفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسم گرامی مذکور ہے۔

۶۹۵
سَیِّدُنَا
مِیْزَانٌ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ. الشوریٰ، آیت ۱۷.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیے۔

اس آیتِ مبارکہ میں ایک قول کی رو سے میزان سے مراد حضرت سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اسے امام محمود بن حمزہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غریب میں نقل فرمایا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ اَلْمِیْزَان کا عطف اَلْکِتَاب پر کیوں کر درست ہے جو کہ اَنْزَلَ کے باعث منصوب ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترکیب اس ارشادِ باری تعالیٰ کی مانند ہے:

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا۔

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر یعنی رسول اتارا ہے۔

اسے علامہ عَزَفی رحمۃ اللہ علیہ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اس کا معنی ہے ''دین کو آسان فرمانے والی ہستی''۔

یُسْرٌ کا معنی ''سہولت اور آسانی'' ہے جو کہ عُسْرٌ (مشکل) کی ضد ہے، سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے :تَخْیِیْرِ نِسَآء کی حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ مُیَسِّرًا۔

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے آسان چیز کو پسند فرمایا۔

۶۹۷ سَیِّدُنَا

مُیَمَّم

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک یاء کی زبر کے ساتھ مُعَظَّمْ کے وزن پر ہے۔

اس کا معنی ہے ''جس کی طرف قصد کیا جائے''۔

یہ تَیَمُّمْ سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ''قصد اور ارادہ ہے''۔

اس کا اصل معنی تَعَمُّد اور تَوَخِّیْ (قصد و ارادہ اور طلب کرنا) ہے۔

یہ عربی محاورہ ہے:۔

یَمَّمْتُکَ اور اَمَمْتُکَ

''میں نے تیرا ارادہ اور قصد کیا''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن مخلوق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت طلب کرے گی اور سلامتی و امن حاصل کرنے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاہ و مرتبہ کا قصد کرے گی۔

حرف☆☆☆نون

یہ نَبَذٌ، باء کے سکون اور اس پر زبر کے ساتھ، سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے ''کسی شے کو کم تر شمار کر کے اسے پھینک دینا، ڈال دینا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فَانۡبِذۡ اِلَیۡهِمۡ عَلٰی سَوَاءٍ. الانفال، آیت/۵۸.

ترجمہ: برابری کے انداز پر ان سے معاہدہ ساقط فرمادیں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ مساویانہ طریقہ سے ان سے عہد و پیان کا خاتمہ فرمادیں، اس طرح کہ معاہدہ کا ایک حصہ ان کے سامنے اس طرح واضح کیجئے کہ وہ جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے درمیان تعلقات ختم ہو چکے ہیں، اس حالت میں ان کے مقابلہ پر نہ نکلئے کہ وہ گمان کریں کہ معاہدہ باقی ہے، کیوں کہ ایسا کرنا خیانت ہے۔
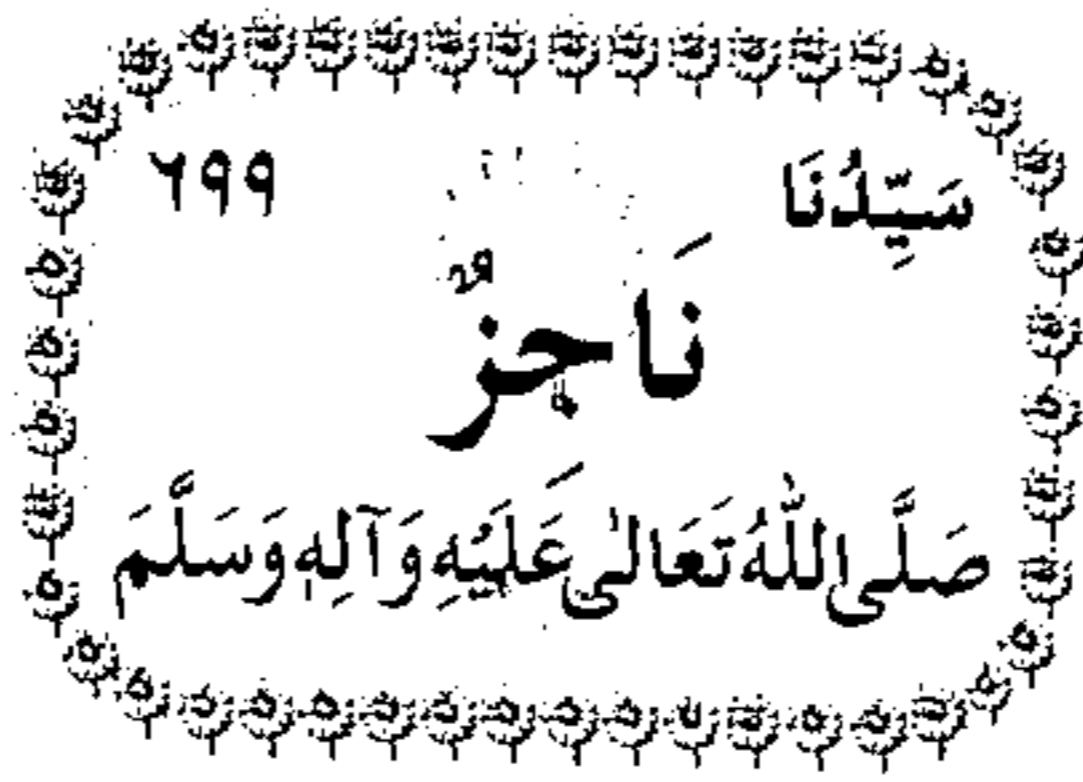
اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔اس کا معنی ہے ''اپنے وعدے کو پورا کرنے والا''۔

یہ نَجزَ الْوَعْدَ بمعنیٰ ''اس نے وعدہ ایفا کیا اور اس کی مخالفت نہ کی'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اَنْجزَ الْوَعْدَ کا بھی یہی معنی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بارے میں شان بہت عظیم تھی۔

سَیِّدُنَا ۷۰۰

نَاسٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
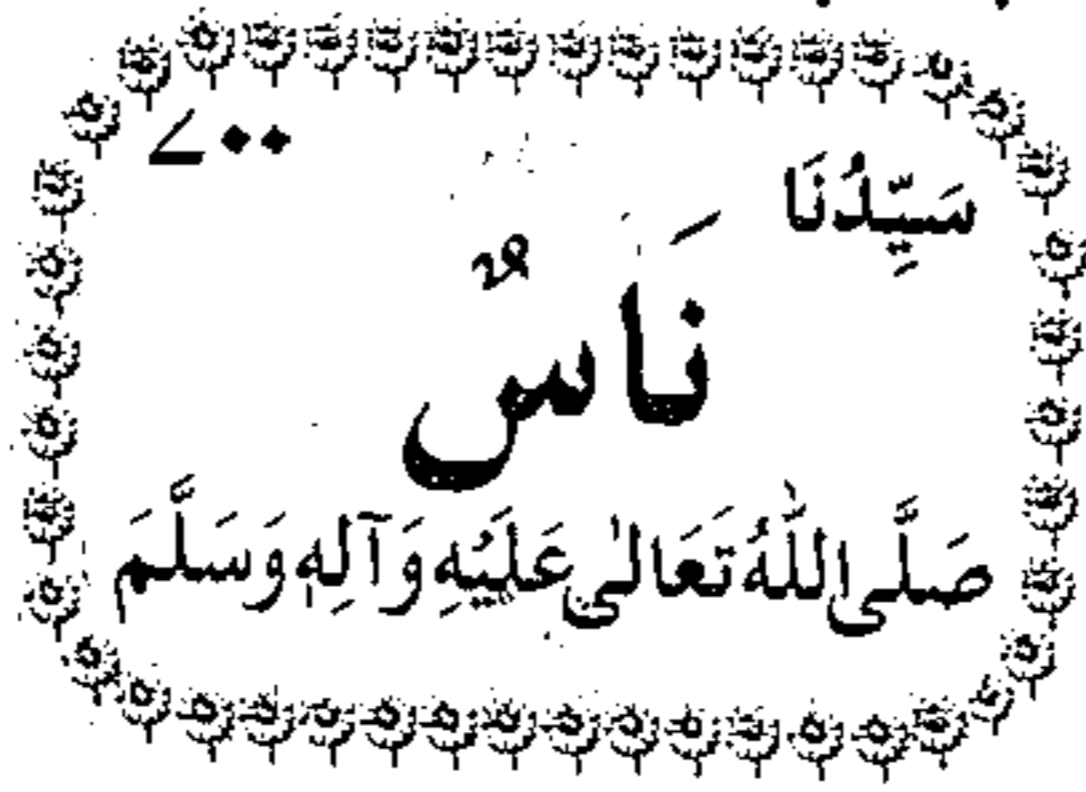
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ. النساء، آیت/۵.

ترجمہ: کیا وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطاء فرمایا۔

امام عَبْد بن حُمَیْد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ:

اس مقام پر اَلنَّاس (لوگوں) سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنا تَسْمِیَۃُ الْخَاصِّ بِاسْمِ الْعَامِّ کے قبیل سے ہے۔

یا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات تمام لوگوں سے بزرگ تر اور جلیل تر تھی۔

یا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام لوگوں کے اوصافِ حمیدہ مجتمع تھے۔
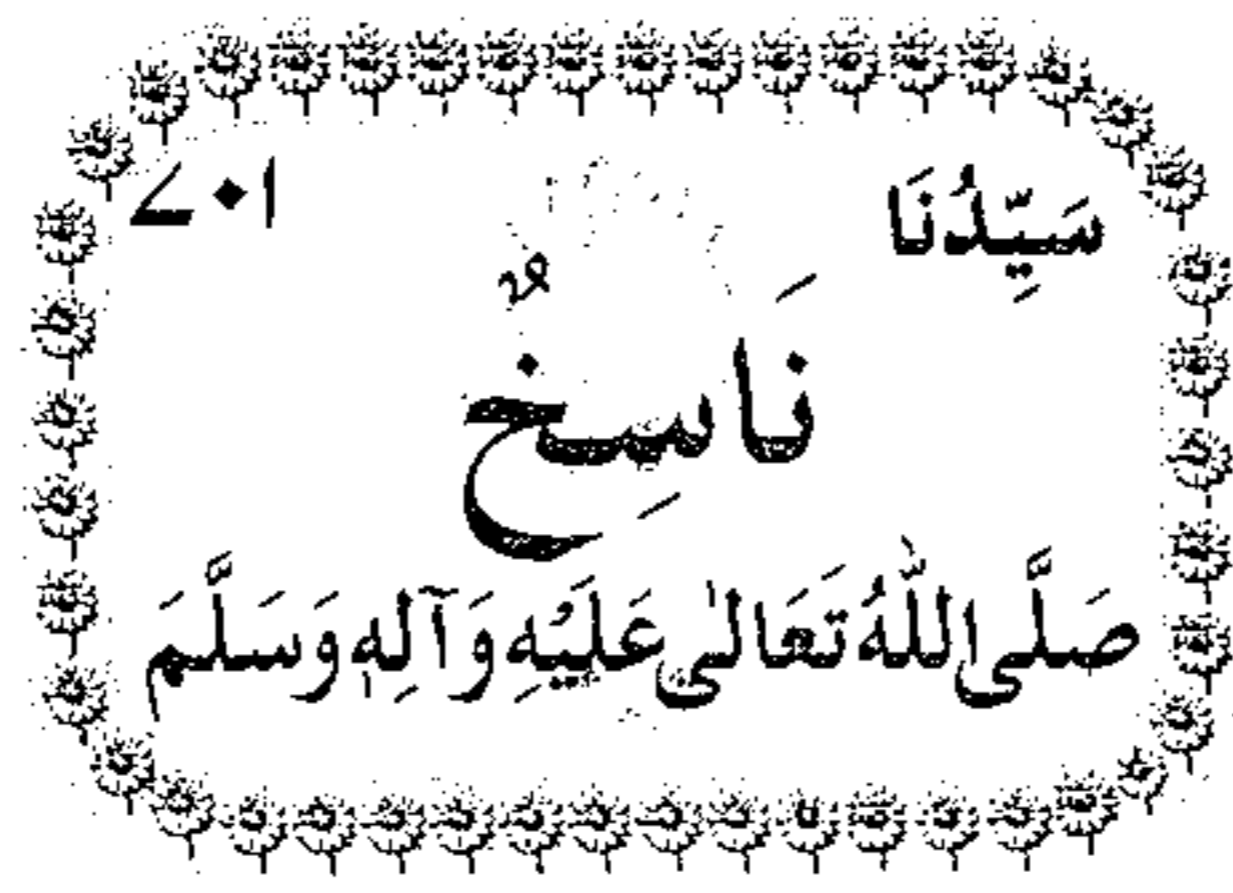
یہ اسم نَسْخٌ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

کسی شے کو بعد میں آنے والی چیز سے زائل کر دینے کو از روئے لغت نَسْخ کہتے ہیں۔

نَسَخَ الظِّلُّ الشَّمْسَ (سائے نے دھوپ کو ختم کر دیا)

یا:۔نَسَخَ الشَّمْسُ الظِّلَّ۔(دھوپ نے سایہ کو ختم کر دیا)

انہی معنوں میں مستعمل ہے۔

اصطلاحِ شریعت میں کسی شرعی حکم کو نئے خطاب سے اٹھا دینے کو نسخ کہا جاتا ہے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اسم سے موسوم کرنے کا باعث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شریعت کے ذریعہ تمام شریعتوں کو منسوخ فرما دیا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اسی بناء پر اصولِ فقہ میں مختار قول یہ ہے کہ ہم سے ماقبل شریعتیں مطلقا ہمارے لئے شریعت نہیں ہیں، اگرچہ ان کا کوئی ناسخ وارد نہ ہو۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اگر ناسخ وارد نہ ہو تو وہ شریعتیں ہمارے لئے شریعت ہیں۔

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام ابوزکریا مناوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس قول کی تقریر فرماتے ہوئے سنا کہ:۔

وہ قول جس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت نے مطلقا تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے''اس میں کوئی شک نہیں ہے''۔

اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم سے پہلے کی شریعتیں اس صورت میں ہماری شریعت ہیں جب کہ کوئی ناسخ وارد نہ

ہواس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہماری شریعت ہے اس بنا پر کہ ہماری شریعت نے اس کی تائید فرمادی ہے۔ اس معنی میں نہیں کہ ہم کسی پہلی شریعت کے مطابق عبادت کرتے ہیں۔

﴿تنبیه﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت بھی نسخ کے ساتھ بیان کی ہے۔

چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْمِثْلِهَا۔ البقرة، آیت/١٠٦.

ترجمہ: جو آیت ہم منسوخ کریں یا اس کے حکم کو مؤخر کریں تو اس کی مانند یا اس سے بہتر آیت لے آتے ہیں۔

۴۰۲ے

سَیِّدُنَا

نَاسِکٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
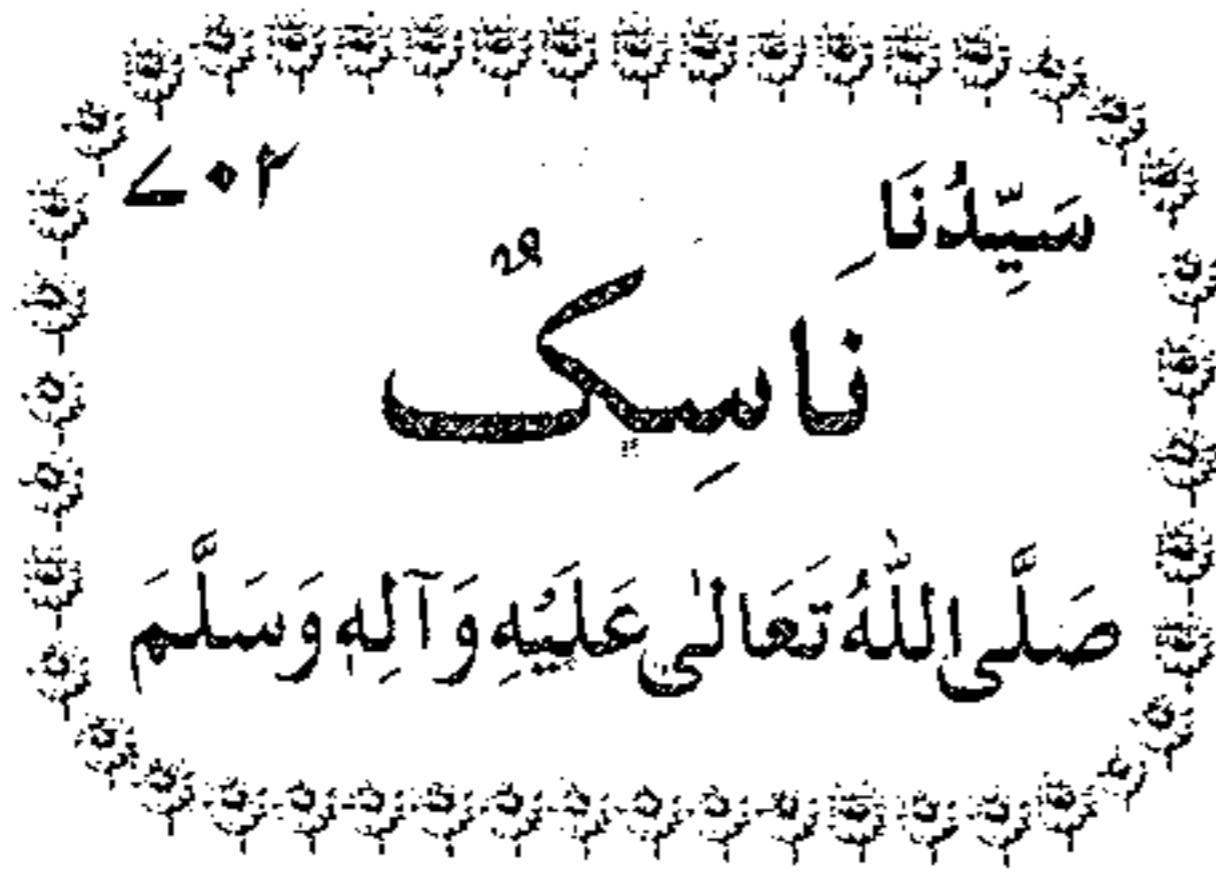
اس کا معنی ہے ''عبادت کرنے والا''۔

یہ نُسُک بمعنی عبادت سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

۴۰۳ے

سَیِّدُنَا

نَاشِرٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
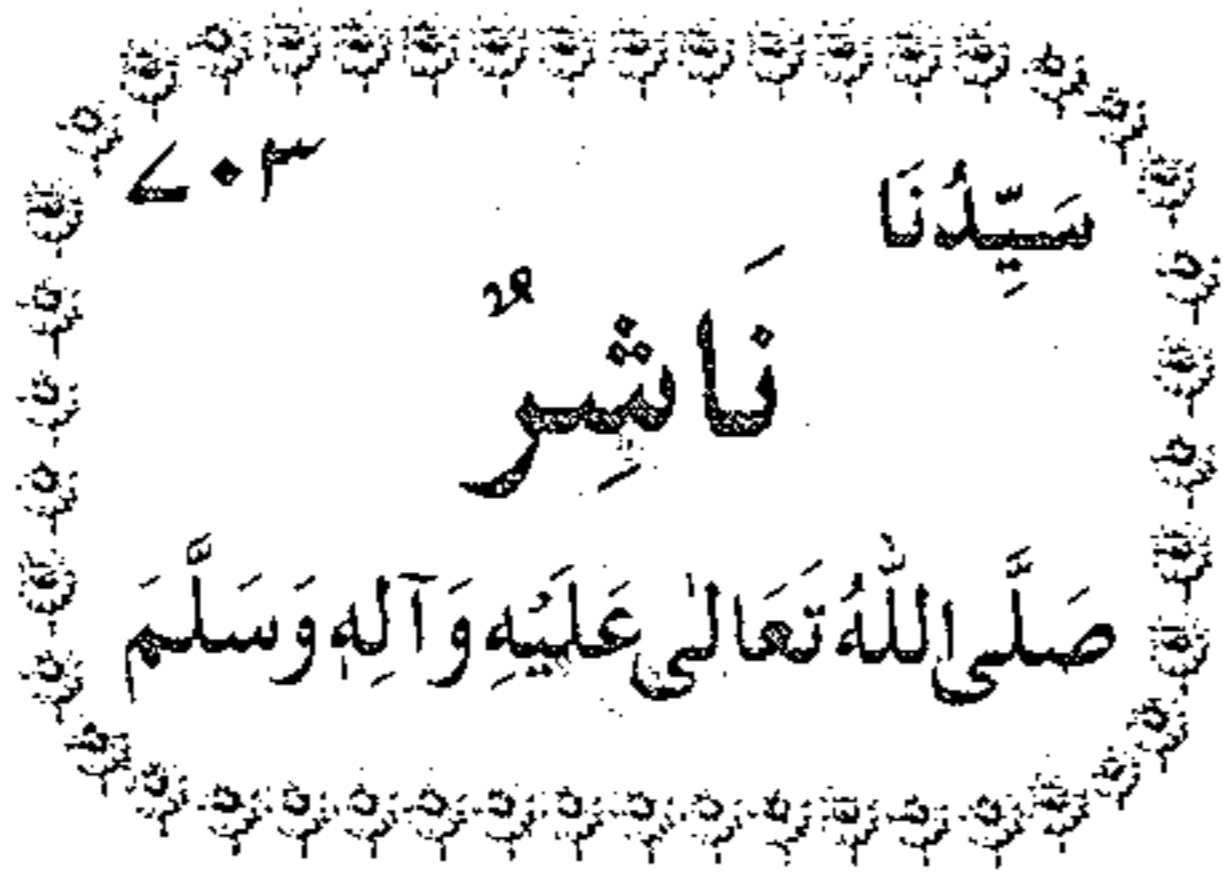
اس کا معنی ہے ''کسی چیز کے لپیٹ لینے کے بعد اس کو ظاہر کرنے والی ذات''۔

یہ نَشْرٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے ''کھولنا''۔

نَشَرَ الصَّحِیْفَۃَ ،نَشَرَ الْحَدِیْثَ اور نَشَرَ السَّحَابَ (اس نے صحیفہ، حدیث اور بادل کو پھیلا دیا)

انہی معنوں میں مستعمل ہیں۔

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو پھیلایا، شعائرِ احکام کو ظاہر فرمایا اس لئے اس

اسم سے موسوم ہوئے۔

یا: نَاشِر کا معنی ہے ''حَاشِر:۔

(اکٹھا کرنے والا)'' پہلے گزر چکا ہے۔

۴۰۷

سَیِّدُنَا

نَاصِبٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
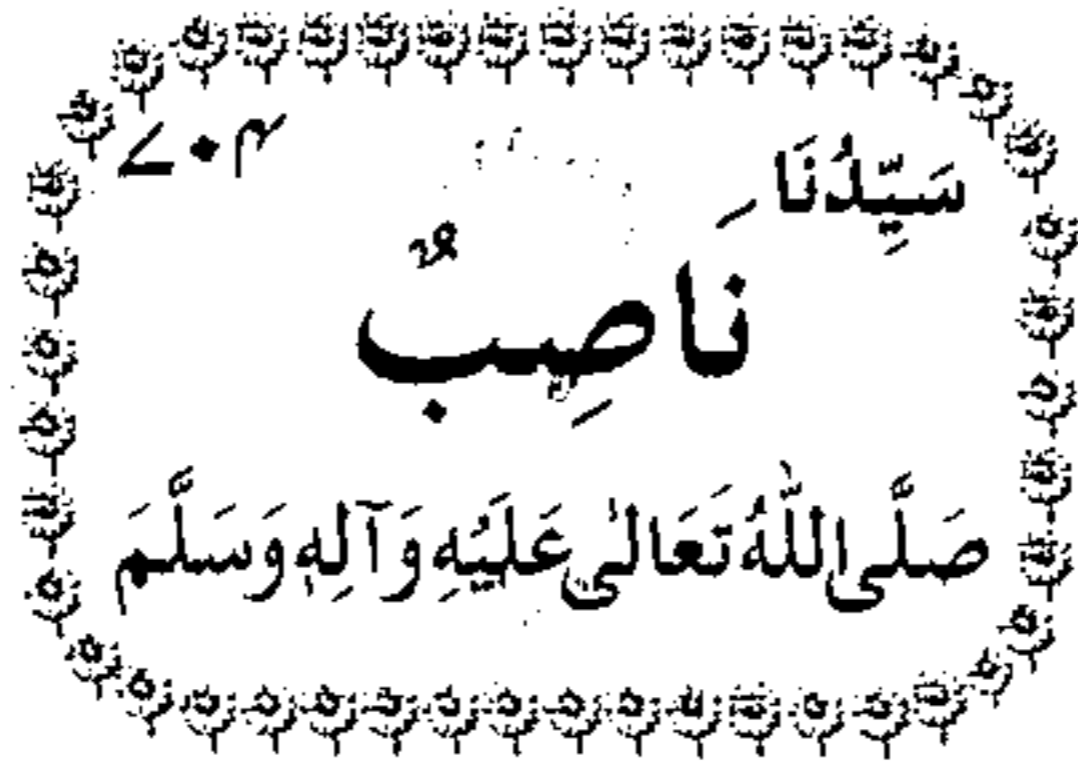
اس اسمِ گرامی کو امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ اس کا معنی ہو ''دین کے احکام کو بیان کرنے والی ہستی''۔

اس صورت میں یہ نُصَب، نون پر پیش اور صاد پر زبر سے مشتق ہوگا جس کا معنی ہے:۔

''راستہ میں موجود وہ علامات جن سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے''۔

یا اس اسم کا معنی ہے ''دینِ اسلام کو قائم کرنے والی ہستی''۔

اس صورت میں یہ نَصَبْتُ الشَّیْئَ سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی ہے:۔

''میں نے شی کو قائم کر دیا''۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اسم درج ذیل آیت مبارکہ سے ماخوذ ہو۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۔

ترجمہ: جب تم نماز سے فارغ ہو چکو تو دعا اور عاجزی میں خوب محنت کرو۔

علامہ عبدالباسط بُلْقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔ نَاصِبٌ کا معنی ہے ''بلند''۔

رَجُلٌ نَّاصِبٌ کا معنی ہے ''ابھرے ہوئے سینے والا''۔

اور اَلنَّاصِبُ لِلْحَرْبِ کا معنی ہے جنگ کو قائم کرنے والا۔

نیز اس کا معنی ''طاعت و عبادت میں کوشش اور محنت کرنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اشاد فرمایا:۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ.

ترجمہ: اور جب تم فارغ ہو جاؤ خوب محنت کیا کرو۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم نماز ادا کر چکو تو دعا میں خوب کوشش کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی فرمایا ہے۔

اور امام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تم اپنے جہاد سے فراغت پاؤ تو عبادت میں کوشش کرو۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے سابقہ انعامات شمار فرمائے اور آئندہ وعدہ فرمایا کہ شرحِ صدر، بوجھ کو اتار دینے اور مشکل کے بعد آسانی وغیرہ امور کے ذریعہ سے آئندہ مشقتیں اور دکھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اٹھا دے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکر پر شوق دلایا اور مشقت کی برداشت اور عبادت میں خوب کوشش کرنے کی ترغیب دلائی۔

یعنی فرمایا اس بارے میں خوب جان توڑ محنت کرو اور مسلسل یکے بعد دیگرے مشقتیں برداشت کرتے رہو۔

۷۰۵ سَیِّدُنَا

نَاصِحٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
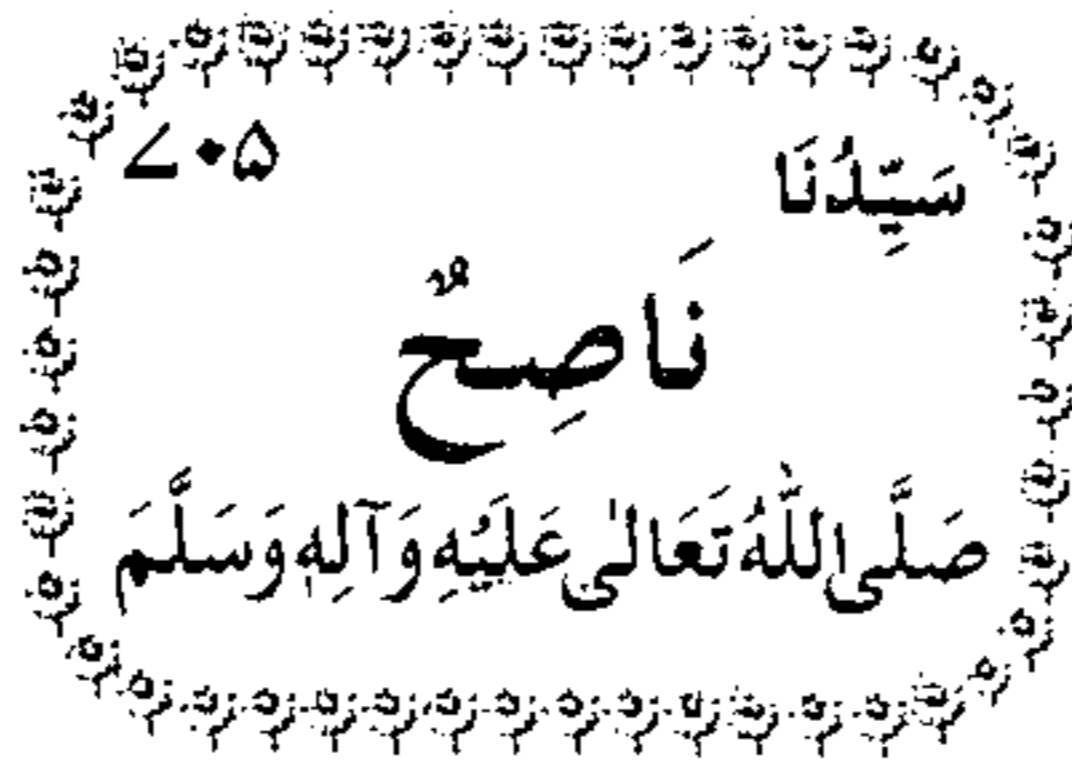
اسے علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اسم مبارک شب معراج انبیائے کرام علیہم السلام کے اس قول سے ماخوذ ہے:۔

مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ بَلَّغَ رِسَالَۃَ رَبِّہٖ وَنَصَحَ لِاُمَّتِہٖ۔

ترجمہ: خوش آمدید اس نبی کو جس نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچادیئے اور اپنی امت کی خیر خواہی کی۔

امام خطّابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نصیحت ایسا کلمہ ہے جس کے ذریعہ سے جس کو نصیحت کی جائے اس کے ساتھ بھلائی اور بہتری کے تمام ارادوں کو تعبیر کیا جاتا ہے، اس کلمہ کی خصوصیات کو کسی اور ایک کلمہ کے ساتھ تعبیر کرنا ممکن نہیں ہے۔ لغت میں اس کا معنی اِخلاص ہے۔

دوسرے علماء نے فرمایا نصیحت ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جس میں بہتری اور سلامتی ہو۔

یہ لفظ نَصَاحٌ سے ماخوذ ہے اور نَصَاحٌ کا معنی ہے ''وہ دھاگا جس سے کپڑا سیا جاتا ہے''۔

ایک اور عالم نے فرمایا نصیحت کا معنی ہے کہ جس کو نصیحت کی جائے اس کی رائے کے خلل کو ختم کرنا۔

یہ لفظ نَصَحَ الثَّوْبَ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ''اس نے کپڑا سیا''۔

نِہَایَہ میں ہے نصیحت کا اصل معنی ''خلوص'' ہے۔

عربی محاورہ ہے:۔ نَصَحْتُ الْعَسَلَ اس کا معنی ہے ''اس سے موم کو نکال دیا''۔

گویا عرب لوگ نـــاصِح کے فعل کو جس کے ذریعے جسے نصیحت کر رہا ہوتا ہے اس کی بہتری چاہنے اور اس کا کھوٹ دور کرنے کا ارادہ کر رہا ہوتا ہے، شہد کو ملاوٹ سے پاک کرنے سے تشبیہ دیتے ہیں۔
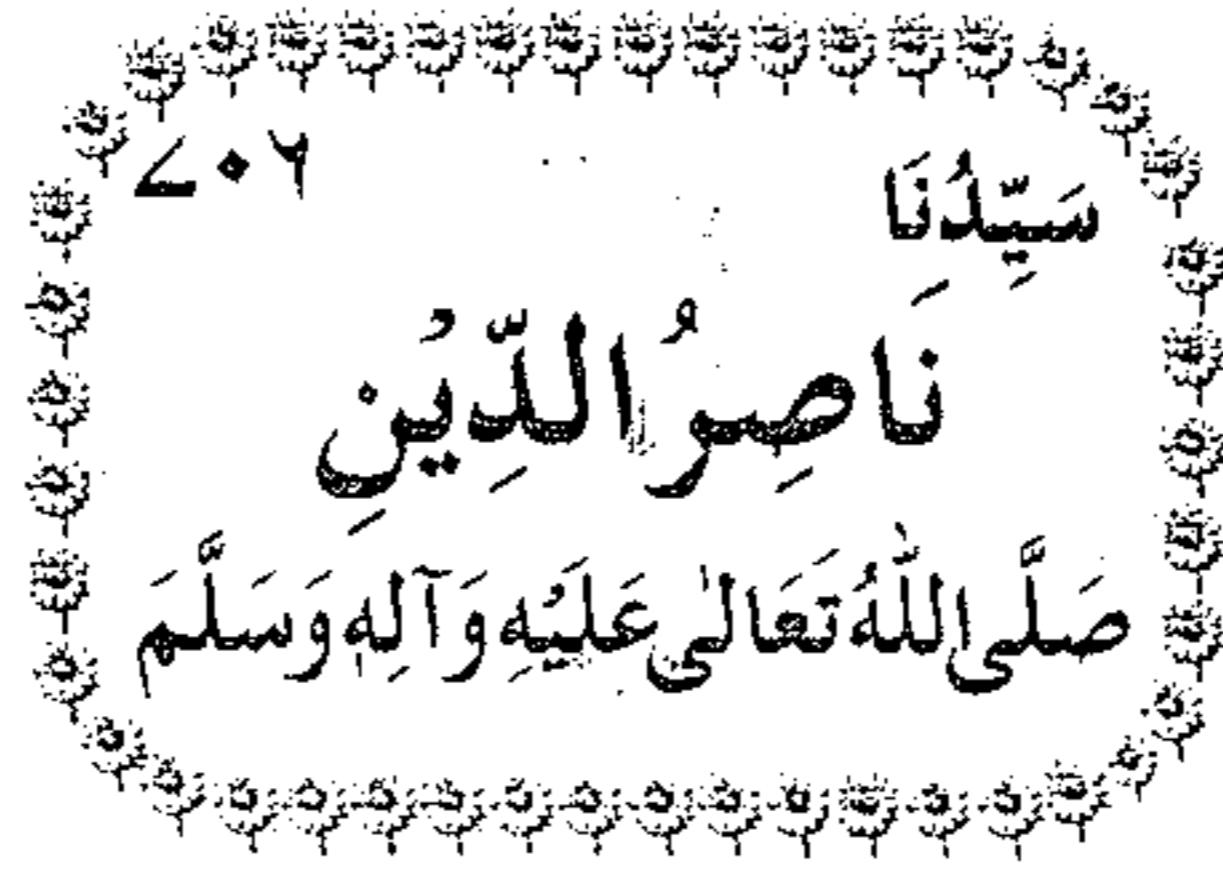
اسے علامہ عبدالباسط بُلْقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ اسم اضافت کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''فاسق وفاجر دشمنوں اور انکار کرنے والے کافروں کے طعن سے دین کی حفاظت اور اسے بچانے والی ذات''۔ اس کی جمع :نُصَرَاءُ ہے جس طرح کہ عَالِمٌ کی جمع عُلَمَآءُ آتی ہے۔

اور لفظ دین جو کہ مضاف الیہ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں:۔

﴿۱﴾ طاعت ﴿۲﴾ جزاء ﴿۳﴾ ملت ﴿۴﴾ عہد ﴿۵﴾ شریعت۔

اور یہاں پر مراد اس سے دینِ اسلام ہے جو تمام ادیان سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ. آل عمران، آیت/ ۱۹.

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص کی ہوئی ایک شے ہے جو عقل والوں کو اپنے پسندیدہ اختیار کے ساتھ ایسے امور کی جانب چلاتی ہے جو ذات کے اعتبار سے اچھے ہیں۔

۷۰۷

سَیِّدُنَا

نَاضِرٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
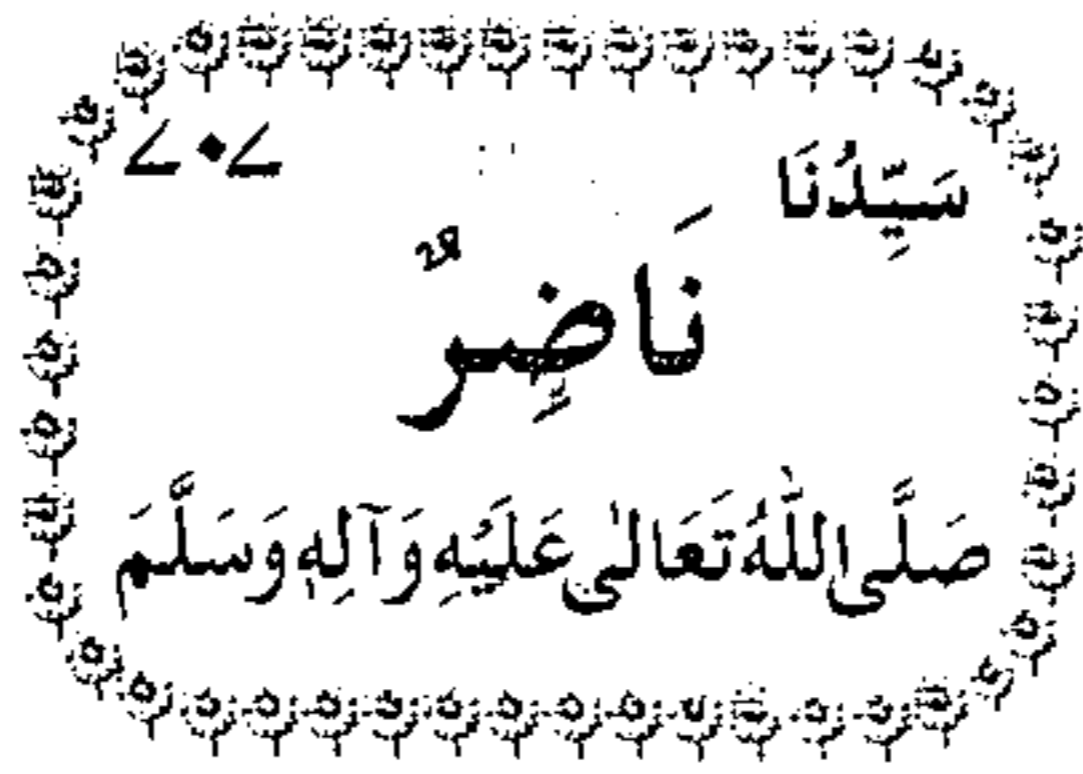
اسے علامہ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ اسم ضاد کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے ''خوب صورت''۔ یہ اسم نَضَارَت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ''حسن اور رونق'' ہے۔

۷۰۸

سَیِّدُنَا

نَاطِقٌ بِالْحَقِّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
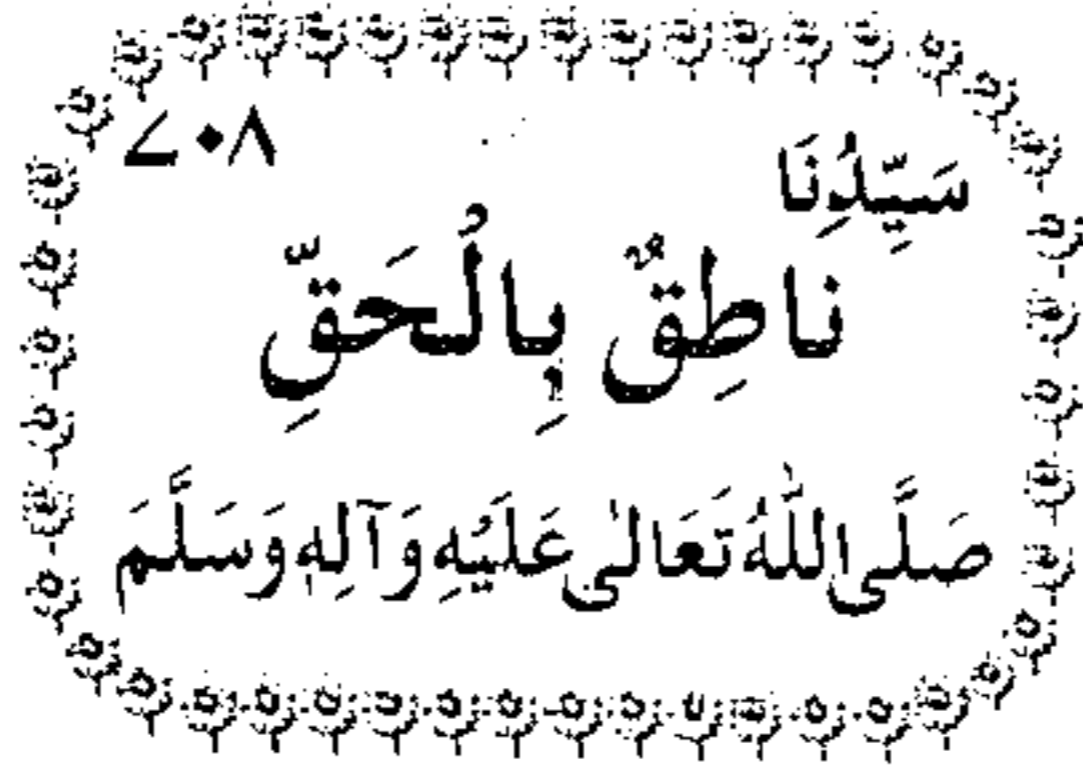
اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
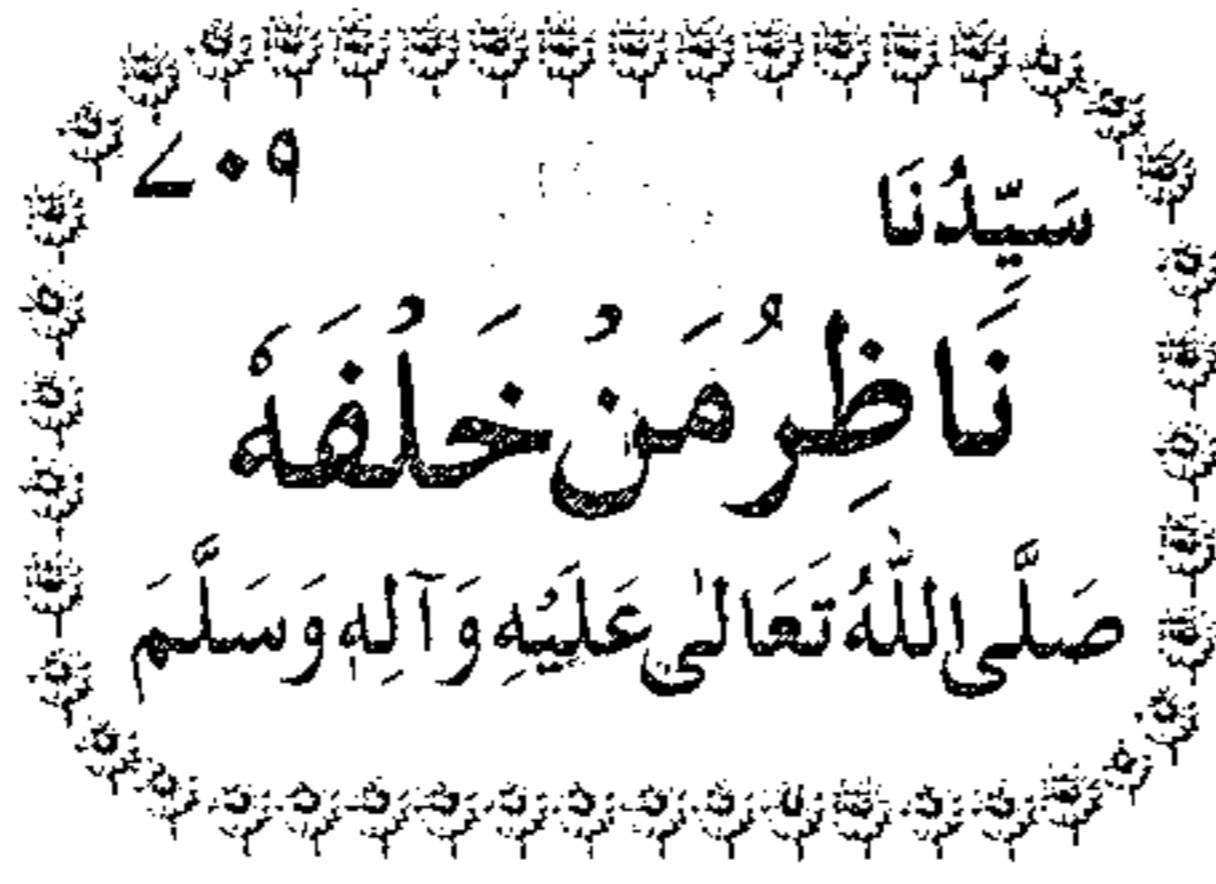
اس اسم میں مَنْ میم پر زبر کے ساتھ ہے جو کہ اسمِ موصول اور اَلَّذِیْ (جو) کے معنی میں ہے۔

اور خَلْفَهٗ ظرف واقع ہونے کے باعث منصوب ہے۔

اس کا معنی ہے "وہ ذات جو اس چیز کو دیکھتی تھی جو اس کے پیچھے ہوتی تھی"۔

یا: خَلْفِهٖ مکسور ہے اس صورت میں اس سے پہلا لفظ "مِنْ" (میم کی زیر کے ساتھ) حرف جار ابتداء کے معنوں میں اور خَلْفِهٖ کسرہ کے ساتھ اس کا متعلق ہے پھر اس اسم کا معنی یہ ہے کہ:۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پیٹھ پیچھے اسی طرح نظر آتا تھا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سامنے دیکھا کرتے تھے۔

اس کا مزید بیان چشمانِ مبارکہ کے اوصاف اور خصائص کے باب میں آئے گا۔
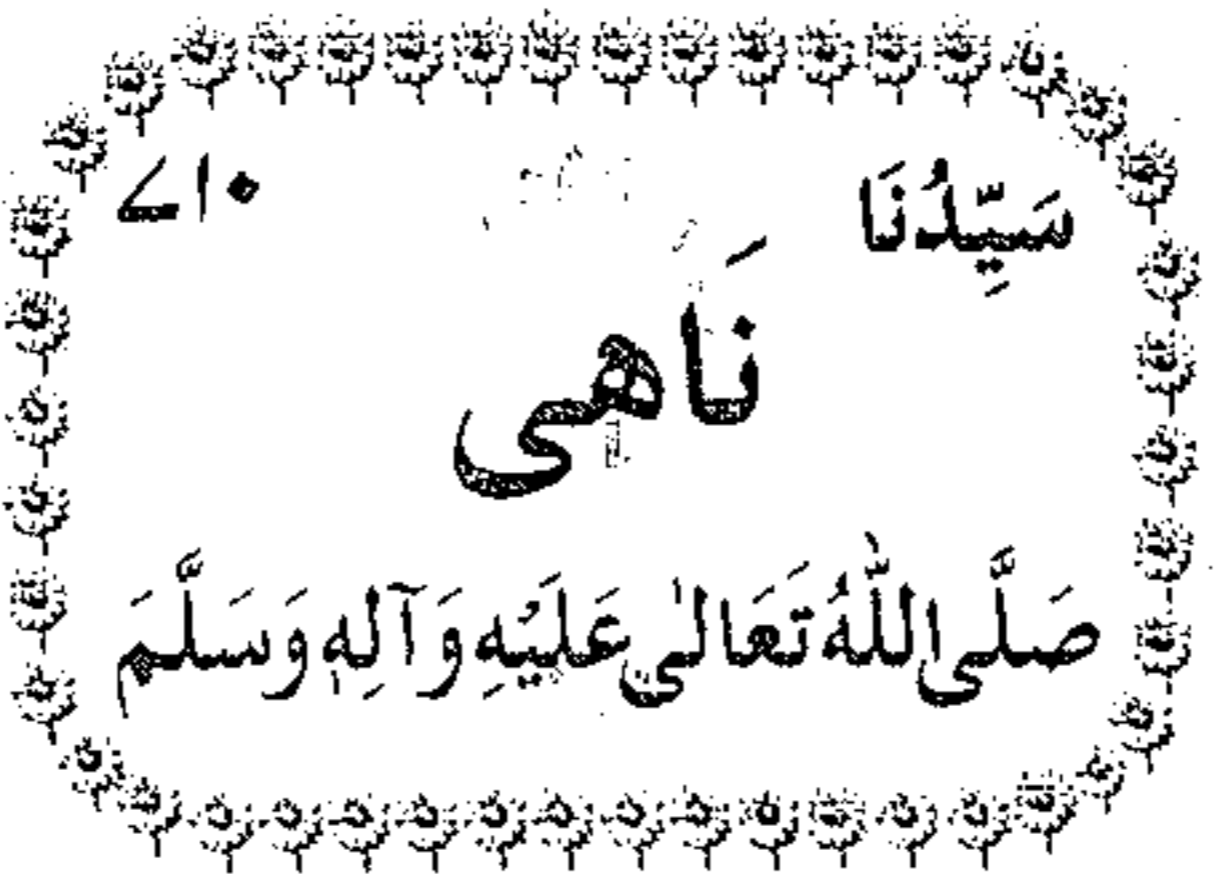
یہ اسم مبارک "نَهْیٌ" سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے "کسی چیز سے جھڑکنا اور حکم دینا"۔ یہ اسم پہلے اٰمِرٌ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

سَیِّدُنَا ۱۱۷

نَبِیٌّ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

بعثت نبوی کے باب میں اس پر گفتگو آئے گی۔

سَیِّدُنَا ۱۱۸

نَبِیُّ الرَّاحَۃِ
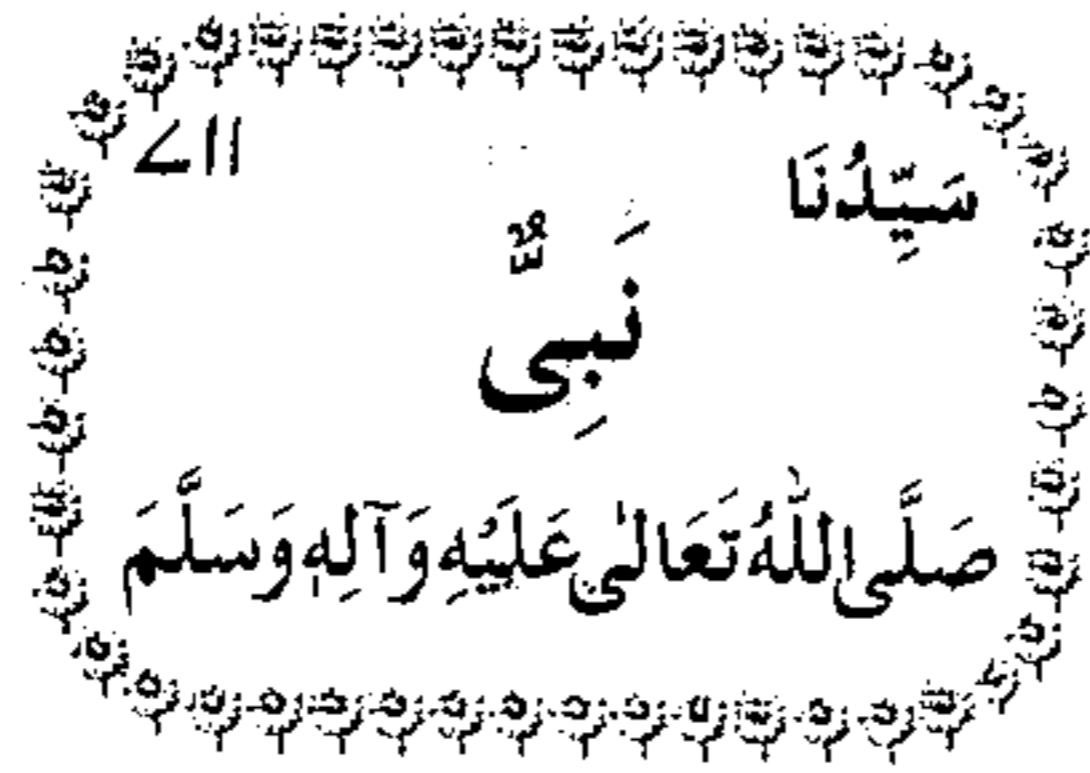
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
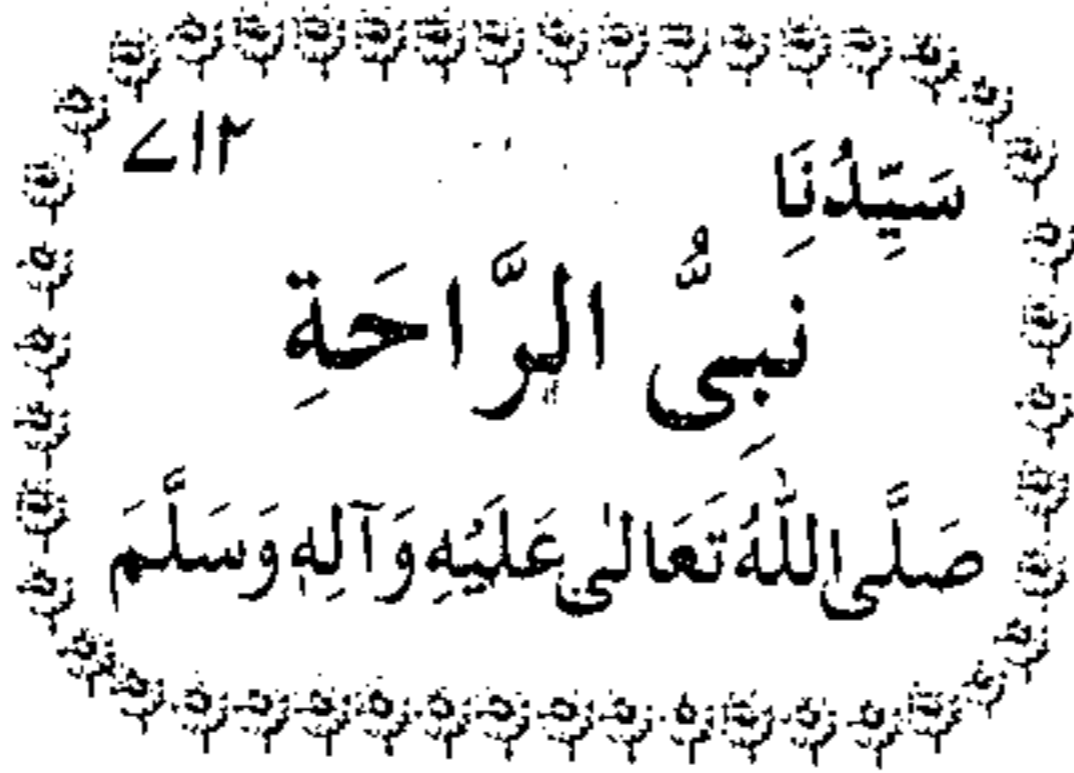
اس اسم میں لفظ رَاحَۃٌ راء اور حاء کے ساتھ ہے۔

جس کا معنی ہے ''تھکاوٹ اور مشقت کے بعد نفس کا رجوع اور سکون''۔ یا اس کا معنی ہے ''سہولت''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کی مشکلات سے اپنی امت کو راحت پہنچائی، اس لئے اس اسم سے موسوم ہوئے۔

یا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شریعت مطہرہ کے ذریعہ سے ان امور کو آسان فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں شاق تکالیف کی صورت میں تھے۔ جیسے کہ توبہ کے لئے اپنے آپ کو مار ڈالنا، مقام کی طہارت کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ ڈالنا وغیرہ۔
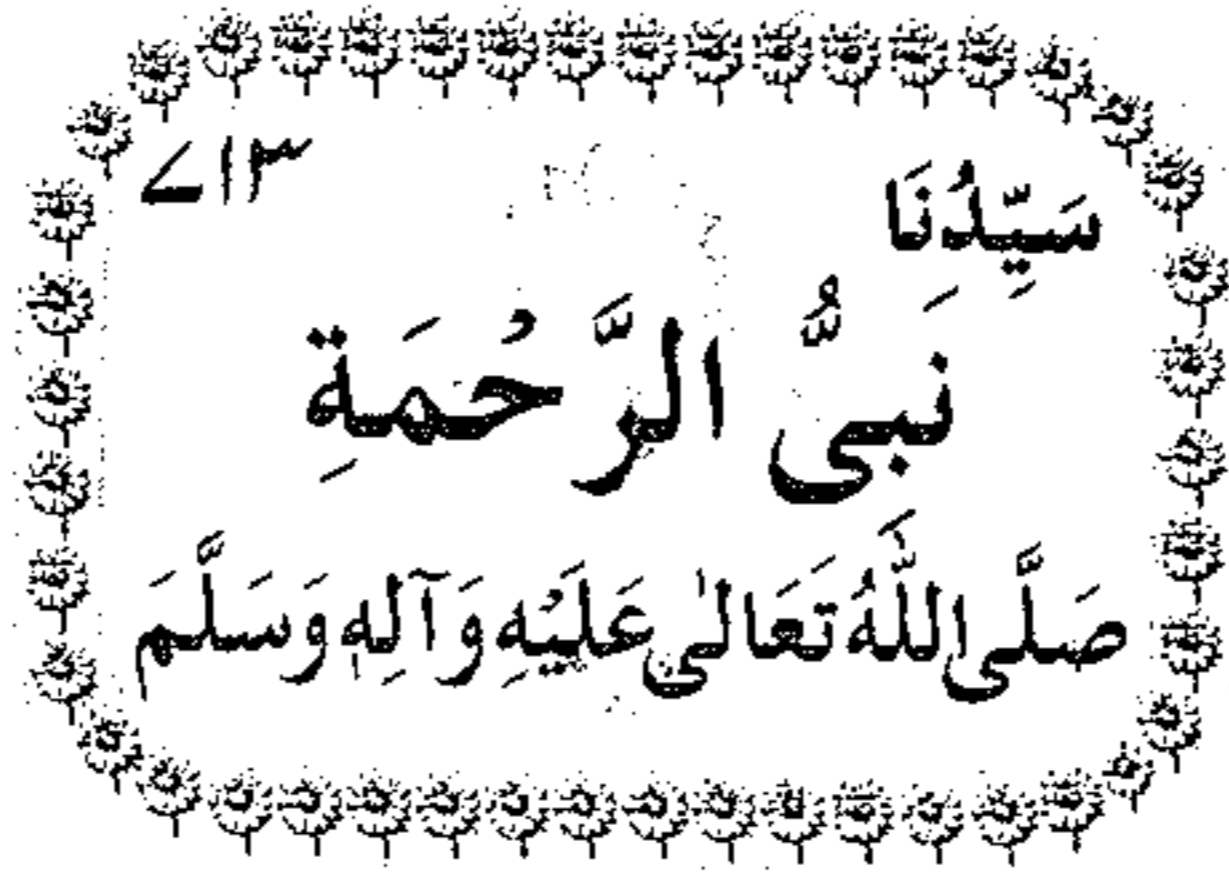
رحمت کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔
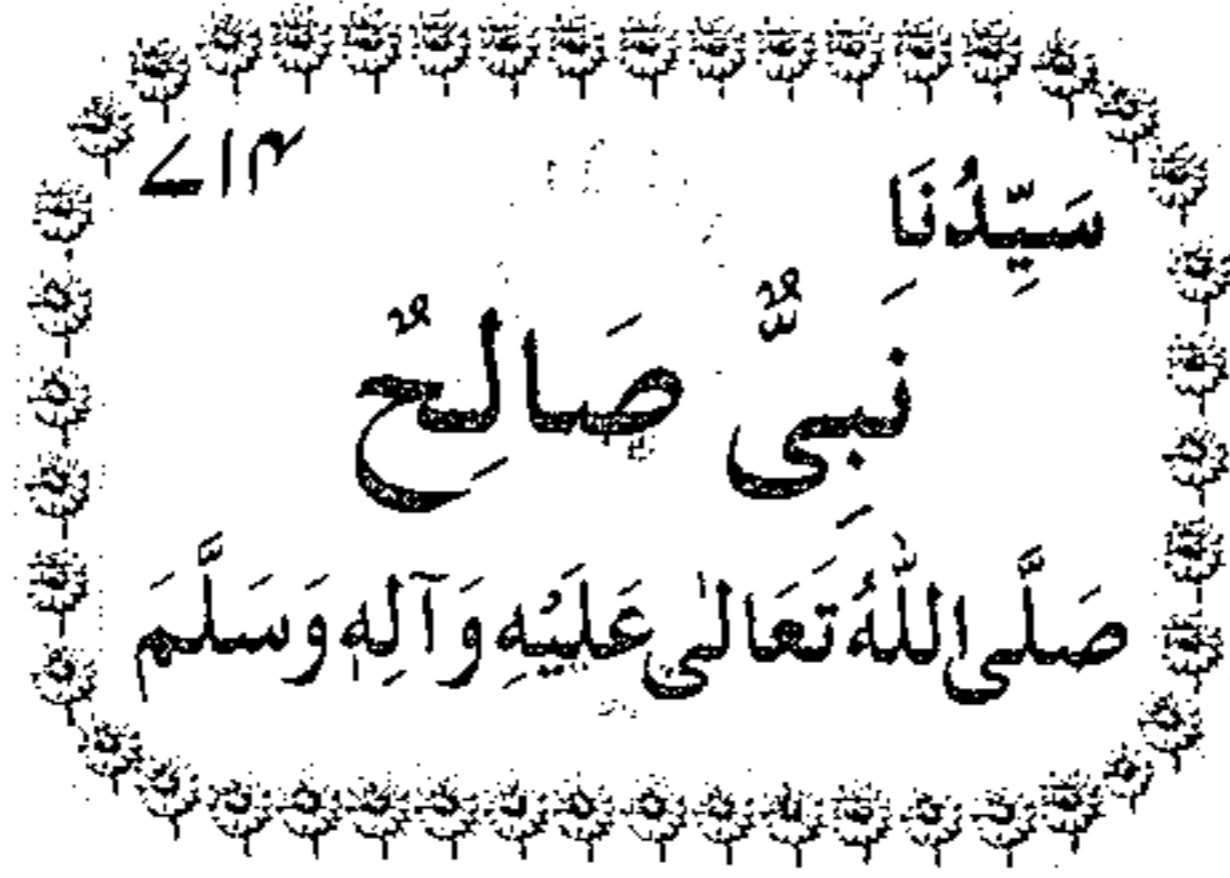
واقعۂ معراج کی حدیث میں وارد ہے کہ اس رات کو حضرات انبیائے کرام اور ملائکہ عظام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یوں عرض کیا:۔

مَرْحَبًا بِالنَّبِیِّ الصَّالِحِ.

ترجمہ: ہم صالح نبی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

لفظ صالح کے معانی پر گفتگو حرف صاد کے ضمن میں اسماء کی تفصیل میں گزر چکی ہے۔

سَیِّدُنَا ۷۱۵

نَبِیُّ الْاَحْمَرِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سَیِّدُنَا ۷۱۶

نَبِیُّ الْاَسْوَدِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
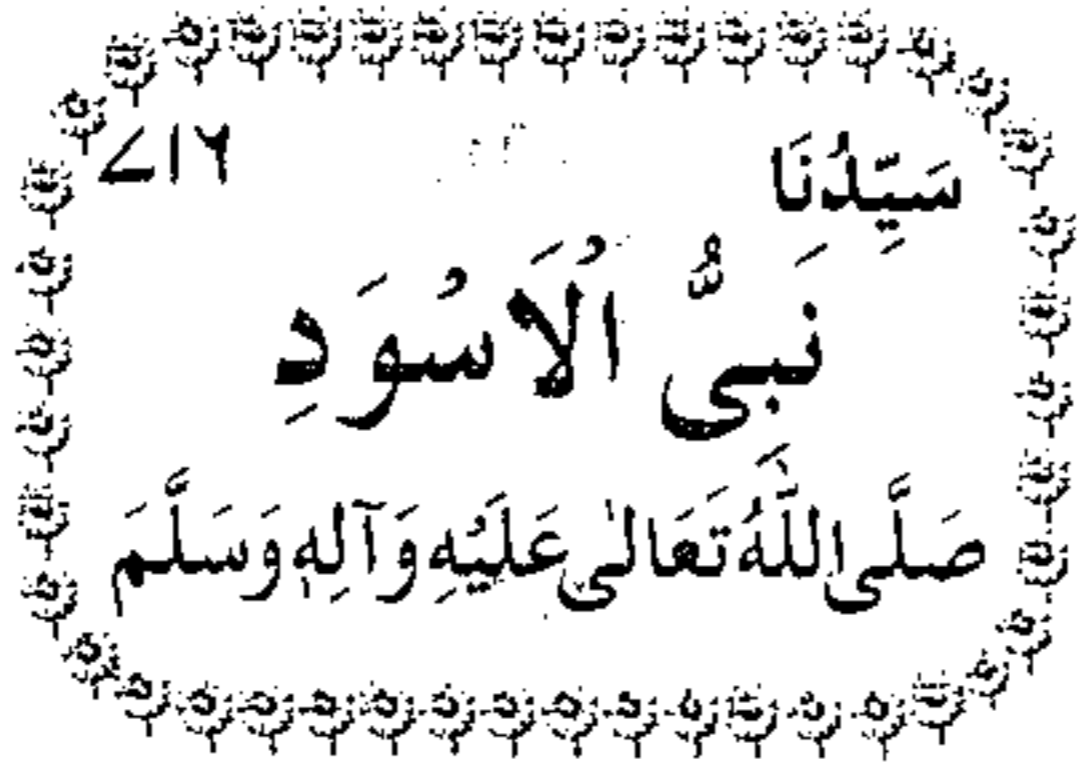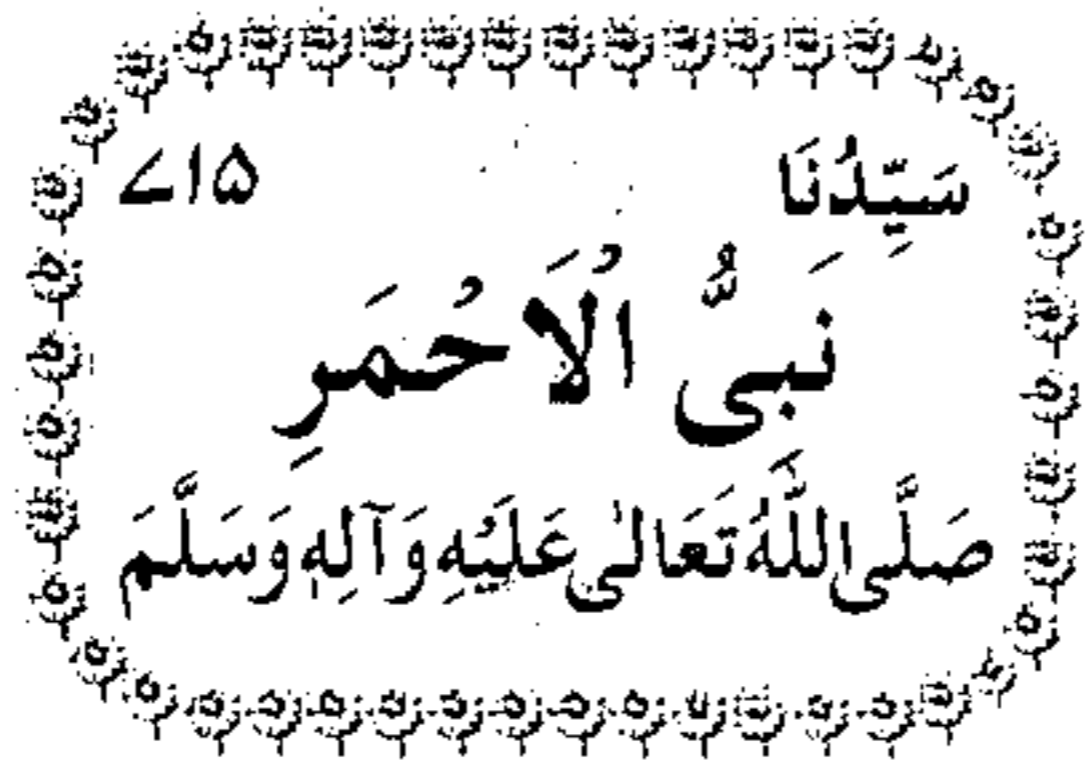
نَبِیُّ الْاَحْمَرِ نَبِیُّ الْاَسْوَدِ کا معنی ہے ''انسانوں اور جنوں کے یا عرب وعجم کے نبی۔

سَیِّدُنَا ۷۱۷

نَبِیُّ التَّوْبَۃِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
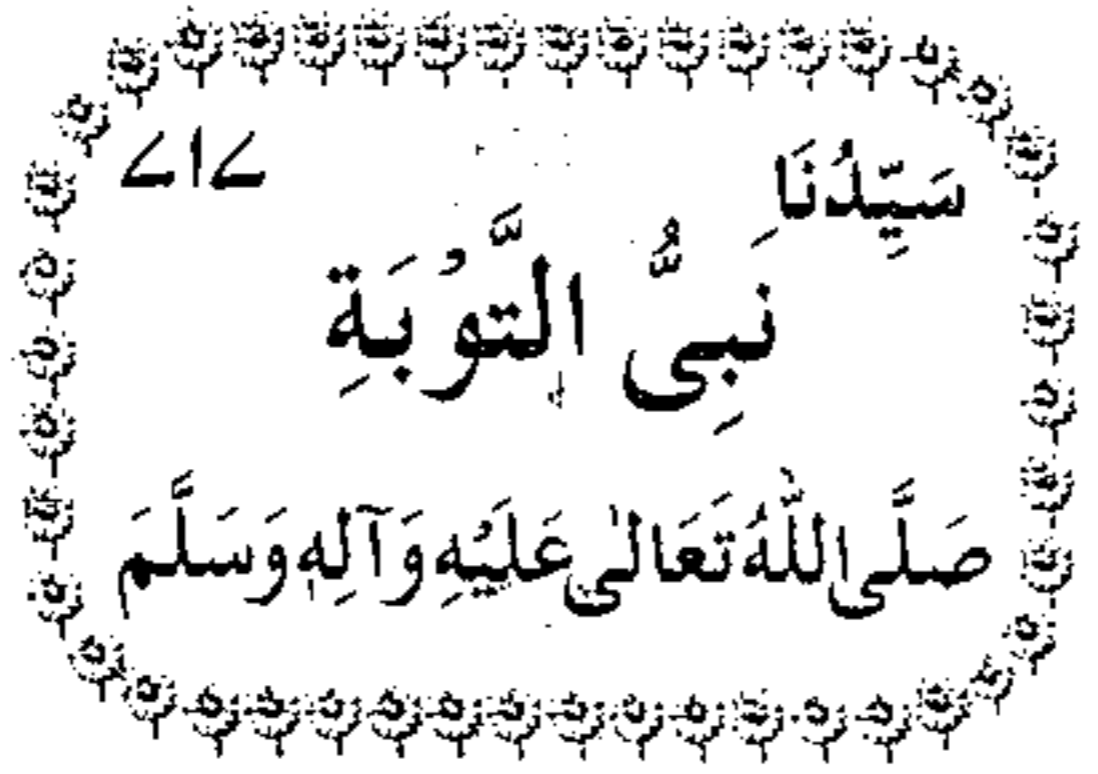
تَوْبَۃٌ کا معنی ''رجوع کرنا اور پلٹ آنا ہے''۔

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا توبہ کا معنی ہے ''ٹال مٹول کو چھوڑ دینا''۔

حضرت امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب لفظ توبہ کی نسبت بندہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد لغزشوں سے ندامت کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ اور جب اس کو رب تعالیٰ وتبارک کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے اس کے انعامات اور نعمتوں کا بندوں کی طرف متوجہ ہو جانا۔

۱۸ے

سَیِّدُنَا

نَبِیُّ الْحَرَمَیْنِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

حرمین سے مراد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہے۔

۱۹ے

سَیِّدُنَا

نَبِیُّ زَمْزَمَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

بیت اللہ شریف کے فضائل کے باب میں زمزم پر گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

۲۰ے

سَیِّدُنَا

نَبِیُّ الْمَرْحَمَۃِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

رحمت کے ضمن میں یہ بھی گزر چکا ہے۔

۲۱۷

سَیِّدُنَا نَبِیُّ الْمَلْحَمَۃِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم

مَلْحمۃ کا معنی ہے ''جنگ اور لڑائی کا مقام''۔

چوں کہ جنگ میں لوگ اس طرح ایک دوسرے میں گتھم گتھا اور گھل مل جاتے ہیں جس طرح کپڑے کا بانا اس کے تانے میں پیوست ہو جاتا ہے۔

اور کپڑے کے بانے کو ''لَحْمَۃٌ'' کہتے ہیں۔ اسی لفظ سے یہ اسم مبارک ماخوذ ہے۔

بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ مَلْحَمَۃٌ کا معنی ہے:۔

''میدان جنگ میں مقتول افراد کے گوشت کی کثرت''۔

نَبِیُّ الْمَلْحَمَۃِ کا معنی ہے ''جنگ کرنے والے نبی''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد بھی اسی طرح کا ہے:۔

بُعِثْتُ بِالسَّیْفِ.

ترجمہ: میری بعثت تلوار کے ساتھ ہوئی ہے۔

مَلَاحِمُ، مَلْحَمَۃٌ کی جمع ہے جس کا بیان ہو چکا ہے۔
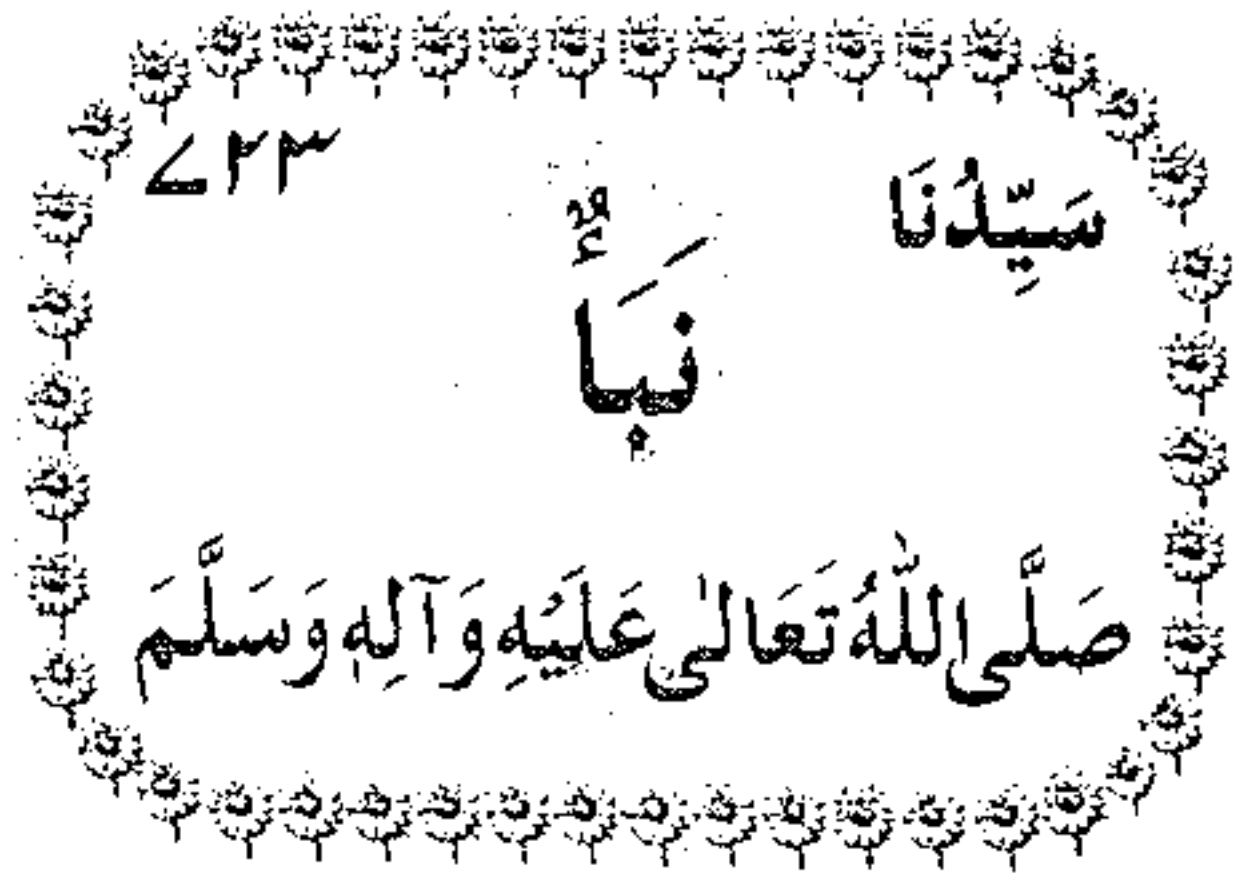
۷۲۳

سَیِّدُنَا

نَبَأٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

یہ اسم مبارک ابتدا میں نون اور آخر میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے "عظیم الشان اور اہم معاملہ"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:۔

عَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ۔

ترجمہ: وہ لوگ کاہے کے بارے میں پوچھتے ہیں کیا وہ بڑی خبر کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

نَبَأٌ: سے مراد ایک قول کی رو سے قرآن مجید ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حضور سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سراپا برکات ہے۔

۲۲۴

سَیِّدُنَا

نَجْمٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔اس کا لغوی معنی معروف ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم اس لئے کیا گیا کہ ایمان کے رستے کا راہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے رہنمائی حاصل کرتا ہے جس طرح کہ عام رستوں پر چلنے والے ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ قرآن مجید میں:۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی.

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ نیچے کی جانب اترا۔

اس آیت میں نَجم سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اور "اِذَاھَوٰی" سے مراد شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالمِ بالا سے نیچے اترنا ہے۔
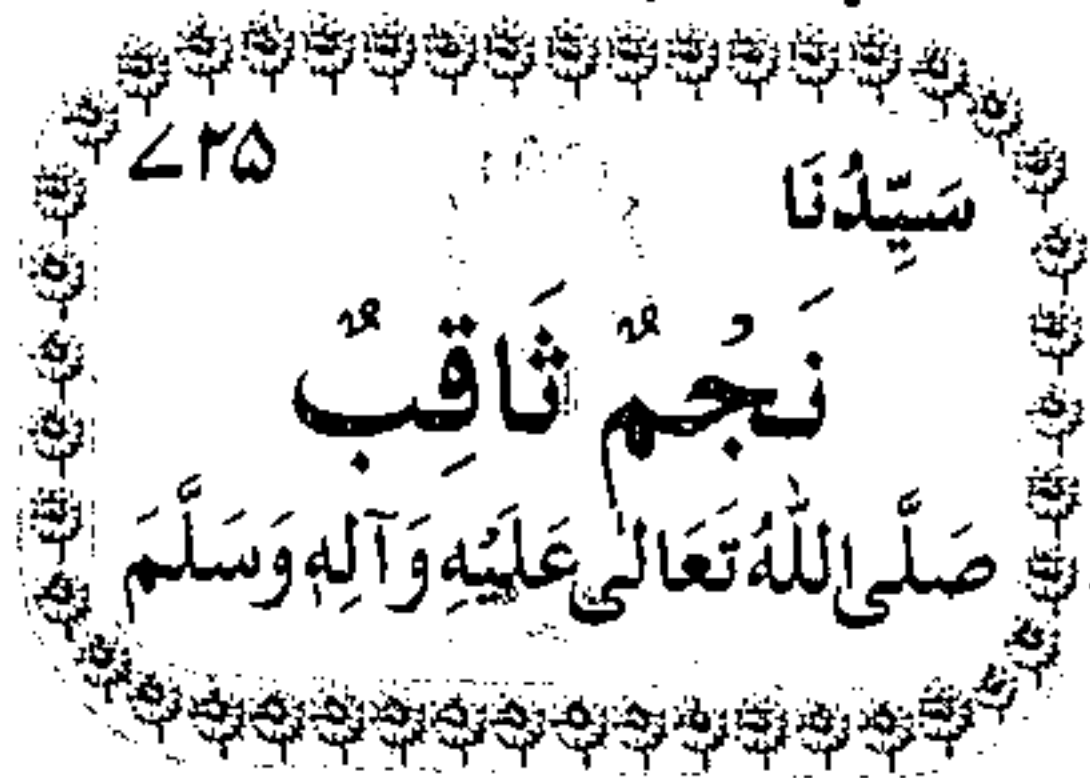
ثَاقِبٌ کا معنی ہے ایسا روشن کہ جس پر اس کی روشنی پڑے وہ اپنی روشنی اور نور کی بدولت اس میں سوراخ کر دے۔

امام سُلَمِی رحمۃ اللہ علیہ نے:اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ کی تفسیر میں فرمایا کہ:۔

اس سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔
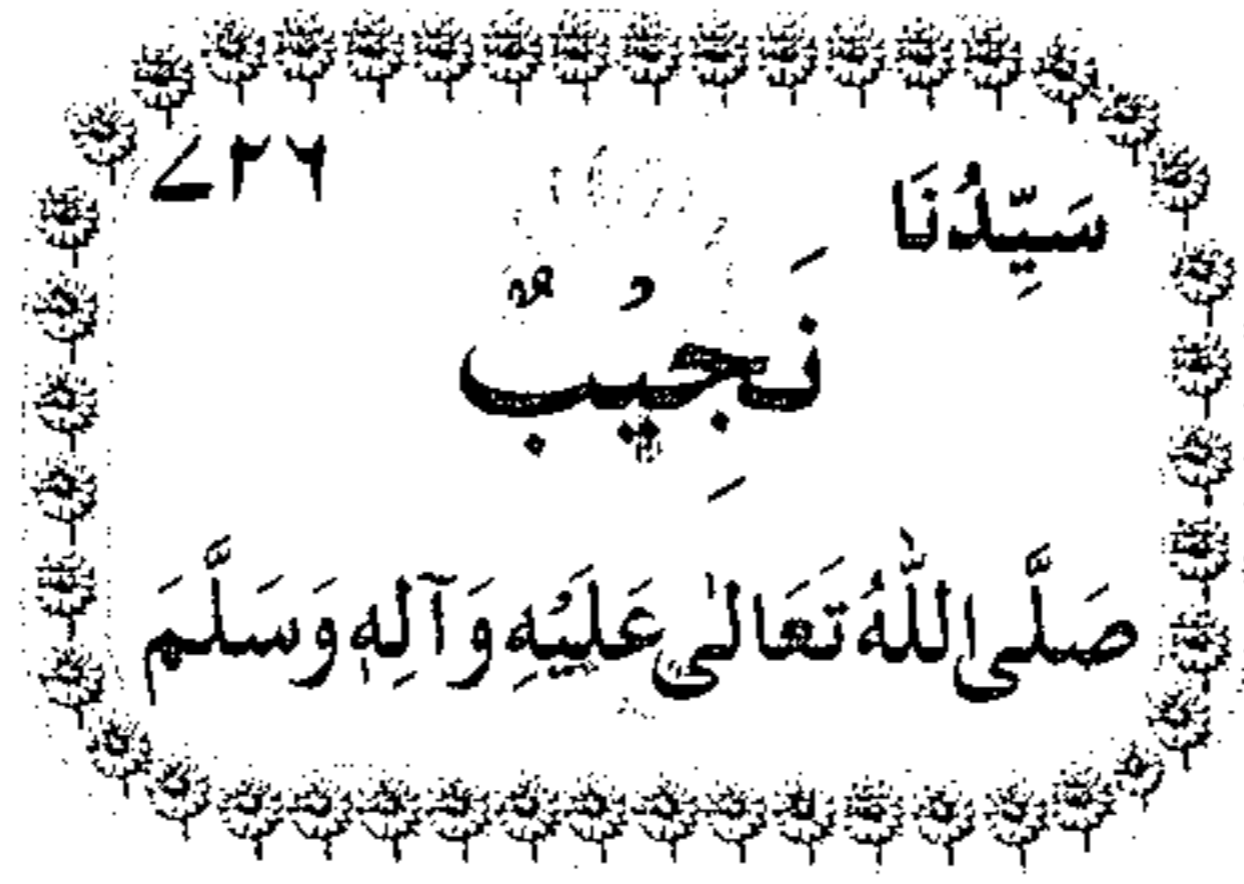
اس کا معنی ہے ''معزز اور اچھے نسب والا'' یا اس کا معنی ہے ''چنا ہوا اور پسندیدہ''۔

یہ اسم گرامی جیم کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے ''راہنما، ماہر''۔

یا دلیر اور وہ کٹھن مراحل طے کر لینے والا جس سے دوسرے عاجز آ جائیں۔

یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے جو کہ فاعل کے معنی میں ہے۔

اس کی ماضی: نَجُدَ بروزن کَرُمَ، مصدر نَجَادَۃٌ اور نَجْدَۃٌ۔

صفت مشبہ اور اسمِ فاعل: نَجِیْدٌ، مُنْجِدٌ، نَجَدٌ نون اور جیم دونوں پر زبر، نَجِدٌ بروزن کَتِفٌ۔

سَیِّدُنَا ۷۲۸

نَجِیُّ اللّٰہِ تَعَالٰی

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
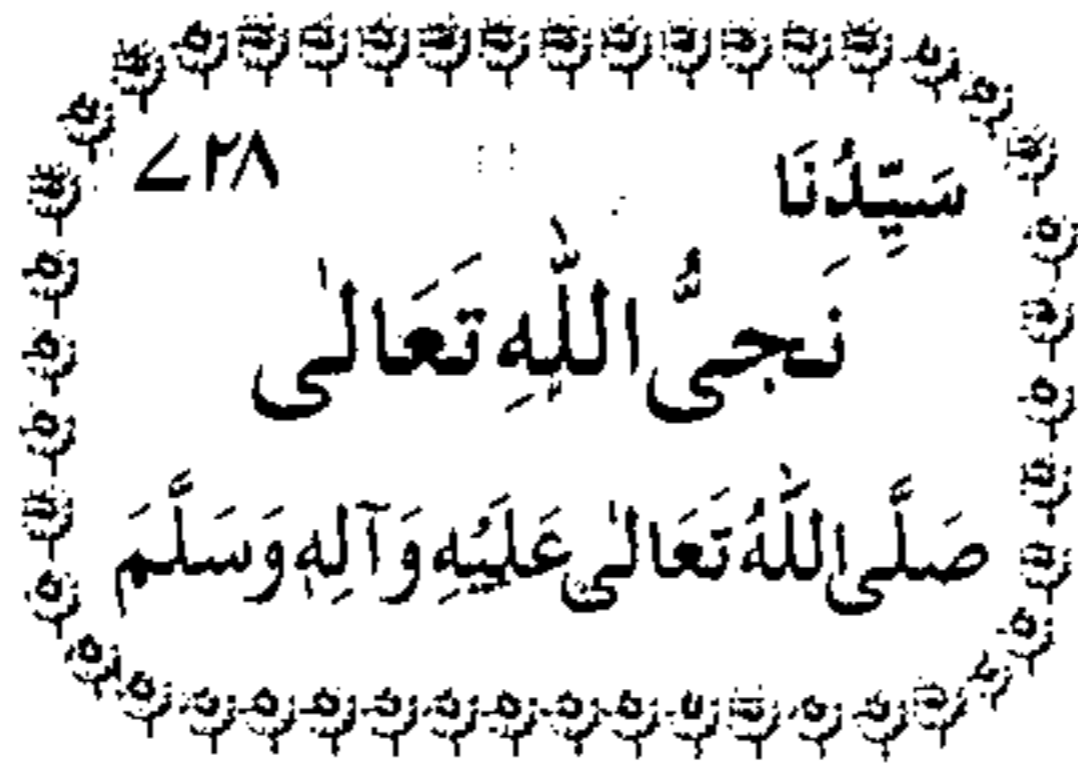
امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ اس کا معنی ہے ''سرگوشی کرنے والا''۔

اس لفظ کا اطلاق جس طرح واحد پر ہوتا ہے اسی طرح جمع پر بھی ہوتا ہے۔

چناں چہ واحد کی صورت کی مثال:۔

وقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا۔ مریم، آیت ۵۲.

ترجمہ: اور ہم نے اسے اپنے قریب کیا جب کہ وہ سرگوشی کرر ہے تھے۔

اور جمع کے لئے استعمال کی مثال:۔

خَلَصُوا نَجِيًّا۔ یوسف، آیت/۸۰.

ترجمہ: اور الگ ہوکر سرگوشیاں کرنے لگے۔

اِنْتَجَیْتُ فُلَانًا کا معنی ہے میں نے راز بتانے کے لئے اسے الگ کرلیا۔

نَاجَیْتُہٗ: کا معنی ہے میں نے اس سے سرگوشی کی۔

اس کا اصل معنی ہے ''نشیبی زمین میں الگ ہوجانا''۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس کا اصل معنی نجات ہے یعنی کسی کی اس انداز پر مدد کرنا کہ اس کی خلاصی ہوجائے اور تو اپنے راز کے ساتھ اس سے نجات پالے جس کو اس پر اطلاع ہے۔
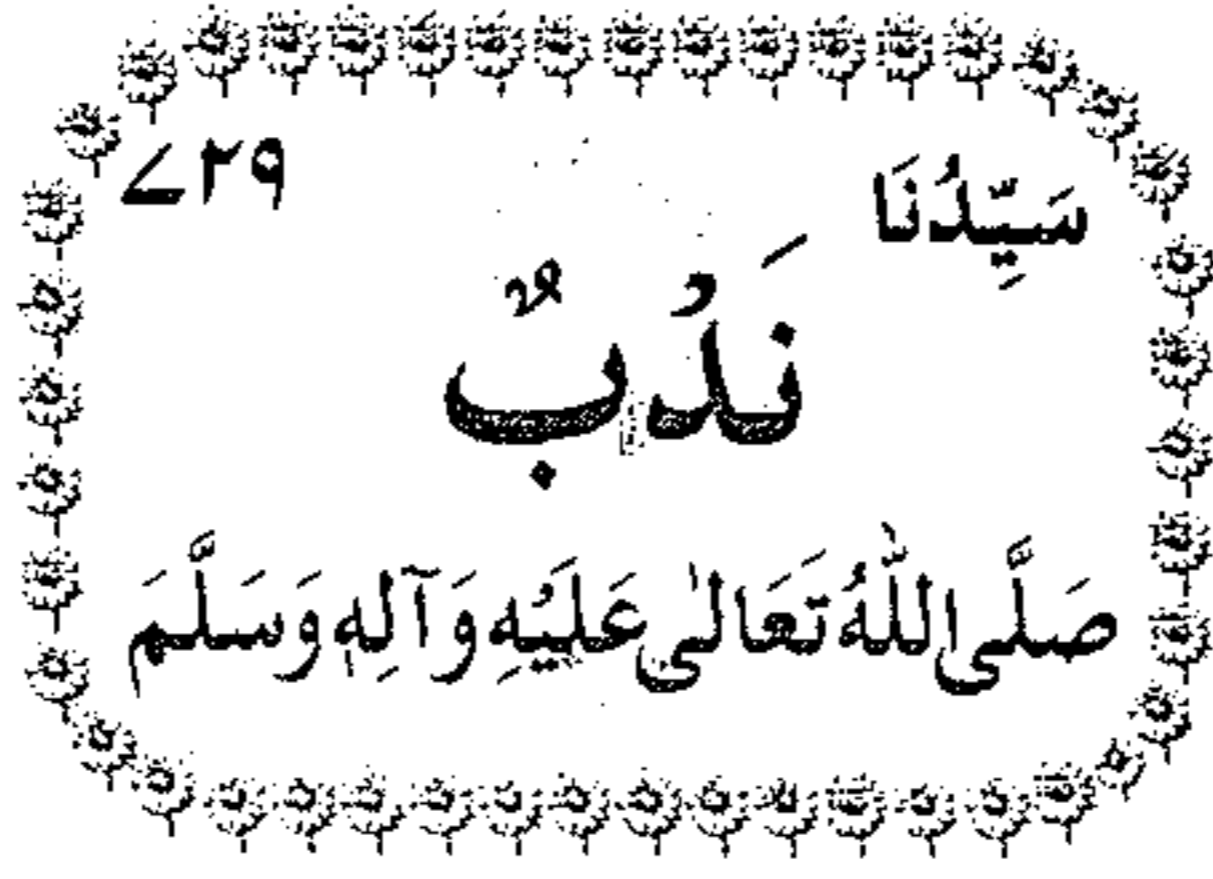
اسے حضرت علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اسم نون پر زبر، دال پر سکون اور باء کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''دانا، تیز فہم والا''۔ اس کی جمع نُدُوْبٌ اور نُدَبَاءُ آتی ہے۔
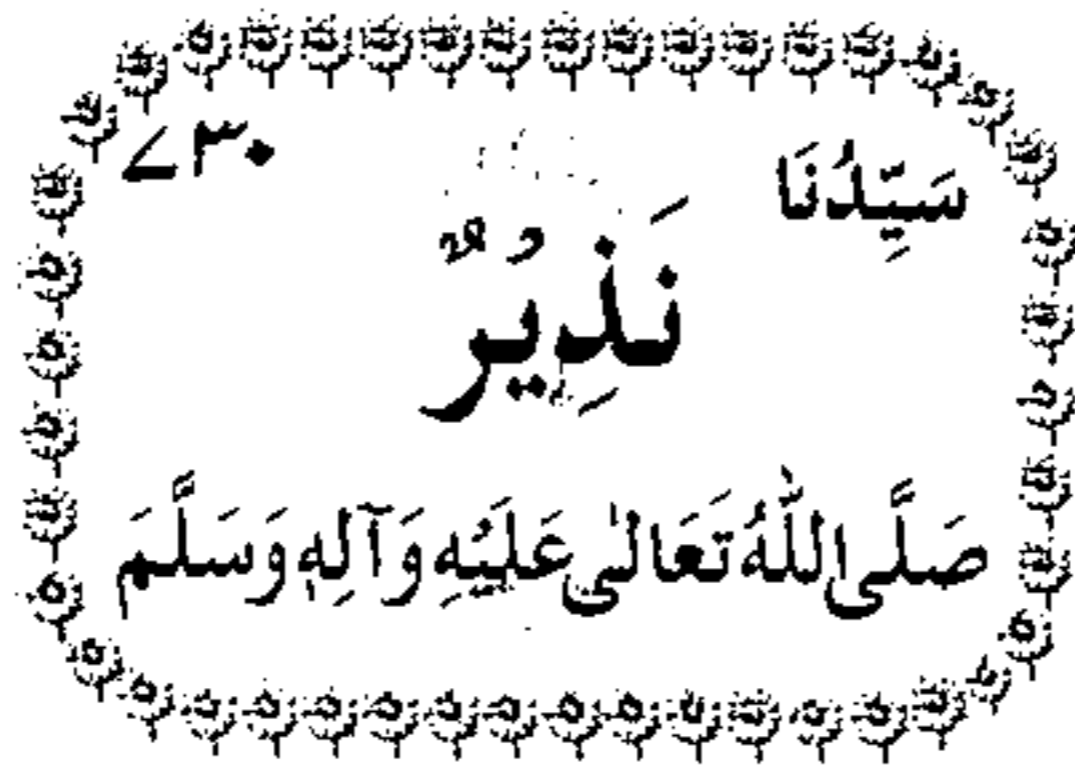
یہ اسم فَعِیْلٌ کے وزن پر فاعل کے معنوں میں ہے۔

مصدری معنی اس کا یہ ہے ''معاملات کے انجام سے ڈرانا''۔

رَسُوْلٌ اور نَذِیْرٌ کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیوں کہ دوسروں کے بارے میں خوف ناک خبر دینے کے مادہ میں دونوں جمع ہیں۔

اور رَسُوْلٌ دوسروں کو بغیر خوف دلائے خبر دینے میں منفرد ہے۔

اور نَذِیْرٌ اپنے بارے میں دوسرے کو ایسی چیز کی خبر دینے میں منفرد ہے جو خوف دلانے والی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف دلایا کرتے تھے۔ اور بُرے حساب سے انہیں محتاط رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے ہر مبلغ کو اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ۔ الاحقاف، آیت/ ۲۹.

ترجمہ: جب قرآن مجید کی تلاوت ختم کردی گئی تو وہ جن اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے بن کر پلٹ گئے۔

رَسُوْل کو بھی نَذِیْر کہہ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:۔

وَمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا.

ترجمہ: اور بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر۔

یعنی اطاعت گزاروں کو خوش خبری دینے والا اور گنہ گاروں کو ڈر سنانے والا بنا کر۔
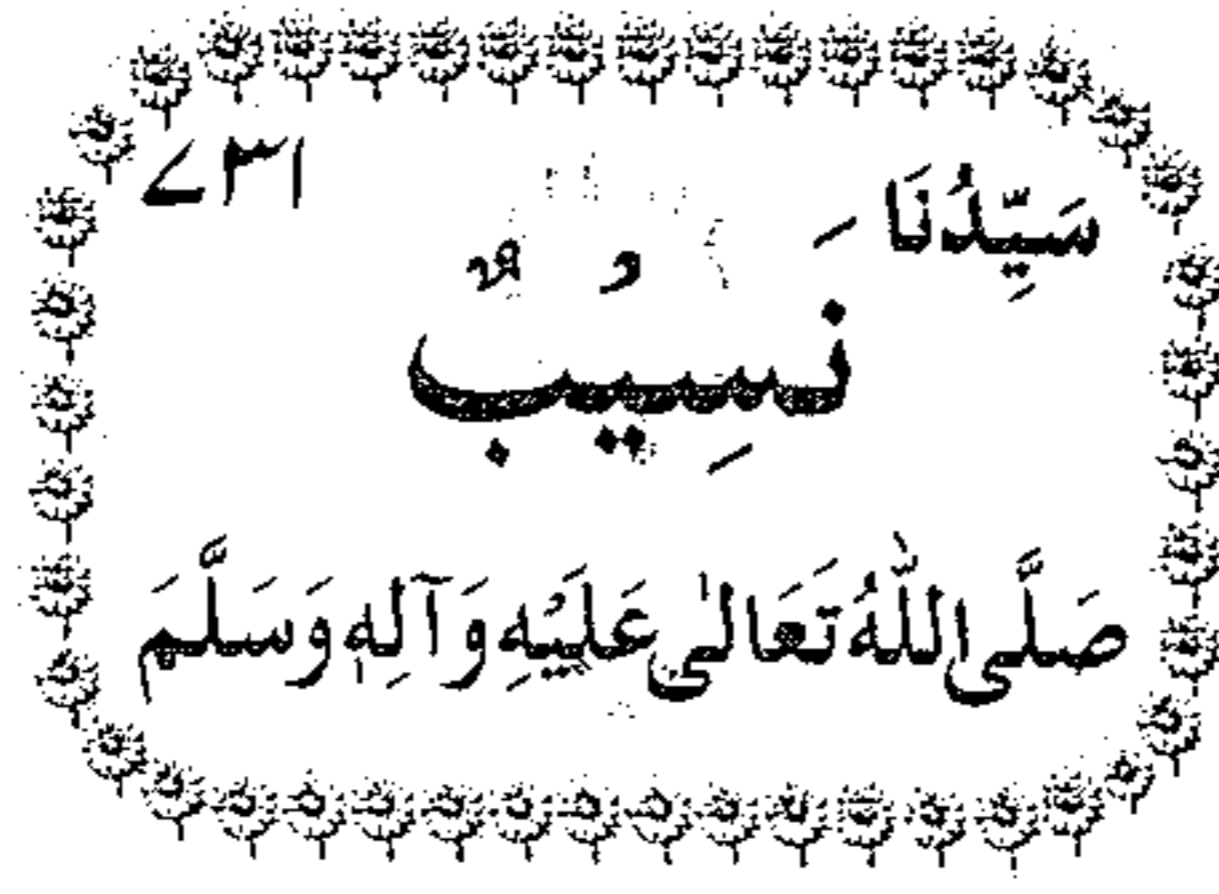
اس کا معنی ہے ''معروف نسب والی ذات''۔

یہ لفظ نِسۡبَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''ماں باپ کسی ایک کی طرف سے اشتراک''۔

حضرت نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مبارک تمام نسبوں سے افضل واشرف ہے۔

اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔
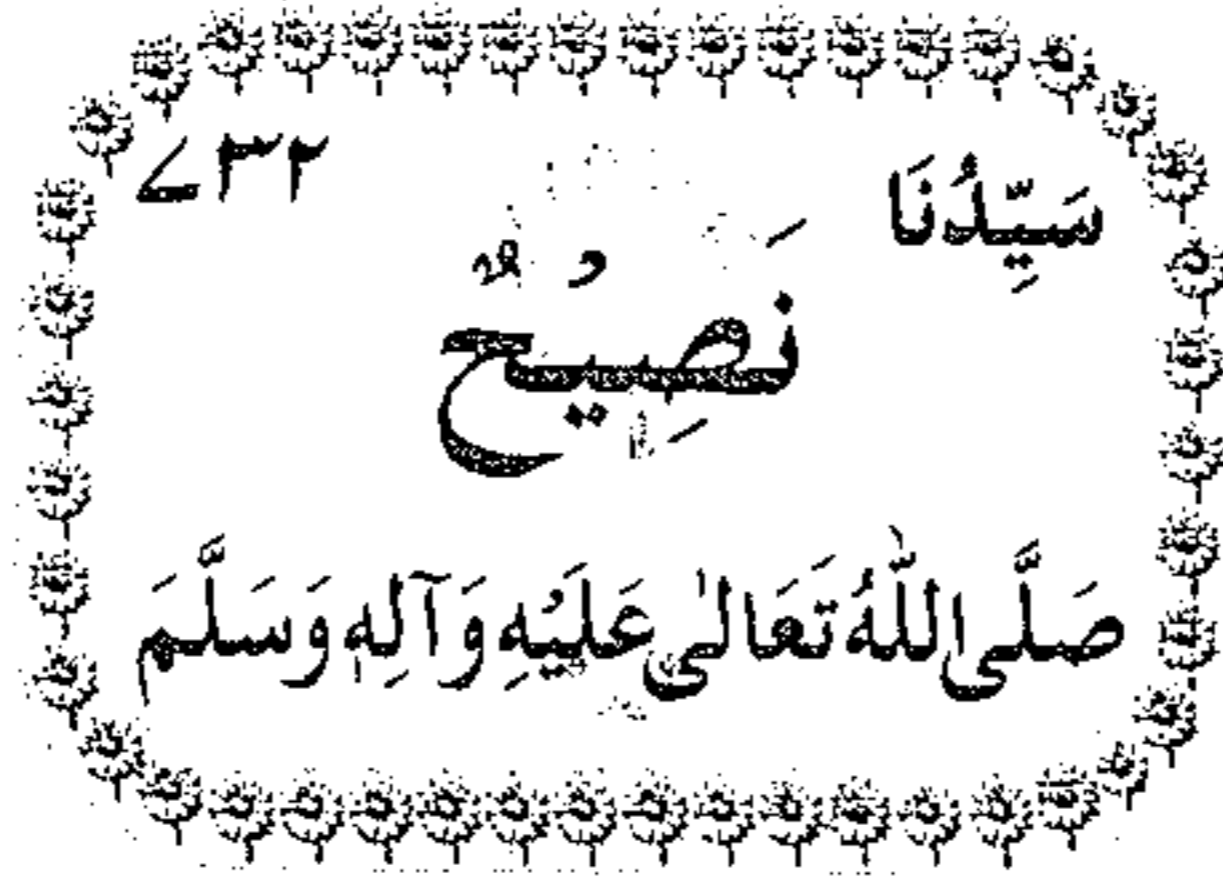
یہ اسم مبارک: فَعِیۡلٌ کے وزن پر اور فاعل کے معنوں میں ہے۔ نُصۡحٌ سے مشتق ہے۔

۳۳۷ سَیِّدُنَا

نِعُمَۃٌ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
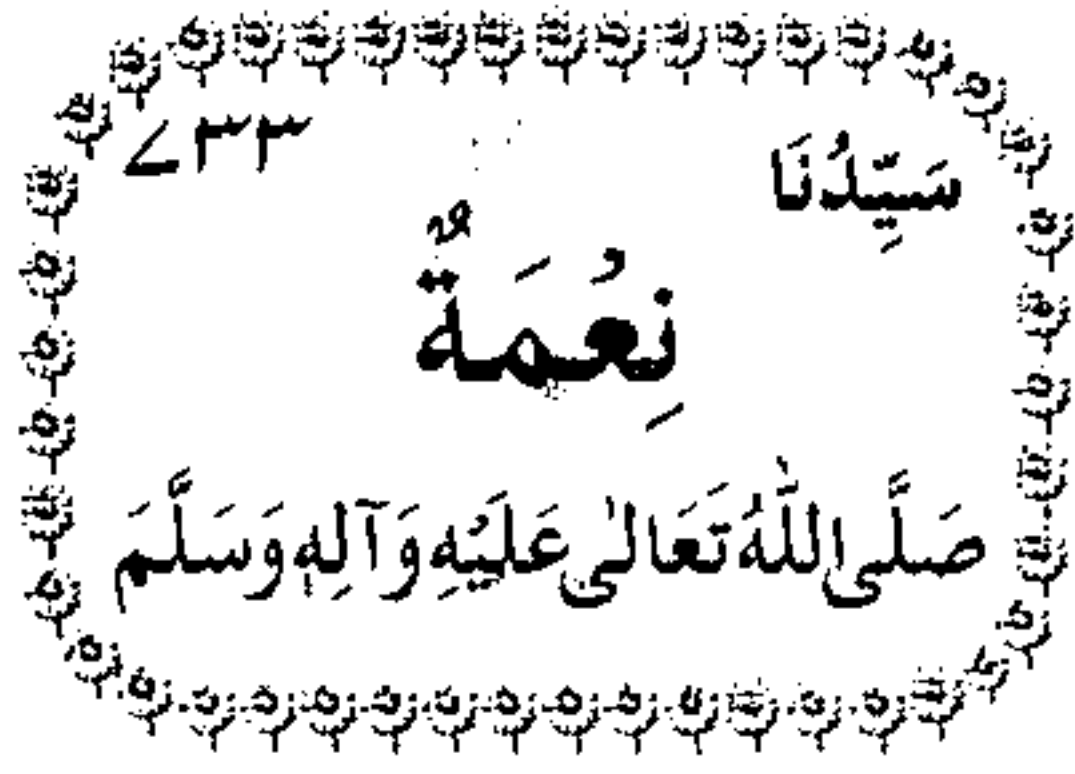
یہ اسم مبارک نون کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے ''اچھی حالت''۔

نِعُمَۃٌ لفظ کی بناء نون کے زیر کے ساتھ ہے جس طرح انسان کی حالت کو بیان کرنے والے لفظ کی بناء حرف کی زیر کے ساتھ ہوتی ہے جیسے:۔ جِلۡسَۃٌ (بیٹھنے کی ایک حالت)۔

نَعُمَۃٌ نون پر زبر کے ساتھ، تَنَعُّم (آسودگی کے ساتھ زندگی گزارنا) کے معنوں میں ہے۔

اور نِعُمَۃٌ اسم جنس ہے جو قلیل اور کثیر سب کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

اِنۡعَامٌ کا معنی ہے دوسروں کو احسان پہنچانا لیکن یہ لفظ اس وقت تک اطلاق نہیں پاتا جب تک کہ جس کو احسان پہنچے بولنے والوں میں سے نہ ہو۔ لہٰذا یوں نہیں کہا جا سکتا:۔

اَنۡعَمَ فُلَانٌ عَلٰی فَرَسِہٖ.

''فلاں نے اپنے گھوڑے پر احسان کیا''۔

کے معنوں میں نہیں کہا جا سکتا۔
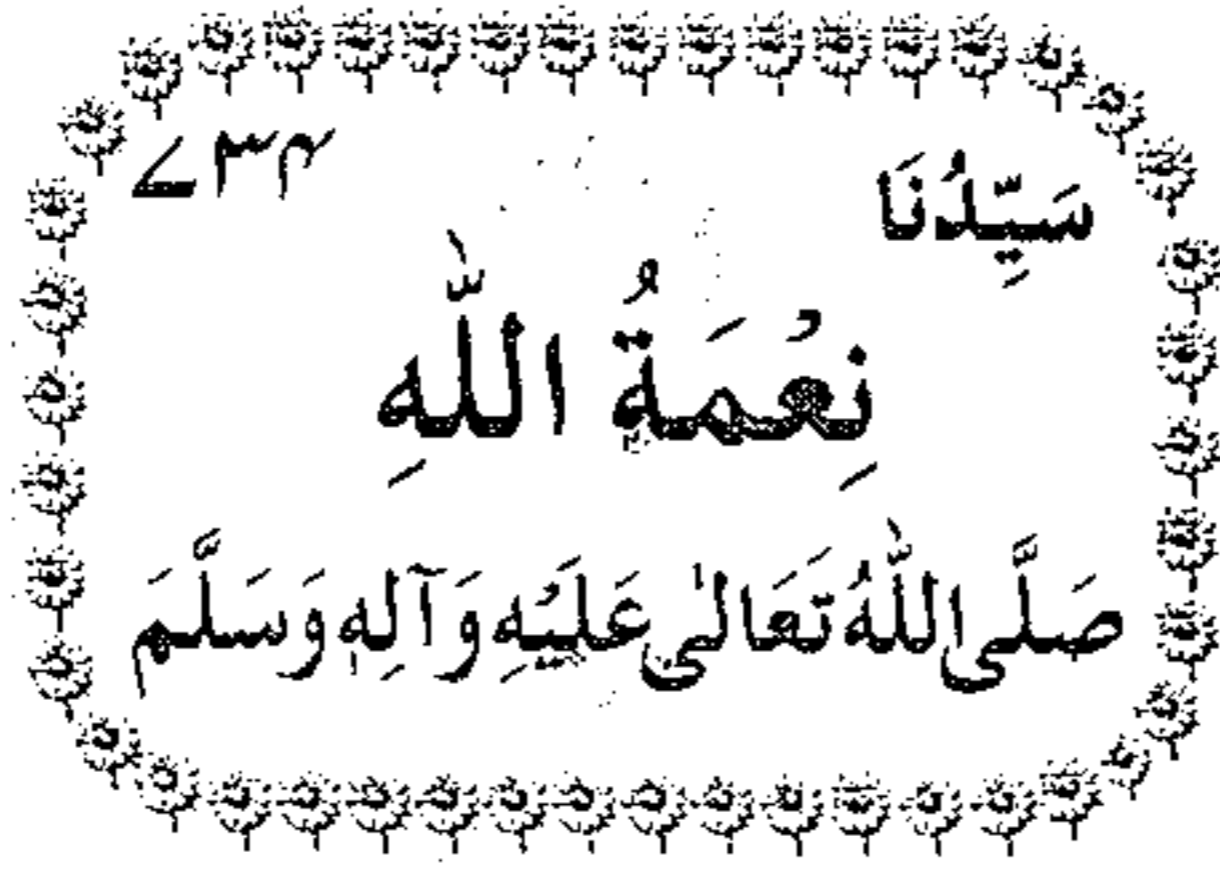
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ:۔

اَلَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ كُفۡرًا

ترجمہ: جنہوں نے کفر کی بدولت اللہ تعالیٰ کی نعمت کو تبدیل کر دیا۔

(تبدیل کرنے والوں) سے مراد قسم بخدا! قریش کے کفار ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے امام سدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ:

یَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنۡكِرُوۡنَهَا۔ النحل، آیت/۸۳۔

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں اور پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔

نِعۡمَةُ اللّٰهِ سے مراد حضرت سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور رسول ہیں۔
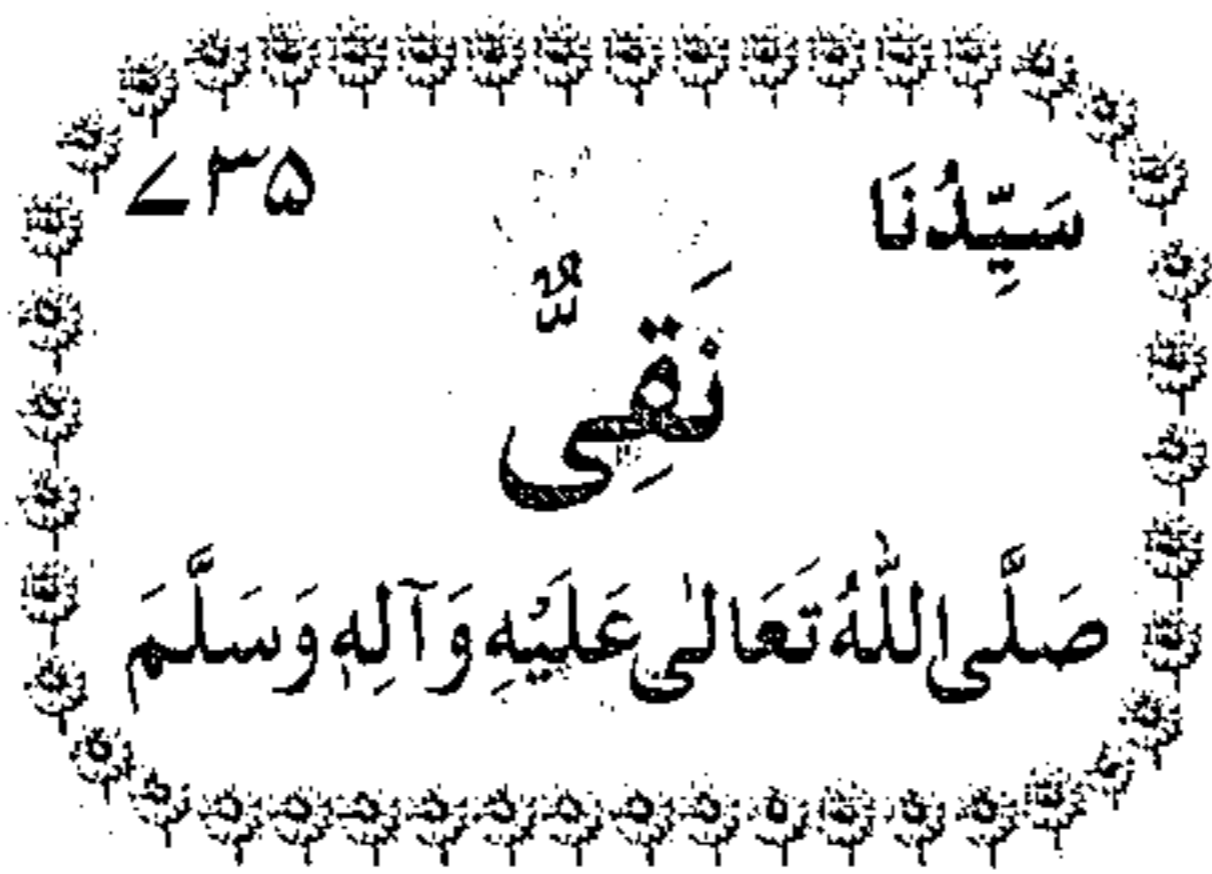
اس کا معنی ہے وہ ذات جو میل کچیل سے صاف اور پلیدیوں سے پاک ہو۔

اس کی ماضی: نَقِیَ قاف کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت مشبہ نَقِیٌّ ہیں جس کا معنی ہے ''نظیف اور پاکیزہ''۔
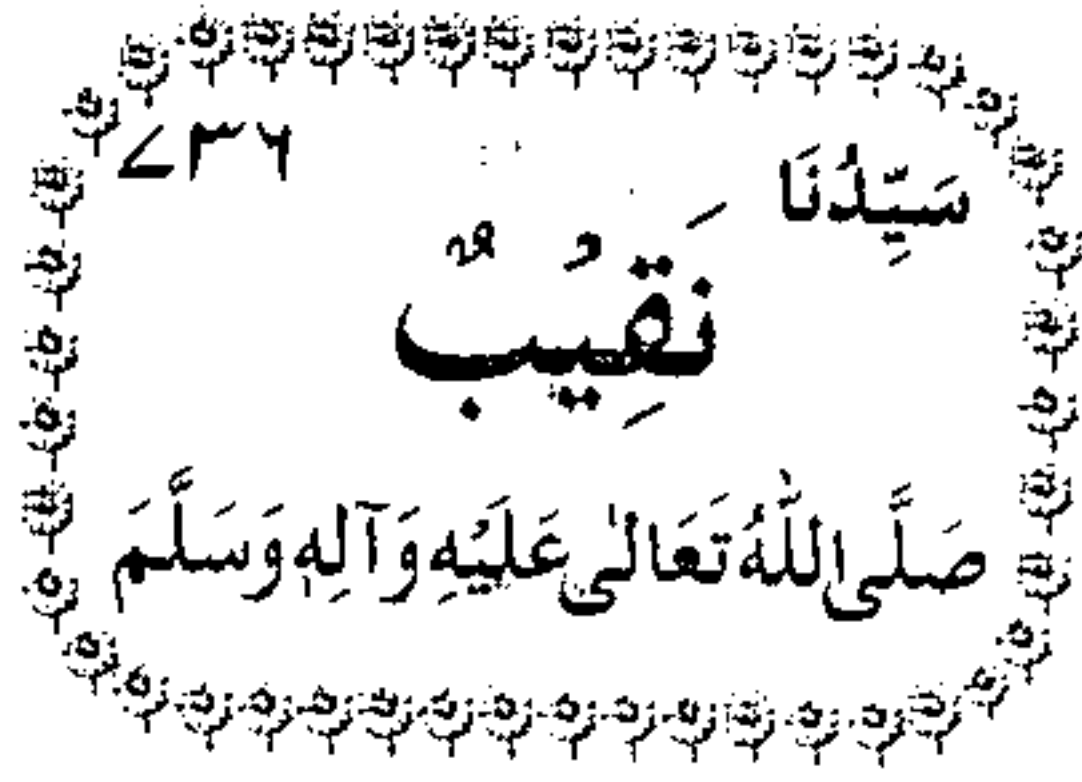
اس اسم مبارک کو علمائے کرام کی ایک جماعت نے ذکر فرمایا ہے، انہوں نے اسے قبیلہ بنی نجّار کی اس عرض داشت کے جواب سے اخذ کیا ہے:۔

حضرت اَبُوْ اُمَامَہ اَسْعَد بن زُرَارَہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وآلک وسلم ان کی جگہ پر ہمارے لئے کسی اور کو نقیب مقرر فرما دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

اَنْتُمْ اَخْوَالِیْ وَاَنَا نَقِیْبُکُمْ۔

ترجمہ: تم میرے ننہیال ہو اور میں تمہارا نقیب (سردار) ہوں۔

علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے معانی میں درج ذیل چند اقوال ہیں:۔

﴿۱﴾ قوم کا گواہ ﴿۲﴾ امین ﴿۳﴾ ذمہ دار کفالت کرنے والا۔

لغت میں اس لفظ کا حقیقی معنی ''واسع سوراخ'' ہے۔

قوم کا نقیب وہ شخص ہوتا ہے جو ان کے حالات کی جستجو کرتا رہے اور پوشیدہ حالات سے باخبر ہو۔
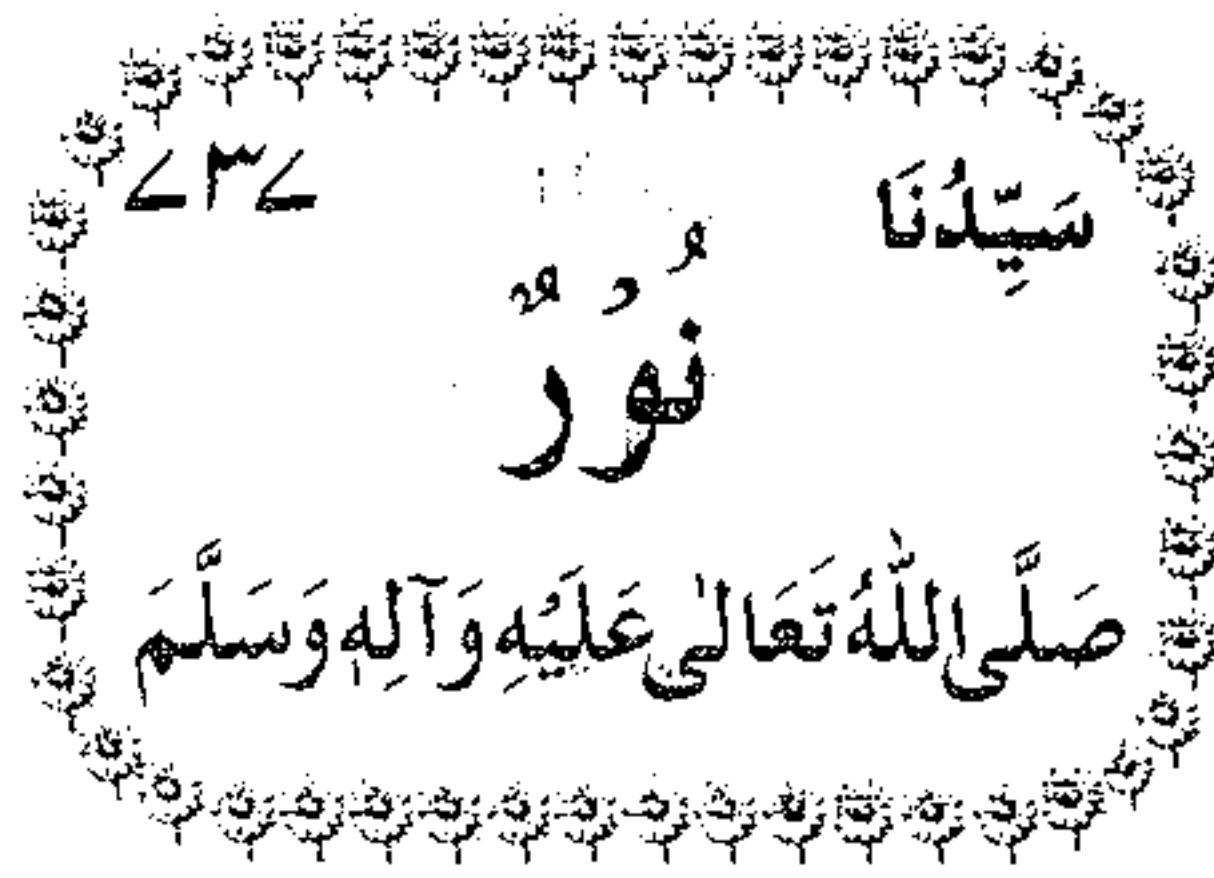
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ۔ المائدۃ، آیت/ ۱۵۔

ترجمہ: تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی۔

علماء کی ایک جماعت نے فرمایا کہ یہاں پر نور سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ. النور، آیت/ ۳۵۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیسا کہ امام ابن مَرْدَوَیْہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ:۔

نور سے یہاں پر مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حضرت امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے درج ذیل آیت کی تفسیر کے بارے میں دریافت کیا:۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ.

ترجمہ: اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے۔

تو انہوں نے فرمایا کہ:۔ مِشْکٰوۃ کا لغوی معنیٰ ''طاق'' ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر کی مثال بیان فرمائی ہے۔

فِیْھَا مِصْبَاحٌ.

ترجمہ: اس میں ایک چراغ ہے۔

چراغ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ منور ہے۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ.

ترجمہ: چراغ ایک فانوس میں ہے۔

مِصْبَاحٌ سے مراد قلبِ اطہر اور فانوس سے مراد سینہ مبارک ہے۔

کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ.

ترجمہ: گویا کہ وہ چمک دار ستارہ ہے۔

کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ کا معنی ہے ''روشن ستارہ''۔

یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْئُ۔

ترجمہ: عنقریب اس کا تیل روشن ہو جائے گا۔

یعنی عنقریب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے وضاحت فرما دیں اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو نہ فرمائیں جس طرح کہ بغیر آگ کے زیتون کا تیل روشن ہونے کے قریب ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ:۔

اس آیت مبارکہ میں مِشْکٰوةٌ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیٹ مبارک ہے۔

اور زُجَاجَةٌ سے مراد قلبِ اطہر ہے۔

اور مِصْبَاحٌ سے مراد قلبِ نور کا نور ہے۔

تُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَکَةٍ۔

ترجمہ: روشن کیا جائے گا برکت والے درخت سے۔

اس میں شَجَرَةٌ سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔

زَيْتُوْنَةٍ لَّاشَرْقِيَّةٍ وَّلَاغَرْبِيَّةٍ.

ترجمہ: وہ درخت زیتون کا ہے نہ ہی مشرق کی سمت کا ہے اور نہ ہی مغرب کی طرف کا۔

اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو نہ یہودیت کے حامل تھے اور نہ ہی عیسائیت کے پیروکار۔

پھر آپ رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت کی:۔

مَاكَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَانَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَاكَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

آل عمران، آیت/۶۷.

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی لیکن وہ ہر باطل سے الگ تھلگ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے اور آپ مشرکین سے بھی نہ تھے۔

اس حدیث پاک کو امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مقاتل بن حَیَّان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔

نیز حضرت عبداللّٰہ بن رَوَاحۃ رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا ہے:۔

لَوْلَمْ تَكُنْ فِيْهِ اٰيَاتٌ مُبَيَّنَةٌ   لَكَانَ مَنْظَرُهٗ يُنْبِيْكَ بِالْخَبَرِ

ترجمہ: اگر ذات مبارکہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم و آلہ و آلھم وسلم میں واضح معجزات نہ بھی ہوتے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار تمہیں ہدایت کی خبریں دے دیتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ واضح تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت عیاں تھی اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں سے لے کر آئے تھے اس سے اہلِ ایمان اور اصحابِ عرفان کے دل منور تھے۔

یہ اللہ تعالیٰ مجدہ کے اسمائے حسنٰی میں بھی شامل ہے۔

اس کا معنی ہے ''نور والی ذات'' یعنی نور کو پیدا فرمانے والی ہستی۔ زمین اور آسمانوں کو انوار سے اور اہلِ ایمان کے دلوں کو ہدایت کے ساتھ منور فرمانے والی ہستی۔

نور دراصل نفس کے ساتھ قائم ایک کیفیت ہے جو بذاتہ منور شئی کے سامنے آنے کے وقت قائم ہوتی ہے۔

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے نور کا معنی ضیاء کیا ہے حالاں کہ ضیاء نور سے بڑھ کر روشنی کو کہتے ہیں۔اور فرمایا وہ پھیلنے والی ایسی روشنی ہے جو چیزوں کو دیکھنے میں ممد ومعاون ہوتی ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں:۔

﴿۱﴾ اس کا ادراک بصیرت کی آنکھ کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ نورِ الٰہی سے پھیلنے والی روشنی ہوتی ہے جیسے کہ عقل، قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور۔

﴿۲﴾ اس کا ادراک سر کی آنکھ سے کیا جاتا ہے۔

یہ اَجسام سے نکلتی ہے۔جیسے چاند، سورج وغیرہ سے صادر ہونے والی روشنی۔

نور اور ضوء کے درمیان فرق پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ان دونوں اور شعاع اور بریق میں فرق جیسا کہ شَرْحُ الْمَوَاقِف میں درج ہے یوں ہے کہ:۔

شعاع اور بریق یہ نورانی اجسام پر چمکنے والی ایک شے ہوتی ہے وہ اس حد تک چمکنے والی ہوتی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے نکل کر بہہ رہی ہے اور اس چیز کی رنگت کو قریب قریب ڈھانپ لیتی ہے۔

نور اور ضیاء میں ایسی حالت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ ضوء اور نور کی کیفیت جسم میں لذاتہٖ پائی جاتی ہے۔جب کہ دوسری کسی اور چیز کے باعث جسم کو لاحق ہوتی ہے۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پھر یہ چمک دمک جسم کی ذاتی چمک دمک ہو۔جیسے کہ سورج تو اسے شعاع کہتے ہیں۔

اور ذاتی چمک دمک نہ ہو تو بلکہ غیر سے مستفادہ ہو جیسے کہ آئینہ جب وہ سورج کے بالمقابل ہوتا ہے تو اسے بریق کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شعاع ضوء کی مانند ہوتی ہے اور جسم کی ذاتی ہوتی ہے اور بریق ضوء سے کم نور کی مانند ہوتی ہے وہ اس کی ذاتی نہیں ہوتی بلکہ غیر سے مستفاد ہوتی ہے۔

سوال ضیاء، نور سے بڑھ کر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیہ مبارکہ:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

میں نور سے کیوں تشبیہ دی اور ضیاء کے ساتھ تشبیہ کیوں نہ دی۔

جواب اگر اللہ تعالیٰ ضیاء کے ساتھ تشبیہ دیتا تو عقل مندوں میں سے کوئی بھی گمراہ نہ ہوتا حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھا کہ کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت ہوں گے۔

ذرا توجہ کیجئے کہ دن کی روشنی میں کوئی شخص رستہ نہیں بھولتا کیوں کہ سورج کی ضیاء اسے حاصل ہوتی ہے۔

اور بعض اوقات رات کو سفر کرنے والا رستہ بھول جاتا ہے حالاں کہ چاند موجود ہوتا ہے۔

یہیں سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضیاء کو چھوڑ کر نور سے موسوم کرنے کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چراغ کے نور کے مشابہ قرار دیا سورج کے نور کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشابہت بیان نہ کی، باوجودیکہ سورج کا نور اَتَمّ، اَکْمَل اور کسی مدد کا محتاج نہیں ہوتا۔ بخلاف چراغ کے نور کے کیوں کہ مقصود جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس نور کی چراغ کے ساتھ مثال بیان کرنا ہے جو کہ قلب اطہر میں ہے اور قلب اطہر سینہ مبارک میں ہے اور سینہ بدن مقدس میں ہے، اور چراغ کی روشنی فتیلہ میں اور فتیلہ فانوس میں، اور فانوس طاق میں ہوتا ہے، جس کے پار سوراخ نہیں ہوتا۔ اور یہ تشبیہ مذکور انداز ہی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی۔

یا نور کے ساتھ مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ نورِ معرفت کے کئی ایک ذرائع ہوتے ہیں یہ نور، ان ذرائع پر موقوف ہوتا ہے۔ جیسا فہم، عقل، بیداری، جس طرح کہ چراغ کا نور بھی تیل، شیشہ اور فتیلہ پر موقوف ہوتا ہے۔ اس تشبیہ کی وجہ یہ بھی ہے کہ سورج کا نور جب چمکتا ہے تو سورج کا رخ عالمِ سفلی کی طرف ہوتا ہے۔ اور نورِ معرفت جب چمکتا ہے تو اس کا رخ عالمِ بالا کی طرف ہوتا ہے، جس طرح کہ چراغ کے نور کا رخ ہوتا ہے۔ نیز سورج کی روشنی صرف دن کو چمکتی ہے اور معرفت کا نور چراغ کی مانند رات کو بھی چمکتا ہے جب کہ اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ علاوہ برآں سورج کا نور تمام مخلوق کو احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے اور معرفت کا نور چراغ کے نور کی مانند صرف بعض تک پہنچتا ہے۔
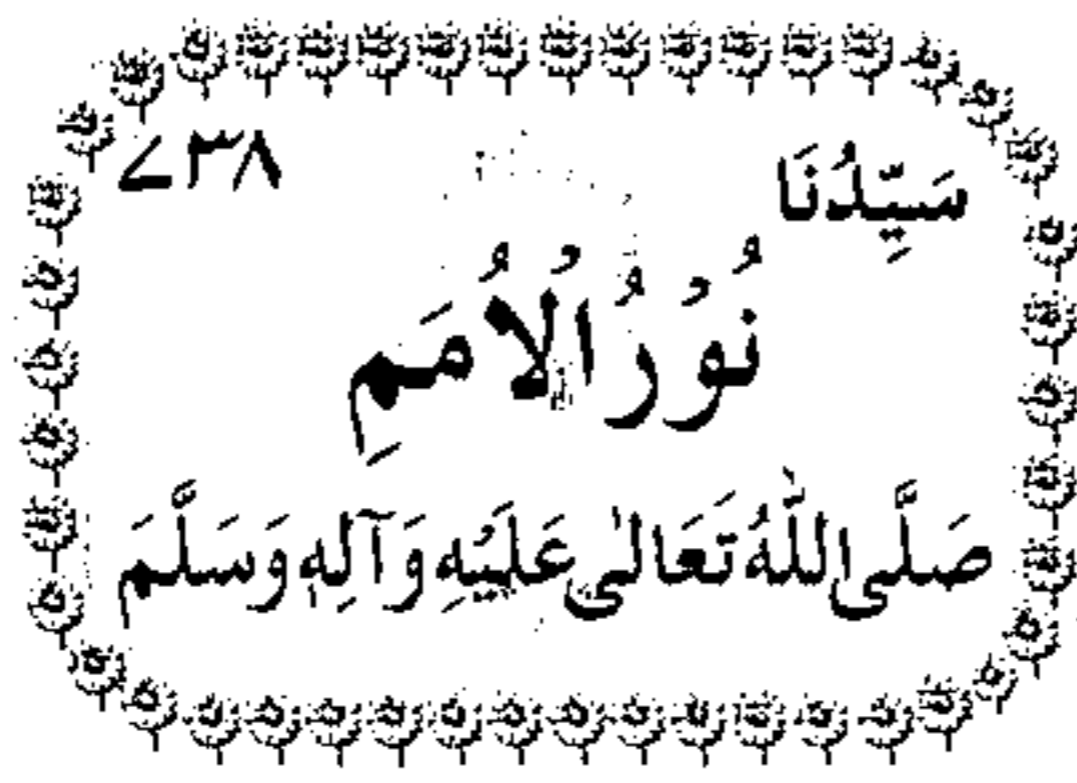
اسے امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ اس کا معنی ہے "امتوں کو ہدایت دینے والا"۔

۴۳۹
سَیِّدُنَا
نُوْرُ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یُطْفَأُ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
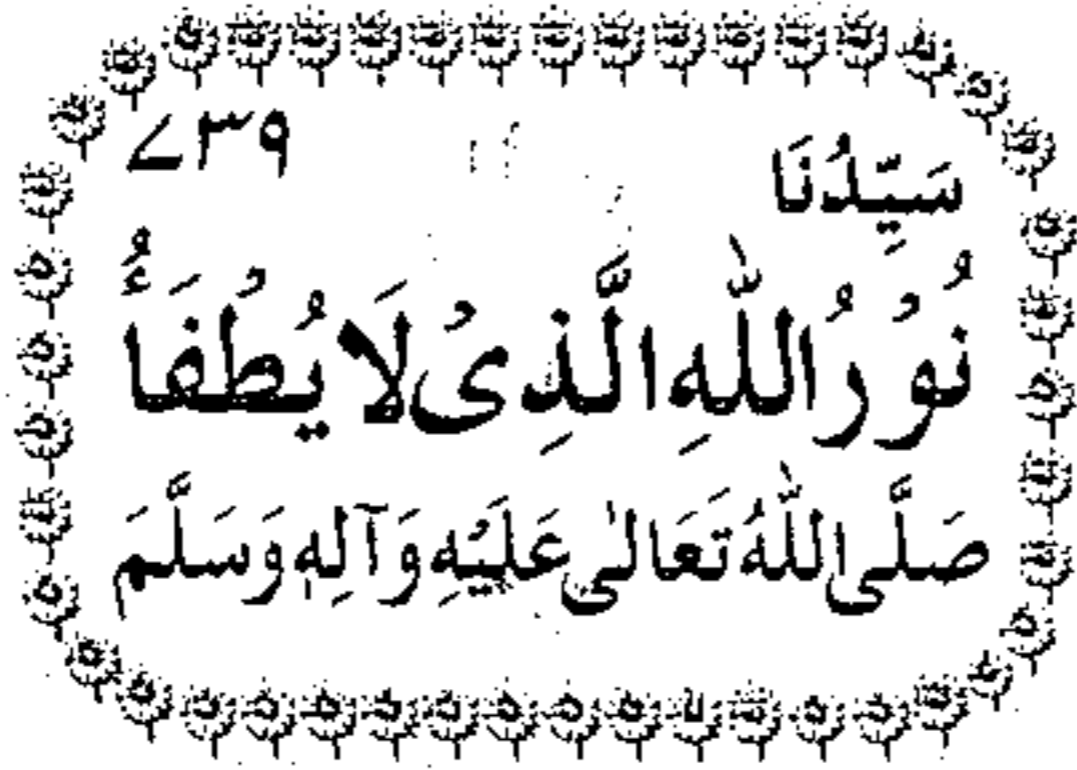
اسے بھی امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
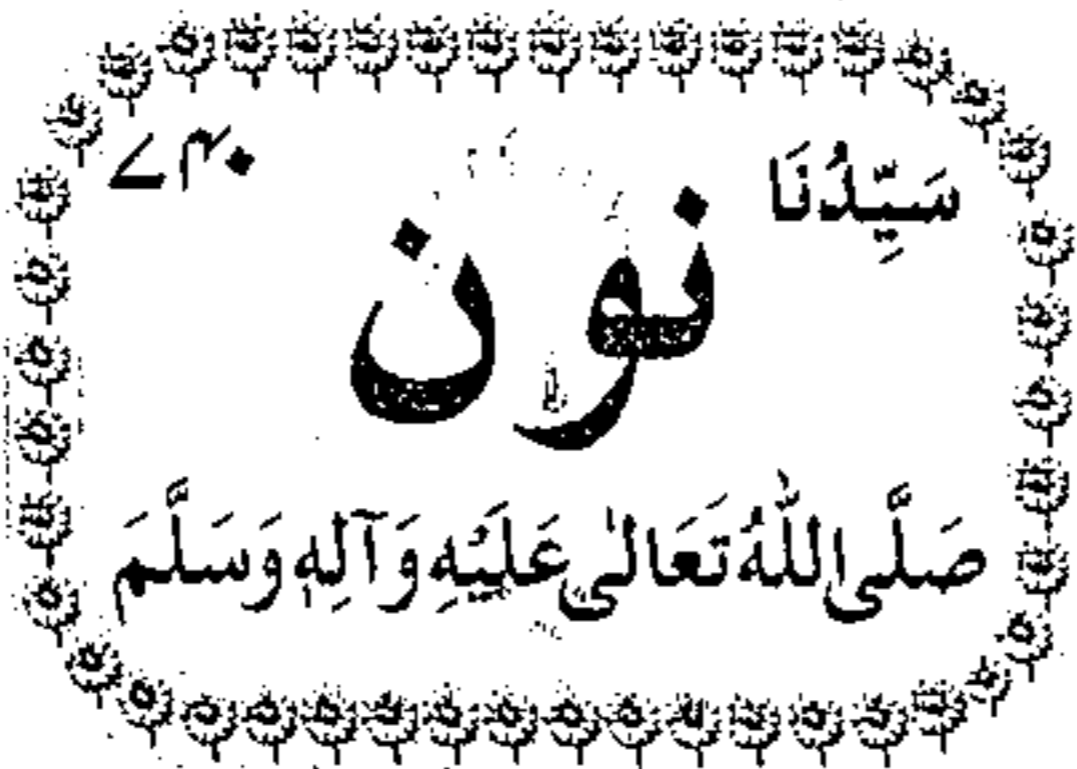
امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبہمات میں فرمایا کہ بعض علمائے کرام نے درج ذیل آیت مبارکہ:۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ۔

ترجمہ: نون قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔

کی تفسیر میں فرمایا کہ نون حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک ہے۔

جب کہ دیگر بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ اسمائے باری تعالیٰ مجدہ میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرف☆☆☆ھاء

اس اسم مبارک کو حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ ھُدٰی ھِدَایَۃٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ اگر یہ حرفِ جر کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے ''دلالت، رہنمائی'' اور اگر خود بخود متعدی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے وصول۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ. الشوریٰ، آیت/۵۲.

ترجمہ: آپ بلاشبہ سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی میں بھی شامل ہے۔ تو اس صورت میں اس کا معنی ہے:۔

''وہ ذات جو اپنے بندوں کو اپنی معرفت کے رستے کی بصیرت عطاء فرماتی ہے تا کہ وہ اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیں''۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ''وہ ذات جو اپنی مخلوق میں سے ہر کسی کی راہنمائی ان امور کی طرف کرتی ہے جو اس کی معیشت کے لئے ضروری ہیں۔ ہدایت کا اطلاق کبھی خلقِ اِھْتَدَاء پر بھی ہوتا ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص وصف ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وصف کی نفی کی گئی ہے چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ القصص، آیت ۵۶.

ترجمہ: آپ اس شخص کے لئے ہدایت پر ہونے کی تخلیق نہیں کر سکتے جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔

اس کا اطلاق بیان (وضاحت) اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی پر بھی ہوتا ہے۔ اس صفت سے اللہ تعالیٰ بھی موصوف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی متصف ہیں۔

نیز فقط ہدایت کا اطلاق دعوت (بلانا) پر بھی ہوتا ہے چناں چہ قرآن مجید میں ہے:۔

وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ. الرعد، آیت/۷.

ترجمہ: اور ہر قوم کے لئے دعوتِ توحید دینے والے ہیں۔
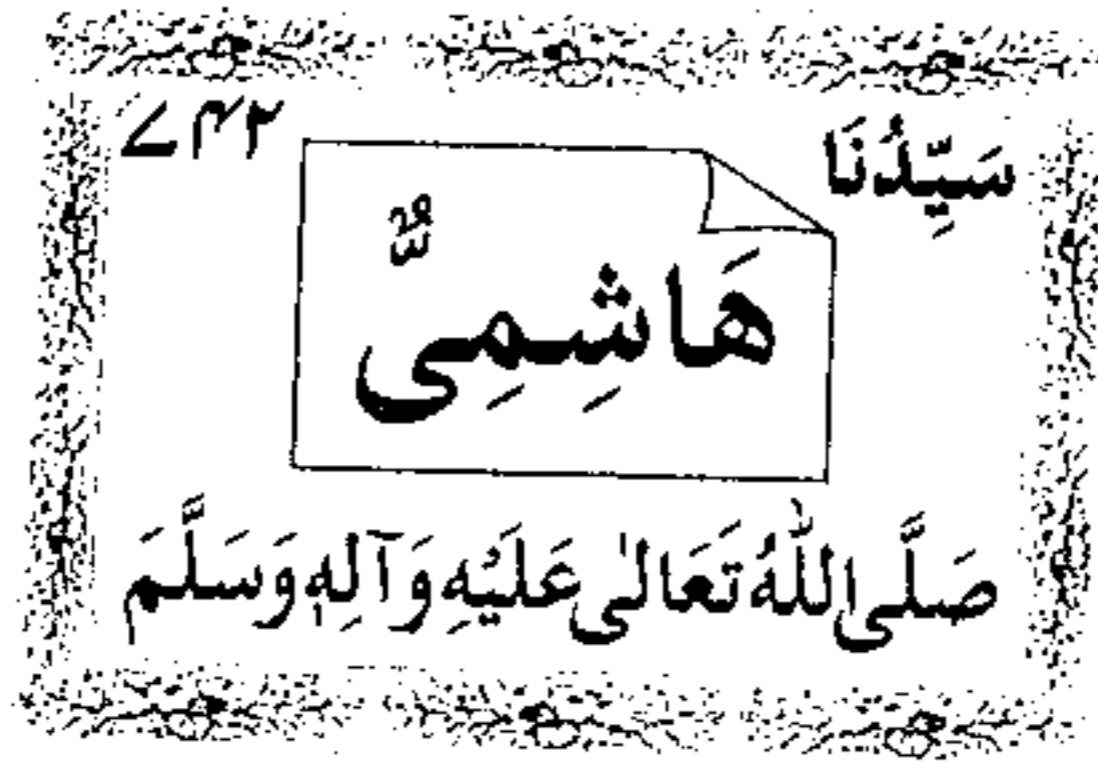
یہ حضرت ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب اسم ہے۔

نسب اطہر کے باب میں اس پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔
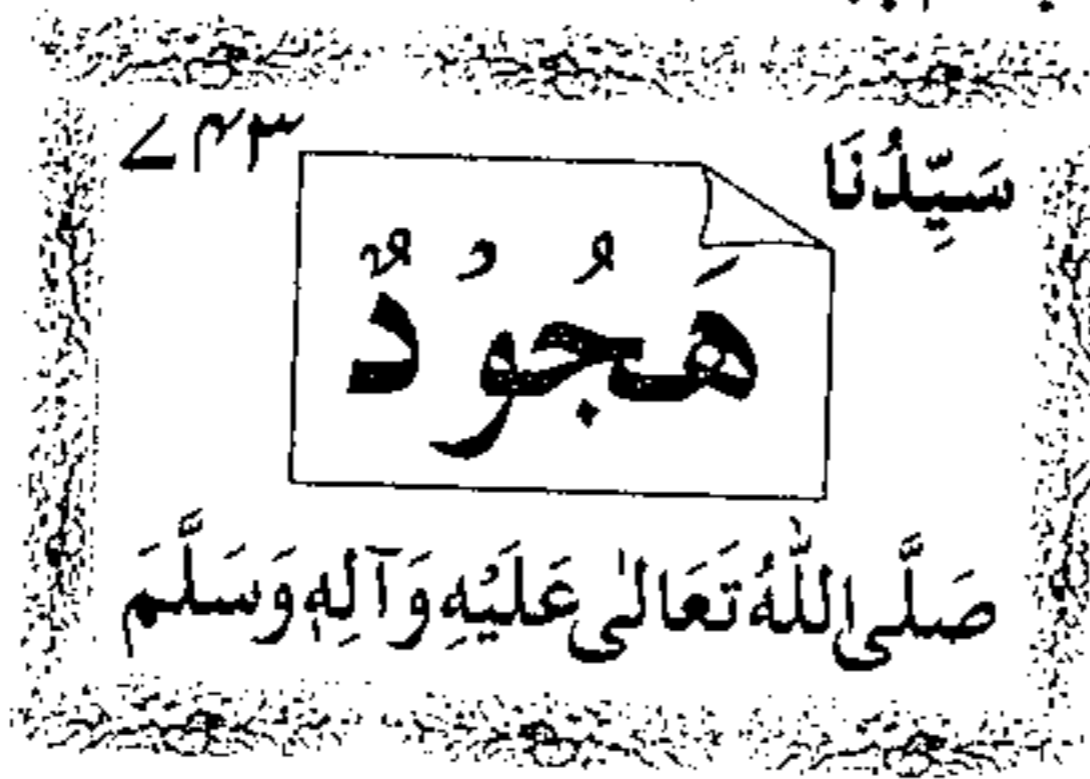
یہ اسم مبارک صَبُوْرٌ کے وزن پر ہے۔ هُجُوْدٌ ھاء پر پیش کے ساتھ کا معنی ہے:۔

"(نیند) سے الگ تھلگ رہنا، اور معبودِ حقیقی اور بادشاہِ حقیقی کی طاعت میں رات کو قیام کرنا"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ۔ الاسراء، آیت/ ۷۹.

ترجمہ: اور رات کے ایک حصہ میں تہجد ادا کیجئے یہ آپ کے لئے زائد ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر فرض کیا ہے اس سے یہ نماز زائد ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

خصائص نبویہ میں اس کا مزید بیان آئے گا۔
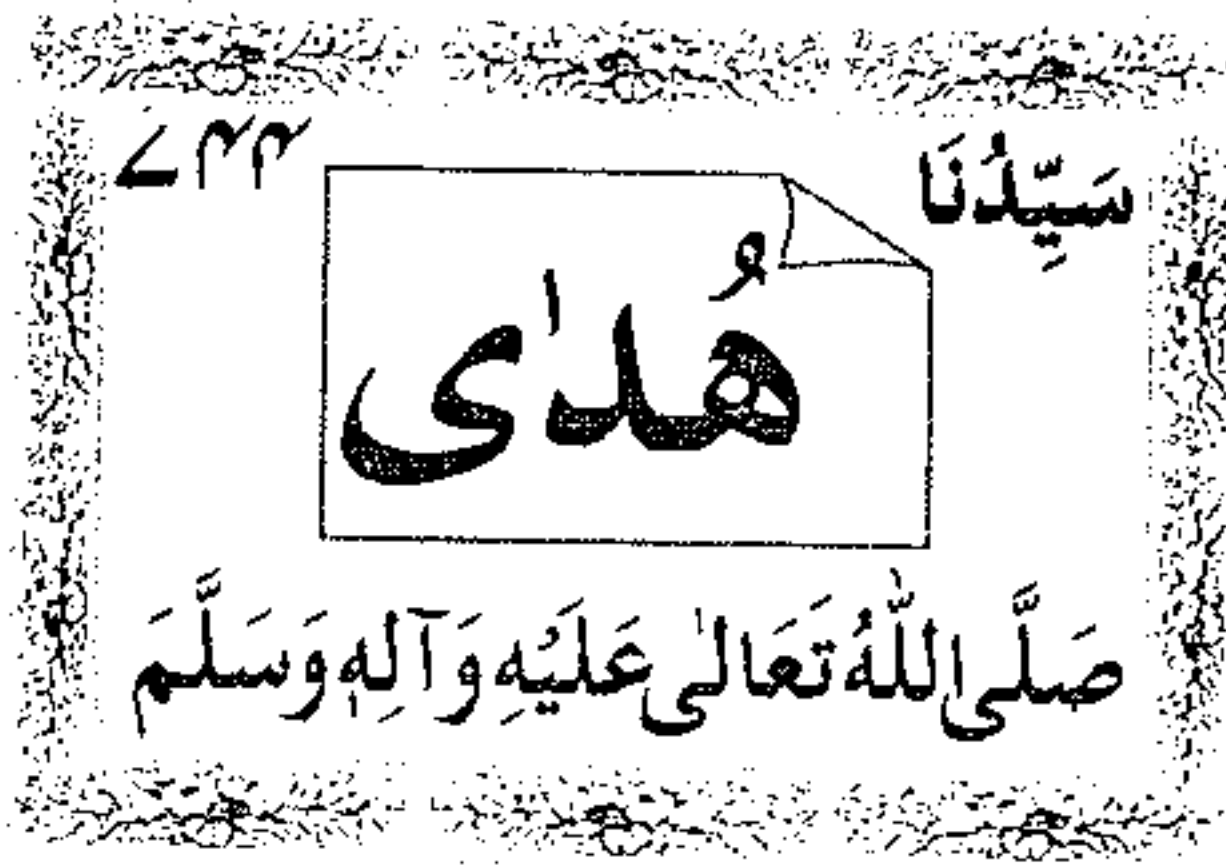
اس کا لغوی معنی ہے ''ہدایت اور رہنمائی''۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:۔

وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مِنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی. النجم، آیت/۲۳.

ترجمہ: اور ان کے پاس آچکی ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت۔

دراصل یہ مصدر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور مبالغہ اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِی رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَهُدًی لِّلْمُؤْمِنِیْنَ. [1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے رحمت اور اہلِ ایمان کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا۔

---
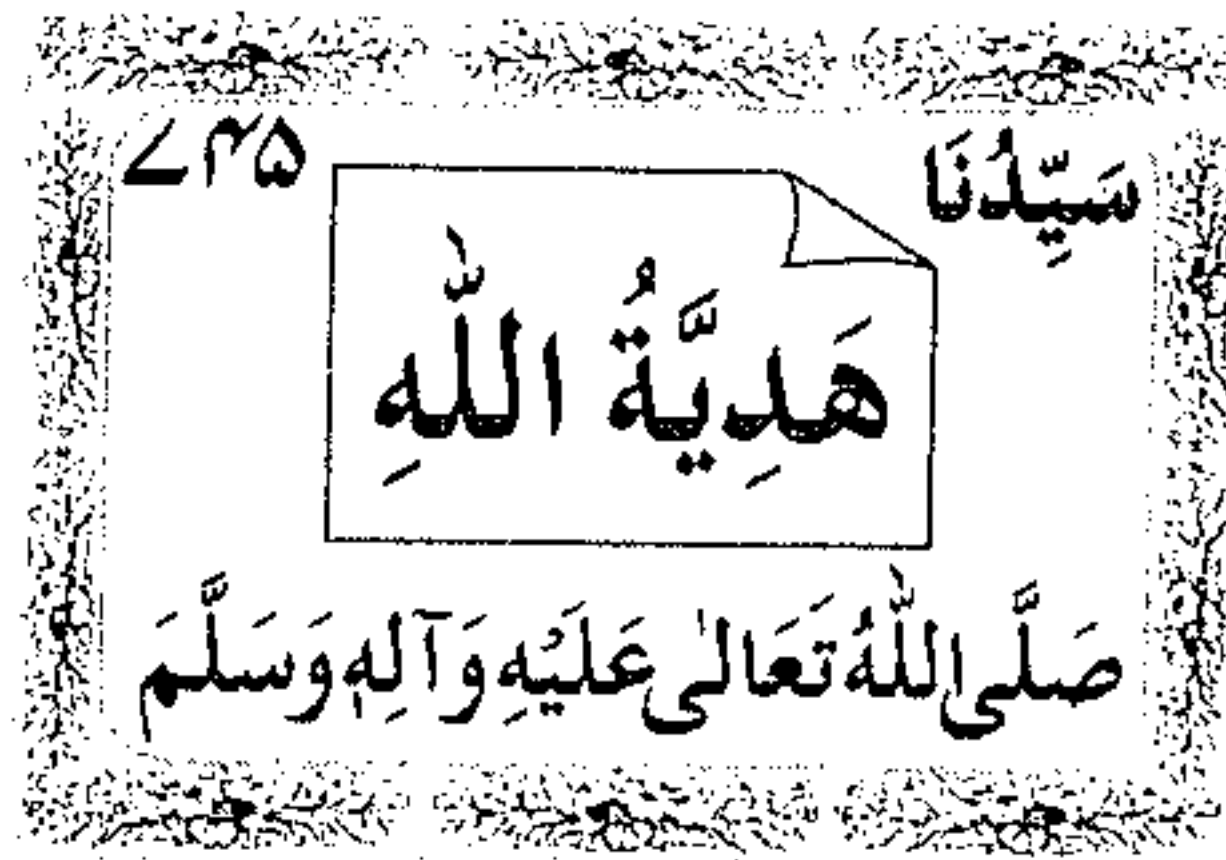
[1] (۱) المسند احمد ۲۶۸/۳ (۲) الکبیر الطبرانی ۲۳۲/۸
(۳) دلائل النبوة ابو نعیم ۵/۱ (۴) مجمع الزوائد الهیثمی ۷۲/۵

اسے علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے یہ اسم مبارک ھاء پر پیش کے ساتھ ہے۔
اس کا معنی ہے ''باعظمت بادشاہ''۔
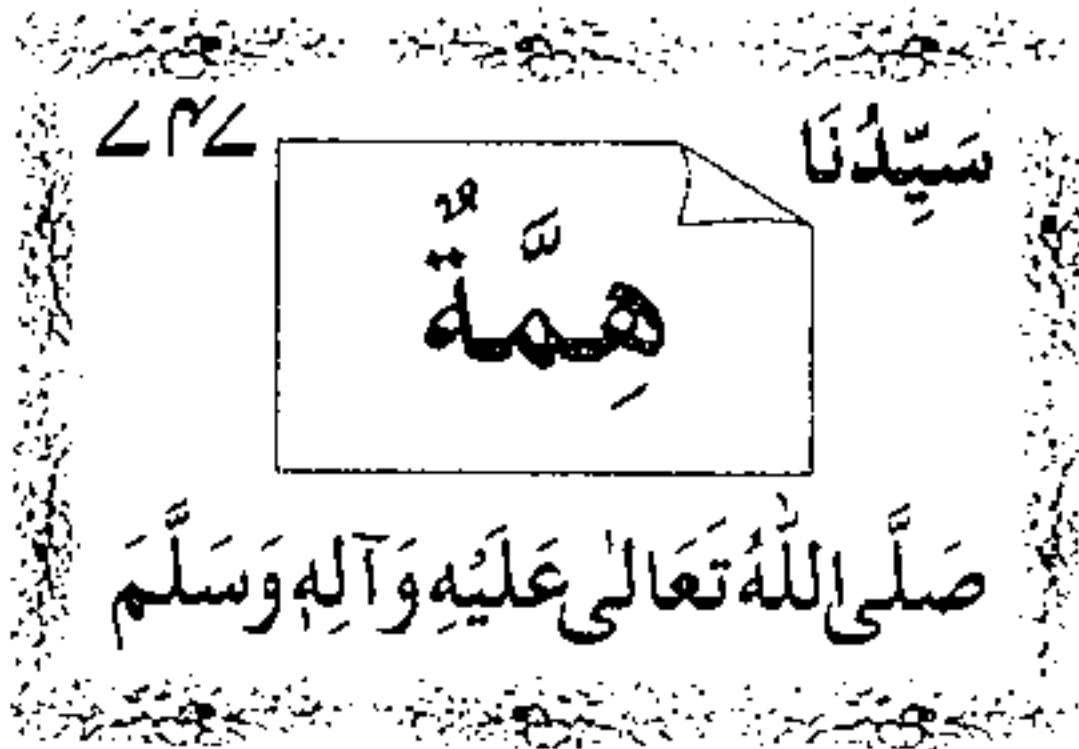
یہ اسم مبارک ھاء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے اور کبھی اس کا تلفظ ھاء پر زبر کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔
اس کا معنی ہے ''ہونے والے کسی کام کے بارے میں کسی شخص کا فکرمند ہونا''۔
عربی زبان میں کہا جاتا ہے:۔
هَمَمْتُ بِالشَّیْئِ ۔
'' میں نے اسے کرنے کا ارادہ کیا''۔
مضارع اس کا اَهُمُّ ہے اور مصدر هَمًّا ہے۔
نیز کہا جاتا ہے:۔ لَا هَمَّةَ لِیْ، ہا پر زبر کے ساتھ:۔
(مجھے کوئی فکر نہیں)۔
اور هَمَامٌ بروزن قَطَامٌ اس کا معنی ہے ''افضل، سردار، بہادر اور سخی''۔
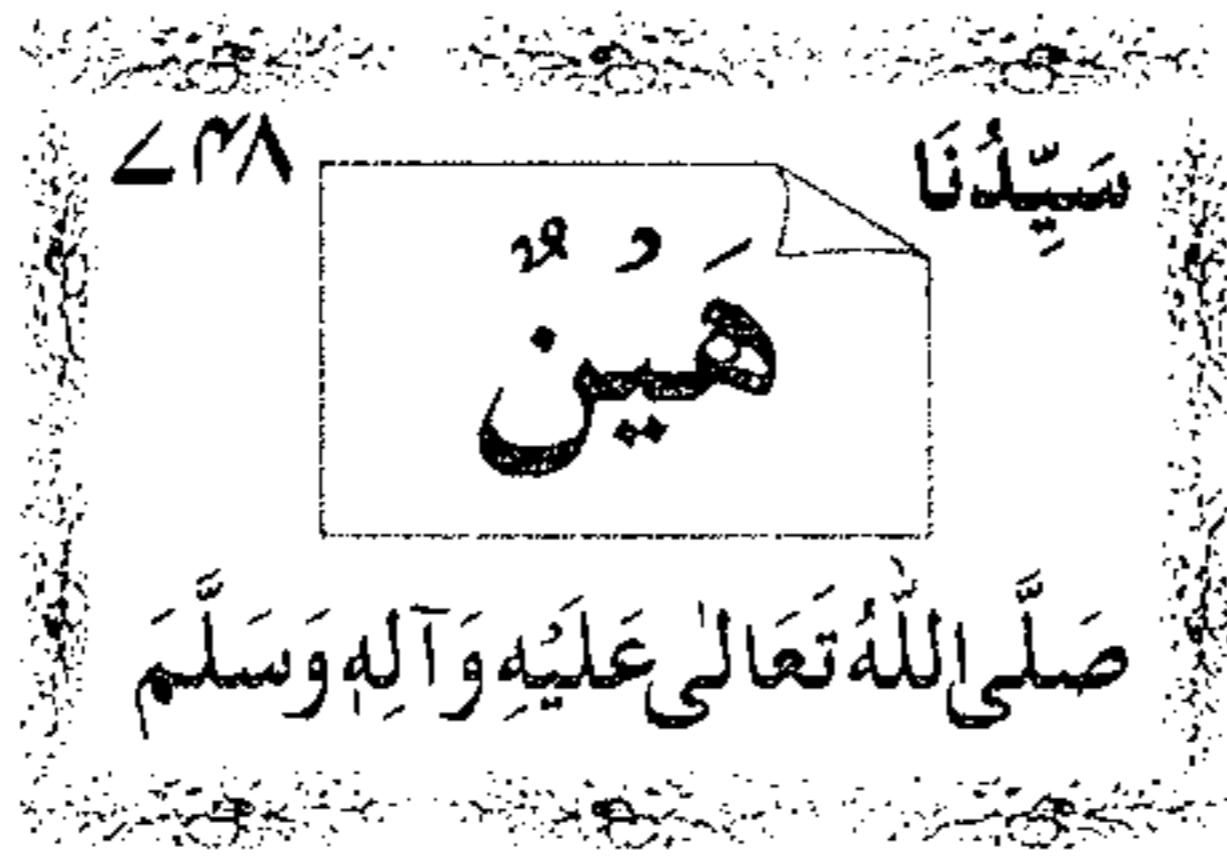
اسے علامہ عبدالباسط بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔

یہ اسم ھاء کی زبر اور یاء کے سکون کے ساتھ ھَیْنٌ بروزن سَیِّدٌ کا مخفف ہے۔

اس کا معنی ہے "ساکن اور ڈھیل کرنے والا"۔

یہ ھَوْنٌ سے فَیْعِلٌ کے وزن پر اسم ہے. ھَوْنٌ ہا پر زبر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی "اطمینان اور وقار ہے"۔

یا ھُوْنٌ سے مشتق ہے جس کی ھاء پر پیش ہے جس کا معنی ہے "سہولت"۔

دونوں صورتوں میں عین کلمہ واؤ ہے۔

علامہ ابن اَعرابی نے فرمایا ہے کہ عرب لوگ:۔

ھَیْنٌ اور لَیْنٌ، دونوں یاء کی تخفیف کے ساتھ، اسماء کے ساتھ مدح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اور یہی اسماء اگر یاء کی تشدید کے ساتھ ہوں تو ان کو مذمت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس فرق کی وجہ شاید یہ ہے کہ تشدید کے ساتھ یہ اسماء نرمی اور سہولت کی کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ جس کا لازمی اثر یہ اخذ ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر جو سختی اور درشتی کا مطالبہ کرتے ہوں ان پر بھی نرمی اور سہولت کا ارتکاب ماننا پڑتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:۔

وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ. التوبۃ، آیت ۷۳۔

ترجمہ: اور ان پر سختی کیجئے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ. الفتح، آیت/ ۲۹.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف اگر ان اسماء کو تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے تو ان کا تقاضا یہ نہیں ہوتا۔ یہ تو اصل وصف کے ساتھ متصف ہونے پر دلالت کرتے ہیں (کثرت پر دلالت نہیں کرتے) اور ان سے آدمی متصف ہوسکتا ہے جب کہ ان کو اپنے اپنے مقام پر بجالائے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔الحجر، آیت/ ۸۸.

ترجمہ: اور اہل ایمان کے لئے اپنے بازو جھکا دیجئے۔

نیز فرمایا:

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ. الفتح، آیت ۲۹.

ترجمہ: وہ آپس میں رحم دل ہوتے ہیں۔

یا اس اختلافِ استعمال کی وجہ یہ ہے کہ مخفف اسم (ھَیْن) ھَوْن سے مشتق ہے جس کا معنی ہے سہولت۔
اور مشدد اسم (ھَیِّن) ھُوْن سے ماخوذ ہے جس کا معنی ذلت اور رسوائی ہے۔ وَاللّٰہ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

اسے علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ اسم مبارک جیم کے ساتھ ہے۔
اس کا معنیٰ ''عالم یا غنیٰ'' ہے۔ یہ جِدَۃٌ مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ''غنی ہونا''۔
واجــد، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے اس صورت میں اس کا معنی ہے ''عالم، یا ایسا غنی جو کسی کا محتاج نہیں اور ہر کوئی اس کے احسان کے انتظار میں ہے''۔
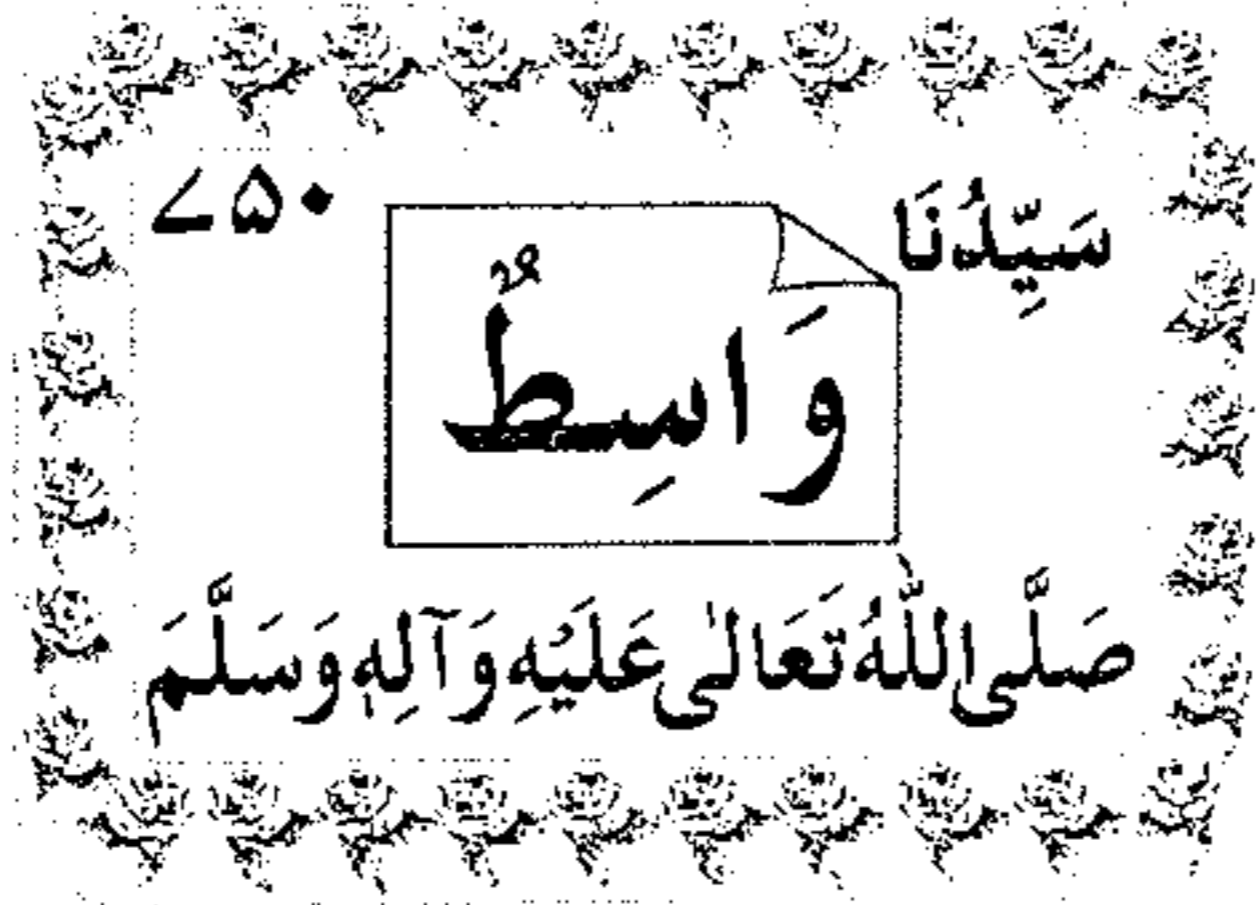
اسے علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
صِحَاح میں ہے '' فُلَانٌ وَسِیْطٌ فِیْ قَوْمِہٖ ''۔
یعنی فلاں اپنی قوم میں نسب کے اعتبار سے شریف تر اور مرتبہ کے لحاظ سے برتر ہے۔
اور ''وَاسِطٌ'' اس موتی کو کہتے ہیں جو ہار کے درمیان میں ہو۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ اطہر کی عظمت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

اسے بھی علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

یہ اسم مبارک ''وَعْدٌ'' مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔

''وَعْدٌ'' کو جب مطلق رکھا جائے تو اس کا اطلاق بھلائی اور نیکی کے وعدہ میں ہوتا ہے۔

اور ''وَعِیْدٌ'' کا بُرائی کے وعدہ میں استعمال ہوتا ہے۔

ہاں ان الفاظ کے ساتھ اگر بشارت یا نذارت کی قید ہوگی تو معنی ان کے مطابق ہوگا۔
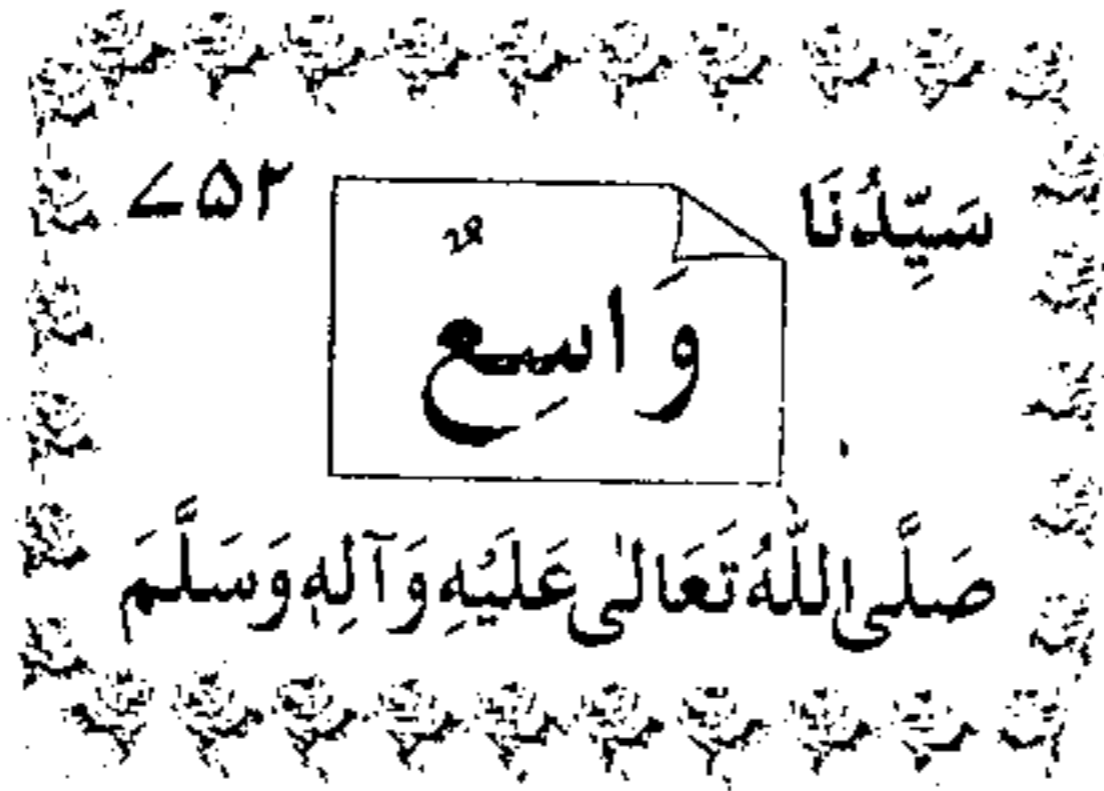
اس کا معنی ہے جود وعطاء فرمانے والا، کثرت کے ساتھ دینے والا۔ یہ ''وُسْعٌ'' اور ''سَعَۃٌ'' سے مشتق ہے جن کا معنی ہے ''پانا اور طاقت رکھنا''۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے جس کے معانی یہ ہیں:۔

﴿۱﴾ ہر شے کا احاطہ فرمانے والی ذات ﴿۲﴾ وہ ذات جس کا رزق اس کی ساری مخلوق کے لئے وسیع ہے۔

﴿۳﴾ وہ ہستی جس کی رحمت ہر شے کو حاوی ہے ﴿۴﴾ وہ ذات جو عطاء فرمانے کے باوجود غنی ہی رہتی ہو۔

﴿۵﴾ عالم ﴿۶﴾ غنی۔
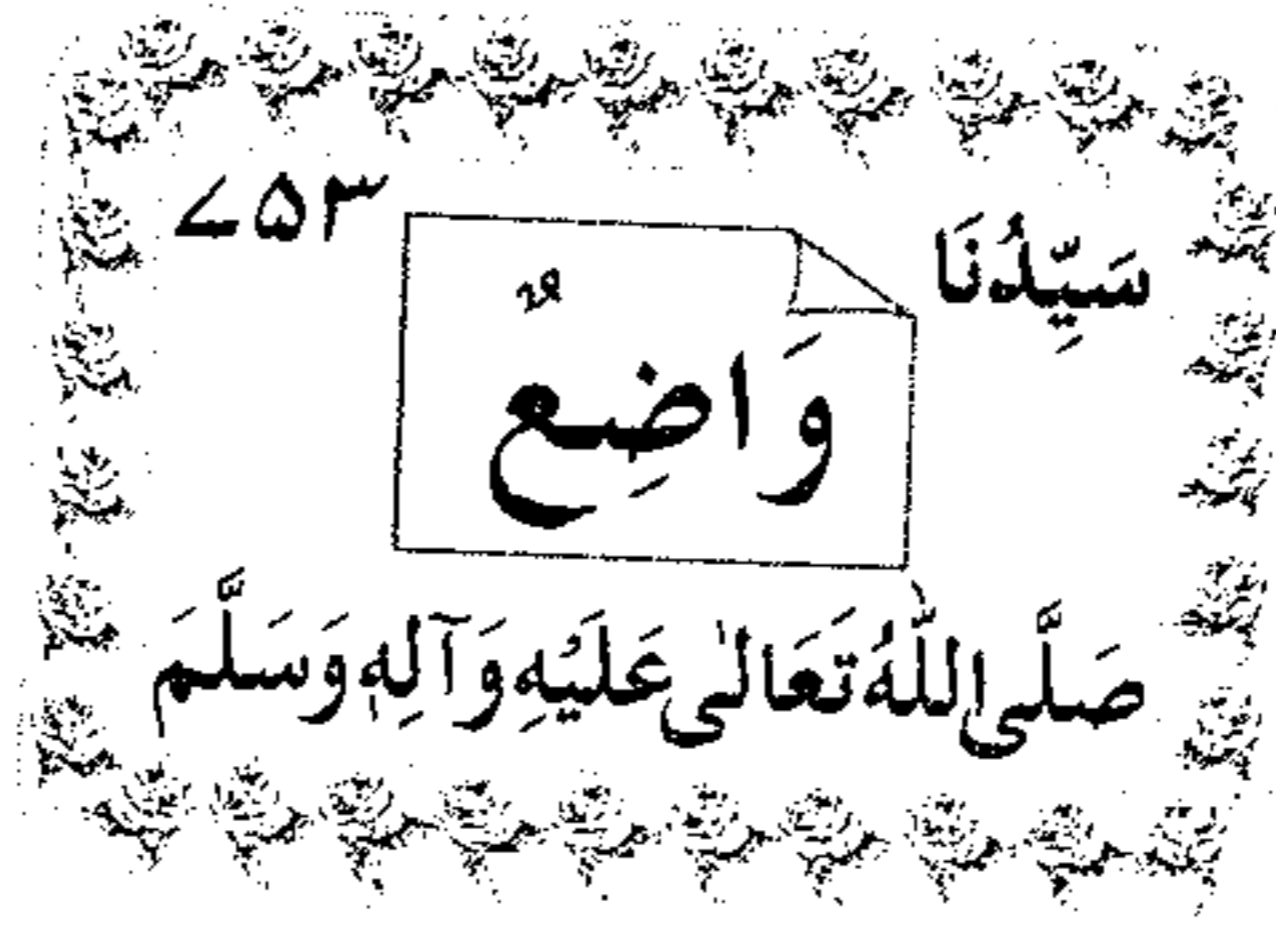
اسے علامہ عبدالباسط بُلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے:۔

''زائل کرنے والی ذات، کاٹ دینے والی ذات''۔

یہ ''وَضْعٌ'' سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ جو حَطٌّ (کم کر دینا) سے عام تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ. الاعراف، آیت/۱۵۷۔

ترجمہ: اور وہ ان کے بوجھ ان سے اتارتا ہے۔

یعنی ان بوجھوں کو زائل کرتا ہے، کاٹ دیتا ہے۔

اور ''اِصْرٌ'' کا معنی ہے وہ بوجھ جو اٹھانے والے کو کچل دے۔ اور اسے حرکت کرنے سے روک دے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تکالیف اور ان کی صعوبتوں کو بوجھ کے مشابہ قرار دیا۔ جیسا کہ توبہ کے درست ہونے کے لئے جان کو ختم کر دینا۔ غلطی کرنے والے اعضاء کا کاٹ دینا وغیرہ۔ جیسا کہ خصائص نبویہ میں آئے گا۔

اسے امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:۔

اِنَّمَآ اَعِظُکُمۡ بِوَاحِدَۃٍ۔ سباء۔ آیت/۴۶۔

ترجمہ: میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔

امام ابن فارس نے کہا وعظ کا معنی ہے ''ڈرانا''۔

امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وعظ ''نیکی اور ہر وہ چیز جس سے دلوں میں نرمی پیدا ہو یاد دلانے'' کو کہتے ہیں۔

امام جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وعظ ''نصیحت اور نتائج کو یاد دلانے'' کا نام ہے۔
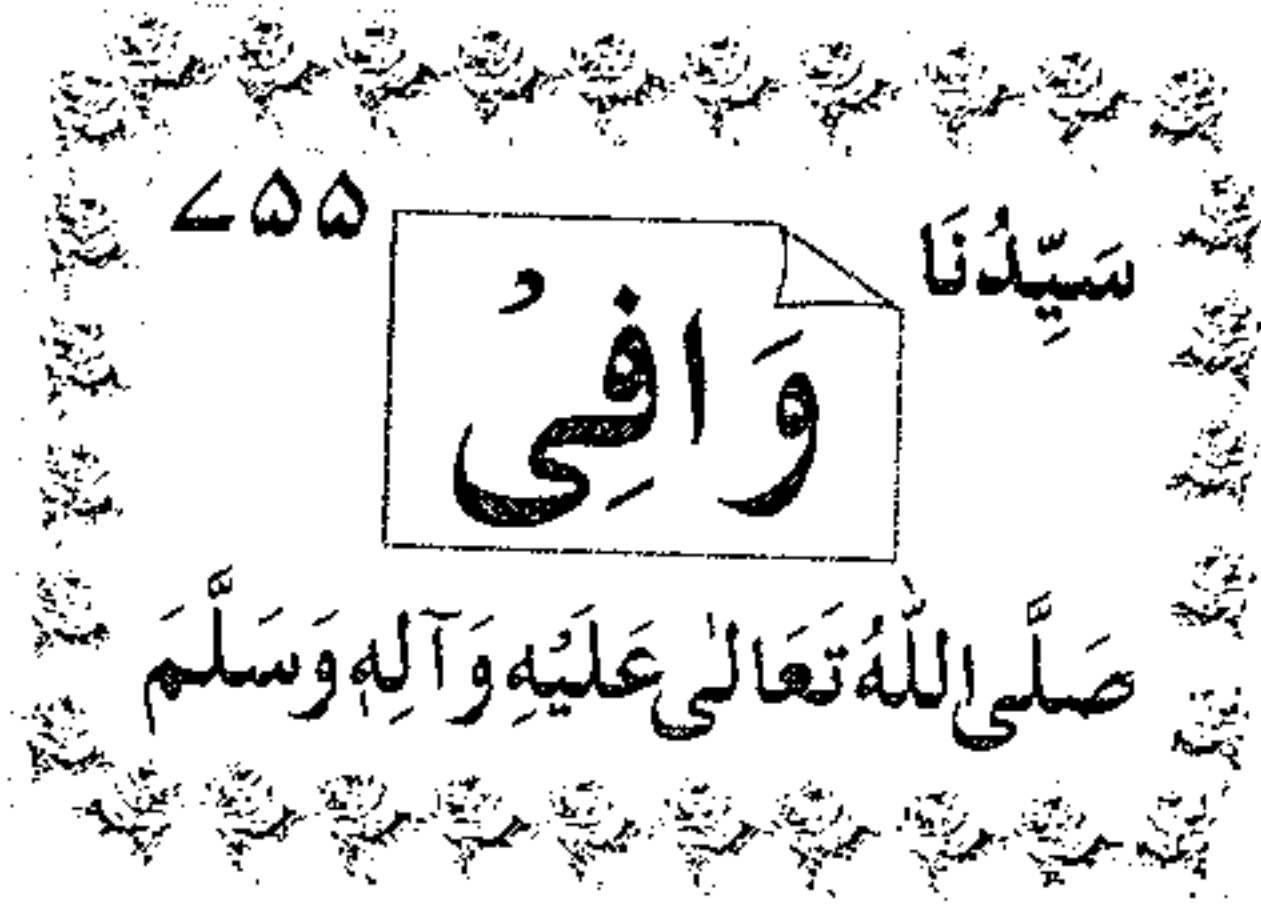
اس کا معنی ہے ''بھرپور اور کامل'' عربی محاورہ ہے:۔ دِرْھَمٌ وَّافٍ۔ پورا درہم۔ کَیْلٌ وَّافٍ۔ پورا ناپ۔
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صورت اور سیرت کے اعتبار سے باکمال تھے نیز دوسروں کی نسبت سے عقل میں بھاری تھے اس لئے اس نام سے موسوم ہوئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یوں مدحت سرائی کی ہے:۔

وَافٍ وَّمَاضٍ شِهَابٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ ۔۔۔ بَـدْرٌ اَنَـارَ عَلٰی كُـلِّ الْاَنَـاجِيْـلِ

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باکمال ہیں اپنے ارادوں کو پورا کرنے والے ہیں، ایک ایسا شہاب ہیں جس سے ضیاء حاصل کی جاتی ہے۔ ایسا چودھویں رات کا چاند ہیں جو ہر ایک پر چمکنے لگا۔

اس کا معنی ”مالک یا بادشاہ یا حاکم“ ہے۔

یہ وِلَایَۃٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے وِلَایَۃٌ صرف واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ”امارت ہے“۔ یا اس کا معنی ”صاحب شرافت ہے جو بلند مرتبہ امور کے قریب ہو“۔

اس صورت میں یہ وَلَاءٌ بمعنی قرب اور وِلَایَۃٌ واؤ کے نیچے زیر اور اوپر زبر سے ماخوذ ہے۔

یہ اسمائے باری تعالیٰ میں بھی شامل ہے اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

اس کا معنی ہے ”اللہ تعالیٰ کے ہاں وجاہت اور مرتبہ والی ہستی“۔
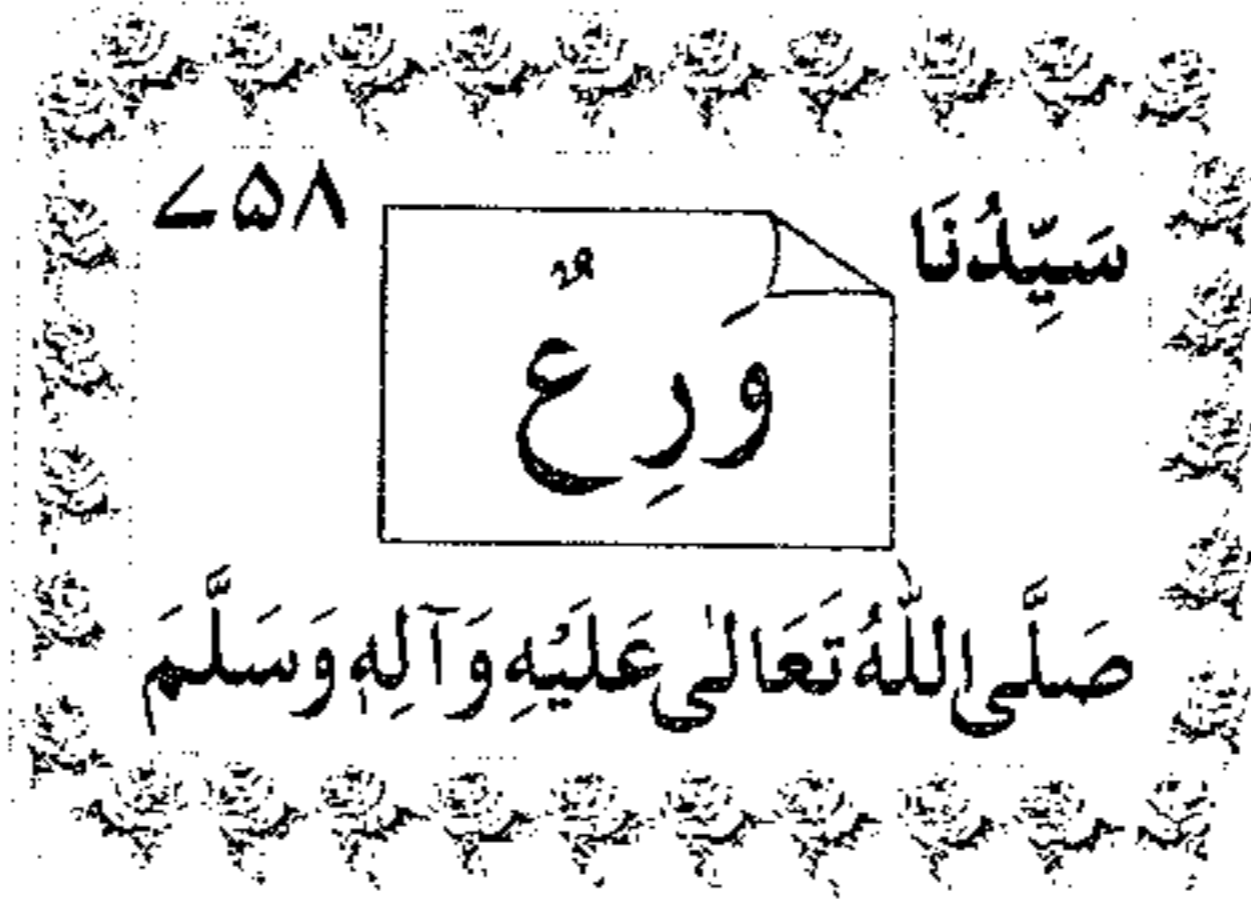
یہ اسم مبارک راء کے نیچے زیر کے ساتھ ہے۔اس کا معنی ہے ’’متقی‘‘۔

وَرَعٌ سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔جس کا معنی ہے ’’شبہات سے بچنا‘‘۔

ماضی وَرِعَ مضارع یَرِعُ ہے دونوں میں راء کے نیچے زیر ہے۔

مصدر: وَرَعًا اور وَرَاعَۃً ہے صفت مشبہ وَرِعٌ ہے جس کا معنی ہے ’’صاحبِ تقویٰ‘‘۔

امام ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔وَرَعٌ کا معنی ہے:۔

’’شبہات سے نکل جانا اور ہر لحظہ نفس کا محاسبہ کرتے رہنا‘‘۔

اس کا مزید بیان وَرَعِ نبوی کے باب میں آئے گا۔
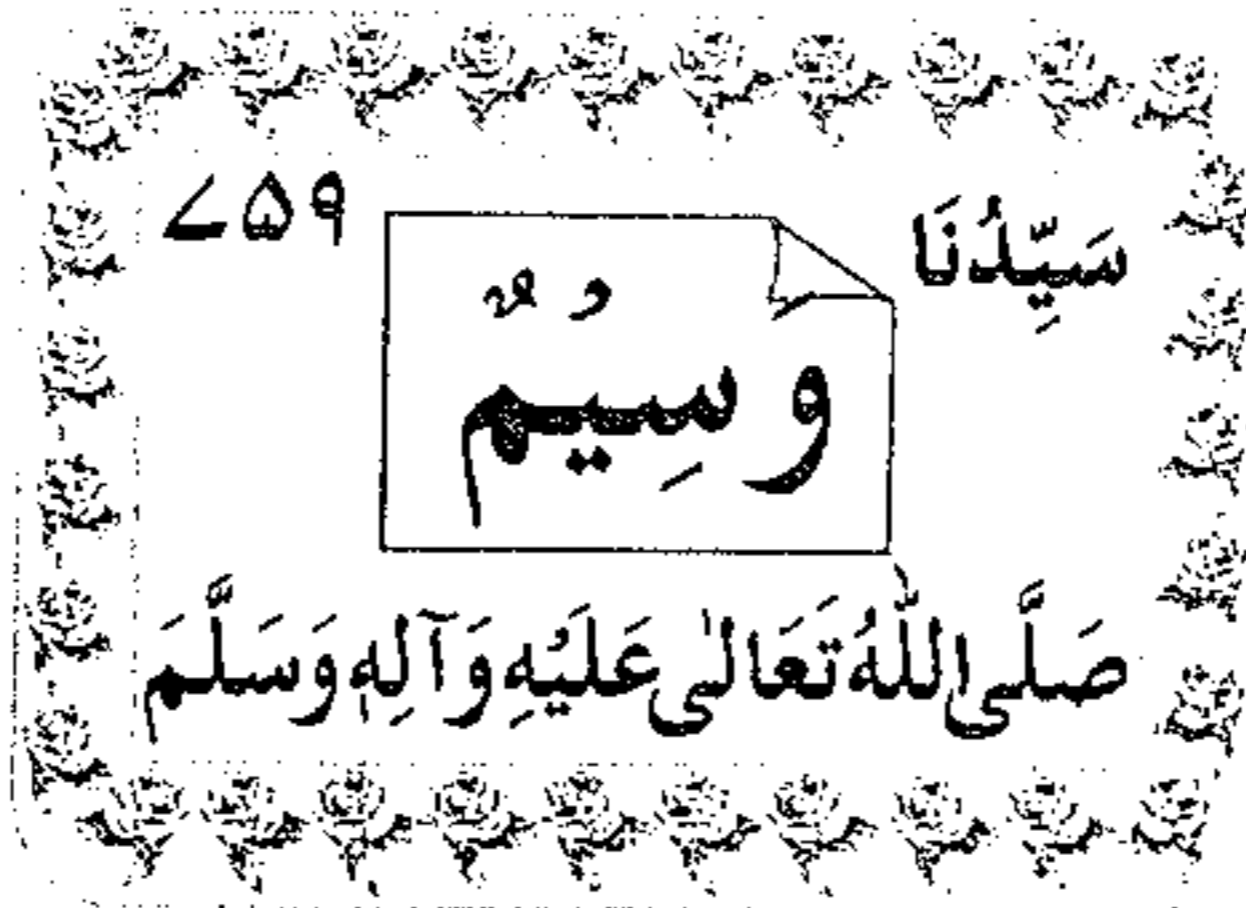
یہ اسم گرامی سین اور یاء کے ساتھ اَمِیْرٌ کے وزن پر ہے۔

جس کا معنی ہے:۔

’’حسین چہرے والا،خوبصورت‘‘۔

وَسِیْلَۃ وہ شے ہوتی ہے جس کی وساطت سے کسی صاحبِ قدر ومنزلت تک رسائی حاصل کی جائے۔
حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کے لئے ان کے پروردگار تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

اسے علامہ عبدالباسط بُلْقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے۔
اس کا معنی ہے ''خلیفہ یعنی کسی کے بعد معاملہ کی نگرانی کرنے والا''۔
نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوش خبری دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی اطلاع دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی لوگوں کو رغبت دلائی، کے بعد تبلیغ ورسالت کے معاملہ کے منتظم بنے۔
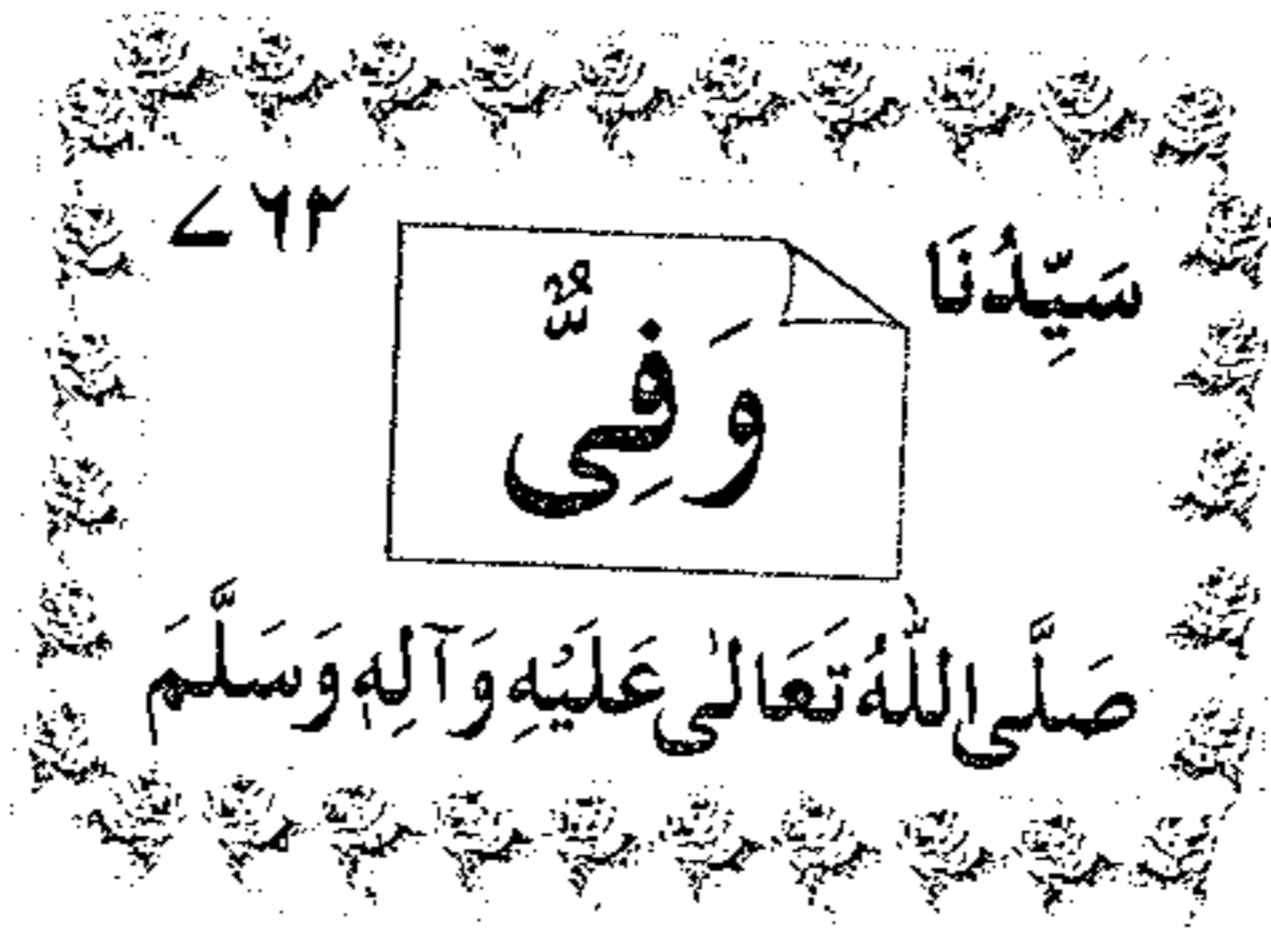
اسے علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے "کامل اخلاق اور مکمل صورت والی ذات" وَفَاءٌ مصدر سے فَعِیلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وعدوں کو سب سے بڑھ کر ایفاء فرمانے والے اور اپنی ذمہ داریوں کو سب سے بڑھ کر پورا کرنے والے تھے۔

اسم مبارک "اَبَرُّ" میں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول گزر چکا ہے۔ نیز ہِرَقل والی حدیث میں اس کا ابوسفیان سے یہ سوال بھی پہلے بیان ہو چکا کہ:۔

کیا وہ دھوکا کرتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں بھی شامل ہے۔
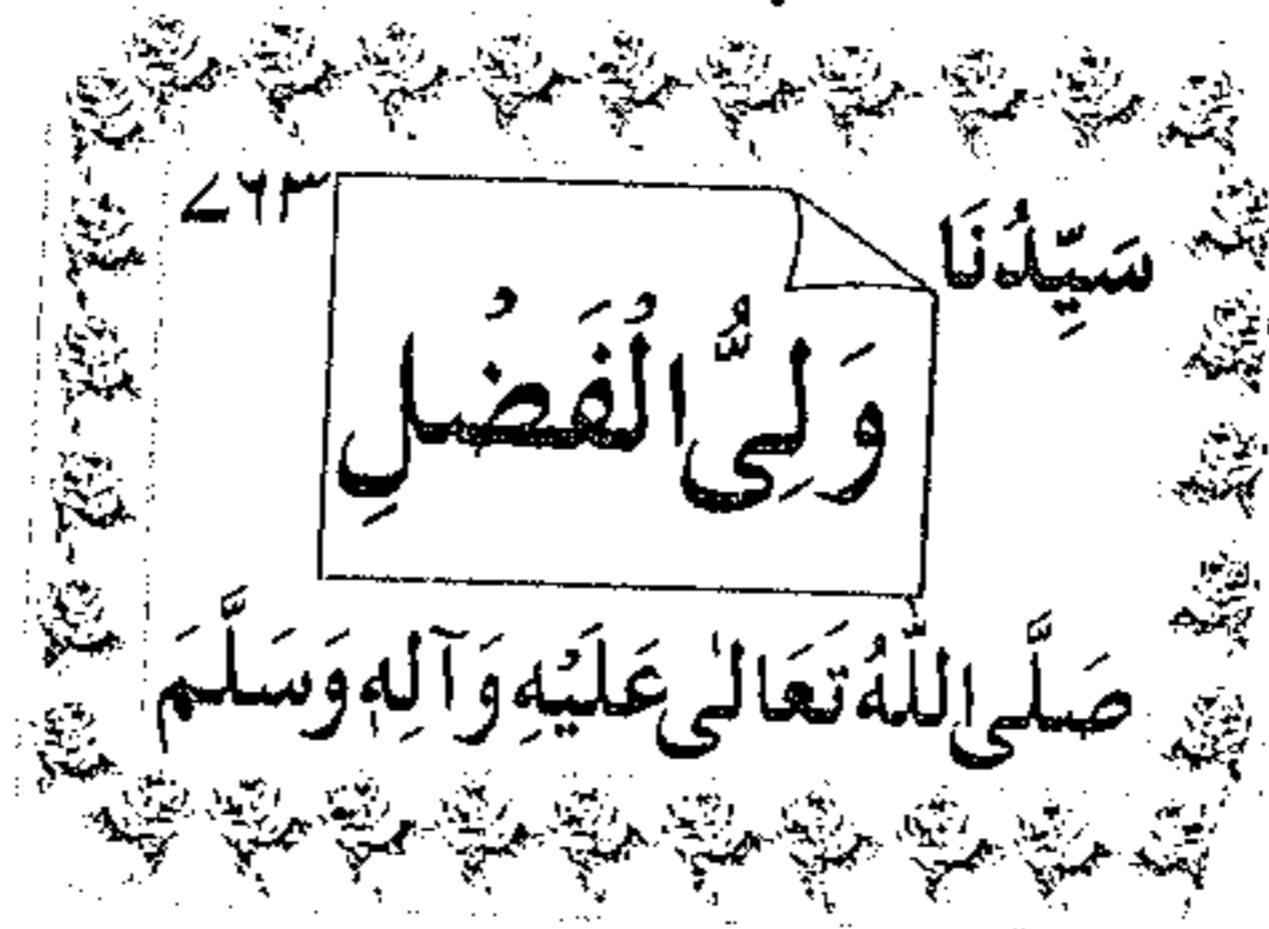
اسے امام عبدالباسط بُلْقینی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اس کا معنی ہے "فضل واحسان کرنے والی ہستی"۔
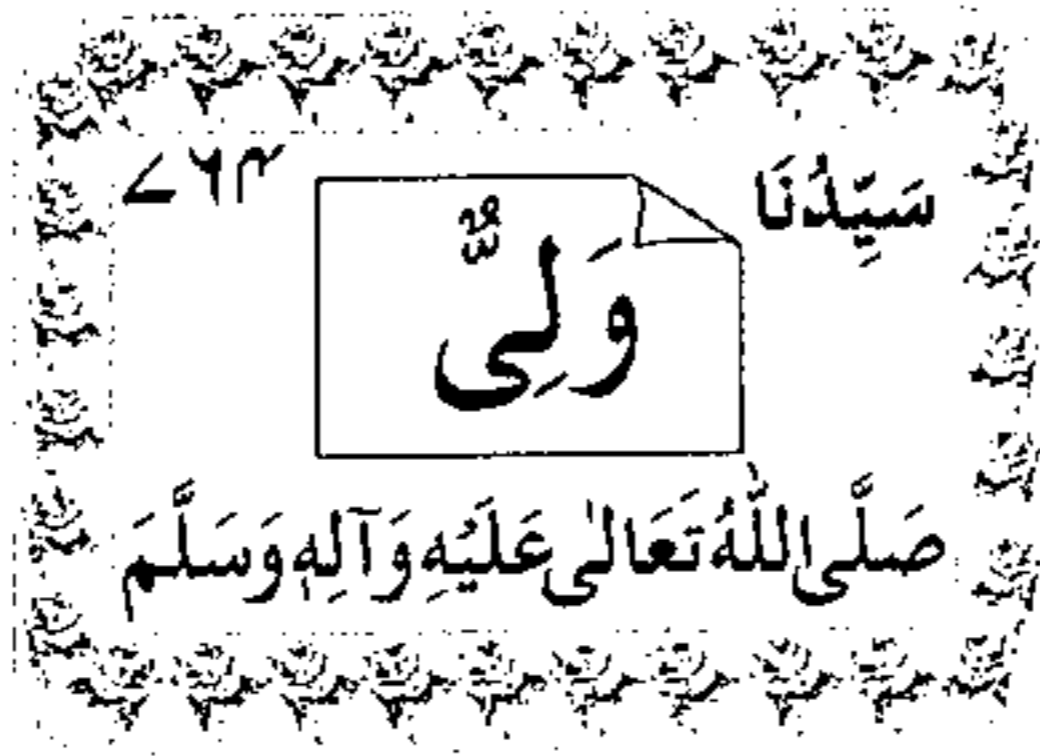
اس کا معنی ہے ''مددگار یا والی'' یا ''امت کی مصلحتوں کا متولی اور ان کا انتظام فرمانے والا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ. المائدۃ، آیت/۵۵.

ترجمہ: تمہارا ولی صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہے۔

یا اس کا معنی ہے ''اللہ سے محبت کرنے والا'' یا ''ولایت سے متصف ہستی''۔

ولایت کا معنی ہے ''حقائق کو کھول دینا، تعلقات کو قطع کر لینا اور مخلوق کے باطن میں تصرف کرنا''۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ وَلِیٌّ کے دو معنی ہوتے ہیں:۔

﴿۱﴾ یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہے ''وہ شخص جس کے تمام معاملات کا متولی خود اللہ تعالیٰ بن جائے اور اسے لحظہ کے لئے بھی اس کے نفس کے سپرد نہ کرے''۔

﴿۲﴾ یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہے ''وہ ہستی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کا معاملہ سنبھال لے مسلسل اسی پر گامزن رہے اور اس اطاعت میں کوئی گناہ خلل انداز نہ ہونے پائے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَھُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ. الشوریٰ، آیت/۲۸.

ترجمہ: اور وہ ولی اور تعریف کیا ہوا ہے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ مجدہ ہے:۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ البقرۃ، آیت/۲۵۷.

ترجمہ: اللہ اہل ایمان کا ولی ہے۔
یعنی ان کی مصلحتوں، کفایت، اعانت اور مدد کے معاملوں کا والی ہے۔
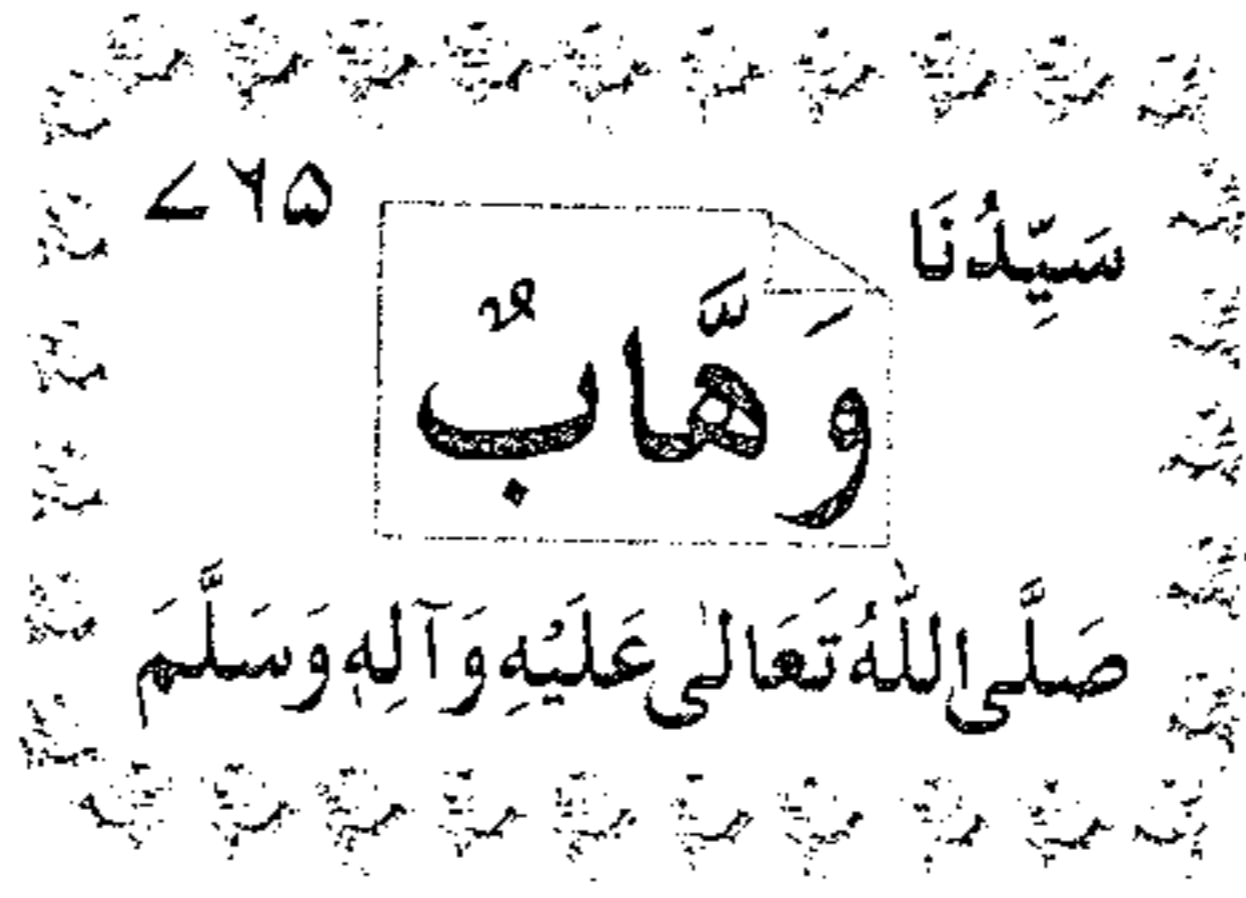
یہ هِبَۃٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔اور هِبَۃٌ کا معنی ہے:۔

''عوض لئے بغیر مال کو خرچ کرنا''۔

اس کی ماضی کا صیغہ:۔وَهَبَ مضارع کا صیغہ:۔یَهِبُ، مصدر هِبَۃٌ اور مَوْهِبًا ہے۔

اس کا مزید بیان جودوکرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں آئے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں شامل ہے۔

اس صورت میں اس کا معنی ہے:۔

''وہ ذات جو استحقاق کے مطابق عطاء فرماتی ہے اور کثرت کے ساتھ خرچ کرنے سے اس کے خزانہ میں کمی واقع نہیں ہوتی''۔وَاللہ تعالیٰ اعلم

حرف☆☆☆یاء
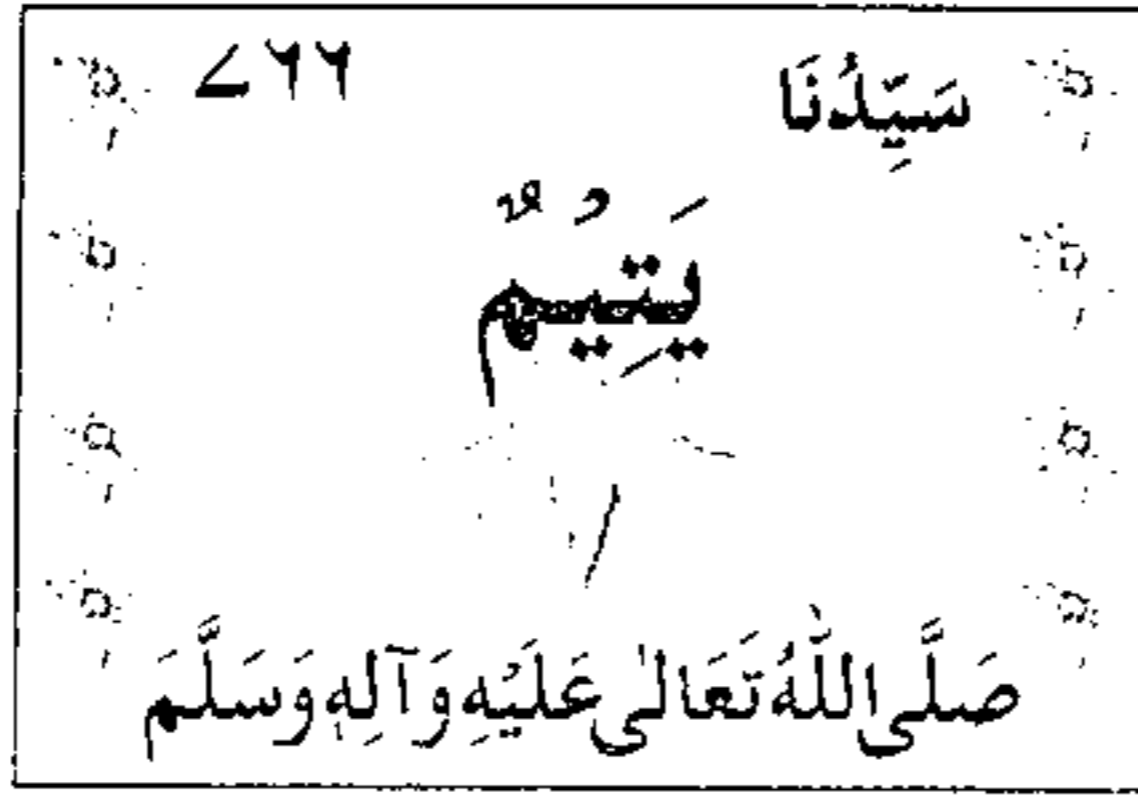
یُتْمٌ مصدر سے اسمِ مفعول کے معنوں میں ہے۔

اس کا معنی ہے'' بچے کا بلوغ سے پہلے اپنے باپ کی وفات کے باعث اس سے جدا ہو جانا۔

اور باقی حیوانات میں ''ماں سے منقطع ہو جانے کو'' یُتْمٌ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہر اکیلی شے یتیم کہلاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ''دُرَّۃٌ یَتِیمَۃٌ'' یکتا موتی۔

اس صورت میں یہ لفظ اس امر کی تنبیہ کے لئے آتا ہے کہ اس کا مادہ منقطع ہو چکا ہے جس سے یہ نکلا تھا۔

بعض علماء نے آیت مبارکہ ''اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا'' کے معنوں میں بھی یہی بیان فرمایا ہے۔

اس صورت میں آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے:۔

کیا اس نے آپ کو قریش کے قبیلہ میں بے مثل اور یکتا نہیں پایا؟۔
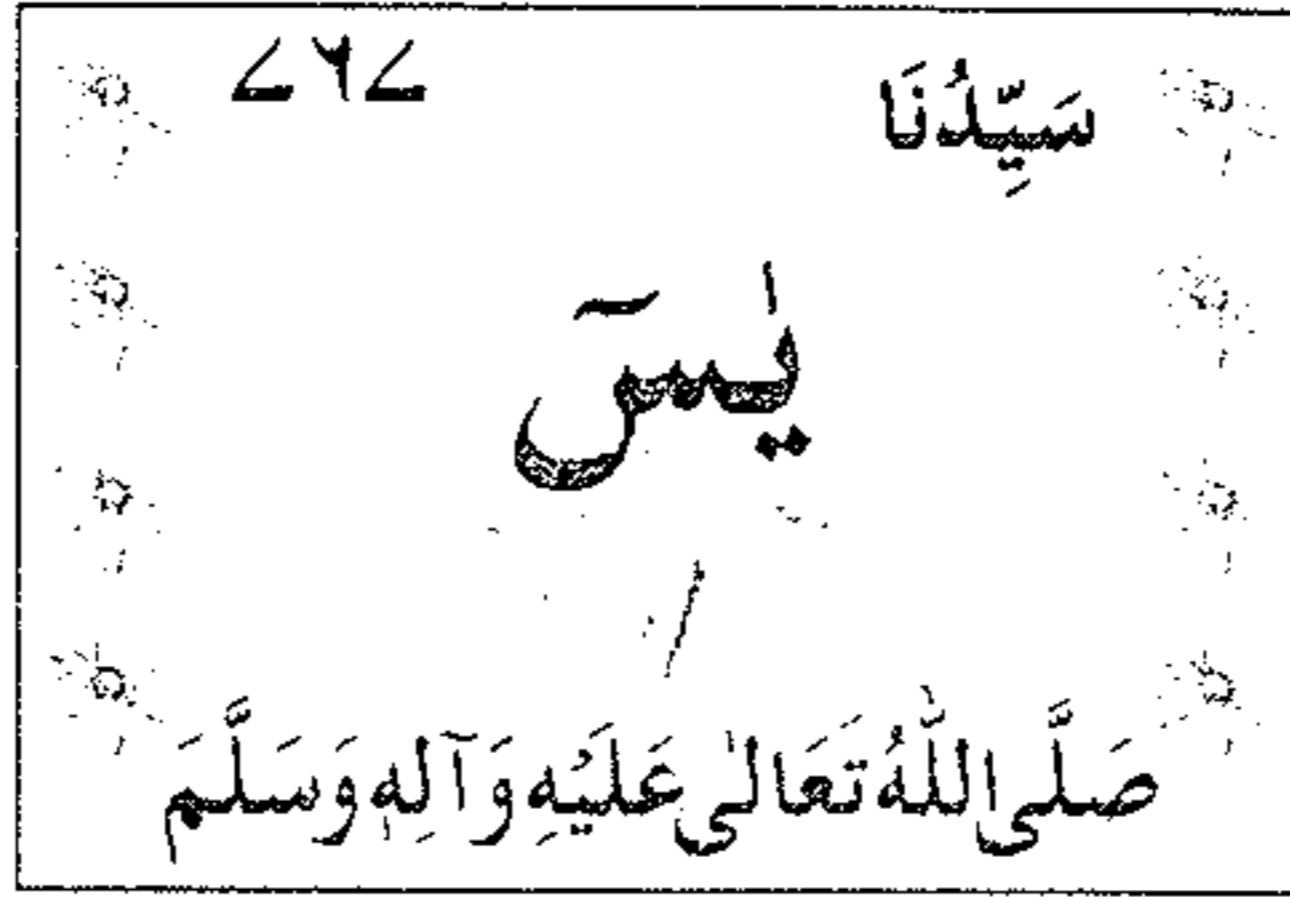
علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں شمار کیا ہے۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام مَرْدَوَیْہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اس میں بھی یہ اسم مبارک واقع ہے۔اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت کیا ہے۔

امام سُھَیْلِیْ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

اگر یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ:۔

یا یٰسُ! یعنی پیش کے ساتھ فرماتا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

یُوْسُفُ اَیُّھا الصِّدِّیْقُ.

ترجمہ: اے یوسف! اے بہت سچے۔

ان کے شاگرد علامہ ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا لازم نہیں آتا کیوں کہ کلبی نے اس کی قراءت پیش کے ساتھ کی ہے۔یعنی حرف ندا کو محذوف مان کر۔
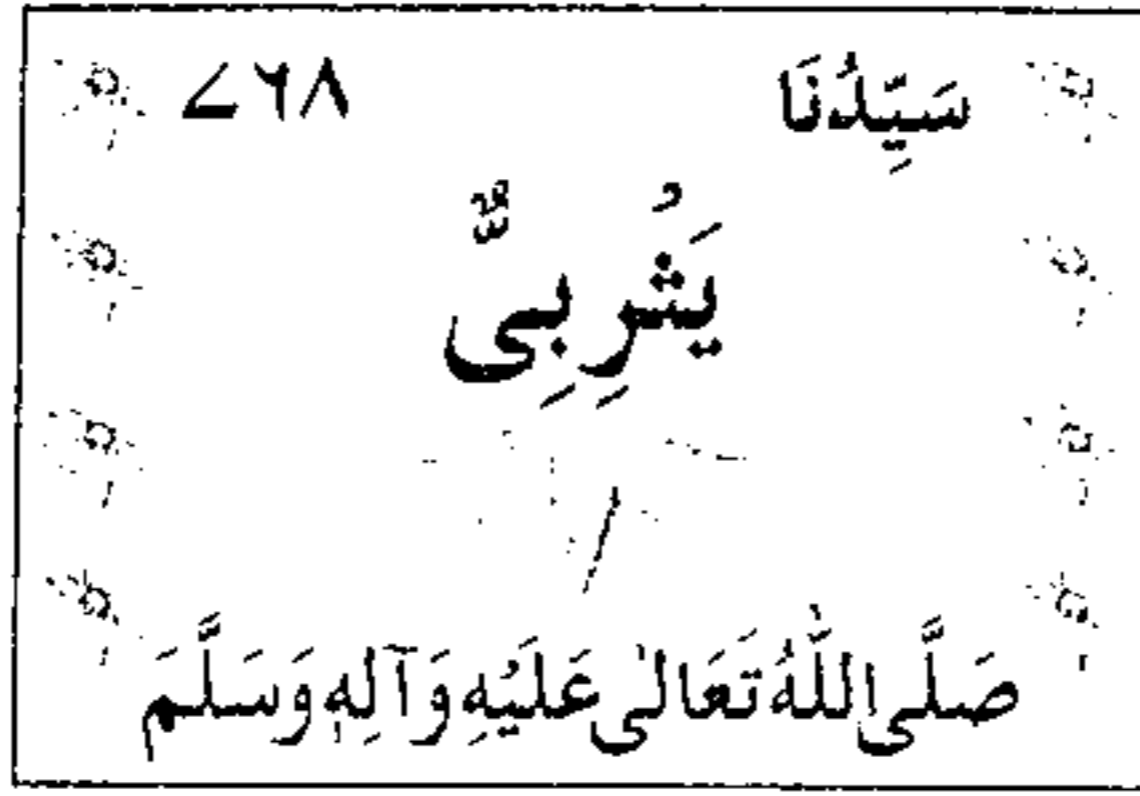
یہ یَثْرِب کی جانب منسوب اسم ہے اور یَثْرِب دورِ جاہلیت میں مدینہ منورہ کے اسماء میں سے ایک اسم تھا۔
اب اسے اس نام سے پکارنے کی نہی وارد ہو چکی ہے جیسا کہ مدینہ منورہ کے فضائل کے باب میں اس کے اسماء کی وصل میں آئے گا۔

تنبیه ماقبل تفصیلات سے یہ امر معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سے اپنے اسمائے حسنیٰ سے موسوم فرمایا ہے۔
خصائص کے بیان میں ان اسماء کو لکھا جائے گا۔
اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی، وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.

وصل چہارم
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیتیں

امام ابو السعادات مجد الدین مبارک بن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اَلْمُرَصَّع" میں فرمایا:۔

لفظ کُنیت، کِنَایَةٌ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے:۔

"کسی لفظ کو بول کر اس کے حقیقی معنی کے علاوہ دوسرا معنی مراد لینا".

عربی میں کہا جاتا ہے:۔ کَنَيْتُ بِكَذَا يا كَنَيْتُ عَنْ كَذَا ياكَنَوْتُ بِكَذَا يا كَنَوْتُ عَنْ كَذَا.

(میں نے یہ لفظ بول کر یوں مراد لی) اس کا مصدر کِنْيَةٌ یا کُنْيَةٌ ہے اس کی جمع کُنٰی آتی ہے۔

نیز عربی محاورہ ہے:۔

اِكْتَنٰى فُلَانٌ بِاَبِىْ فُلَانٍ. (فلاں نے ابوفلاں کنیت اختیار کر لی)

فُلَانٌ يُكْنٰى بِاَبِى الْحَسَنِ۔

فلاں کو ابوالحسن کنیت دی گئی۔

كَنَيْتُهُ اَبَازَيْدٍ يا كَنَيْتُهُ بِاَبِىْ زَيْدٍ.

میں نے فلاں کی ابوزید کنیت رکھی۔

اس میں "كَنَيْتُهُ" تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تخفیف کے ساتھ اس کا استعمال زیادہ ہے۔

فُلَانٌ كَنِىُّ فُلَانٍ.

یعنی فلاں فلاں کا ہم کنیت ہے۔

جیسے کہ کہا جاتا ہے: فُلَانٌ سَمِىُّ فُلَانٍ یعنی فلاں فلاں کا ہم نام ہے یعنی دونوں شخص کنیت یا نام میں مشترک ہیں۔

کنیت صاحب کنیت کے احترام اور تعظیم کے لئے استعمال ہوتی ہے، تا کہ خطاب میں اس کے نام کی تصریح نہ ہو۔

کسی شاعر نے کہا ہے:۔

اَكْنِيهِ حِينَ اُنَادِيهِ لِأُكْرِمَهُ وَلَا اُلَقِّبُهُ وَالسَّوْأَةُ اللَّقَبُ

ترجمہ: جب میں اسے احترام کے ساتھ پکارتا ہوں تو اس کی کنیت سے پکارتا ہوں۔ میں اس کا لقب ذکر نہیں کرتا۔ لقب سے بلانا میں بے حیائی سمجھتا ہوں۔

یہ حالت دوسرے جانداروں کے علاوہ انسان کے ساتھ مختص ہے۔ اور اصل یہی ہے۔

مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ عربوں میں کنیت کے رواج کا باعث یہ ہوا کہ ان میں سے پہلے زمانے کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا۔ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس میں نجابت کے آثار ظاہر تھے، بادشاہ اس سے شدید محبت کرنے لگا، جب وہ پلا بڑھا، اس لائق ہوا کہ اسے بادشاہی آداب سکھائے جائیں تو اسے یہ بات پسند آئی کہ اس کے لئے آبادی سے باہر ایک الگ تھلگ جگہ ہو جس میں وہ مقیم رہے تاکہ اپنے ادب سکھانے والے کے عادات و خصائل کو اپنائے اور ان لوگوں کے ساتھ نہ رہے جو اس کا وقت ضائع کریں، اس نے صحراء میں اس کے لئے ایک مکان تعمیر کرایا اور اسے وہاں منتقل کر دیا، اور قسم قسم کے علمی اور شاہی آداب سکھانے کے لئے اساتذہ مقرر کر دیئے، اور دنیاوی امور میں سے جس چیز کی ضرورت تھی اس کا انتظام کر دیا، زاں بعد اس کے چچا اور دیگر امراء سے اس کے ہم عمر اور ہم سر بچے اس کے ساتھ کر دیئے تاکہ وہ اس سے انس رکھیں اور اسی طرح کے آداب سکھیں، تاکہ ادب آموزی میں اپنی موافقت کے باعث ادب کو اس کی نگاہوں میں پسندیدہ بنا دیں، بادشاہ ہر سال کے اختتام پر اپنے بیٹے کے پاس جاتا اور اس کے درباریوں میں جس کے بیٹے اس کے ساتھ تھے وہ بھی اپنی اولاد کو دیکھنے کے لئے اس کے ہمراہ ہوتے، جب وہ وہاں پہنچتے تو شہزادہ بادشاہ کے ہمراہ آنے والے اُمراء کے بارے میں پوچھتا تاکہ ان سے پہچان ہو جائے، تو اسے بتایا جاتا کہ یہ فلاں کا باپ ہے۔ یہ فلاں لڑکے کا باپ ہے۔ بتانے والوں کی مراد ان بچوں کے باپ ہوتے جو اس کے ساتھ رہتے تھے۔ تعارف کرانے والا ان کا تعارف ان کے بیٹوں کے حوالہ سے کراتا۔ پھر اسی کی بدولت عربوں میں کنیت کا رواج عام ہو گیا۔

اس تفصیل کے بعد امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کُنْیَتوں کے بارے میں کچھ فوائد تحریر فرمائے ہیں یہ کتاب ان کے بیان کا محل نہیں میں نے ان فوائد کو مزید اضافوں کے ساتھ اپنی کتاب "سَفِيْنَةُ السَّلَامَةِ" میں لکھ دیا ہے۔

ان تمہیدی کلمات کو جاننے کے بعد واضح ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد درج ذیل کُنیتیں ہیں:۔

یہ سب سے مشہور کنیت ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اَنَس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع میں جا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو "اے اَبُو الْقَاسِمِ!" کہتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک اس کی طرف موڑا تو وہ عرض کرنے لگا:۔ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وآلک وسلم اس کنیت کے ذکر سے میری مراد آپ نہ تھے بلکہ میں نے تو فلاں آدمی کو بلایا ہے۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

تَسَمُّوا بِاسْمِیْ وَلَاتَکَنُّوْا بِکُنْیَتِیْ فَاِنِیْ جُعِلْتُ قَاسِمًا اَقْسَمُ بَیْنَکُمْ.[1]

ترجمہ: میرے نام پر نام رکھ لیا کرو میری کنیت نہ اپناؤ کیوں کہ مجھے قاسم بنایا گیا ہے میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

اس حدیثِ پاک کے ظاہر الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت کی یہی وجہ (تقسیم کرنے کا وصف) تھا۔ حضرت وزیر ابوالحسن سلام بن عبداللہ باہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب:۔

"اَلذَّخَائِر وَالْاَعْلَاق فِیْ آدَابِ النُّفُوْسِ وَمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ" میں لکھا:۔

اور امام عَزَفِی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یوں ہی فرمایا ہے۔

اس کنیت کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزِ قیامت جنت، اہلِ جنت کے درمیان تقسیم کریں گے۔

---

[1] (۱) الصحیح البخاری ۱/۶۴ ۲ کتاب العلم ۱۱۰. (۲) الصحیح مسلم ۳/۱۶۸۲ کتاب الآداب: ۱۔۲۱۳۱.

حضرت امام شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جمہور علمائے سیرت نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کنیت اپنے لخت جگر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے باعث تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اطہار میں سب سے پہلے آپ ہی کی ولادت ہوئی اور سب سے پہلے آپ ہی کا وصال ہوا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے ابوالقاسم کنیت اختیار کرنے کے بارے میں کلام خصائص نبویہ کے باب میں آئے گی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی قریب تھا کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر میں اس بارہ میں کوئی خیال آتا حتیٰ کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَااَبَااِبْرَاھِیْمَ۔

(اے ابوابراہیم! آپ پر سلام ہو)۔
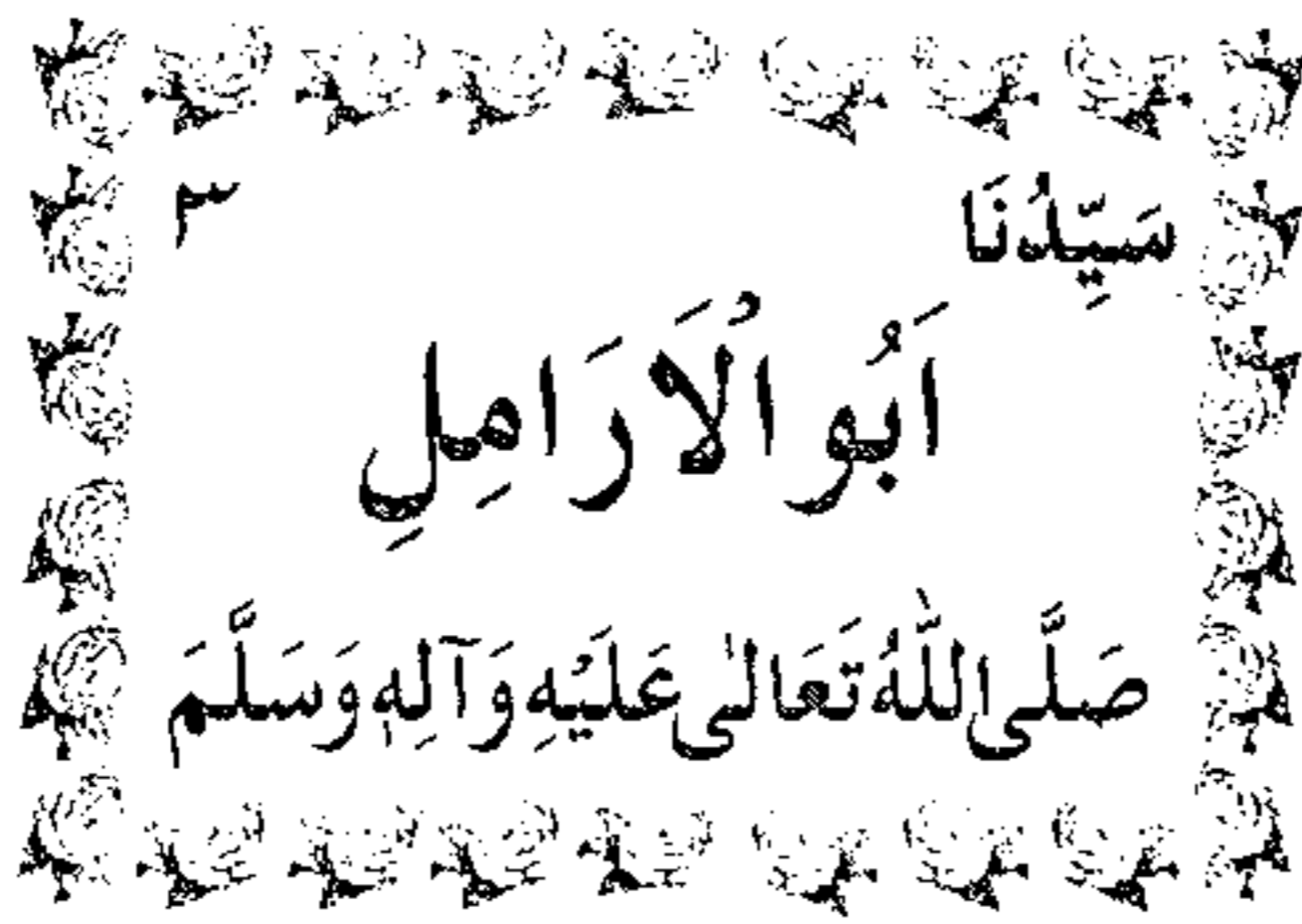
اس کنیت کو امام ابن دِحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اسے صاحب "الذخائر و الأعلاق" نے بیان کیا ہے۔

سَیِّدُنَا ۴

اَبُو الْمُؤْمِنِیْنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہَاتُہُمْ . الأحزاب، آیت/٦.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔اور آپ کی ازواج ان کی مائیں ہیں.

حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ الفاظ بھی ہیں:۔

وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ.

ترجمہ: اور وہ ان کے باپ ہیں۔

یعنی شفقت، کرم اور مہربانی فرمانے میں ان کے باپوں کی مانند ہیں۔

وَاللّٰہ تعالیٰ اعلم.

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ حَمْدً اكَثِيْرًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمَحْبُوْبِيْنَ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ .رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰی وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

منگل وار ۱۱رستمبر ۲۰۰۲ء

۲۷......۱۱......دن

آغازِ ترجمہ

۵ر رجب ۱۴۲۱ھ ۴راکتوبر ۲۰۰۰ء

تقریباً ۴۵ ......۳...... بعدظہر

نظر ثانی

۲۲/۹/۲۰۰۱ تا ۲۵/۱۱/۲۰۰۱

پروف ریڈنگ ختم

۲۰۰۸/۶/۲ر بروز بدھ

رات ۲ربج کر ۵۵ منٹ

مدینہ منورہ